إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ

ریخ مسلمانانِ عالم

جلد دوم

تاریخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم



از

مولانا قاری احمد

:- قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

باہتمام

محمد سعید اینڈ سنز

ناشر ——— قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی
طابع ——— عارف سعید
مطبع ——— مطبع سعیدی کراچی

۵۸۶ء

ظہورِ قدسی

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

وہ اللہ ایسا ہے جس نے بے پڑھے لکھے لوگوں میں انہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جو انکو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو گناہوں سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و دانشمندی سکھاتا ہے اگرچہ یہ لوگ پہلے سے گمراہی میں تھے۔

(سورہ جمعہ پ ۲۸)

کلماتِ قاری!

انسانی زندگی کے عروج و زوال کا تاریخ و سیرت سے جو گہرا ربط و تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں، دیکھنے میں یہ دونوں چیزیں اگرچہ ایک دوسرے سے الگ نظر آتی ہیں مگر یہ علیحدگی اتنی ہی وابستہ و پیوستہ ہے جتنی روشنی آفتاب کے ساتھ اور روح جسم کے ساتھ!

تاریخ سے اگر واقعات کا علم ہوتا ہے تو سیرت سے بگڑی ہوئی زندگی سنورتی اور تنِ مردہ میں جان آتی ہے اور یہ کہنے کی بات نہیں کہ علم کے بعد ہی عمل وجود میں آتا ہے اہل نظر اس حقیقت کو ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ قوموں کی ترقی بقاء اور عظمت کے لئے کردار کی ضرورت ہے اور کردار تاریخ و سیرت کے بغیر نہیں بنتا میرے خیال میں تاریخ و سیرت کی صحیح تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ ماضی تاریخی شکل میں سامنے آتی جائے اور انسان اخلاق و اعمال کے حسین سانچوں میں ڈھلتا جائے

ع گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں۔

زیر نظر کتاب جسے میں نے "تاریخ مصطفےٰ" کے نام سے موسوم کیا ہے انہی حقیقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتب کی گئی ہے۔

دنیا کی پچھلی اور طویل ترین تاریخ میں جس قدر ہادی، رہنما اور مصلح و پیغمبر تشریف لائے سب کی غرض ایک ہی رہی ہے کہ انسانی زندگی میں شعور پیدا کیا جائے، خیر کی قوتوں کو بیدار کیا جائے اور ان کی توجہ کو برائیوں سے ہٹا کر

بھلائیوں کی طرف موڑ دیا جائے اور ان میں وہ تمام اوصاف پیدا کر دیئے جائیں جن کی موجودگی ایک انسان کو قربِ حق سے سرفراز کرتی ہے اور پھر اسکی زندگی انسانی برادری کے لئے نمونۂ کامل قرار پاتی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مقصدِ عظیم کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا۔

ہادیٔ کل اور شاہِ رسل تشریف لائے اور کچھ اس شان سے آئے کہ قلیل سی مدت میں دلوں کی بساط اُلٹ دی، صدیوں کے بوسیدہ اور خودساختہ نظاموں کو بدل کر رکھ دیا، صفت انسانوں میں خدا پرستی اور انسان دوستی کے وہ جوہر پیدا کر دیئے کہ خونخوار بستیاں اخوت و محبت کا گہوارہ بن گئیں۔

انسانی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے تمام گروہ چاہے وہ کسی بھی مذہب اور ملت سے تعلق رکھتے ہوں اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ نیکی و بھلائی کی اشاعت اور بدی و برائی کا انسداد صرف مکہ کے دُرِّ یتیم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

تاریخ مصطفےٰ اس ہادیٔ اعظم کی حیاتِ طیبہ کا وہ نقشِ کامل ہے جسے صدیاں گزرنے کے بعد نہ دنیا مٹا سکی اور نہ بھلا سکی۔ درحقیقت اسوۂ رسول وہ قیمتی فشان راہ ہے جس کی حفاظت و تقلید سے دنیاوی زندگی کی راہیں متعین ہوتی ہیں، بنتی و سنورتی ہیں اور آخرت کی منزلوں میں نہ ٹوٹنے والا سہارا حاصل ہوتا ہے۔

میں نے اس پاکیزہ مجموعہ کی تالیف و ترتیب کے دوران گہرے مطالعہ

اور خاص احتیاط سے کام لیا ہے قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر کے مستند ماخوذ سامنے رکھتے ہوئے جدید ترتیب اور دل نشین اسلوب اختیار کرنے کی کوشش کی ہے نیز واقعات کو حوالوں کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

بلاشبہ سیرت مصطفےٰ کو احاطہ تحریر میں لانا مجھ جیسے ناچیز و کمترین انسان کا کام نہیں تھا مگر اُس مالکِ حقیقی کی بندہ پروری کا شکریہ نہیں ادا ہو سکتا کہ اس نے اپنے محبوب رسولؐ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ کے صدقہ میں علمی کوتاہیوں سے بھرپور انسان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی ورنہ

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل ۔ نسیمِ صبح تیری مہربانی

پیامِ حق کے مدیرِ اعلیٰ خواجہ عبدالوحید صاحب اور حضرت شاہ آنا میاں صاحب نبیرہ حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کا میں ممنون ہوں کہ ہر دو حضرات نے اس تالیف کے دوران اپنے مفید مشورے بھی دیئے اور قلمی اعانتیں بھی فرمائیں

جو ہو قبول تو قسمت چمک اٹھے میری

کمترین

قاری احمد

فہرست مضامین تاریخ مصطفےٰ

تاریخ مصطفیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ

ذات واجب الوجود

وہ ذات لطیف و خبیر ہے جس کا اسم ذات اللہ ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گی، جو خلاق عالم ہے اور یہ کائنات جس کی تخلیق کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے، اس نے سب کو بنایا مگر اسے کسی نے نہیں بنایا۔ اس نے سب کو سب کچھ دیا مگر اسے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ وہ کائنات کے ہر ذرہ کی پرورش فرماتا ہے مگر اس کی بقاء و استحکام میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ اللہ وہ اسم ذات و اسم اعظم ہے کہ اگر اس میں کیسے ہی تغیر کیے جائیں جب بھی اس کی ذات معدوم نہیں ہوتی۔ مثلاً اللہ کے الف کو اگر شروع سے ہٹا دیا جائے تو للّٰہ رہ جاتا ہے۔ وللّٰہ خزائن السموات والارض۔ اور اگر لام کو حذف کر دیں تو لَہٗ رہ جاتا ہے لہ الملک ولہ الحمد اور اگر دوسرا لام بھی ہٹا دیں تو ہُوْ رہ جاتا ہے جو غائب کی ضمیر ہے اور جس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کلمہ سے متصل نہ ہو تو پھر واو کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں جیسے ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ - وہ زندہ ہے اور قائم ہے"۔

درحقیقت الف اشارہ ہے انفراد کی طرف جس کا مطلب ہے اَنَا رَبٌّ مُنفَرِدٌ عَنِ الْخَلْقِ "میں رب ہوں اکیلا خلق سے جُدا"۔

لام لطف پر دلالت کرتا ہے یعنی اَنَا رَبٌّ لَطِيفٌ "میں رب ہوں لطف وکرم والا" ھا اشارہ ہے ھَرَبٌ گویا ارشاد ہوتا ہے اَنْتَ تَهْرُبُ مِنْ بَابِي وَ اَنَا اُقْبِلُ لِاَنَّكَ جَافٍ وَاَنَا وَافٍ "اے میرے بندے! تو میرے دروازہ سے بھاگتا ہے اور میں تیرے آگے آتا ہوں' اس لئے کہ تو بے مروت ہے اور میں وفادار ہوں"۔

غرض اللہ وہ ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کو شامل ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں مگر اس کی ذات اپنی جملہ صفات کے ساتھ سب کے علم وادراک سے باہر ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ "آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتی ہیں"۔ اس کی ایک خفیف سی جھلک سے پہاڑ خاکستر ہوتا ہے اور بندہ بے ہوش!

اللہ کا حجاب نور ہے اگر نور کے پردوں کو ہٹادے تو حد نظر تک ہر چیز کو انوار الٰہی جلا کر خاک کردیں (مسلم، ابن ماجہ) حضرت جبریل ؑ نے رسول اکرم ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میرے اور میرے رب کے درمیان نور کے ستر پردے حائل ہیں اگر میں کسی پردہ کے بھی قریب جاؤں تو جل کر فنا ہو جاؤں، (مشکوٰۃ)

ہاں! یہ اسی رب قدیر کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ لفظ کن سے کائنات کو وجود عطا فرمادیا۔ اِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ "صرف اتنا فرمادیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے"۔

انسان

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے زیادہ شریف اور صاحب فضیلت مخلوق انسان ہے۔ ایک ذرا چشم بصیرت سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات خداوندی میں انسان کتاب قدرت کا بہت ہی روشن باب ہے جس کا وجود بے شمار رنگینیوں کا مخزن اور قدرت خداوندی کا زندہ جاوید نمونہ ہے جسکی تخلیق میں ہزارہا عجائبات و اسرار پوشیدہ اور محفوظ ہیں۔

ہاں! وہ یہی اشرف المخلوقات ہے جس کو شکل و صورت عقل و شعور اور فکر و نظر سے سرفراز فرما کر تسخیر کائنات کی قوتوں سے مالا مال کیا گیا، ہر چیز کو اسی کے لئے پیدا کیا گیا اور اسی کا مطیع و فرمانبردار بنایا گیا، گویا عالم کائنات میں انسان وہ مرکزی نقطہ ہے جہاں سے ہر دائرہ کی ابتدا ہوتی ہے اور وہی اس کی انتہا ہے۔

یہی انسان تو ہے جسے دست قدرت کا شاہکار کہا جاتا ہے اور جسے مخصوص و متضاد قوتوں کا حامل بنایا گیا ہے۔ بھلائی کو پھیلانے، قائم رکھنے، اختیار کرنے اور برائی کو روکنے کی قوت صرف انسان کو ہی ودیعت کی گئی ہے اس کی زندگی سراسر آزمائش و امتحان ہے، وہ جس قدر اس امتحان میں کامیاب ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسانی صفوں میں عظمت و امتیاز حاصل کرتا جاتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ "وہ اللہ ایسا ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہارا امتحان لے کہ کون نیک عمل کرتا ہے"

(سورۂ ملک ۱)

ضرورت انبیاء

انسان جب فطرت سلیم کے یاد کرائے ہوئے سبق کو بھول جاتا ہے، مرکز خیر سے اس کی طبیعت ہٹ کر برائی کی طرف جھکنے لگتی ہے، وہ جب یہ بھول جاتا ہے کہ یہ کائنات صرف میرے لئے پیدا کی گئی تھی، ہر چیز کو میرا مطیع و منقاد کیا گیا تھا مگر مجھے اس خالق حقیقی نے اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا تھا۔ جب اس کی نظریں خدا سے ہٹ کر کسی اور پر پڑنے لگتی ہیں، جب جبین سعادت میں سرکشی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں جب عقائد و اعمال کو نظام خداوندی سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا، جب نیکی و بھلائی کو قبول کرنے والی صلاحیتوں پر معصیت کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرماتا ہے، تاکہ وہ گم کردہ راہوں کو فطرت سلیمہ کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور یہ بہکا ہوا انسان دوبارہ منزل مقصود پر پہنچنے کے قابل ہو سکے۔

بشارت انبیاء علیہم السلام

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جس قدر انبیائے کرام مبعوث فرمائے گئے، سب نے اللہ کے بندوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا، بھلائی اور اطاعت خداوندی کی طرف بلایا صدہا قومیں صرف اسی وجہ سے برباد و ہلاک کر دی گئیں کہ وہ اپنے نبی کی دعوت کو قبول کرنے سے سرکشی کر رہی تھیں۔ ہر نبی و پیغمبر کی آخری آرزو یہی ہوا کرتی تھی کہ ہمارا رب ہمارے بعد پھر کسی برگزیدہ بندے کو بھیجے اور وہ خلق

خدا کے بگڑے ہوئے عقائد و اعمال کو درست فرماتے۔ چنانچہ یہی وہ آرزو تھی جو تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینے میں مچل رہی تھی اور جسے آپ اس طرح بارگاہ الہٰی میں پیش فرما رہے تھے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ (الی قوله) إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ اور جس وقت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں بنا رہے تھے اور ان کے ساتھ اسماعیلؑ بھی تھے تو کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرما۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو اور ہم کو حج کے قاعدے بتا اور ہم کو معاف فرما بے شک تو ہم کو معاف کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! انہی لوگوں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو برائیوں سے پاک کرے، بے شک تو ہی ہے زبردست اور حکمت والا۔ (سورۃ بقرہ)

چنانچہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، خود رسول اکرمؐ نے بھی ارشاد فرمایا کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ظہور ہوں۔ (حدیث)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو رسول اکرمؐ کی بعثت سے اس طرح آگاہ فرمایا تھا۔

اے میری قوم! اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے ہی درمیان سے اور تمہارے

ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی پیدا فرمائے گا، تم اس کی باتیں توجہ سے سننا۔" (بائبل کتاب استثناء)

محمد بن اسحٰق کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے شاہ بابل بخت نصر کے بھولے ہوئے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عرب کی سرزمین سے ایک نبی امی مبعوث فرمائے گا جو ادیان عالم پر اسی طرح غالب آجائے گا جس طرح خواب کا پتھر سطح زمین پر پھیل گیا، حق تعالیٰ اس نبی عربی کے ذریعہ کمزوروں کی مدد کرے گا اور ان کو عزت و عروج بخشے گا۔"

(البدایہ والنہایہ)

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ ملوک یمن سے حسان بن تبع کے لڑکے کو اہل یثرب نے قتل کر ڈالا، حسان کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ یثرب (مدینہ) پہنچا، شہر کو گھیر لیا اور اسے تباہ و برباد کر دینا چاہا، یثرب کے تمام قبیلے متحد ہو کر مقابلہ پر آئے۔ دوران جنگ میں دو یہودی عالم حسان کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تم یثرب کی تباہی اور اہل یثرب کے مقابلہ سے باز آؤ، تم نہ غالب آسکتے ہو اور نہ اسے برباد کر سکتے ہو کیوں کہ یہ جگہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے وہ قریش میں پیدا ہوں گے اور یہاں ہجرت کر کے آئیں گے (ابن خلدون) اس واقعہ کو ابن سعد نے بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ حسان کو جس یہودی عالم نے متنبہ کیا تھا اس کا نام سامول تھا اور اس نے کہا تھا کہ یہ شہر بنو اسمٰعیل کے ایک نبی کی ہجرت گاہ ہے وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور ان کا نام احمد ہو گا اور جہاں تم ٹھیرے ہوئے ہو اس جگہ ان کے اور مکہ والوں کے درمیان جنگ ہو گی

(جنگ بدر) چنانچہ حسان نے محاصرہ اٹھا لیا اور یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا کہ مجھے اس شہر پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی ہے (طبقات ابن سعدؒ)

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حسان پر علمائے یہود کی باتوں کا بہت اثر ہوا، وہ بت پرستی سے تائب ہو کر ان علماء کو لئے ہوئے مکہ آیا، طواف کیا کعبہ کو غلاف پہنایا، بنو جرہم کو متولی اور نگران مقرر کیا اور کعبہ کو ہر طرح پاک صاف رکھنے کا حکم دے کر یمن واپس چلا گیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تھا "میرے بعد جو آنے والا ہے وہ مجھ سے زیادہ طاقت والا ہے، میں تو اس کی جوتیاں بھی اٹھانے کے لائق نہیں ہوں" (انجیل متی)

بعثت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو قرآن کریم میں بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔

اور جبکہ عیسیٰ ابنِ مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توریت میں ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہو گا ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ (سورۃ صف)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اَنَا دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی "میں ہی وہ ہوں جس کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے دعا کی تھی اور میں ہی حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارت ہوں"۔
(شرح السنۃ)

فترتِ انبیاء

انبیائے کرام کے درمیانی زمانہ کو فترت انبیاء کہتے ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ کے درمیان جو وقفہ گزرا ہے اس کی مدت تقریباً چھ سو برس بیان کی جاتی ہے۔

علامہ ابن عساکر نے دنیا کی جو اجمالی تاریخ سپرد قلم کی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار ایک سو بیالیس برس کا فاصلہ ہوا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پانچ سو پینسٹھ برس کا وقفہ رہا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جناب داؤد علیہ السلام تک پانچ سو انہتر برس کا فاصلہ رہا، اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام سے جناب عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ہزار تین سو چھپن برس کا وقفہ رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ سو برس کا فاصلہ گذرا ہے (دروس التاریخ)

علامہ ابن عساکر کے اس بیان کو مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی اپنی کتاب سیرت خاتم الانبیاء میں درج کیا ہے، بہرحال یہ ایک اجمالی تاریخ ہے جس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس درمیان میں کوئی اور پیغمبر مبعوث نہیں ہوا، بہت سے انبیائے کرام اس دوران میں بھی آئے مگر اس تذکرہ میں مشہور اور اولوالعزم

حضرات کے نام بتائے گئے ہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ صرف ایسا زمانہ ہے جس میں کوئی نبی و رسول مبعوث نہیں کیا گیا۔ بعض مورخین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پانچ سو اکہتر سال بعد بھی بیان کیا ہے اور اس طرح تاریخ ولادت مورخین کے بیان کے مطابق ۵۷۱ء صحیح معلوم ہوتی ہے۔ (سیرت مغلطائی)

ماحول وعقائد

قرآن کریم کے ارشادات اور دوسرے تاریخ وتذکرے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بہت جلد لوگوں نے بھلا دیا تھا۔ مذہبی اصولوں سے اس حد تک بے اعتنائی اور زیادتی برتی گئی تھی کہ انجیل کی عبارتوں کو بھی بدل ڈالا گیا تھا۔ عیسائیت اور دوسرے مذاہب جو انبیاء سے منسوب کئے جاتے تھے صرف برائے نام باقی تھے، زندگی خود ساختہ اصولوں پر چل رہی تھی، کسی نبی کی تعلیم کو زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ عام طور پر عقائد واعمال بگڑ چکے تھے، بنی نوع انسان ہر طرف ذہنی، اخلاقی اور روحانی طور پر موت کا شکار ہو رہے تھے، دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں اخلاق واعمال نے بدترین شکل نہ اختیار کر لی ہو، مسئلہ توحید میں اس درجہ اختلافات پیدا ہو چکے تھے کہ خدا کی ہستی کا تو کوئی تصور ہی باقی نہیں رہا تھا۔ یہود جو ایک خدا کے قائل تھے وہ بھی اللہ کی ذات سے ایسی صفات وابستہ کئے ہوئے تھے کہ اللہ کی مقدس ومتبرک ذات معدوم ہو کر رہ گئی تھی

عیسائیوں نے تین خدا بنا رکھے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ شوہر، مریم بیوی اور عیسٰی بیٹے ہیں۔ مجوس جن کو آتش پرست کہا جاتا ہے وہ نیکی اور بدی کے دو الگ الگ خدا تسلیم کرتے تھے۔ ایک کو یزدان اور دوسرے کو اہرمن کہتے تھے۔ کچھ ایسے بھی فرقے تھے جو ہر دن کا ایک علیحدہ خدا مانتے تھے، ایسے بھی تھے کہ جو اللہ کے قائل ہی نہ تھے۔ ایران میں مزدکی اور ہندوستان میں ویدکی کی تعلیمات کا دور دورہ تھا۔ مزدکی تعلیمات نے ہر قسم کی بداعمالیوں کو اختیار کرنے کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ ایک عورت کو ایک ہی وقت میں کئی کئی شوہروں کے رکھنے کی رسم بد اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس نے عام تعلقات نہ قائم رکھے ہوں۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا، بدشکل لڑکوں کو زمین پر پھینک کر تلف کر دینا ان کا بنیادی عقیدہ بن چکا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کی حالت کو سمجھنے کے لئے مشہور مورخ کی ان تصریحات کو پڑھنا چاہیئے جو وہ لائف آف محمدؐ میں بیان کرتا ہے۔ اس مسیحی مورخ کا نام سر ولیم میور تھا جو کسی زمانہ میں ہندوستان کے صوبہ یوپی کا گورنر بھی رہ چکا ہے، اس کا بیان ہے کہ۔

"وہ مسیحیت جو ساتویں صدی عیسوی میں رائج تھی اس کو فرقہ بندی اور بدعات نے پارہ پارہ کر دیا تھا، وہ اخلاقی لحاظ سے سخت انتہائی پست اور کمزور تھی، یسوع کا مذہب بت پرستی کی شکل اختیار کر چکا تھا، اہل صلیب مردوں کی روحوں، ان کے آثار اور مجسموں کی پرستش کر رہے تھے، مسیحی مرد اور عورتیں اتوار کے

دن کینتھو ایک پادری کے پاس تنہائی میں جا کر جب اپنے گناہوں کا اقرار کرتی تھیں تو جس قدر گناہ معاف ہوتے تھے اس سے کہیں زیادہ گناہوں کا ارتکاب ہو جاتا تھا، الہامی مذاہب مغلوب ہو چکے تھے، گویا محمدؐ کے زمانہ میں تمام ایشیائی اور یورپی اقوام بُت پرستی کے ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ زمین کے وہ غیر معلوم حصے جو اب معلوم ہو سکے ہیں اس بت پرستی میں گرفتار تھے حتیٰ کہ یہودی بھی اس مرض میں مبتلا تھے، انھوں نے بھی بے شمار مشرکانہ رسمیں اختیار کر لی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہود و نصاریٰ کی طرح بدھ مت اور دوسرے مذاہب کے پیرو اعتقادی اور اخلاقی اعتبار سے اپنے مذہب کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ پیروانِ مذاہب صرف نیکیوں سے دور بلکہ بدکاری کو نیکی سمجھ رہے تھے اور پورے یورپ پر جہالت کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں"۔ (لائف آف محمدؐ)

غرض روحانی اور اخلاقی نظام بگڑ چکا تھا، خدا کی ہستی کے متعلق صحیح تصور کسی ایک میں بھی نہیں پایا جاتا تھا، کتب سماوی کو بدل کر اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق بنا لیا گیا تھا، یہ حالت ساری دنیا کی ہو رہی تھی مگر عرب کا ماحول سب سے زیادہ فساد زدہ ہو رہا تھا۔ گویا عرب کی سرزمین بے شمار خود ساختہ مذاہب و عقائد کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی، بنو حرث، بنو کنانہ، بنی حمیر، بنو تمیم قبائل ربیعہ، غسان، قضاعہ، سب یہودیت اور نصرانیت کی آڑ میں بداعمالیوں اور بداعتقادیوں کی آغوش میں کھیل رہے تھے، یہاں تک

قریش کے بعض گھرانے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے دعویدار تھے بُت پرستی کا بُری طرح شکار بنے ہوئے تھے، توحید جسے کسی زمانہ میں وہ عزیز رکھتے تھے اب دماغوں میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

اہل مکہ کی بڑی تعداد بُت پرستی میں مبتلا تھی۔ ہر دن کا ایک الگ بت بنا لیا گیا تھا۔ کعبہ معلّی میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے جس میں ہبل سب سے بڑا صنم (خدا) تھا جسے کعبہ کے دروازہ پر بہت ہی نمایاں طریقہ سے رکھا گیا تھا۔ کعبہ کی دیواریں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت عیسیٰؑ اور جناب مریم کی تصاویر سے مزین کی گئیں تھیں، لات وعزیٰ کو اہل طائف اور نخلہ کے لوگوں کا خدا مانا جاتا تھا، مکہ والے بھی ان دونوں بتوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

اللہ والے

انہی قبائل و مذاہب کے درمیان مکہ میں ایک ایسا خاندان بھی تھا جن کے دل توحید الٰہی سے لبریز تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اس لئے جس طرح ابتداء میں اس جہان کو بنایا ہے اسی طرح وہ دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ ثواب و عذاب پر وہ پورا یقین رکھتے تھے۔ یہ ہاشمی خاندان تھا جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد تعلق رکھتے تھے، حضرت عبدالمطلب نے ایک ظالم کو دیکھ کر کہا تھا۔ خدا کی قسم اس دنیا کے علاوہ ایک دوسرا جہان بھی ہے جہاں اچھے یا بُرے اعمال کی سزا اور جزا ملیگی۔ اسی گروہ موحدین میں زہیر بن ابی سلمہ بھی شامل تھے، جن کا یہ شعر انکے عقیدہ کا پتہ دیتا ہے۔

یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر لیوم الحساب او یعجل فینتقم (سبعہ معلقہ)

یعنی تمہاری بدنیتی اللہ تعالٰی سے چھپ نہیں سکتی۔ دو ہی باتیں ہیں یا تو وہ عذاب میں تاخیر کرے گا اور نامہ اعمال میں برائی کو لکھ کر یوم جزا کے لئے رکھ لیا جائے گا یا پھر دنیا ہی میں عذاب دے کر انتقام لے لے گا۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ عہد اسلام میں زہیر نے دامن رسالت سے وابستگی اختیار کر لی تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف اکثر مورخین کرتے ہیں کہ دور جہالت اور کفر و شرک میں بھی عبدالمطلب اور انکے ہمراہیوں میں زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ اور عامر بن ظرب عقیدہ توحید پر قائم تھے، خدا کے وجود کے قائل تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو سچا اور ذریعۂ نجات سمجھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ کعبہ مجمع اصنام بنا ہوا تھا مگر پھر بھی عبدالمطلب اور انکے پیرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کر رہے تھے۔

جگہ کا انتخاب

ایسی حالت میں جبکہ ساری دنیا پر جہالت اور تاریکی کے بادل منڈلا رہے تھے اور کوئی ایک علاقہ بھی ایسا نہ تھا جہاں خدائی تعلیمات پائی جاتی ہوں تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے علاقہ میں اور اس کے ایک ایسے شہر مکہ میں کیوں مبعوث فرمایا گیا جہاں انسانی ضروریات کی کوئی چیز بھی میسر نہ ہوتی ہو، بظاہر اس "وادی غیر ذی زرع" میں کوئی ایسی خصوصیت اور جاذبیت نظر نہیں آتی ہے جس کی وجہ سے خاتم الانبیاء کی بعثت کے لئے اس کا انتخاب قرین قیاس ہو۔ ظاہری حالات کے اعتبار سے بلاشبہ یہ خیال

پیدا ہو سکتا ہے لیکن ذرا نظر غور سے کام لیا جائے اور قدیم دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ ایشیا۔ یورپ، افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نمائے عرب کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ باوجود اس کے کہ عرب ایشیا میں ہے پھر بھی افریقہ یورپ، یونان، مصر اور روما، سب ہی اس علاقہ سے قریب اور متصل ہیں۔

جس طرح عرب کو دوسرے براعظموں میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح عرب میں مکہ مکرمہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے چنانچہ مورخین کے نزدیک مکہ مکرمہ کو "ناف زمین" کی حیثیت حاصل ہے، کسی بھی نوعیت سے اگر مکہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام جیسی عالم گیر تحریک کے لئے مکہ مکرمہ سے بہتر کوئی اور مرکز نہیں ہو سکتا تھا۔ پرانی اور قدیم دنیا کا یہ مرکزی مقام ہر حیثیت سے مرکز بننے کی خوبیاں رکھتا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے "رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں مکہ کی مرکزیت کے بہت سے وجوہات بیان کئے ہیں مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ کریں۔

"حجاز میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اپنی ذہنی قوتیں کسی کام میں خرچ نہیں کی تھیں، ان کی توانائیاں محفوظ تھیں، جفاکشی، جان فروشی، صبر و ضبط، مستعدی، سادگی اور وہ بلند کرداری جو ترقی کرنے والی قوموں کے لئے درکار ہے ان میں خوب پرورش پا چکی تھی، بات کا پاس، خودداری، عزت نفس بھی پایا جاتا تھا، صحرائی زندگی اور کھلی ہواؤں میں رہنے کی وجہ سے بصارت، سماعت اور حواس غیر معمولی تیز تھے، لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا

اس لئے حافظے بہت تیز تھے۔ غذا میں سادگی کی وجہ سے برسوں کوئی بیمار نہیں ہوتا تھا۔ صنعت و حرفت اور زراعت کی کمی نے تجارت کو ہی گذر اوقات کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ وہ دور دراز مقامات کے سفر کے لئے ہر وقت تیار اور مستعد رہتے تھے۔ جس زمانہ میں برق و بھاپ پر انسان نے قابو نہیں پایا تھا۔ گھوڑے اور اونٹ ان کی خصوصی سواری ہوا کرتے تھے۔ ہزاروں کی عربی فوج اپنے اونٹوں کی مدد سے لمبے لمبے دھاوے مار سکتی تھی۔ ہمیشہ سے ماہرین حربیات عربوں پر رشک کرتے رہے ہیں، چین و ہندوستان کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی۔ قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا، مصر و شام، عراق، ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے تجارتی معاہدے کرنا اور رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ کے باعث جنوب و شمال کے قافلے ملانا سب جانتے ہیں، ان سے بڑھ کر اقوام کی مزاج شناس ملکوں کی راہ شناس اور سب سے واقفیت کے باعث خود شناس قوم اس وقت کم ہو گی، سب آزاد تھے اور اپنی قابلیت اور تجربہ کی بنا پر سردار چنے جاتے تھے، رومی، ایرانی اور حبشی بادشاہوں کی کوشش کے باوجود چھوٹی سی شہری مملکت کو آزاد ہی رکھا۔ انھوں نے آس پاس کے بہت سے قبائل سے معاہدے کر لئے تھے۔ غلاموں اور ملازموں کی ایک باقاعدہ فوج موجود تھی۔ عدالتی نظام مختلف سرداروں کے سپرد تھا۔ اگرچہ لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا مگر پھر بھی فصاحت و بلاغت اور خطابت و شاعری کے عام چرچے تھے۔ غرض مکہ والے قبل اسلام زندہ قوموں کی تمام مطلوبہ صفتوں سے

مزین تھے، قیامن تھے، بہادر تھے، مہمات پسند تھے، امانت و دیانت کی قدر تھی، جان لینے اور دینے میں باک نہ تھا، دھن کے پکے اور استقلال کے پتلے تھے۔ ہر چیز تھی مگر اس پر ایک غلاف چڑھا ہوا تھا مطمح نظر نہ ہونے کی وجہ سے وہ عالم انسانیت میں کوئی مقام حاصل نہ کر سکتے تھے۔ خود داری اتنی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، ادبی ذوق نے عیاشی کی طرف مائل کر دیا تھا اعلیٰ سے اعلیٰ ملکہ ادنیٰ ترین مقاصد کے حصول میں لگا ہوا تھا، شیر کی قوت خرگوش کے شکار میں ضائع ہو رہی تھی۔ وہ جانور کی طرح پیدا ہوتے، کھاتے پیتے اور مر جاتے مگر کسی کو کوئی افسوس نہ ہوتا تھا۔" (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی)

عرب اور قبائل

ملک عرب برِاعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس کے تین طرف سمندر ہے اور چوتھی طرف دریائے فرات ہے، اس وجہ سے اس ملک کو جزیرۃ العرب کہتے ہیں، اس جزیرے کا رقبہ تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار مربع میل ہے، ملک کا مشہور شہر مکہ مکرمہ ہے، یہ شہر جبل بوقبیس کے قریب آباد ہے خانہ کعبہ اسی شہر میں ہے اور مناسک حج کے مقامات، صفا و مروہ، منا، مزدلفہ اور عرفات سب کعبہ کے قریب جوار میں واقع ہیں۔ مکہ سے شمال کی طرف ۲۲۰ میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ ہے، مکہ سے ۴۴ میل دور مشہور بندرگاہ جدّہ ہے جو بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ مدینہ کی بندرگاہ کا نام ینبوع ہے، مدینہ سے ۷۳ میل کے فاصلہ پر ہے (رحمت دو عالمؐ) عرب کے حالات اور اقوام و قبائل کے سلسلہ میں مولانا شبلیؒ کی تحقیقات بہت مستند ہیں علامہ

مرحوم نے قدیم کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد جو حالات درج کتاب کئے ہیں وہ ہماری معلومات کے لئے نہ صرف مفید بلکہ تاریخ سیرت کے لئے مستقل مواد کی حیثیت رکھتے ہیں۔" عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں، اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی قوموں کو عجم کہہ کر پکارا، بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربۃ تھا جس کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے، ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے، پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے، جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں۔ علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ قریش کا زیادہ تر مال تجارت چاندی ہوا کرتی تھی، مورخین عرب نے اقوام قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔ (۱) عرب بائدہ۔ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔ (۲) عرب عاربہ جو قحطانی جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔ (۳) عرب مستعربہ۔ بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیل کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں،

یہ ملک کے اصلی باشندے تھے، اور انکے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و شروع سے تھا جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ پھر ان کی مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں پیغمبر اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے۔ آنحضرت حضرت اسماعیل ہی کے خاندان سے ہیں جو شرافت آنحضرت کو عنایت ہوئی وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی۔ (ماخوذ سیرت النبی مولانا شبلیؒ)

اس کے علاوہ یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں بت پرستی کا رواج ڈالنے والا ایک مشہور آدمی عمرو بن لحی تھا، یہ قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتا تھا، اپنی قوت و سیاست میں سب سے بڑھا چڑھا تھا۔ اس نے قبیلہ جرہم سے کعبہ کی تولیت کو اس طرح چھینا کہ ایک دن موقعہ پا کر کعبہ کے متولی حارث کو قتل کر ڈالا اور خود متولی بن گیا، یہ شخص ایک مرتبہ بیمار ہوا جب کسی طرح صحت حاصل نہیں ہوئی تو کسی نے کہا کہ ملک شام میں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے، جو بیمار اس میں غسل کرتا تندرست ہو جاتا ہے، عمرو وہاں گیا اور غسل کے بعد تندرست ہو گیا، ایک دن اس نے وہاں لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں، بارش، صحت اور فتح ہم کو انہی کی طرف سے ملتی ہے۔ ابن لحی نے کوشش کر کے ایک بت حاصل کیا اور مکہ میں لاکر کعبہ کے پاس نصب کر دیا پھر اہل عرب کو اس کی پرستش کی دعوت دی چنانچہ کچھ لوگوں نے اسکی دعوت

کو قبول کیا اور پھر آہستہ آہستہ پورے عرب میں بت پرستی عام ہو گئی۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں جہنم میرے سامنے لائی گئی میں نے ایک شخص کو دیکھا جو پستہ قد، سرخ رنگ اور کرنجی آنکھ والا تھا وہ اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوا آگ میں چل رہا ہے جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو بتایا گیا کہ یہ عمرو بن لحی ہے جس نے حضرت اسماعیل ع کے دین کو بگاڑ کر عرب میں بت پرستی کو رواج دیا۔ (بخاری)

خاندان مصطفےٰ

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل ع کی اولاد سے ہیں اس لئے اس سلسلہ کے کچھ نامور حضرات کے حالات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن کا تذکرہ توراۃ میں پایا جاتا ہے، قیدار اور انہی کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی، خوب پھیلی اور بڑھی، ان ہی کی اولاد میں سے عدنان ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہیں، علامہ سہیلی نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ علامہ طبری ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ شہر تدمر میں ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا، وہ مسلمان ہو گیا تھا، اس کا بیان تھا کہ ارمیاہ پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے، اس شجرے میں بھی عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل تک چالیس نام ہیں، بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہیں۔ (ماخوذ سیرت النبیؐ)

نسب نامہ خاتم الانبیاء

اس سے آگے کے واقعات سمجھنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ بیان کر دیا جائے تاکہ سلسلہ نسب کے نامور اور ممتاز حضرات کی وہ کوششیں سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے جو انھوں نے بیت اللہ کے قیام و احترام کے سلسلہ میں کی تھیں۔

محمد الرسول اللہ ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصیّ ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان۔

اس سے اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک مورخین عرب نے چالیس پشتیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ اس حساب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اکسٹھویں پشت میں ہوتے ہیں۔ لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں جو نام گنائے ہیں وہ عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نو ہوتے ہیں۔ علامہ سہیلی کی تحقیقات کو دیکھتے ہوئے امام بخاری کا بیان قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا ہے مگر ہم اس لئے قبول کر لیتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ درمیان کے کچھ غیر معروف نام چھوڑ دیئے ہوں اور صرف ان حضرات کو شمار کر لیا ہو جو مذہبی اور سیاسی حیثیت سے زیادہ امتیاز رکھتے ہوں، دوسری وجہ قبول روایت کی یہ بھی ہے کہ ابن سعد نے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سلسلہ نسب معد ابن عدنان تک بیان فرما کر خاموش ہو جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو عدنان سے آگے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب صحیح طور پر جانتا ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عدنان پر خاموش ہو جانا صرف اس لحاظ سے تھا کہ آپ کوئی غیر یقینی بات بیان کرنا نہیں پسند کرتے تھے، یہ کہنا کہ اس سے آگے آپ کو کچھ معلوم نہیں تھا شان رسالت کے منافی ہے۔

قریش کی ابتداء

قریش کا لفظ تقریش سے بنا ہے اور تقریش کے معنی جمع کرنے کے آتے ہیں۔ چنانچہ خاندان رسالت میں لقب قریش کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب کہ اس خاندان رسالت کے نامور بزرگ قصی نے خاندان کے منتشر افراد کو ہر طرف سے اٹھا اٹھا کر کعبہ کے آس پاس جمع کرنا شروع کیا لہٰذا لوگ ان کو قریش کہنے لگے اور پھر ان کا یہ مخصوص لقب پورے خاندان پر بولا جانے لگا۔ کچھ مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ نضر بن کنانہ سے اس لفظ کی ابتداء ہوتی ہے بعض نے فہر بن مالک کو پہلا قریش کہا ہے، مگر قصی کی شہرت، عظمت اور ان کے قومی و مذہبی کام دیکھتے ہوئے پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم قصی کی قومی و ملی خدمات کا تذکرہ کریں، ان سے اوپر کے بزرگوں کے حالات بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ یہ سلسلہ مربوط طور پر ذہن نشین ہو سکے، عدنان حضرت ابراہیم

علیہ السلام تک انکے سلسلہ نسب کا اختلاف اوپر گذر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ عدنان، معد، ربیعہ، خزیمہ اور اسد ان سب نے ملت ابراہیمی پر جان دی ہے' لہٰذا ان کا ذکر بھلائی اور خیر کے ساتھ کیا کرو۔ مَعَدّ میم کا زبر اور دال کی تشدید کے تھا۔ بڑے جنگ جو اور بہادر تھے تمام زندگی بنی اسرائیل سے مقابلہ کرتے رہے مگر کبھی شکست نہیں کھائی۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ معد بخت نصر کے زمانہ میں ۱۲ سال کے تھے۔ اس زمانہ کے پیغمبر حضرت ارمیاہ پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ "تم بخت نصر کو اطلاع کردو کہ ہم نے تم کو عرب پر مسلط کر دیا، اور آپ معد کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر لیں تاکہ ان کو کوئی صدمہ نہ پہنچے کیونکہ میں معد کی پشت سے نبی آخرالزماں پیدا کرنے والا ہوں جن کے بعد پھر کوئی نبی نہیں آئے گا" چنانچہ حضرت ارمیاہ معد کو ہمراہ لے کر شام چلے گئے جہاں معد نے بنی اسرائیل میں پرورش پائی نزار یہ بہت عاقل اور خوب صورت تھے۔ علامہ سہیلی کا بیان ہے کہ جب نزار پیدا ہوئے تو ان کی پیشانی سے نور ٹپک رہا تھا۔ یہ نور محمدی تھا۔ باپ نے دیکھا تو خوش ہو کر فرمایا یہ سب کچھ اس مولود کے حق میں بہت کم ہے اور اسی کمی کے پیش نظر نزار نام رکھا گیا۔ نزار کے معنی کم کے ہیں، نزار کی قبر مدینہ طیبہ کے قریب ذات الجیش میں بیان کی جاتی ہے۔ مضر آپ کی کنیت ابوالیاس تھی، ترشی زیادہ استعمال کرتے تھے اس لئے مضر لقب ہو گیا، نام عمرو تھا۔ بڑے خوش الحان تھے، حدی خوانی آپ ہی کی ایجاد ہے، بہت نیک اور نصیحت کرنے والے تھے، فرماتے تھے "جو شر کو بوئے گا وہ شرمندگی کو

کاٹے گا، اچھی نیکی وہ ہے جو جلدی کی جائے، انسان کو چاہیے کہ خود کو ناگوار چیزوں پر آمادہ نہ کرے خواہشات نفسانی سے بچے، صلح و فساد کے درمیان سوائے صبر کے کوئی حد فاصل نہیں ہے (زرقانی جلد ۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کی لوگوں کو خبر دی تھی۔ الیاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الیاس مومن تھے اور میری تسبیح کی آواز اپنی پشت سے سنا کرتے تھے۔ بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی منت آپ نے شروع کی تھی (روض الانف جلد ۱) خزیمہ ان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیمی پر فوت ہوئے تھے۔ مدرکہ اصلی نام عامر یا عمرو تھا، مدرکہ لقب تھا، بہت صاحب عزت و اثر تھے، کنانہ یہ بہت مشہور آدمی تھے، خدا نے عزت و اقتدار سے سرفراز کیا تھا، لوگ دور دراز سے دیکھنے کو آتے تھے اور آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوتے تھے۔ نضر بہت حسین و جمیل تھے، نضر کے معنی سونا، چاندی اور چہرے کی تازگی کے آتے ہیں۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ درخت کز کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں، جو بہت چکنی اور خوب صورت ہوتی ہے منبر رسول ﷺ اسی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ مالک انکی کنیت ابوحارث تھی، مالک نام تھا، نامور سردار تھے، فہر بعض مورخین نے ان کو قریش کا لقب دیا ہے اور انکی اولاد کو قریش کہا ہے۔ اور کنانہ کی اولاد کو کنانی کہا ہے، حافظ بدرالدین عینی نے قریش کہنے کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں، کعب آپ فرماتے تھے کہ آخری نبی آنے والے ہیں، تم سب کو ان کا اتباع کرنا چاہیے جمعہ کے جمع ہونے کا طریقہ انھوں نے جاری کیا، جمعہ کے دن خطبہ میں حمد و ثنا بیان کرتے

تھے۔ آپ سے پہلے یوم جمعہ کو یوم العروبہ کہتے تھے کعب نے جمعہ نام رکھا
مرۃ بہت شجاع دلیر اور بہادر تھے، اسی لئے مرۃ نام رکھا گیا۔ کلاب کا نام عروہ
یا مہذب تھا، شکار کے شوقین تھے اور کثرت سے شکاری کتے رکھتے تھے اسی
لئے کلاب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ غالب اور لوی کے حالات دستیاب
نہیں ہوتے ہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے عمود نسب میں ہیں، قوم میں ممتاز اور رفعت شان کے
مالک تھے۔ قصی یہ کلاب کے بیٹے ہیں، چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے تھے، ماں
ان کو لے کر ملک شام چلی گئیں، یہ اسی جگہ جوان ہوئے اور پھر یہ معلوم ہو کر
کہ میرے آباؤ اجداد مکہ سے تعلق رکھتے ہیں مکہ میں اپنی قوم کے پاس واپس
آگئے، اس وقت کعبہ کی تولیت بنو خزاعہ کے ایک شخص جلیل بن حبشیہ کے
ہاتھ میں تھی، قصی نے جلیل کی بیٹی حبی سے شادی کر لی، جلیل جب کمزور
ہو گئے تو کعبہ کی چابی بیٹی کو دیدی اور وہ کعبہ کی خدمت کرنے لگیں کبھی
قصی بھی ان سے چابی لے کر خدمت کعبہ کیا کرتے تھے جلیل نے انتقال
کے وقت اپنے داماد قصی کو کعبہ کا متولی بنا دیا، مگر بنو خزاعہ نے مخالفت کی
آخر نوبت تصادم تک پہنچ گئی، بنو خزاعہ کو شکست ہوئی اور قصی متولی تسلیم کئے
گئے۔ متولی ہونے کے بعد قصی نے قوم کی بہت خدمت کی۔ حجاج کے آرام کا انتظام
کیا، ایک جماعت خانہ تعمیر کیا جسے دار الندوہ کہتے تھے، ہر قسم کے قومی امور اسی
جماعت خانہ میں انجام پایا کرتے تھے۔ قوم میں بڑے صاحب اعتماد و اثر تھے زائرین
کے آرام کا اتنا خیال تھا کہ قوم پر ایک خاص ٹیکس لگایا تھا جس سے زائرین کی

خدمت اور آرام کے کام چلائے جاتے تھے۔ قوم کے تمام مذہبی اور دنیاوی کاموں کو آپ کی اجازت سے انجام دیا جاتا تھا، گویا مکہ میں وہ ایک با اقتدار حاکم کی حیثیت رکھتے تھے، انکی ہر بات قانون کا درجہ رکھتی تھی، حبی کے بطن سے چار لڑکے پیدا ہوئے، عبدالدار، عبدالمناف، عبدالعزیٰ اور عبد قصی۔ جب آخر وقت ہوا تو بڑے بیٹے عبدالدار کو کعبہ کی تولیت سپرد کی اور سب کو نصیحت کی کہ دیکھو شراب سے بچنا، وہ اگرچہ بدن کو درست کرتی ہے مگر ذہن کو خراب کرتی ہے (ابن ہشام، ابن خلدون) عبد مناف یہ قصی کے دوسرے بیٹے تھے، عبدالدار کے مقابلہ میں بڑے ذی ہوش تھے، اہل عرب ان کو بطحا کا چاند کہتے تھے، ملک اور خاندان کے اکثر لوگ عبدالدار کی تولیت سے خوش نہیں تھے، فریقین میں جنگ کی نوبت آگئی، تلوار چلنے ہی والی تھی کہ صلح پسند چند حضرات درمیان میں آگئے اور آپس میں مصالحت کی بات چیت ہونے لگی۔

کافی بحث و حجت کے بعد طے پایا کہ عبدالمناف اور انکی اولاد کے ہاتھ میں سقایہ اور رفادہ کا انتظام رہے گا اور عبدالدار اور انکی اولاد کلید برداری کی خدمت انجام دیں گے، سقایہ حجاج کو زمزم پلانے اور رفادہ انکی مہمانداری کو کہتے ہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمناف اور عبدالدار کی وفات کے بعد یہ جھگڑا انکی اولاد میں شروع ہوا اور پھر مندرجہ بالا طریقہ پر طے کیا گیا۔ ہاشم یہ عبدالمناف کے دوسرے بیٹے تھے، انکے چار بھائی اور تھے، بڑے بھائی کا

نام عبد شمس تھا، تین چھوٹے بھائیوں کے نام نوفل، مطلب اور ابو عمر عبد تھے
عبد شمس والد کے جانشین تھے مگر کاروبار تجارت اور باہر کی آمد رفت کی وجہ
سے متعلقہ خدمات پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے تھے۔ لہٰذا قوم کے لوگوں
نے اتفاق رائے سے سقایہ اور رفادہ کی خدمت پر ہاشم کو مامور کر دیا۔ ہاشم
بڑے سلیقے اور انتظام کے مالک تھے۔ قوم میں سب سے زیادہ بزرگ سخی
اور فیاض مانے جاتے تھے، بہت سے لوگ ہاشم کے بجائے "فیض" ہی کے
نام سے یاد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ ہاشم ملک شام سے گندم
لے کر آئے اور اس کی روٹیاں پکوا کر اونٹ کے شوربہ میں بھگوا کر عرصہ تک
لوگوں کو کھلاتے رہے، اس کھانے کو ثرید کہتے تھے۔ یہ آپ ہی کی ایجاد تھی۔ قوم
کو تجارتی سہولت پہنچانے کے لئے ہاشم نے شاہان روم، شام، غسان اور حبش
وغیرہ سے تجارتی رعایتیں حاصل کیں، انکی قوم کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ
وہ ہر ملک میں آزادی سے آتے جاتے اور تجارت کرتے تھے۔ زائرین بیت اللہ
کے آرام کے لئے آپ سے زیادہ بہتر انتظام کوئی نہیں کر سکا، وہ ذاتی رقم کے
علاوہ قوم سے چندہ لیا کرتے تھے تاکہ حجاج کو کھانا بھی کھلا سکیں، وہ حاجیوں
کی تواضع بھی ثرید سے کیا کرتے تھے۔ ثرید کو عرب میں بہترین غذا مانا جاتا ہے
یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کا اصلی نام عمرو تھا مگر ثرید کی ایجاد نے ہاشم لقب
ڈلوا دیا۔ شاید ہاشم شوربہ میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں، یہ کارنامہ بھی
آپ ہی کا تھا کہ سال میں دو قافلے تجارت کی غرض سے باہر روانہ کرتے تھے
جاڑوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف، قرآن کریم کے

آخری پارہ میں اس سلسلہ سفر کو انعام الٰہی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قریش اللہ کی رحمت سے موسم سرما اور موسم گرما کے سفر کے عادی ہو گئے، اس لئے ان کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنا چاہیے جس نے بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف کے وقت امن دیا۔

(سورہ قریش پارہ ۳۰)

ہاشم کی شادی مدینہ میں قبیلہ بنو نجار کی ایک لڑکی سلمٰی بنت عمر سے ہوئی تھی ایک دفعہ وضع حمل کے وقت ہاشم نے بیوی کو مدینہ پہنچا دیا تھا، اور خود تجارت کے لئے شام چلے گئے، مگر یہ سفر سفر آخرت ہو گیا اور ہاشم نے شام ہی میں پیام اجل قبول کر لیا۔ ہاشم کے بعد سقایہ اور رفادہ کی خدمت مطلب کے سپرد کی گئی۔ مطلب ہاشم کے حقیقی بھائی تھے اور ہاشم سے عمر میں چند سال چھوٹے تھے، مطلب اس خدمت کے انجام دینے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، حجاج کی خدمت میں بڑا نام پیدا کیا، ملک میں ان کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ہاشم کی وفات پر اکثر آنسو بہاتے ہوئے دیکھے گئے (ابن جریر طبری)

عبدالمطلب

یہ ہاشم کے وہی فرزند ارجمند ہیں جن کی ولادت کے وقت ہاشم نے ملک شام میں پیک اجل کو لبیک کہا تھا، باپ کی وفات کے چند ہی روز بعد مدینہ میں پیدا ہوئے، سر پر کثرت سے سفید اور گھنے دار بال تھے اس لئے ان کا نام شیبہ رکھا گیا، سات آٹھ سال کی عمر تک یہ مدینہ ہی میں ماں کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے، ایک مرتبہ قبیلہ بنی حارث کا ایک شخص مدینہ گیا، اس نے وہاں

کچھ بچوں کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا، جب شیبہ کا تیر نشانہ پر لگتا تو وہ فخر سے کہتا کہ میں ہاشم کا بیٹا اور بطحا کے رئیس کا فرزند ہوں" حارثی شخص نے شیبہ سے پوچھا، تم کون ہو؟ شیبہ نے کہا میں ہاشم کا بیٹا عبد المناف کا پوتا اور قریشی ہوں، حارثی کو جب مکہ آنے کا اتفاق ہوا تو اس نے مطلب سے کہا کہ میں نے مدینہ میں ایک بچے کو دیکھا ہے جو تیر اندازی کے وقت کہتا ہے کہ میں ہاشم کا بیٹا اور رئیس بطحا کا فرزند ہوں، مطلب اس واقعہ کو سن کر بے چین ہو گئے، بھتیجے کی محبت جوش مارنے لگی، مطلب قسم کھا کر کہنے لگے کہ جب تک میں شیبہ بن ہاشم کو نہ لے آوں گا اپنے گھر میں قدم نہ رکھوں گا مطلب اسی وقت اونٹنی پر سوار ہوئے اور یثرب (مدینہ) روانہ ہو گئے۔ مطلب جب مدینہ میں داخل ہوئے تو بنی نجار کے محلہ میں بہت سے بچے کھیل رہے تھے۔ مطلب نے ایک بچے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا یہ ہاشم کا بیٹا ہے؟ جواب ملا ہاں یہ ہاشم کا بیٹا شیبہ ہے، مطلب خوش ہو کر یہ شعر پڑھنے لگے ؎

اعرفت شیبۃ والنجار قد جعلت ... ابناءھا حولہ بالنبل تنتضل!

جب بنی نجار کے بچے اس کے گرد کھڑے ہوئے تیر اندازی کر رہے تھے تو میں نے شیبہ کو پہچان لیا۔

کچھ لوگوں نے رائے دی کہ شاید ماں اپنے بچے کے چچا کے ساتھ جانے پر رضا مند نہ ہو لہٰذا باہر ہی سے شیبہ کو پکڑ کر مکہ لے جائیں۔ مگر مطلب نے اس مشورہ کو پسند نہیں کیا، ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ لے گئے تھے مگر ماں

کی بے قراری کا حال سن کر واپس آگئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ماں رضا مند نہ ہوتی تھیں مگر مطلب نے بھاوج کی خوشامد کر کے راضی کر لیا۔ (ابن جریر، ابن ہشام)

مطلب نے یتیم بھتیجے کو اپنے اونٹ پر بٹھایا، شیبہ نے ماں کو رخصتی سلام کیا اور ماں کی دعائیں لے کر چچا کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے مطلب جب مکہ میں داخل ہوئے تو شیبہ انکے پیچھے اونٹ پر بیٹھے تھے، کپڑے کچھ میلے ہو گئے تھے، بال بکھرے، سفید اور منتشر ہو رہے تھے، اہل مکہ نے دیکھ کر کہا کہ مطلب کوئی غلام خرید کر لائے ہیں، تمام شہر میں چرچا ہو گیا، مطلب نے ہر چند اعلان کئے اور لوگوں کو بتایا کہ یہ غلام نہیں ہے میرا یتیم بھتیجا، ہاشم مرحوم کا بیٹا شیبہ ہے، مگر یہ بات اتنی عام ہو گئی شیبہ کسی کی زبان پر آتا ہی نہیں تھا جسے کبھی دیکھو وہ شیبہ کو عبد المطلب ہی کہہ کر پکارتا تھا، یعنی مطلب کا غلام، غرض اس نئے نام نے ایسی شہرت اور مقبولیت حاصل کی کہ شیبہ مستقل طور پر عبد المطلب ہی کے نام سے جانے اور پہچانے لگے، عبد المطلب کے تین بھائی اور پانچ بہنیں تھیں بھائیوں کے نام اسد، فضلہ اور ابو صیفی تھے، بہنوں کے نام رحیہ، خالدہ رقیہ، شفا اور ضعیفہ تھے۔ (ابن کثیر)

تولیت سقایہ و رفادہ

مطلب جس وقت ضعیف اور بیمار ہوئے تو عبد المطلب کی عمر بیس سال سے زائد ہو چکی تھی، اخلاق و عادت کی پاکیزگی کی وجہ سے پوری قوم میں امتیاز رکھتے تھے، مطلب نے یمن کے مقام ردمان میں وفات پائی اگرچہ

مطلب کی اولاد بھی موجود تھی مگر عبدالمطلب میں جو خوبیاں موجود تھیں وہ
ان میں نہیں تھیں، چنانچہ بنی ہاشم اور قریش نے متفقہ طور پر عبدالمطلب
کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور سقایہ و رفادہ کی خدمات ان ہی کے سپرد کیں
عبدالمطلب نے اس اعزاز کو قبول کرنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا
چاہ زمزم جو مدت سے بند پڑا تھا اسے کھولا تاریخ بتاتی ہے کہ بنی جرہم
کچھ لوگوں نے مکہ سے جاتے وقت اس کنوئیں کو بند کر دیا تھا، عبدالمطلب
نے خواب میں اشارہ پاکر زمزم کی کھدائی شروع کی تھی۔ عبدالمطلب کی
شادی ہو چکی تھی، ایک لڑکا حارث تھا اسے بھی ساتھ لے لیا تھا۔ باپ
بیٹوں نے جب چاہ زمزم کو کھودا تو بہت سی قیمتی چیزیں بھی برآمد ہوئیں
دوسرے لوگوں نے بھی اس میں شرکت کرنا چاہی مگر قرعہ عبدالمطلب
کے نام ہی نکلا اور آپ بلا شرکت غیرے اس سونے کے سامان اور تلوار
وغیرہ کے مالک ہو گئے۔ (ابن ہشام)

حالات و اولاد

عبدالمطلب نے کئی شادیاں کی تھیں، چنانچہ پہلی بیوی کا نام
بنت عمرو بن عائذ ہے، ابو طالب، عبداللہ اور زبیر وغیرہ ان سے پیدا
دوسری بیوی کا نام ہالہ بنت وہب ہے، حضرت حمزہ اور حضرت صفیہ
ان ہی کے بطن سے ہیں، تیسری بیوی بنت حباب سے حضرت
پیدا ہوئے، ابو لہب پانچویں بیوی سے اور نوفل چھٹی بیوی سے پیدا
ہوئے، تاریخی اعتبار سے جن ناموں کو شہرت حاصل ہے ہم نے انہی

بیان پر اکتفا کیا ہے۔

عبد المطلب کی لڑکیوں میں حضرت صفیہ، اروی، عاتکہ، ام الحکیم البیضاء، برہ اور امیمہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں، سب مشرف باسلام ہوئی تھیں، علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ چاہ زمزم میں سونے کے برتن اور سونے کے دو ہرن نکلے تھے، عبد المطلب نے تلواروں وغیرہ کے لوہے سے کعبہ کا دروازہ بنایا اور سونے کی چادریں بنوا کر دروازہ وغیرہ پر منڈھوا دیں زمزم پینے میں آسانی اور سہولت کے پیش نظر آپ نے ایک حوض تعمیر کرا دیا تھا اور اس میں کنوئیں سے پانی نکال کر بھر دیا جاتا تھا تاکہ لوگوں کو آرام سے پینے کا موقع ملے (ابن خلدون)

عبد المطلب کو پورے ملک میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اخلاق مروت، ہمدردی اور اخوت میں یکتائے عرب تھے، لوگ آپ کو سید القوم اور شیخ بطحا کہا کرتے تھے، عبادت کے بہت شائق تھے، کوہ حرا پر چڑھ کر چلہ کشی کرتے اور اسی جگہ غرباء کو کھانا کھلاتے تھے، ان کا دسترخوان اس قدر وسیع تھا کہ انسان تو انسان جانور اور پرند تک فائدہ اٹھاتے تھے، ابن کثیر کا بیان ہے کہ پرند و چرند کے لئے کھانے کی چیزیں پہاڑوں کی چوٹی پر رکھ دی جاتی تھیں، عدل و انصاف کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ قریب سے قریب رشتہ داروں کے ظلم و ستم کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ حرب بن امیہ نے ایک یہودی کو قتل کرا دیا، آپ نے ان سے ایک سو اونٹ بطور تاوان مقتول کے وارثوں کو دلائے۔

سیاسی اعتبار سے وہ اپنے والد کے صحیح جانشین تھے، یمن سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ سیف بن ذی یزن جب یمن کے تخت پر متمکن ہوا تو عبدالمطلب مکہ سے ایک جماعت کو لے کر مبارکباد دینے گئے۔ سیف کتب سماوی کا جاننے والا تھا، اس نے عبدالمطلب کو یہ بشارت سنائی کہ عرب میں نبی آخرالزماں کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے اور وہ تمہاری اولاد سے ہونگے، یہ سن کر جو رؤسا عرب عبدالمطلب کے ساتھ گئے تھے سب تمنا کرنے لگے کہ کاش وہ نبی ہم میں سے ہوتا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ امیہ بن ابی صلت مشہور دشمن اسلام ابوسفیان کے ہمراہ ملک شام گیا تاکہ وہاں کے علماء سے معلوم کرے کہ نبی آخرالزماں میں تو نہیں ہوں، مگر نفی میں جواب سن کر سخت مایوس ہوا۔

تاریخی واقعہ

علامہ طبری کہتے ہیں کہ عبدالمناف کے بیٹوں میں ہاشم اور عبدشمس توام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے، ہاشم کے پیر عبدشمس کے سر سے چپکے ہوئے تھے جب کسی طرح دونوں الگ نہ ہوسکے تو عمل جراحی سے علیحدہ کیا گیا، دونوں کی جان تو بچ گئی مگر اہل دانش نے اس واقعہ سے یہ پیشن گوئی کی کہ آئندہ دونوں کی اولاد میں تلوار چلے گی۔ کہتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان جنگ اس پیشین گوئی کے تحت واقع ہوئی تھی۔

عبدالمطلب کا خواب

حضرت عبدالمطلب کو پہلے سے کبھی اس امر کا یقین تھا کہ میری اولاد میں خاتم النبیین کا ظہور ہونے والا ہے مگر آپ کے ایک خواب نے اس یقین کو

اور بھی محکم کر دیا، چنانچہ روض الانف نے ابو طالب کی یہ روایت ابو نعیم وغیرہ کے واسطے سے بیان کی ہے کہ عبدالمطلب نے ایک رات مقام حجر میں خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا پھلوں سے لدا درخت ہے، جو آسمان سے باتیں کر رہا ہے، اس کی شاخیں مغرب و مشرق میں پھیلی ہوئی ہیں، ساتھ ہی ایک عظیم الشان نور ہے، عجم و عرب سب اس روشنی کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں اور روشنی برابر بڑھتی ہی جا رہی ہے، قریش کا ایک گروہ اس درخت سے لٹک رہا ہے، ایک گروہ اس درخت کو کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے، مگر ایک جوان ان کو دور تک بھگا دیتا ہے، یہ جوان نہایت حسین اور خوب صورت ہے عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں نے اس جوان سے پوچھا کہ یہ میوہ اور پھل کس کے لئے ہے تو جواب دیا ان کا ہے جو درخت سے لٹک رہے ہیں، عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں اس خواب سے بہت خوفزدہ ہو رہا تھا، آخر قریش کی ایک مشہور کاہنہ سے میں نے خواب کی تمام کیفیت بیان کی، وہ سن کر کہنے لگی، تمہارا خواب بہت اچھا ہے تمہاری صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے نور ہدایت سے مشرق و مغرب روشن ہو جائیں گے اور لوگ اس کے دین کی پیروی کریں گے، آخر ایسا ہی ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور عبدالمطلب نے آپ کا نام محمدؐ رکھا۔ لوگوں نے کہا ایسا نام تو تمہارے خاندان میں کبھی کسی کا نہیں رکھا گیا تم نے یہ نام کیوں رکھا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اس امید پر کہ تمام اہل زمین اس کی تعریفیں کریں گے۔

حضرت ابوطالب بعثت مصطفےؐ کے بعد لوگوں سے کہا کرتے تھے یہ ہی وہ پھل دار درخت ہے جسے میرے والد نے خواب میں دیکھا تھا (ابن کثیر)

ایک یہودی عالم

عاصم بن عمر بن قتادہ کہتے ہیں کہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے بنی قریظہ کے یہودیوں میں ابن ہیبان نام کا ایک بڑا عالم آیا اور بہت دن تک ان میں مقیم رہا، یہ عالم بہت متقی اور زاہد تھا۔ ایک مرتبہ بارش نہیں ہو رہی تھی تو ابن ہیبان سے دعا کے لئے کہا گیا، ابن ہیبان نے لوگوں کو ساتھ لیا، آبادی سے باہر جا کر دعا کی، دعا قبول ہوئی اور پانی برسنے لگا، ایسا اتفاق کئی مرتبہ ہوا کہ ابن ہیبان کی دعا سے امساک باران دور ہو گیا، ایک مرتبہ وہ یہودی عالم سخت بیمار ہوا جب صحت کی امید منقطع ہو گئی تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں ملک شام سے اس جگہ اس لئے آیا تھا کہ اس سرزمین میں ایک آخری نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں ان کی غلامی کا شرف حاصل کروں گا مگر افسوس رشتہ حیات کٹ رہا ہے اور میں تمنا اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں اے گروہ یہود! جب وہ نبی آخر الزماں مبعوث ہوں تو غلامی و اطاعت کی سعادت سے محروم مت رہنا، اس وصیت کے بعد یہودی عالم کی روح پرواز کر گئی، ابن ہشام کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونے کے بعد ہجرت فرما کر جب مدینہ تشریف لائے تو بنی قریظہ کی ایک شاخ نے ایک بوڑھے یہودی کے اس کہنے پر کہ یہ ہی وہ نبی ہیں، دوڑ کر انکی غلامی کا شرف حاصل کر کے اسلام قبول کر لیا۔

درحقیقت ہدایت سے بہرہ ور ہونا کسی کے بس کی بات نہیں ہے، یہ سعادت اسی کو ملتی ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، حالانکہ یہودی جو آخر تک اسلام کی مخالفت کرتے رہے، سب سے زیادہ بعثت مصطفےٰ سے واقف تھے۔ وہ ہمیشہ تورات میں آپ کی آمد کی بشارتیں پڑھا کرتے تھے، آپکے اوصاف اپنے علماء سے سنا کرتے تھے مگر اس شومئ قسمت کا کیا علاج ہے کہ وہی سب سے زیادہ عداوت اسلام پر کمر بستہ رہے، حالانکہ انصار مدینہ جو بت پرست تھے اور بعثت مصطفےٰ پر کوئی یقین بھی نہیں رکھتے تھے اسلام قبول کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں، یہ ہے وہ ہدایت جو خدا کی طرف سے بندوں کو ملا کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ

عبدالمطلب کے بیٹوں میں سب سے زیادہ حسین، خوشرو اور شکیل و وجیہہ جوان تھے، تمام قبیلہ ان سے بے حد محبت کرتا تھا۔ باپ کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے، کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نے اشارۂ غیبی پا کر ان کا نام عبداللہ رکھا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو ناموں کی تعریف فرمائی ہے، ایک عبداللہ، دوسرے عبدالرحمٰن، ان دونوں ناموں میں عبداللہ کو افضلیت حاصل ہے، اس لئے کہ اللہ اسم ذات ہے اور رحمٰن اسم صفت ہے۔ ذات صفت پر مقدم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے خود بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن۔ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو، یہاں بھی اللہ رحمٰن سے مقدم ہے، امام ابو حنیفہ نے اللہ کو اسم ذات اور اسم اعظم کہا ہے

امام زہری رضؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ قبیلہ قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم میں سب سے زیادہ خوب صورت تھے۔ ابن ہشام وغیرہ نے تو حضرت یوسفؑ سے تشبیہ دی ہے، اور ان سے زیادہ ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑا، قریش میں حسن و جمال کی اتنی شہرت تھی کہ بہت سے لوگ چاہتے تھے کہ اپنی بیٹیاں عبداللہ کے نکاح میں دیں۔

قربانی و جوانی

حضرت عبداللہ جب سن بلوغ کو پہنچے تو عبدالمطلب کو اپنی ایک منت کے پورا کرنے کا خواب میں حکم دیا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ عبدالمطلب اپنے ایک بیٹے حارث کے ساتھ چاہ زمزم کی کھدائی کر رہے تھے تو آپ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں نے اپنی زندگی میں دس جوان بیٹوں کو دیکھ لیا تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ کی جوانی تک آپ اس منت کو پورا نہیں کر سکے تھے۔ خواب سے بیدار ہوئے اور اپنی نذر ادا کرنے کے لئے بیٹوں کے نام قرعہ ڈالا، تاکہ جس کے نام نکلے اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کر دیں، لیکن حکم الٰہی سے قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، آپ نے حضرت عبداللہؓ سے ذکر کیا، وہ سن کر خاموش ہو گئے اور اپنے جد اعلیٰ حضرت اسماعیلؑ کی طرح سر جھکا دینے ہی کو سعادت خیال کرنے لگے، مگر قوم کسی طرح راضی نہیں ہوئی کہ ایسے جوان خوب صورت اور ہر دل عزیز کو قربان کرنے کی اجازت دی جائے، باپ بیٹے دونوں رضامند تھے مگر قوم کے اصرار کے سامنے مجبور ہو گئے، بھائیوں اور بہنوں نے ہر طرف قیامت کا سماں پیدا کر دیا

ہر گھر سے رونے، چلانے اور ماتم کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

آخر ایک شخص مغیرہ بن عبداللہ نے یہ رائے دی کہ اس معاملہ کو کسی کاہن کے سامنے پیش کرنا چاہیے تو کوئی حل ضرور نکلے گا۔ اس زمانہ میں یثرب یعنی مدینہ میں ایک کاہنہ بہت مشہور تھی۔ عبدالمطلب یثرب گئے نہیں ملی تو خیبر گئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ کاہنہ نے پوچھا کہ تمہارے یہاں ایک آدمی کی دیت کتنی ہے۔ عبدالمطلب نے دس اونٹ بتائے، کاہنہ نے کہا کہ اب تم عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اگر اونٹوں پر قرعہ آگیا تو خیر ورنہ ہر مرتبہ دس دس اونٹ کا اضافہ کرتے رہو۔ جب تک اونٹوں پر قرعہ نہ آئے برابر اضافہ کرتے رہو، جب قرعہ اونٹوں کے نام نکلے تو سمجھ لینا کہ وہی عبداللہ کا فدیہ ہے، عبدالمطلب یثرب سے مکہ واپس آئے، اور کاہنہ کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کیا۔ چنانچہ اونٹوں کی تعداد جب سو ہو گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا، تمام خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، عبدالمطلب نے خوشی خوشی سو اونٹ راہ خدا میں ذبح کر دیئے۔ اس واقعہ نے عبداللہ کو ذبیح کے لقب سے بھی سرفراز کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابن الذبیحین کہہ کر پکارا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں یعنی حضرت اسماعیلؑ اور عبداللہ کا۔

مندرجہ بالا واقعہ کے وقت جناب عبداللہ کی عمر ۱۶ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱، ابن کثیر جلد ۲)

حضرت عبداللہ کی شادی

اب وقت آگیا تھا نور محمدیؐ اپنی تابانیوں سے عالم کو منور کرے۔ دعائے خلیل، نوید مسیحا کو آنکھوں سے دیکھنے کیلئے بہت سے پاکیزہ نفوس ہمہ تن انتظار بنے ہوئے تھے۔ اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ سے وہ نور منتقل ہوتا ہوا اب کسی محترم و مقدس خاتون میں جلوہ فرما ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ابن سعد، طبرانی اور حاکم کی روایت ہے کہ عبدالمطلب سے یمن کے سفر میں ایک یہودی عالم نے کہا تھا کہ نور نبوت کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے وطن پہنچو تو اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے خاندان بنی زہرہ کی کسی لڑکی کو شادی کے لئے تلاش کرنا کیوں کہ میں نور نبوت کو بنی زہرہ کے پیوند میں دیکھ رہا ہوں۔ عبدالمطلب واپس مکہ آئے تو کئی شخصوں نے اپنی لڑکیوں کی پیش کش کی مگر عبدالمطلب کی آنکھیں بنی زہرہ پر لگی ہوئی تھیں۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدالمناف کی ایک لڑکی آمنہ ہے۔ نیک سیرت، مقبول صورت اور پارسائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے، اس کے علاوہ کوئی ایسی خاتون نہیں ہے جو حضرت عبداللہ کے لئے مناسب و موزوں ہو سکے۔

حضرت عبدالمطلب نے خاندان کی چند عورتوں کو جناب عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو کے ہمراہ وہب بن عبدمناف کے گھر پیغام شادی لے کر بھیجا۔ وہب کی بیوی برہ جو محترمہ آمنہ خاتون کی والدہ تھیں، ان عورتوں کی آمد سے بہت خوش ہوئیں، یہ معلوم ہو کر کہ آمنہ کا پیغام عبداللہ کے لئے لے کر آئی ہیں۔ عزت و مسرت سے آنکھیں بچھا دیں اور کہنے لگیں کہ ہم عبدالمطلب جیسے سردار کے گھرانے کی غلامی کو فخر سمجھتے ہیں۔

عبدالمطلب اس کامیابی پر بہت مسرور تھے، چند ہی روز کے بعد رؤسائے قریش اور بنی ہاشم کی موجودگی میں جناب آمنہ خاتون سے حضرت عبداللہ کا نکاح ہو گیا، درحقیقت بنی زہرہ قریش ہی کی ایک شاخ تھے حضرت آمنہ کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے کلاب پر اور ماں کی طرف سے قصیٰ پر پہنچ کر رسول اکرمؐ کے نسب سے مل جاتا ہے، رسول اکرمؐ کی نانی صاحبہ بھی قریش کی بہت معزز و محترم خاتون تھیں، اسی طرح آپ کے نانا وہب نامور، بااثر اور پوری قوم میں بڑے ذی عزت بزرگ تھے۔

علامہ شبلی سیرت النبی میں بحوالہ ابن ہشام اور زرقانی جناب عبداللہ کی شادی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "عبداللہ قربانی سے بچ گئے، تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدالمناف کی صاحبزادی جن کا آمنہ نام تھا قریش کے تمام خاندان میں ممتاز تھیں۔ وہ اس وقت اپنے چچا وہب کے پاس رہتی تھیں، عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا، انھوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا، اسی موقعہ پر عبدالمطلب نے وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا شادی کی حضرت حمزہ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں، ہالہ رشتہ سے آنحضرتؐ کی خالہ تھیں اور اس بنا پر حضرت حمزہ آنحضرتؐ کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں، دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد ۳ دن سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ ۳ دن رہے اور پھر گھر چلے آئے، اس وقت انکی عمر تقریباً ۱۷ برس سے کچھ زیادہ تھی"

حضرت عبداللہ کی جوانی اور حسن و جمال کے متعلق بہت سی غلط روایات

کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی عورتیں حضرت عبداللہ کے عشق میں دیوانی ہو رہی تھیں، شربت وصل سے لطف اندوز ہونے کے لئے صدہا ترکیبیں اور جتن کر رہی تھیں، یہاں تک کہ تاریخ انخلیس کا بیان ہے کہ دو سو عورتیں اسی غم میں مر گئیں کہ ان کو حضرت عبداللہ کا وصال نصیب نہیں ہو سکا، اس قسم کی تمام روایتیں ناقابل قبول ہیں اور اس پاکیزہ تذکرہ کے شایان شان نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ کی وفات

حضرت عبداللہ کی شادی کو کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے، نور محمدی شکم مادر میں جلوہ گر ہونے ہی پایا تھا کہ حضرت عبداللہ کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام جانے کا اتفاق ہوا، یہ مکہ والوں کا گرمائی قافلہ تھا جو ہمیشہ موسم گرما میں مکہ سے شام جایا کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ قافلہ والوں کے ساتھ سامان تجارت لئے ہوئے شام سے مدینہ طیبہ آئے مگر وہاں پہنچتے ہی بیمار ہو گئے، اس قابل نہیں رہے کہ مدینہ سے مکہ تک کا سفر کر سکیں، آخر آپ اپنے والد کے ننہال بنی نجار میں ٹھہر گئے، قافلے والے مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے، ادھر یہ قافلہ رخصت ہوا اور ادھر حضرت عبداللہ کی حالت زیادہ بگڑنے لگی، اہل قافلہ مکہ آئے تو سب سے پہلے انھوں نے عبدالمطلب کو جناب عبداللہ کی علالت سے مطلع کیا، حضرت عبدالمطلب نے فوراً بڑے صاحبزادے حارث کو مدینہ بھیجا اور کہا کہ جس طرح ممکن ہو عبداللہ کو لے کر مکہ آؤ۔ وہ نہیں جانتے

تھے کہ قضائے الٰہی کا فیصلہ کچھ اور ہی ہو چکا ہے، حارث مدینہ میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ جناب عبداللہؓ نے داعیٔ اجل کو لبیک، کہدیا۔ حارث کی توانائیاں اس حادثہ نے کھو دیں، ان کو مدینہ سے مکہ واپس آنا دشوار ہوگیا۔ جس طرح ہو سکا مکہ آئے اور والد محترم کو پیارے عبداللہؓ کے داغ مفارقت کی خبر سنائی، عبدالمطلب ایک آہ سرد بھر کر خاموش ہو گئے، مکہ میں کہرام مچ گیا، آنکھیں نم ہو رہی تھیں، دل رو رہے تھے اور سیدوں کے ہر گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، سیدہ آمنہ کا دل ٹوٹ گیا، عبدالمطلب اور ابو طالب نے صبر و ضبط کی تلقین کی اور یہ کہہ کر سیدہ آمنہ کے دل کو ڈھارس بندھائی کہ عنقریب تم ایک ایسے چراغ ہدایت و اخلاق کی ماں بننے والی ہو جسے دیکھ کر ہر غم رسیدہ اپنے غموں کو بھول جائے گا۔

(ابن کثیر وغیرہ)

بعض تاریخوں میں حضرت عبداللہ کی وفات مقام ابواء میں بیان کی جاتی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، مدینہ کے دار نابغہ میں آج بھی آپ کی قبر موجود ہے اور اس پر ایک قدیم طرز کا قبہ بنا ہوا ہے، جسے راقم سطور نے بچشم خود دیکھنے کی سعادت حاصل کی ہے، علامہ سیوطیؒ اور ابن حجر کے بیان کے مطابق وقت وفات آپ کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد فوت ہوئے ہیں لیکن علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس روایت کی تردید کی ہے۔ حضرت عبداللہ نے اپنی وفات کے بعد چند اونٹ چند بکریاں اور ایک کنیز ام ایمن کو چھوڑا

تھا، یہ سب چیزیں عبداللہ کے یتیم فرزند محمد مصطفےٰؐ کو ترکہ میں ملی تھیں۔

(طبقات ابن سعد)

اصحاب فیل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کعبہ پر ابرہہ کا حملہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، عام طور پر سیرت نگار قبل ولادت کے حالات میں اس واقعہ کو لکھتے آئے ہیں، ہمارے زمانہ کے مشہور سیرت نگار علامہ شبلی رح نے قبل ولادت میں اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے، ایسے مسلمہ واقعہ سے جس کی طرف خود قرآن کریم سورہ فیل میں اشارہ کر رہا ہے کسی طرح چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح کچھ اور حضرات نے واقعہ تو لکھا ہے مگر خلاف حقیقت روایات کو سپرد قلم فرما کر تاریخ ولادت کے سلسلے میں ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے مثلاً مفتی محمد شفیع صاحب دروس التاریخ کے حوالے سے اپنے رسالہ سیرت خاتم الانبیاء میں لکھتے ہیں کہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ واقعہ فیل ۱۲ ابریل ۵۱۷ء میں ہوا ہے۔ درحقیقت واقعہ فیل تاریخ ولادت سے گہرا تعلق رکھتا ہے، اور اس تعلق کی وجہ سے عام طور پر اصحاب سیر اور محدثین نے یہی بیان کیا ہے کہ کعبہ پر ابرہہ کا حملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے پچاس، باون یا پچپن دن پہلے ہوا تھا، پچپن دن پہلے کی روایت زیادہ مستند ہے۔

حملہ کی وجہ

عام طور پر مورخین نے کعبہ پر حملہ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ شاہ حبشہ

نے جب یمن پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ تو یمن کے مستقل گورنر ابرہہ نے شاہ کو خوش کرنے کے لئے دارالحکومت میں جس کا نام صنعا تھا، ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا۔ یہ عمارت جب بن کر تیار ہوگئی تو اس نے شاہ حبشہ سے اس کے دیکھنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے عظمت و شہرت حاصل ہے صنعا کو بھی حاصل ہو جائے مگر اس کے لئے مجھے کوشش کرنا پڑے گی کہ اہل عرب کو زیارت کعبہ سے روک کر اس کلیسا کی طرف مائل اور متوجہ کردوں! شاہ نے اس کی تجویز پسند کی اور ابرہہ نے قاصدوں کو مختلف مقامات کی طرف روانہ کردیا تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے قدیم گھر سے ہٹا کر اس نئے عبادت خانہ میں آکر عبادت کرنے کی دعوت دیں۔ کچھ قاصد مکہ بھی آئے اور انھوں نے لوگوں کو اس نئے عبادت خانہ کی طرف چلنے کی دعوت دی تو بنی کنانہ کے ایک غیور شخص عرفہ بن عیاض نے طیش میں آکر ایک قاصد کے ایسا تیر مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے قاصد نے بھاگ کر جان بچائی اور ابرہہ کو جاکر صورت حال سے مطلع کیا۔

دوسری روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جب کلیسا کو کعبہ کے مقابل عبادت گاہ بنانے کی کوشش کی جارہی تھی تو بنی کنانہ کے ایک شخص نے جو یمن میں موجود تھا کلیسا میں رات کو گھس کر پیشاب کردیا۔ پہلی وجہ صحیح معلوم ہوتی ہے، ابن خلدون نے بھی اسی کو روایت کیا ہے اور اگر دوسری روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تب بھی واقعہ کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے

غرض قاصد کے بیان نے ابرہہ کو آگ بگولا کر دیا، اس نے فوراً ایک لشکر جرار اور بہت سے سیاہ فام اور دیو قامت ہاتھیوں کو ساتھ لیا اور مکہ کا رخ کر دیا، یہ لشکر جب ارض حجاز میں داخل ہوا تو ذونفر حمیری نے دو ہزار کی جمعیت کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا مگر شکست ہو گئی، جمعیت منتشر ہو گئی اور حمیری کو گرفتار کر لیا گیا، طائف والے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انھوں نے ابرہہ کی اطاعت قبول کر لی اور اپنا ایک آدمی ابورغال رہنمائی کے لئے ہمراہ کر دیا۔

ابرہہ اپنی فوجوں کو لئے ہوئے جب مقام مغمس میں پہونچا تو فوجیں ڈال دیں، تاکہ کعبہ کو ڈھانے کی تدابیر پر غور کیا جائے، یہ جگہ عرفات کے قریب مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ فوج کے آدمی ہر طرف پھیل گئے بہت سے جانوروں کو بھی پکڑ لے گئے، اسود بن مقصود حبشی ایک یمنی سردار نے بہت سے آدمی بھی بیگار لینے کے لئے پکڑ لئے۔ جو اونٹ پکڑے گئے تھے ان میں دو سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے۔ اس چھیڑ چھاڑ اور زیادتی کے باوجود عبدالمطلب اور اہل قریش خاموش رہے اور مقابلہ کے خیال کو بالکل ترک کر دیا۔

ابرہہ کا خیال تھا کہ اہل مکہ کعبہ کے انہدام کا سن کر نہ صرف خوفزدہ ہو جائیں گے بلکہ اطاعت قبول کر لیں گے اور کلیسا کو ترقی دینے میں ہاتھ بٹائیں گے، مگر یہاں معاملہ برعکس ہوا، اہل قریش اگر پیچھے جلیں اور خائف بھی ہوئے تو ہاشمی سردار عبدالمطلب نے ان میں استقلال کی لہر دوڑا دی

آپ نے قریش کو خاموش رہنے اور خدا پر بھروسہ رکھنے کا مشورہ دیا۔ آخر ابرہہ نے خود ہی چند آدمیوں کو عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور انکے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ ہم کعبہ کو ڈھانے آئے ہیں، جو شخص ہمارے ارادہ میں حائل اور مزاحم ہوگا اسے بدترین سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوجانا چاہیئے عبدالمطلب نے ابرہہ کے ناپاک پیغام کو بڑے صبر و سکون اور خاموشی سے سنا۔ جب قاصد سب کچھ کہہ چکے تو عبدالمطلب نے جواب میں فرمایا۔

"واللہ ما نریدہ حربہ ومالنا ابیت اللہ فان یمنعہ فھو بیتہ وان تخلی عنہ فما کنا نحن من دافع"۔

"قسم اللہ کی ہم اس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں، اللہ اگر اس کو روکے تو یہ اس کا گھر ہے اور اگر وہ تعرض نہ کرے تو ہم اسے دفع نہیں کرسکتے"۔

ہاشمی سردار کی جرأت

قاصد عبدالمطلب کا جواب لے کر گیا اور عبدالمطلب نے خود بھی ابرہہ سے ملنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اپنے ہمراہ بنی کنانہ کے سردار عمرو بن لعابہ اور بنی ہذیل کے سردار خویلد بن واثلہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ ابرہہ کے لشکر میں پہنچ کر پہلے ذونفر حمیری سے ملے اور پھر اسی کے ذریعہ ابرہہ کو اطلاع کرائی، ابرہہ کو عبدالمطلب کی غیر متوقع آمد نے مسحور کردیا تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا اور آنے کی غرض معلوم کی۔ عبدالمطلب نے کہا میں جانوروں کی واپسی کے لئے آیا ہوں۔ ابرہہ نے بڑے تعجب سے

سے کہا، یہ عجیب بات ہے کہ تم جانوروں کی واپسی کے لئے کہہ رہے ہو حالانکہ میں کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں چاہیئے تو یہ تھا کہ تم کعبہ کے معاملہ میں مجھ سے التجا کرتے، عبدالمطلب جو اپنے عزم و استقلال میں پورے عرب میں مشہور تھے۔ بڑی شان استغناء کے ساتھ فرمانے لگے۔

"اَنَا رَبُّ الاِبِلِ وَلِلْبَیْتِ رَبٌّ سَیَمْنَعُہٗ"

"اونٹ میرے ہیں اور کعبہ خدا کا ہے وہ عنقریب اسے بچالے گا"

ابرہہ اس جواب کو سن کر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر حکم دیا کہ اونٹوں کو چھوڑ دیا جائے۔ ہذیل و کنانہ کے دونوں سرداروں نے ابرہہ سے درخواست کی کہ اگر تم کعبہ کے انہدام سے باز رہو تو ہم تہامہ کی تہائی آمدنی دینے کو تیار ہیں۔ ابرہہ نے اس درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی، عبدالمطلب واپس آگئے۔ قریش جو واپسی کا انتظار کر رہے تھے عبدالمطلب کے گرد جمع ہو گئے آپ نے سب کو مشورہ دیا کہ کعبہ کو اس کے مالک پر چھوڑ دو اور پہاڑوں میں روپوش ہو جاؤ۔ سب لوگ اپنے اہل و عیال کو لے کر پہاڑوں کی طرف جانے لگے، عبدالمطلب کعبہ میں آئے اور اس کے دروازہ کو پکڑ کر فرمانے لگے

"اے اللہ! بے شک بندہ اپنے گھر پر حملہ کرنے والے کو روکتا ہے۔ پس جو تیرے گھر پر چڑھ کر آیا ہے تو بھی اسے روک دے بلاشبہ حملہ آوروں کی صلیب اور ان کا غصہ تیرے غصہ پر غالب نہیں آئے گا۔ آج صلیب کے مقابلہ میں اپنوں کی مدد فرما"

سب لوگ پہاڑوں میں چھپ چکے تھے۔ عبدالمطلب بھی اپنے گھر والوں کو

جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بھی شامل تھیں بیلتے ہوئے ایک قریب کے پہاڑ میں تشریف لے گئے۔

لشکر ابابیل کا ظہور

آل ہاشم اور خصوصاً عبدالمطلب نے کعبہ کی حفاظت کی درخواست اور اپنی کمزوری کی عرضداشت بارگاہ رب العزت میں بڑی عاجزی سے کی تھی۔ عبدالمطلب اگرچہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے تھے مگر انہیں کامل یقین تھا کہ خدا اپنے گھر کو برباد نہ ہونے دے گا۔

ابرہہ مغمس سے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لے کر آگے بڑھا، اب اس کے قدم کعبہ کو ڈھانے کے لئے اٹھ رہے تھے، مگر قدرت اپنا کام اس طرح کر رہی تھی کہ ابرہہ مع فوج کے وادی محسّر میں داخل ہی ہوا تھا کہ آسمان پر بے پناہ ابابیلوں کے غول نمودار ہوئے، فوج ہاتھیوں کو کعبہ کی طرف بڑھانے کے لئے جا رہی تھی کہ دفعتاً ہاتھیوں نے کعبہ کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا۔ ہرچند گھمانا چاہا مگر ہاتھی نہیں گھومے بلکہ زمین پر بیٹھ گئے ہر کوشش جب بے کار ہو گئی تو ابرہہ نے غصے سے حکم دیا کہ پیدل بڑھو اور کعبہ کو مسمار کر دو۔ فوج اس حکم کی تعمیل کرنے بھی نہیں پائی تھی کہ ابابیلوں کے غول نے وہ کنکر جو ان کی چونچ اور پنجوں میں دبے ہوئے تھے پھینکنا شروع کر دیئے۔ یہ کنکر کیا تھے غیبی گولیاں تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے لشکر مع ہاتھیوں کے اس طرح پامال ہو گیا جیسے کھایا اور چبایا ہوا بھوسا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

تاریخ مصطفیٰ[1]

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ان کی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کر دیا، اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے، پس اللہ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا" (سورہ فیل پ ۳۰)

یہ کنکر اگر پلیٹھ میں لگتے تھے تو پیٹ سے نکل جاتے تھے۔ ابرہہ مع فوج اور ہاتھیوں کے ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک سیلاب آیا جو اپنے ساتھ تمام لاشوں کو سمندر میں بہالے گیا، میدان صاف ہو گیا اور کعبہ کو ڈھانے والے ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئے۔ (موضح القرآن، ابن خلدون)

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ کنکر لگنے سے جسم پر چیچک کے دانے نمودار ہو جاتے تھے، تمام لشکر چیچک زدہ ہو گیا تھا، ابرہہ پر اتنا سخت حملہ ہوا کہ اس کے اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے، ہاتھی بھی اس مرض سے نہیں بچ سکے مگر قرآن کریم نے ہلاکت کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے وہ اس روایت سے مختلف ہے۔

علامات ولادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پہلے کی بہت سی علامات محدثین اور مورخین نے بیان کی ہیں، یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب عیسٰی علیہ السلام تک نور رسالت مآب کے انتقال کی صدہا روایات حوالہ قرطاس کی گئی ہیں، زیادہ تفصیل کی گنجائش

ہمیں ہے، البتہ زمانہ قبل و مابعد کی کچھ مستند علامات اور عجائبات بیان کی
گئی ہیں جس سے ولادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے
تاریخ الخمیس کا بیان ہے کہ یہودیوں کے پاس حضرت یحییٰ علیہ السلام کے
خون میں ڈوبا ہوا جبہ موجود تھا۔ یہود کی کتابوں میں اس جبہ کے متعلق لکھا تھا
جب اس جبہ سے تازہ خون ٹپکنے لگے تو سمجھ لینا کہ آخری نبیؐ کے والد حضرت
عبداللہ پیدا ہوئے، اسی طرح حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد حضرت عبدالمطلب
سے بیان کیا کہ میں جب کسی خشک درخت کے نیچے بیٹھتا ہوں تو وہ درخت
سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے، عبدالمطلب نے بیٹے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری
پشت سے ایک ایسا فرزند پیدا فرمائے گا جو سارے جہان کا سردار ہوگا۔ حضرت
عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں جب مکہ کے بتوں کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا تو کان
میں آواز آتی تھی کہ اے عبداللہ! جو نور تمہاری پشت میں رونق افروز ہے وہ
ان بتوں کی ہلاکت اور ذلت کا سبب بنے گا۔ ایک دن حضرت عبداللہ تنہا
جنگل میں شکار کو گئے ہوئے تھے، کچھ یہودیوں نے آپ پہ حملہ کرنا چاہا۔ فوراً
غیب سے کچھ سوار نمودار ہوئے اور آپ کو دشمنوں کے ہاتھ سے بچا لیا۔

(سیرت حلبیہ، تاریخ الخمیس)

عام طور پر اہل مکہ عبدالمناف کو بطحا کا چاند کہا کرتے تھے، حالانکہ وہ شکل و صورت
میں مکہ والوں میں سب سے زیادہ حسین بھی نہیں تھے۔ مگر نور مصطفےٰؐ ان کے
چہرہ سے ہویدا تھا اسی لئے وہ سب سے خوب صورت نظر آتے تھے۔ امام
زہری کہتے ہیں کہ جناب عبداللہ کی بھی یہی کیفیت تھی اور وہ قریش میں سب

سے زیادہ حسین وجمیل تھے ہر گھر میں حسن عبداللہ کا ذکر ہوا کرتا تھا (ابن کثیر)

حضرت ابن عباس نے اپنے والد حضرت عباس سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب جب تجارت کی غرض سے یمن گئے تو وہاں ایک یہودی عالم نے ان سے درخواست کی کہ میں آپ کے جسم کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے ستر کو چھوڑ کر معائنہ کی اجازت دیدی۔ یہودی نے سب دیکھا اور ناک کے نتھنے دیکھ کر کہا کہ مبارک ہو کہ ایک میں نور نبوت ہے اور دوسرے میں جاہ وحشمت اور حکومت ہے، یہ پیشین گوئی اگر صحیح ثابت ہوئی کہ آپ کی ایک اولاد سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور دوسرے فرزند حضرت عباس کی اولاد سے سلسلہ حکومت ہوا جو خلفائے عباسیہ کے نام سے تاریخی شہرت رکھتا ہے، لیکن یہ بات عظمت نبوت کے لحاظ سے اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ نور نبوت کے لئے ناک کے نتھنے کیوں منتخب کئے گئے جبکہ چہرے پر ناک سے زیادہ اچھے اعضاء موجود تھے، اس لئے یہ خیال ہوتا ہے کہ اصل روایت میں آنکھوں کا ذکر تھا کثرت نقل میں آنکھوں کی جگہ ناک کا ذکر آگیا اور پھر اسی طرح یہ روایت نقل ہوتی رہی (زرقانی)

علامہ ابن اسحق حضرت حسان بن ثابت سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ میں اچھا خاصا ہوشیار ہو چکا تھا، عمر آٹھ سال کے قریب تھی۔ ہر معاملہ کو خوب سمجھ لیتا تھا۔ ایک دن میں نے علی الصبح ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا، اے گروہ

میں آواز کو سن کر بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے، اور اس سے اس کے چلانے اور پکارنے کی وجہ معلوم کرنے لگے۔ بوڑھا یہودی کہنے لگا، سنو! گزشتہ رات نبی آخرالزماں احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارا طلوع ہو چکا ہے لہذا یاد رکھو کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت کو حافظ ابو نعیم دلائل النبوت میں حضرت ابوسعید خدری رض سے روایت کرتے ہیں کہ ابو مالک بن سنان کا بیان ہے کہ میں قبیلہ بنو اشہل میں گیا تھا، میرے سامنے یوشع یہودی نے لوگوں سے کہا کہ نبی آخرالزماں جن کا اسم احمد ہے عنقریب پیدا ہونے والے ہیں' ایک شخص ابن ثعلبہ اشہلی نے اس سے پوچھا کہ ان کی کوئی پہچان بتاؤ، یوشع نے کہا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ یہ شہر یثرب ان کی ہجرت گاہ ہوگا، ابو مالک نے کہا کہ اس کے بعد میں اپنی قوم میں گیا اور یوشع کی بات بیان کی تو لوگ کہنے لگے کہ یہ بات صرف یوشع ہی نہیں کہتا ہے بلکہ آج یثرب کا ہر یہودی یہی کہہ رہا ہے، اس کے بعد ابو مالک نے کہا کہ میں بنی قریظہ میں گیا تو وہاں جسے بھی دیکھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کر رہا تھا۔ ساتھ ہی زبیر بن باطا یہودی عالم نے یہ بھی کہا کہ آج رات ایک سرخ ستارہ طلوع ہو چکا ہے، یہ ظہور انبیاء کی علامت ہے، آج رات آخری مرتبہ نکلا ہے کیوں کہ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں وہ اسی شہر یثرب میں ہجرت کر کے آئیں گے۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے لوگوں کو مطلع کیا کہ

احبار شام میں سے ایک عالم نے مجھ سے کہا کہ تمہارے یہاں مکہ میں ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں، کیوں کہ ان کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے، جاؤ، ان سے ملاقات کرو اور ان کی تصدیق کرنا۔

عجائبات قدرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے سلسلہ میں بہت سے عجائبات کا قدیم مورخین اور سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے۔ خصائص کبریٰ، سیرت حلبیہ، مواہب لدنیہ، دلائل ابو نعیم، تاریخ الخمیس اور شواہد النبوت وغیرہ میں جو عجائب و غرائب قلم بند کیے گئے ہیں اگرچہ طبیعتیں ان کو تسلیم کرنے سے پس و پیش کرتی ہیں مگر وہ بعید از قیاس امور قدرت خدا کے نزدیک محال و ناممکن نہیں ہیں، اس لیے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

مورخ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب شکم مادر میں جلوہ فرما ہوئے تو سیدہ آمنہ کو عالم خواب میں بشارت دی گئی کہ تم بہت ہی خوش قسمت ہو کہ تمہارے جسم سے نبی آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے، دیکھو جب یہ مولود مسعود پیدا ہو تو تم اس طرح کہنا اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد۔ یعنی میں اپنے اس بچہ کو ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد وقدوس کی پناہ میں دیتی ہوں۔ اور یہ بھی کہا کہ اس مولود کی ولادت کے وقت ایک نور ظاہر ہوگا جس کی روشنی ملک شام تک پہنچے گی اس لیے آمنہ تم اس بچہ کا نام محمد ﷺ رکھنا (سیرت ابن ہشام) اس روایت کو حضرت بریدہ

الہ سے دلائل النبوت نے بھی بیان کیا ہے، سیرت حلبیہ کا بیان ہے کہ حضرت
نہ کو جلوہ افروزی کے پہلے ہی دن عالم رویا میں یہ اطلاع دے دی گئی تھی
تمہاری ذات میں خاتم الانبیاء رونق افروز ہوتے ہیں۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ابتداء میں "میں عجیب و غریب خواب دیکھا کرتی
ں، بعض خواب خوف طاری کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ قریش کی
رتوں سے میں نے خوابوں کا ذکر کیا تو ان کو جنات کے اثرات کا شبہ ہوا
اور انھوں نے ایک لوہے کی ہنسلی میرے گلے میں ڈال دی۔ مگر اسی رات
میں نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلوہ فرما دیکھا۔ آپ فرما
رہے تھے اے آمنہ! تم حامل سید الانبیاء ہو، یہ لوہے کا طوق تمہارے لئے
مناسب نہیں ہے، پھر آپ نے اس لوہے کی ہنسلی کی طرف اشارہ کیا تو وہ
ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی (سیرت حلبیہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا سال مکہ والوں کے لیے خشک
سالی اور قحط کا سال تھا مگر ظہور رسالت مآبؐ کی برکت سے قحط کے آثار
دور ہونے لگے، خشک درخت سرسبز و شاداب ہونے لگے، مکہ والوں کے
لئے یہ سال اس قدر خوش حالی اور فارغ البالی لایا کہ انھوں نے اس سال
نام سنۃ الابتہاج رکھدیا (زرقانی)

محدث ابن جوزی نے رسالہ میلاد میں بے شمار عجائبات کا ذکر کیا ہے جن کو
میں بخوف طوالت چھوڑے دیتا ہوں، نیز اس وجہ سے بھی کہ عجائبات کا
سیرت سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے، جن چیزوں سے انسانی کردار کی تعمیر ہوتی

ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے اور اس کے وہ واقعات ہیں جو لوگوں کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی، جناب عبداللہ کو ذبح سے بچانا اور اونٹوں کے نام قرعہ کا نکلنا اور اصحاب فیل کے حملہ کی ناکامی یہ سب قبل و لادت کے عجائبات میں مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں، مورخین نے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے ظہور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا ہے۔



محمد الرسول اللہ ﷺ

ولادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کائنات دہر میں بار ہا معصیت کی گھٹائیں اٹھیں، انبیائے کرام تشریف لائے، اصلاح و اعمال کے لئے جدوجہد کی، کسی نے مانا، کسی نے نہیں مانا۔ اطاعت و معصیت کی کشمکش بڑھتی گئی، داعیان حق مایوس ہوتے رہے، آخر عذاب الٰہی کی ایک ہلکی سی نمود نے زمین کو زیر و زبر کر دیا، بے شمار قومیں صرف اس لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں کہ وہ داعیان حق کی آواز کو قبول کرنے سے قاصر رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخالفین کے ہاتھوں بچا کر آسمان پر اٹھا لیا گیا تقریباً ۶ سو سال کا طویل عرصہ اسی طرح گزر گیا، نہ کوئی نبی مبعوث کیا گیا اور نہ کسی داعی نے دعوت حق کا پیغام سنایا، لوگ بھول گئے کہ نبی کسے کہتے ہیں اور اس کی تعلیم کیسی ہوتی ہے، بدکرداری کے بے پناہ طوفان تھے جو ہر طرف اٹھ رہے تھے انسان بھول چکا تھا کہ خالق و مخلوق میں کوئی رشتہ و رابطہ بھی ہو سکتا ہے

زمین کا سینہ گناہوں کے بوجھ سے پھٹا جا رہا تھا۔ کائنات کا چپہ چپہ چاہتا تھا کہ زمین کے جغرافیہ کو از سر نو بدل دیا جائے، معصوم اور سعید روحوں کی نگاہیں دعائے خلیلؑ و بشارت عیسیٰؑ پر لگی ہوئی تھیں، آخر معصیت کے گناہ چھٹنے لگے، زمین کا سینہ بوجھ سے ہلکا ہونے لگا، تاریک ماحول میں امید کی کرن اس طرح چمکی کہ مایوسیاں مسرت سے ہم کنار ہونے لگیں، یعنی خالق کائنات نے خاک بطحا کو مطلع انوار بنا ہی دیا۔

۱۲ ربیع الاول کی صبح صادق کتنی حسین و سعید ساعت تھی جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین اور خاتم النبیین کا خلعت فاخرہ زیب تن فرما کر عبدالمطلب کے گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔

شعب ابوطالب میں عبدالمطلب کا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا، آپ اس کمرہ میں پیدا ہوئے جو داخل ہونے والے کے بائیں جانب واقع تھا، ستارے جھلملا رہے تھے گویا رخصتی سلام کے ساتھ آفتاب رسالتؐ کی آمد کا اعلان کر رہے تھے، کعبہ پر ابرہہ کے حملہ کو ۵۵ دن گزر چکے تھے۔

تاریخ کا اختلاف

یہ امر باعث افسوس ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کو ۱۴۲۰ برس کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی تاریخ ولادت میں علماء و مورخین کا اختلاف بدستور چلا آ رہا ہے اور کسی کو یہ خیال پیدا نہیں ہوتا ہے کہ کسی ایک تاریخ پر تحقیق و تلاش کے بعد اتفاق کر لیا جائے اور مورخین کے بیانات میں جو تضاد پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جائے، یہ اختلاف ہمارے نزدیک

کی پیداوار نہیں ہے، اس لئے ہم کو موردِ الزام بھی نہیں گردانا جا سکتا، قدیم مورخین میں طبری، ابن خلدون، ابن ہشام، ابن خلکان، اور ابو الفدا وغیرہ سبھی کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، اردو کی کتابیں جو اب تک سیرت پر لکھی جا چکی ہیں، پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آتی ہے کہ آخر ہمارے مورخین اور سیرت نگاروں نے قارئین کو اختلافات کی اس دلدل میں پھنسا رکھنے میں کیا فائدہ دیکھا اور ایک صحیح تاریخ کے قیام سے کیوں گریز کیا، مولانا اسلم جیراج پوری ۹ ربیع الاول بیان کرتے ہیں، ڈاکٹر عبد الحئی ۲۲ اپریل بتاتے ہیں۔ مولانا راشد الخیری نے ۱۰ ربیع الاول ظاہر کی ہے، آغا رفیق بلند شہری نے کئی تاریخیں بیان کی ہیں، ان کا خیال ہے کہ رسول اکرمؐ ۲ اپریل کو یا ۲ مئی کو یا ۲۰ اگست کو یا ۲۳ اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے، اس کے علاوہ آغا صاحب چاند کی تاریخ کا کوئی ذکر نہیں کرتے ہیں ان کے حساب سے رسول اکرمؐ ربیع الاول کی نہ ۱۲ کو پیدا ہوئے اور نہ ۹ کو۔ مولانا منصور پوری رحمۃ اللعالمین میں نو ربیع الاول سنہ عام الفیل بیان کرتے ہیں۔ مشہور سیرت نگار مولانا شبلیؒ نے تو اس گتھی کو بڑی آسانی سے یہ کہہ کر اتار دیا کہ "تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دو شنبہ، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔"

مفتی محمد شفیع صاحب نے محمود پاشا کے قول کو بے سند قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ جمہور کے خلاف ہے، حسابات پر بوجہ اختلاف مطالع اعتبار نہیں

کیا جا سکتا ہے"۔

میرے خیال میں تاریخ کے اس افسوسناک اختلاف کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ اور ۱۲ ربیع الاول ہی کو صحیح تاریخ ولادت تصور کر لیا جائے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے اور انھوں نے اسی تاریخ کو صحیح قرار دیتے ہوئے اجماع امت نقل کیا ہے، یہی رائے کامل ابن اثیر کی بھی ہے۔

تحریر سیرت کے سلسلہ میں مذبذب بیان زیب نہیں دیتا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب "رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں فرماتے ہیں کہ "بہرحال ۵۳ قبل ہجرت کا واقعہ ہے جسے عموماً ۵۷۰ء اور کبھی کبھی ۵۷۱ء کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔ صحیح تاریخ ولادت کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن ہماری ضرورت کے لئے اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے حقیقتاً تحقیق کی محنت سے گریز کیا ہے۔ تاریخ ولادت کے تعین کو اہمیت نہ دینا بہت ہی سطحی خیال ہے۔ میرے خیال میں سیرت نگاروں اور مسلمانوں کو عام طور پر ۱۲ ربیع الاول اور دو شنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء پر متحد و متفق ہو جانا چاہیے اور بلاشبہ یہی صحیح بھی ہے، البتہ اگر عیسوی تاریخ و سن میں کوئی اختلاف ۱۲ ربیع الاول کے مطابق کرنے میں ہوتا ہے تو ہوا کرے ہم اس کے پابند نہیں ہیں، لیکن ربیع الاول کے لئے یہ کہنا کہ ۸ سے ۱۲ تک میں تاریخ ولادت منحصر ہے۔ بہت کمزور بیان ہے، درحقیقت متقدمین کے اختلافات نے سیرت نگاروں کو بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے، لکھنے والوں کو سب کی پیروی کرنا تو دشوار ہے، کسی ایک کے قول کو ہی اختیار کریں گے، یہی وجہ ہے کہ

مختلف تاریخیں بیان کی جاتی ہیں۔ اگر کسی ایک نقطہ پر جمع ہونا چاہیں تو کوئی مشکل امر نہیں ہے، جب دو شنبہ کے دن اور ربیع الاول کے مہینہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، نیز تاریخ ۸ سے ۱۲ تک میں منحصر ہے تو پھر ۱۲ کے تعین میں تذبذب کیوں ہے۔؟

اثراتِ ولادت

توحید کا پرچم بلند ہونے کا وقت آگیا، ولادت کے اثرات سے اہل باطل کی عقلیں حیران رہ گئیں، دور دراز مقامات پر ایسے تغیرات دیکھنے میں آئے جو اس سے قبل نہیں دیکھے گئے تھے، خاص مکہ میں یہ کیفیت تھی کہ ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کہتے ہیں کہ شب ولادت میں بت خانوں کے بت اوندھے گر گئے اور اگر ان کو سیدھا کیا گیا تو دوبارہ گر پڑے جسے دیکھ کر عثمان بن حویرث نے کہا کہ آج کوئی خاص واقعہ رونما ہوا ہے۔ حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا، کعبہ کی دیواریں مقام ابراہیم کی طرف جھک رہی ہیں اور ان کے ساتھ اللہ اکبر کی آوازیں آرہی ہیں صبح ولادت کو ایک یہودی نے عبدالمطلب سے بڑے حسرت و افسوس کے ساتھ کہا کہ آج بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی، اب یہ نوری فرزند نبوت کے حامل ہونگے، یمین کے ایک بت پرست شخص حامر کا بیان ہے کہ شب ولادت میں اپنے بت خانہ میں موجود تھا کہ اچانک میرا بت گرا اور کسی کہنے والے نے کہا:۔

وُلِدَ النَّبِیُّ الْمُنْتَظَرُ الَّذِیْ یُخَاطِبُہُ الْحَجَرُ وَالشَّجَرُ وَیَنْشَقُّ لَہُ الْقَمَرُ ۔

وہ نبی جن کا انتظار کیا جا رہا تھا تشریف لے آئے، ان سے پتھر

اور درخت کلام کریں گے اور چاند ان کے اشارے سے شق ہوگا
وَ اِسْمُہٗ مُحَمَّدٌ مُصْطَفٰے۔ اور ان کا نام محمد مصطفےٰ ﷺ ہوگا"
حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں آسمان سے ایک سفید ابر کو اپنے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے رسول اکرم ﷺ کو اپنے اندر چھپا لیا۔ فرماتی ہیں کہ آپ نے بعد ولادت کے سجدہ کیا، آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا:۔ لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ۔
عثمان بن العاص کی والدہ کہتی ہیں کہ میں وقت ولادت حاضر تھی، بی بی آمنہ کا کمرہ نور سے منور ہو رہا تھا اور ستارے گھر کی طرف ٹوٹے پڑ رہے تھے۔
(خصائص کبریٰ، دلائل ابو نعیم، زرقانی، شواہد النبوت، مواہب اللدنیہ)
عام طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی جن کی بعثت کی اطلاع جناب مسیح علیہ السلام دے چکے ہیں وہ بنی اسرائیل ہی میں پیدا ہونگے، اور یہ فخر بھی بنی اسرائیل کو ہی حاصل ہوگا مگر مکہ میں اور عبدالمطلب کے خاندان میں آپ کی ولادت نے بنی اسرائیل کی امیدوں پر پانی پھیر دیا چنانچہ ہشام بن عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی تاجر مقیم مکہ نے ولادت باسعادت سے باخبر ہونے کے بعد سخت افسوس کے ساتھ اہل قریش سے کہا کہ نبوت حضرت اسحاق کی اولاد سے نکل گئی، اے گروہ قریش تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ اس مولود کے سبب تم کو بڑی عظمت و شہرت حاصل ہوگی۔ (ابن کثیر)
دوردراز کے مقامات اثرات ولادت سے کس قدر متاثر ہوئے، مولانا

شبلیؒ نے اس کا بہت اچھا نقشہ کھینچا ہے جسے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتشکدہ کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے، توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔ یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہ کونین عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔"

(سیرت النبی جلد اول)

دورِ شادمانی

بیوہ ماں کی مایوسیاں مسرت سے بدل گئیں، غم کی گھٹائیں ظہور قدسی سے کافور ہو گئیں۔ عبدالمطلب کو اطلاع کی گئی، فوراً آئے، گود میں اٹھا لیا

پیشانی چومی، سینے سے لگائے ہوئے کعبہ میں آئے، سایۂ بیت اللہ میں کھڑے ہو کر پوتے کی ولادت پر بارگاہ رب العزت میں شکریہ ادا کیا اور ترقی جاہ کی دعائیں مانگیں، پوتے کی خوشی نے بیٹے کے غم کو بھلا دیا تھا۔ مسرت سے جھوم رہے تھے اور زبان سے یہ اشعار ادا ہو رہے تھے۔

الحمد للہ الذی اعطانی ❊ ❊ ❊ ھذا الغلام الطیب الاردان

قد ساد فی المھد علی الغلمان ❊ اعیذہ باللہ ذی الارکان

حتی اراہ بالغ البنیان ❊ اعیذہ من شر ذی شنان

ترجمہ:- سب تعریفیں بس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پاکیزہ فرزند عطا فرمایا جو گود ہی میں بچوں کا سردار معلوم ہوتا ہے، میں اسے خدائے قادر قیوم کی امان میں دیتا ہوں اے اللہ جب تک یہ جوان ہو کسی حاسد کا حسد اور کسی دشمن کا شر اس کو نقصان نہ پہنچا سکے (ابن کثیر، طبقات)

جسمانی کیفیت کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ناف بریدہ اور مختون یعنی ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے، مگر ابن کثیر اور ابن جوزی اس قسم کی روایات کو موضوعات میں شمار کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا ہے کہ مجھے تو اس قسم کی روایات کا کوئی علم بھی نہیں ہے چہ جائیکہ ان کی صحت اور عدم صحت کا کوئی ذکر کیا جائے۔" علامہ ابن قیم نے بھی لکھا ہے کہ مختون پیدا ہونے کی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں اور اگر ایسا ہو بھی تو یہ کوئی انفرادی وصف نہیں ہے۔ بہت سے بچے مختون پیدا ہوتے ہیں اور مشاہدے میں آتے ہیں (زاد المعاد)

البتہ ناف بریدہ پیدا ہونے کے سلسلہ میں جو روایات پائی جاتی ہیں وہ صحیح ہیں۔ یہ خصوصی وصف ہے جو عام طور پر نہیں پایا جاتا۔ نیز ناف بریدہ پیدا کرنے میں قدرت کو یہ امر بھی ملحوظ تھا کہ آپ بعد ولادت ناف سے تعلق رکھنے اور نکلنے والی گندگی سے محفوظ رہیں۔ بیہقی کی روایت ہے کہ ولادت شریف کے بعد عورتوں نے جب نال کاٹنے کا قصد کیا تو یہ بات دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ آپ ناف بریدہ ہیں اور جسم پاک صاف ہے۔ عورتوں نے جب عبدالمطلب سے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کے فرزند کو عظیم اوصاف سے متصف فرمائے گا (ابن کثیر)

آبا و اجداد کا مذہب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد کا مذہب کیا تھا، وہ کون سے دین پر قائم تھے؟ یہ بات بھی تاریخ ولادت کے اختلاف کی طرح ایک عرصہ سے زیر بحث چلی آرہی ہے۔ علماء اور مورخین کے خیالات میں بہت اختلاف وتضاد پایا جاتا ہے، مگر میں مستند روایات کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان حضرات میں کوئی بھی مشرک اور بت پرست نہیں تھا۔ وہ ہر موقعہ پہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، دین ابراہیمی کی صداقت ان کے نزدیک مسلم تھی، وہ کعبہ کو خدا کا گھر سمجھتے تھے، اس کی بقاء وحفاظت کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے تھے، کعبہ اگرچہ صنم خانہ بنا ہوا تھا مگر ہاشم عبدالمطلب یا ان کے بیٹے عبداللہ نے کبھی کسی بت کی پرستش نہیں کی، وہ بتوں کی

موجودگی کو کعبہ میں کسی طرح پسند نہیں کرتے تھے مگر وہ قریش کے کثیر گروہ کے مقابلہ میں قلیل اور کمزور تھے، ان کی دلی خواہش تھی کہ بیت اللہ کو اصنام کی گندگی سے پاک کر دیا جائے مگر گروہ قریش کی بتوں سے عام عقیدت کو دیکھتے ہوئے خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے ہاشم، عبدالمطلب یا عبداللہ کی بت پرستی ثابت ہوتی ہو یا کعبہ میں نصب شدہ بتوں میں ان کا کوئی مخصوص بت ہو اور وہ کسی امرِ دشوار یا مصیبت کے وقت اس بت سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہوں، حالانکہ اہل مکہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ وہ بتوں پر نذریں چڑھاتے اور ان سے اپنے کاموں میں امداد کے طالب ہوتے تھے، ہاشمی خاندان جو اگرچہ قریش ہی کی ایک شاخ تھا مگر اپنے خیالات کی پاکیزگی، خدا پرستی اور خدا ترسی کے لحاظ سے تمام عرب میں خاص فضیلت نجابت اور شرافت کا مالک تھا۔ چنانچہ دلائل ابونعیم میں مرفوعاً یہ روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دنیا کے مشرق و مغرب میں پھرا مگر بنی ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہیں دیکھا (مواہب)

علامہ زرقانی کا بیان ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جناب ہاشم کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ یہودی جب آپ کو دیکھتے تو ہاتھوں پر بوسہ دیتے تھے، جدھر سے گذر جاتے تھے ہر چیز آپ کو سجدہ کرتی تھی یہی حال حضرت عبدالمطلب کا تھا کہ ان کی پیشانی چمکتی تھی، جسم سے خوشبو آتی تھی قریش قحط کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ کر بیابان میں لے جاتے

وہ بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتا تھا (مدارج و مواہب)

حضرت عبدالمطلب خدائے وحدہٗ لاشریک کی ذات پر اس درجہ یقین رکھتے تھے کہ ابرہہ نے جب کعبہ کو ڈھانے اور مکہ کو تباہ کرنے کا قصد کیا تو عبدالمطلب نے خوف زدہ قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے گروہ قریش! تم کوئی خوف مت کرو اس گھر کا محافظ اور نگہبان پروردگار عالم ہے، وہی پاک ذات اس کو ابرہہ کے شر سے محفوظ و سلامت رکھے گا۔

(مدارج النبوت)

عبدالمطلب نے ابرہہ سے بھی یہی فرمایا تھا کہ "اونٹ میرے ہیں اور کعبہ خدا کا ہے وہ خود اپنے گھر کو بچائے گا" پچھلی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عبدالمطلب ابرہہ کے حملے سے کچھ پہلے جب مکہ چھوڑ کر جانے لگے تو آپ نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر فرمایا تھا۔ اے اللہ جو تیرے گھر پر چڑھ کر آیا ہے اسے روک اور پرستاران صلیب کے مقابلہ میں اپنوں کی مدد فرما۔ تاریخ الخمیس کا بیان ہے کہ چاہ زمزم جو مدتوں سے بند پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب ہی کو خواب میں اس کے کھود کر نکالنے کا حکم دیا، یہ حکم ایک فرشتہ کے ذریعہ دیا گیا تھا۔ فرشتہ نے کہا کہ وہ پاک چیز کھود کر نکالو، تو آپ نے سوال کیا کہ وہ پاک چیز کیا ہے؟ فرشتہ نے کہا وہ ایک کنواں ہے جس کا نہ پانی کبھی کم ہوتا ہے اور نہ خشک ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ نے بھی ایک مرتبہ اپنے والد حضرت عبدالمطلب سے کہا

تھا کہ میں جس جگہ بھی بیٹھتا ہوں تو کوئی کہتا ہے کہ سلام ہو تم پر اے امانت دار نور مصطفیٰ۔ درختوں کی خشک شاخیں سرسبز ہو کر میرے اوپر سایہ کرتی ہیں، عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک نورانی فرزند عطا فرمائے گا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میرے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا۔ اے آمنہ تم خوش قسمت ہو کہ اس امت کے سردار سے تم حاملہ ہو۔ جب پیدا ہوں تو کہنا کہ میں ان کو ایک اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر ان کا نام محمدؐ رکھنا (ابن ہشام)

ان مذکورہ بالا روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ سرکار دو عالمؐ پاک اصلاب و ارحام سے پیدا فرمائے گئے۔ اور مشرک پاک نہیں ہوتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے سیرت خاتم الانبیاء میں لکھا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مطہر، تمام دنیا سے زیادہ شریف اور پاک ہے"!

پہلی آزادی

سرکار دو عالمؐ کی ولادت کی خبر آناً فاناً مکہ میں پھیل گئی، ابولہب کی لونڈی ثوبیہ وقت تولد خانۂ ولادت میں موجود تھی، بھاگی ہوئی گئی اور آقا ابولہب کو جا کر یہ خبر مسرت اثر سنائی کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کی بیوی آمنہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہے، ابولہب یہ معلوم کر کے کہ میرے مرحوم بھائی کی نسل کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے، بہت خوش ہوا اور اسی وقت اس خوشی سے مسرور ہو کر ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ ابولہب مرحوم عبداللہ کا بڑا بھائی تھا جو

عبداللہ سب سے چھوٹے تھے اور سب سے زیادہ حسین تھے اس وجہ سے سب بھائیوں کو ان سے بے حد محبت تھی، مگر یہ بدقسمتی بھی تاریخ میں ایک مثال بن کر رہ گئی کہ رسول اکرمؐ جب تاج نبوت سے سرفراز کئے گئے تو ابولہب سب سے بڑا مخالف اور دشمن ثابت ہوا، بعض مورخوں کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ سب سے چھوٹے نہیں تھے بلکہ یہ حضرت حمزہ رضؓ اور عباس رضؓ سے چھوٹے تھے، ابولہب آنحضرتؐ کا حقیقی چچا نہیں تھا۔ بلکہ عبدالمطلب کی پانچویں بیوی لعینہ بنت ہاجر سے پیدا ہوا تھا۔

بخاری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضؓ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارا مرنے کے بعد کیا حال ہوا تو اس نے کہا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ مگر دوشنبہ کے دن عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے کیوں کہ میں نے ثوبیہ کو رسول اکرمؐ کی ولادت کی خبر سن کر آزاد کر دیا تھا

رسم ختنہ

اگرچہ بعض مورخین اسی طرف گئے ہیں کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے مگر ابن ندیم ابن کثیر اور علامہ ابن قیم جیسے مشہور ائمہ فن نے چونکہ کسی دلیل کو قبول نہیں کیا ہے اس لئے یہی زیادہ صحیح ہے کہ آپ غیر مختون پیدا ہوئے تھے اور عبدالمطلب نے رسم ختنہ ادا کی تھی، چنانچہ امام عبدالبر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ولادت سے ساتویں دن عبدالمطلب نے رسم ختنہ ادا کی، اہل مکہ اس تقریب میں شریک کئے گئے اور ان کو عبدالمطلب نے باقاعدہ کھانا کھلایا۔

ایام رضاعت

ولادت باسعادت کے تھوڑی دیر بعد آپ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون نے آپ کو اپنا دودھ پلایا۔ اس کے بعد وہ کئی دن پلاتی رہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہفتہ برابر پلایا۔ اس کے بعد یہ سعادت ابولہب کی آزاد شدہ ثویبہ کو حاصل ہوئی، ثویبہ آزاد ہونے کے بعد جناب آمنہ ہی کی خدمت میں آگئی تھیں، کیوں کہ آزادی کی دولت انہوں کے فرزند بلند ارجمند کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، اس وقت ثویبہ کی گود میں ان کا لڑکا مسروح تھا۔ عبدالمطلب کے بچوں میں اس سے پہلے ثویبہ حضرت حمزہ رض کو بھی دودھ پلا چکی تھیں، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ثویبہ نے عبداللہ بن جحش رض آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

(طبقات۔ امام سہیلی)

خوش نصیب خاتون

قبیلہ بنی سعد میں حلیمہ سعدیہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کو سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلائی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ قبیلہ جسے بنی سعد اور بنی ہوازن بھی کہتے ہیں، مکہ سے کچھ دور اور طائف سے قریب آباد تھا۔ اس قبیلہ میں کچھ گھر ایسے تھے کہ جن کی عورتوں کا ذریعہ معاش اسی پر تھا کہ وہ خوش حال خاندانوں کے بچوں کو دودھ پلانے اپنی بستی میں لے آتی تھیں، حلیمہ سعدیہ کا اگرچہ یہ پیشہ نہیں تھا مگر سال ولادت میں قحط کی سختیوں نے انہیں بھی مجبور کر دیا تھا کہ وہ بھی قبیلے کی عورتوں کے

ہمراہ مکہ آئیں اور کسی خوشحال گھر کے بچے کو دودھ پلانے کے لئے لے جائیں
چنانچہ جناب حلیمہ اپنے شوہر اور بچوں کو لے کر قبیلے کی عورتوں کے ساتھ مکہ آئیں
مگر وہ ناواقف ہونے کی وجہ سے ان گھرانوں کو نہیں جانتی تھیں جہاں سے
کوئی ایسا بچہ ملتا جو ان کی معاشی پریشانیوں کے لئے وجہ سکون ہوتا۔ دوسری
عورتوں نے اپنے سابقہ تجربہ کی بدولت اچھے اچھے گھرانوں کے بچے حاصل
کر لئے۔ جناب حلیمہ کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا، کئی عورتیں حضرت
آمنہ کے پاس بھی آئیں مگر یہ معلوم کر کے کہ بچہ یتیم ہے، دادا اور چچا بھی غریب
ہیں۔ زیادہ فائدہ کی امید نہیں ہے واپس چلی گئیں، حضرت حلیمہ ہر طرف
سے مایوس ہو کر جناب آمنہ کے پاس آئیں تو ان کو بھی آنحضرت ؐ کی یتیمی کا
حال معلوم ہوا، واپس آئیں اور شوہر سے کہا کہ اب کوئی بچہ نہیں ہے سب
نے اچھے گھروں کے بچے حاصل کر لئے، صرف کعبہ کے متولی کا یتیم پوتا رہ گیا
ہے چونکہ وہ غریب ہیں اس لئے کسی نے لینے کا اقرار نہیں کیا، شوہر کو
یہ حال سن کر بہت افسوس ہوا، اس خیال سے کہ خالی جانا بھی مناسب نہیں
ہے، ہماری ناکامی پر لوگ بھی ہنسیں گے اور خود اپنے دل کو اچھا نہیں لگے
گا۔ حضرت حلیمہ سے کہا جاؤ اور اس یتیم ہی کو لے آؤ، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ
اس یتیم کی خدمت کے صلہ میں ہماری کلفتوں کو راحت سے بدل دے۔
حضرت حلیمہ کا بھی پہلے سے یہی خیال تھا کھل کر شوہر سے کہتے ہوئے جھجک رہی
تھیں، شوہر کی مرضی پاتے ہی فوراً خانۂ مصطفےٰ ؐ کا رُخ کر دیا (ابن کثیر)

برکات محمدیؐ

جناب حلیمہ کا بیان ہے کہ جب میں سیدہ آمنہ کے گھر در یتیم کو لینے گئی تو آپ سو رہے تھے، ماں نے اشارے سے بتایا، میں قریب گئی چہرہ مبارک کی تابانی دیکھی تو جگانے کی ہمت نہ ہوئی محبت سے پیشانی پر ہاتھ رکھا آپ نے آنکھیں کھول دیں مجھے دیکھا اور مسکرائے، آنکھوں کے نور اور معصوم مسکراہٹ کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بچہ اگرچہ یتیم ہے مگر اپنی عظمت شرافت میں مکہ کے بچوں کا سردار معلوم ہوتا ہے، اس کی برکتوں سے نہ صرف میری پریشانیاں دور ہو جائیں گی بلکہ بہت سے یتیم بچے اور نادار انسان فیض حاصل کریں گے مجھ سے ضبط نہیں ہو سکا، فرط محبت سے جھکی، پیشانی چوما اور گود میں اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر سیدہ آمنہ کے پاس بیٹھی پھر ان کی اجازت سے مولود مسعود کو گود میں لے کر اپنے خیمہ میں آئی، شوہر نے جمال جہاں آرا کو دیکھا اور کہا، حلیمہ! یہ تو خدا کی بڑی نعمت ہے، مجھے امید ہے کہ یہ بچہ ہمارے حق میں فرشتہ رحمت ثابت ہو گا۔ (مواہب مدارج)

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے سیدھی طرف سے آپ کو دودھ پلایا، خوب سیر ہو کر پیا اور پھر گہوارہ میں آرام سے سو گئے۔ اس کے بعد عبداللہ (رضاعی بھائی) کو پلایا، خوب سیر ہو کر پیا اور اسے بھی نیند آ گئی قدوم محمدیؐ کی یہ پہلی برکت تھی کہ میرے سوکھے ہوئے سینے میں دودھ کی فراوانی ہو گئی، وہ عبداللہ جو بھوک سے بلکتا رہتا تھا آج آرام سے سو رہا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اب ہماری اونٹنی کے تھن بھی دودھ

بھر گئے تھے، ہم دو آدمیوں نے خوب پیٹ بھر کر پیا اور پھر بھی برتن میں دودھ بچ رہا، اس دور قحط سالی میں یہ رات پہلی تھی کہ ہم کھا پی کر آسودہ ہوتے اور چین کی نیند سوئے۔ جناب حلیمہ کہتی ہیں کہ صبح کو ہم نے سیدہ آمنہ اور عبدالمطلب کو رخصتی سلام کیا، نور نظر کو گود میں لے کر اسی نحیف و لاغر سواری پر بیٹھے مگر اب حالت ہی بدل چکی تھی، جس دراز گوش اور اونٹنی سے قدم اٹھائے نہیں جاتے تھے اور جو آتے وقت قافلہ سے پیچھے رہے اور آخر میں مکہ پہنچے اب ان کی رفتار اتنی تیز ہے کہ قافلہ سے آگے چل رہے ہیں، ساتھی حیران ہیں کہ حلیمہ کی سواری کے جانوروں میں یہ توانائی اور قوت اتنی جلدی کہاں سے آگئی۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ راکب براق حلیمہ کی گود میں رونق افروز ہیں یہ تمام برکتیں اسی دریتیم کی ذات سے وابستہ ہیں جن کو قبیلہ کی تمام عورتوں نے یتیم خیال کر کے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ (ابن ہشام، روض الانف)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کی برکتیں صرف مکہ میں یا راستہ تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ جب ہم اپنے گاؤں میں پہنچے تو وہاں بھی برکات محمدی کے بے شمار نظارے آنکھوں کے سامنے آتے رہے۔ وہ جنگل جو قحط زدہ ہو رہا تھا جہاں کی گھاس خشک ہو چکی تھی اب سرسبز و شاداب ہو گیا بکریاں جو بھوک سے بے حال ہو چکی تھیں، پیٹ بھر کر جنگل سے شام کو گھر واپس آنے لگیں۔ قبیلہ کے لوگوں نے اپنے بچوں سے اور چرواہوں سے کہا کہ تم بھی اسی جنگل میں اپنی بکریاں لے جایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرا کرتی ہیں۔ (ابن سعد)

عدل و نفاست

جناب حلیمہؓ کا بیان ہے کہ آپ گہوارہ میں بھی عدل و انصاف پر اس درجہ عمل پیرا تھے کہ میں آپ کو کبھی دوسری سمت سے دودھ پلانا چاہتی تھی تو آپ نہیں پیتے تھے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہو سکتی تھی کہ آپ اپنے رضاعی بھائی عبداللہؓ کے حق کا لحاظ رکھتے تھے، اسی طرح مزاج میں شروع ہی سے اس قدر نفاست اور شرم تھی کہ آپ نے کبھی کپڑوں میں پیشاب پاخانہ نہیں کیا۔ اگر حاجت ہوتی تو روتے تھے اور میں سمجھ جایا کرتی تھی۔ اگر جسم کبھی کھل جاتا تھا اور کپڑا ہٹ جاتا تھا تو بھی آپ روتے تھے۔ جب میں کپڑا اڑھا دیا کرتی تھی تو خاموش ہو جاتے تھے۔ حضرت حلیمہؓ یہ بھی کہتی ہیں کہ اگر میں کسی کام میں مصروف ہوتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی آپ کو بہلا رہا ہے اور آپ اطمینان سے لیٹے ہوئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے آپ کی فطرت میں شرم و حیا اور عدل و انصاف کو ودیعت فرمایا تھا۔

بولنا اور چلنا

دو مہینہ کی عمر میں آپ بیٹھنے لگے تھے، اور پانچ مہینہ کی عمر میں پیروں پر چلنے لگے تھے اور ۷ ماہ کی عمر میں تیز چلتے تھے۔ آٹھ مہینہ کی عمر ہوئی تو اچھی طرح بولنے لگے تھے آپ کا پہلا کلام لا الٰہ الا اللہ تھا۔

آپ کبھی بچوں کے ساتھ نہیں کھیلے، بلکہ رضاعی بھائی کو اگر کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان کو بھی منع فرماتے تھے۔ بعض تاریخوں میں بچوں کے کھیل آپ کے

کھیلنے کا ذکر پایا جاتا ہے مگر شاہ عبدالحق محدثؒ نے اسے غلط قرار دیا ہے آپ کی ذات فیض و برکات کا ایسا منبع تھی کہ جو بیمار بچے پاس آکر بیٹھ جاتے تھے تندرست ہوجاتے تھے۔ بیمار بکریوں پر اگر آپ ہاتھ پھیرتے تھے تو شفا مل جاتی تھی۔

حضرت حلیمہ رضؓ کہتی ہیں آپ دیکھتے تھے تو میرے اوپر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور یہ کیفیت اس درجہ مجھ پر غالب تھی کہ میں آپ کی موجودگی میں کبھی اپنے شوہر سے بھی ملاقات نہ کر سکی۔

مکہ میں واپسی

سرکار دو عالمؐ جب پورے دو سال کے ہوئے تو حضرت حلیمہؓ نے آپ کا دودھ چھڑوا دیا۔ آپ نے اس وقت زبان مبارک سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ حمداً کثیراً وسبحان اللہ بکرۃً واصیلا۔

بیہقی نے حضرت عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آپؐ کا پہلا کلام تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے سلسلہ میں یہ پہلا کلام تھا ورنہ بولنے کی ابتدا لا الٰہ الا اللہ سے ہوئی تھی۔ حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ دو سال کے تھے تو اچھے خاصے بڑے معلوم ہوتے تھے۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے گھر سے جدا کیا جائے اور ماں کو واپس کیا جائے مگر دستور کے مطابق مجھے دودھ چھڑانے کے بعد مکہ آپ کو لے جانا پڑا تاکہ میں آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کردوں مگر اتفاق سے جب مکہ پہنچی تو وہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی تھی، لوگ پریشان تھے مجھے آپ کو دوبارہ واپس لانے کے لئے یہ ایک اچھا موقعہ ہاتھ آگیا۔ چنانچہ میں نے آپ کے دادا اور آپ کی والدہ سے کہا کہ مکہ میں

طاعون کی وبا کے زمانہ میں آپ کا رہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہمراہ واپس لے جاؤں، خدا کی عنایت کہ میرا مشورہ قبول ہوا، سب راضی ہو گئے اور میں آپ کو اپنے ساتھ واپس لے آئی۔ ماں کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اب بچہ کو علیحدہ رکھا جائے مگر حلیمہ کے اصرار اور وبا کے زور نے واپس کرنا ہی مناسب سمجھا، آپ جانے لگے تو ماں نے پیار کیا اور فرمایا۔ بیٹا تھوڑے دن کے لئے ابھی اپنی مشفقہ دائی حلیمہ کے پاس اور رہو پھر ہم بلالیں گے۔ آنحضرتؐ نے محبت سے ماں کو دیکھا اور دوبارہ قبیلہ بنی سعد میں واپس آگئے۔ (خصائص، طبقات، ابن ہشام)

واقعہ شق صدر

یہ عجیب و غریب واقعہ جسے شق صدر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسی زمانہ میں پیش آیا جب کہ آپ دوبارہ حضرت حلیمہ کے ہمراہ قبیلہ بنی سعد میں پہونچے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ کے بچے یعنی آپ کے رضاعی بھائی ہر روز صبح کو گھر کی بکریاں جنگل میں چرانے کے لئے لے جایا کرتے تھے اور شام سے پہلے واپس آجاتے تھے۔ ایک دن آپ نے جناب حلیمہ سے فرمایا کہ آج تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ چراگاہ کو جاؤں اور بکریاں چراؤں۔ حلیمہؓ نے اجازت دے دی اور خیال کیا کہ جنگل کی ہوا خوری اور چلنے پھرنے سے صحت بھی اچھی رہے گی اور دل بھی بہلے گا۔ چنانچہ آپ انکے ہمراہ جنگل جانے لگے اور بکریوں کی نگرانی اور ان کو چرانے میں دل چسپی لینے لگے، ایک دن جبکہ آپ بکریوں کے چرانے

میں مشغول تھے کہ اچانک حضرت جبرئیلؑ آگئے۔ آپ کو پکڑا، سینہ کو بائیں طرف سے قدرے چاک کیا اور کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ رضاعی بھائی نے یہ بات دیکھی تو سخت خوف زدہ اس کے عالم میں بھاگتے ہوئے گھر آئے اور یہ ہوش ربا واقعہ ماں باپ کو سنایا۔ پھر کیا تھا حلیمہ اور انکے شوہر کے اوسان جاتے رہے، جنگل کی طرف بھاگے اور ہر طرف نظریں ڈالنا شروع کیں، چراگاہ پہنچے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ بکریوں کے قریب کھڑے ہیں چہرہ اداس اور رنگ متغیر ہے، حلیمہ اور حارث دونوں آپ کی طرف لپکے مگر حارث نے جلدی سے آگے بڑھ کر اٹھا لیا، سینے سے لگایا، پیار کیا، تسلی دی اور پوچھا بیٹا! کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا، دو آدمی آئے تھے، سفید لباس تھا مجھے لٹایا اور سینہ کو چاک کیا، کوئی چیز نکالی اور پھینک دی۔ جناب حلیمہ اور ان کے شوہر نے کہا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے اور یہ کہہ کر آپ کو گھر لے آئے، اس کے بعد آپ کو پھر کبھی جنگل نہیں جانے دیا، دونوں میاں بیوی حیران تھے، وہ اگرچہ جانتے تھے کہ یہ کوئی قدرت کا راز ہے مگر اس امانت کو اب زیادہ اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ دونوں نے مشورہ کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو مکہ پہونچا دیا جائے۔ آخر حضرت حلیمہ نے بچوں کو گھر ہی پر چھوڑا اور آپ کو لے کر مکہ آئیں، جناب آمنہ خاتون نے تعجب سے پوچھا کہ اتنی جلدی آگئیں، حلیمہؓ کچھ کہنا نہیں چاہتی تھیں مگر سیدہ آمنہ کے اصرار پر تمام واقعہ بیان کر دیا، جناب آمنہ نے فرمایا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے بچے کو شیطان کوئی ضرر

نہیں پہنچا سکتا ہے۔ واللہ میرے فرزند کی بڑی شان ہے، پھر انھوں نے وقت ولادت کے عجائبات حلیمہ کے سامنے بیان کئے تاکہ حلیمہ کا خوف بھی دور ہو اور وہ عظمت مصطفیٰ سے بھی واقف ہو سکیں۔

(ابن ہشام، شواہد نبوت، خصائص کبریٰ)

راستہ کا واقعہ

حضرت حلیمہ بیان کرتی ہیں کہ میں جب گھر سے مکہ آرہی تھی تو راستہ میں ایک مشہور کاہن کے پاس بھی آپ کو لے گئی تاکہ اس سے بھی شق صدر کا واقعہ سنا کر کچھ معلوم کروں کہ یہ کیا بات ہے، چنانچہ جب اس کے پاس گئی تو ابھی میں کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور مجھ سے لے کر دونوں ہاتھوں سے آپ کو سینے تک اٹھایا اور چلا کر کہنے لگا کہ اہل عرب! دوڑو اور اس بچہ کو قتل کر دو اور مجھے بھی قتل کر دو، ورنہ یاد رکھو کہ یہ بچہ تمہارے دین کو مٹائے گا اور ایک ایسے دین کی طرف تم کو بلائے گا جس کا تم نے آج تک نام بھی نہیں سنا ہے۔ حضرت حلیمہ اس کاہن کی اس حرکت کو دیکھ کر غصے سے سرخ ہو گئیں اور جلدی سے آنحضرت ؐ کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا، تو پاگل اور دیوانہ ہے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے، تجھے اپنا علاج کرانا چاہیئے۔ (شواہد نبوت)
اس واقعہ کو مفتی محمد شفیع نے بھی سیرت خاتم الانبیاء میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اس دوسرے واقعہ نے حلیمہ کو اور بھی زیادہ اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اب آپ کو جلد سے جلد ماں کے حوالہ کر دیا جائے۔

واپسی کے وقت آپ کی عمر میں مورخین کا اختلاف پایا جاتا ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پانچ سال کی عمر تھی، واقدی کہتے ہیں کہ پانچ سال اور دو دن ہو چکے تھے، بعضوں کا کہنا ہے کہ چار سال کی عمر میں واپس آئے۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ آپ پورے تین سال کے بھی نہیں ہوئے تھے۔ کیوں کہ والدہ محترمہ نے حلیمہ سے واپسی کے وقت تعجب سے کہا تھا کہ اس قدر خواہش کے بعد لے جا کر اتنی جلدی واپس لانے کی کیا وجہ ہے۔

متفرق واقعات

علامہ سہیلی کا بیان ہے کہ حلیمہ سعدیہ اگرچہ غریب تھیں مگر تمام قبیلہ میں سب سے زیادہ صاحب حوصلہ اور شریف سمجھی جاتی تھیں طبیعت میں سخاوت اور اخلاق کے ساتھ حد درجہ وقار اور سعادت پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے رسولؐ کو اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ سے پیدا فرمایا تھا اسی طرح آپ کو دودھ پلانے کے لئے بھی حضرت حلیمہؓ جیسی نیک سیرت خاتون کا انتخاب فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بچوں کو بیوقوف عورتوں کے ذریعے سے دودھ مت پلوایا کرو کیونکہ مرضعہ کے اچھے یا برے اثرات دودھ کے ذریعہ بچہ میں اثر کرتے ہیں۔

واقعہ شق صدر کے متعلق صحیح احادیث میں کافی صراحت موجود ہے، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا عمل تین مرتبہ آپ کے ساتھ کیا گیا، پہلی دفعہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں، دوسری دفعہ آغاز وحی کے وقت اور

تیسری مرتبہ شب معراج میں۔ علامہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ان واقعات سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ علامہ نجم الدین نے "المعراج الکبیر" میں ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ تین مرتبہ کا یہ عمل علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے لئے تھا۔ علامہ عسقلانی نے فرمایا ہے کہ ان احادیث کو ماننا واجب ہے۔ حضرت انس رضی کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر سوئی کی سلائی کے نشان دیکھا کرتا تھا۔ مدارج النبوت میں ہے کہ حضور اکرم ؐ نے اپنے انشراح صدر کے متعلق فرمایا کہ جبریل امین نے میرے دل پر نور کی مہر لگا دی تھی، جس سے میرا باطن نور سے بھر گیا تھا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس نور کے مہر کی خنکی اب تک اپنے جسم اور رگوں میں محسوس کرتا ہوں

(مواہب، روضتہ الاحباب)

علامہ عسقلانی اور ابن جوزی رح کہتے ہیں کہ شق صدر سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی اور آپ آسانی کے ساتھ اس امتحان سے گذر گئے تھے۔ جو مورخین یہ کہتے ہیں کہ آپ کو شق صدر میں سخت تکلیف برداشت کرنا پڑی تھی وہ شاید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بنی سعد میں پہلی مرتبہ کے واقعہ کے بعد آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور آپ پریشان نظر آرہے تھے، یہ دیکھ کر حارث نے آپ کو جلدی سے سینہ سے لگا لیا تھا مگر یہ تغیر کسی تکلیف کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ صورت حال آپ کے لئے ایک نئی بات تھی۔ عالم ہوش میں پہلی مرتبہ اس عجیب و غریب کیفیت نے آپ کو

بے حد متاثر کر دیا تھا۔ اگر تکلیف ہوتی تو آپ ضرور اس کا اظہار فرماتے ابن منیر نے شق صدر کو ذبح اسماعیلؑ سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ یہ ابتلاء ذبیح علیہ السلام کے ابتلاء سے بھی زیادہ سخت تھا مگر ان کا یہ کہنا واقعات کے لحاظ سے تو درست ہو سکتا ہے کہ سینہ چاک کرنے میں بلاشبہ تکلیف ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ شق صدر اور ابتلاء میں بہت بڑا فرق ہے، شق صدر صرف اس لئے تھا کہ نور نبوت کو سینہ میں بھر دیا جائے اور معصیت کی جو تحریکیں بحیثیت انسان کے آپ میں موجود ہیں ان کو معصومیت سے تبدیل کر دیا جائے۔ برخلاف اس کے ذبح اسماعیلؑ کی غرض حضرت ابراہیمؑ اور جناب اسماعیلؑ کے صبر و سکون اور ان کی اطاعت کے جذبہ کو دیکھنا اور دوسرے انسانوں کو دکھانا مقصود تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ انبیائے کرام سب سے زیادہ مطیع و فرمانبردار ہوتے ہیں، اپنے رب کے حکم پر سر جھکانا ان کی عادت میں داخل ہوتا ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ کو شق صدر میں کوئی زحمت اٹھانا پڑی تھی تو یہ بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اس صورت حال کو کس قدر صبر و سکون سے برداشت کر لیا اور کبھی کسی تکلیف کے پہنچنے کی شکایت نہیں کی اگر کوئی بڑی سی تکلیف اٹھانا پڑتی تو آپ ضرور بیان فرماتے۔ گویا تیسرے سال کی عمر میں ہی آپ کو اس بات کا بہت حد تک یقین تھا کہ یہ سب کچھ کسی غیبی قوت اور محبت کرنے والی ذات کی طرف سے ہو رہا ہے۔

حلیمہ کا خاندان

حضرت حلیمہ کا قبیلہ اور کنبہ اگرچہ کافی بڑا تھا مگر اولاد زیادہ نہیں تھی صرف چار بچوں کا تذکرہ تاریخ میں ملتا ہے، عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور حذافہ یعنی ایک لڑکا اور تین لڑکیاں تھیں، بعض تذکروں میں دو لڑکے بیان کئے گئے ہیں، شوہر کا نام حارث تھا، سب سے چھوٹی لڑکی حذافہ کو شیما بھی کہتے تھے۔ یہ سب اسلام لے آئے تھے البتہ انیسہ اور حذیفہ کے اسلام کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ حارث اعلان نبوت کے بعد مکہ آئے اور کہا یہ کیا تم کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا "میں تم کو دکھادوں گا کہ میں سچ کہتا ہوں" حارث اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ شیما غزوہ حنین کے بعد مسلمان ہوئیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حلیمہ قبل نبوت وفات کر گئیں تھیں، غلط ہے، ابن حجر نے اصابہ میں انکے اسلام لانے کو وضاحت سے بیان کیا ہے، حافظ مغلطائی نے تو اس موضوع پر ایک خاص رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے "التحفۃ الجسیمہ فی اثبات اسلام حلیمہ" اس کے علاوہ صحیح احادیث میں جناب حلیمہ رض کا بارگاہ رسالت میں آنا اور آپ کا ان کے لئے چادر بچھانا مذکور ہے۔

(ابو داؤد، اصابہ)

مدینہ کا سفر

قبیلہ بنی سعد سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ خاتون کی آغوش محبت میں پرورش پانے لگے، یہاں تک کہ آپ کی عمر ۶ سال کی ہو گئی، بہت ہوشیار اور حالات کو اچھی طرح سمجھنے لگے تھے، ماں

کے علاوہ دادا عبد المطلب اور چچا ابو طالب کی محبت بھری نظریں ہر وقت آپ کی طرف مرکوز رہتی تھیں، اس زمانہ میں بھی آپ کی عادتیں پاکیزہ، مزاج سنجیدہ اور ایک خاص قسم کی متانت طبیعت میں پائی جاتی تھیں، مکہ کے ہم عمروں میں وہی بچے آپ کے دوست اور ساتھی تھے جن کے مزاجوں میں شرافت پائی جاتی تھی، لہو و لعب اور کھیل کود سے آپ بالکل الگ رہتے تھے ۶ سال کی عمر پوری ہونے کے بعد آپ کی مادر مشفقہ نے آپ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ جانے کا قصد کیا۔

ابن سعد، ابن ہشام اور دیگر لوگوں کا بیان ہے کہ سیدہ آمنہ نے عبد المطلب کے ننہال والوں سے ملنے کے لئے یہ سفر کیا تھا جو مدینہ میں قبیلہ بنی نجار کے نام سے مشہور تھے مگر اتنا طویل اور اس قدر دور کے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے سفر کرنا خلاف قیاس ہے۔ یقیناً اس تعلق کے علاوہ کوئی اور بھی کشش تھی جو آپ کو مدینہ کی طرف کھینچ رہی تھی، اس لئے مولانا شبلیؒ کا یہ بیان ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہے کہ "حضرت آمنہ اپنے شوہر عبد اللہ کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں، جو مدینہ میں مدفون تھے"۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو بھی والد کی قبر دکھانا چاہتی ہوں تاکہ یتیم فرزند اپنے والد کی قبر کو آنکھوں سے دیکھ لیں اور یتیمی کا صدمہ ہلکا ہو جائے۔

غرض سیدہ آمنہ عبد المطلب کی اجازت سے اپنی خادمہ ام ایمن اور آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئیں، دو اونٹنیاں سواری

اور بار برداری کے لئے ساتھ تھیں، ام ایمن کا نام اصل میں برکت بنت ثعلبہ تھا، آنحضرت ؐ کو والد کے ترکہ میں ملی تھیں، بہت نیک اور خدمت گزار تھیں حضرت حلیمہ کے بعد آنحضرت ؐ کی دیکھ بھال اور خدمت گذاری کے فرائض یہی انجام دیا کرتی تھیں، آنحضرت ؐ ان سے بہت محبت فرماتے تھے، سیدہ آمنہ نے مدینہ پہنچکر دار نابغہ میں قیام فرمایا، اسی محلہ میں حضرت عبداللہ کی قبر تھی۔ راقم الحروف نے ستمبر ۱۹۵۲ء میں اس قبر کی زیارت کی تھی۔ ترکی کا تعمیر کردہ قبہ قبر پر موجود ہے اندر داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ حضرت آمنہ کے دار نابغہ کے قیام سے اس خیال کو اور تقویت ہوتی ہے کہ آپ واقعی شوہر کی قبر دیکھنے اور آنحضرت ؐ کو دکھلانے گئیں تھیں۔

سیدہ آمنہ تقریباً ایک مہینہ۔ مدینہ میں مقیم رہیں۔ اس درمیان میں، حضرت عبدالمطلب کے رشتہ داروں سے میل جول اور تجدید تعلقات میں خاصہ اضافہ ہوا۔ آنحضرت ؐ کو اس زمانہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے، چنانچہ بنی نجار کے ایک مکان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا کہ میری والدہ اسی مکان میں ٹھیری تھیں، ایک تالاب کے متعلق فرمایا کہ میں نے اس تالاب میں تیرنا سیکھا تھا۔ گھر کے قریب ہی ایک میدان کے متعلق فرمایا کہ میں اس میدان میں کھیلا کرتا تھا اور ایک لڑکی آنیسہ بھی یہاں کھیلتی تھی (طبقات جلد ۱)

ام ایمن کا بیان ہے کہ دوران قیام میں مدینہ کے یہودی آپ کو اکثر دیکھا کرتے تھے۔ میں نے ایک یہودی کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ بچہ اس امت کا نبی ہے اور

کسی وقت اسی شہر میں ہجرت کر کے آئے گا، ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے یہودی کے قول کو بہت اچھی طرح یاد رکھا تھا۔ (ابن سعد)

سیدہ آمنہ کی وفات

یوں تو آنحضرتؐ یتیمی کا داغ لئے ہوئے پیدا ہوئے تھے مگر ہوش سنبھالنے کے بعد ماں کی جدائی کا یہ پہلا صدمہ تھا جس نے آپ کو آزردہ خاطر کر دیا تھا عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ سیدہ آمنہ ایک ماہ بعد مدینہ سے مکہ کیلئے روانہ ہوئیں تو راستہ میں مقام ابوا میں بیمار ہو گئیں۔ مرض نے اتنی مہلک شکل اختیار کر لی کہ اس جگہ سے آگے جانا ناممکن ہو گیا۔ اس خیال سے ذرا ٹھیریں کہ کچھ سکون ہو تو آگے بڑھیں مگر عمر اپنا وقت پورا کر چکی تھی۔ سیدہ آمنہ نے آخری ساعتوں میں اپنے یتیم لخت جگر کو نظر بھر کر دیکھا اور حسرت و یاس سے بھرے ہوئے چند اشعار کہے، اس کے بعد آخری ہچکی نے ہمیشہ کے لئے ماں سے بیٹے کو جدا کر دیا۔ ام ایمن نے آنحضرتؐ کو سینہ سے لگا لیا اور تسلی دی، عالم سفر میں اس واقعہ نے آنحضرت کو بہت بڑا صدمہ پہونچایا مگر آنحضرتؐ نے اس چھوٹی عمر میں ایسے صبر و سکون کا مظاہرہ فرمایا جو بڑے لوگوں سے بھی نہیں ہو سکتا، ام ایمن نے بڑی ہوشیاری سے تجہیز و تکفین کے مراسم انجام دیئے، اس نامانوس مقام میں ظاہر ہے کہ ایسا کام انجام دینا ام ایمن کے بس کا نہیں تھا۔ اگرچہ تذکرے خاموش ہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ ام ایمن نے ابوا کی آبادی سے ضرور امداد لی ہو گی ورنہ قبر وغیرہ کھودنا اور بنانا صرف ام ایمن اور چھ سال کے آنحضرتؐ کے لئے ممکن نہیں تھا۔ آنحضرتؐ

کو اپنی والدہ سے کتنی محبت تھی اور ان کی جدائی کا دل پر کس قدر اثر تھا؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ بڑی عمر میں جب کبھی آپ ابواء سے گزرتے تو والدہ کی قبر پر ضرور حاضری دیتے اور آنسو بہاتے، اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر کو محفوظ رکھا گیا تھا۔ شاید عبدالمطلب نے اپنے مراسم اور اثرات سے قبر کی حفاظت کا کوئی انتظام کر دیا ہوگا۔

ام ایمن کو آنحضرتؐ سے بہت محبت تھی۔ انھوں نے بعض خوارق بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، ان کو اس امر کا پورا احساس تھا کہ آپ کو عام لوگوں کی نظروں سے بچایا جائے چنانچہ اس مرحلے سے فارغ ہو کر وہ آنحضرتؐ کو لے کر فوراً مکہ کے لئے روانہ ہو گئیں، بوڑھے دادا نے ام ایمن کی زبان سے روح فرسا خبر سنی تو آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ پوتے کو سینہ سے لگا لیا، دیر تک پیار کرتے رہے، ہر طرح تسلی دی اور اپنی محبت کا یقین دلایا۔ عبدالمطلب کو سب سے زیادہ یقین تھا کہ میرا یہ بیٹا باوجود یتیم و یسیر ہونے کے ایک دن ضرور بلند رتبہ حاصل کرے گا اور دنیا میں خاص قسم کی سرداری سے سرفراز کیا جائے گا۔

دادا کی محبت

طبقات ابن سعد اور مدارج النبوت کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کو سب سے زیادہ محبت اپنے یتیم پوتے سے تھی۔ ماں کی وفات کے بعد تو اس انس و محبت نے عشق کی شکل اختیار کر لی تھی، وہ کسی وقت تنہا نہیں چھوڑتے تھے اٹھنا بیٹھنا، سونا اور کھانا سب آپ ہی کے ساتھ ہوتا تھا، کبھی آپ کے بغیر کھانا نہیں کھایا، عبدالمطلب نے پوتے کے لئے جو خیال اپنے ذہن میں بٹھا لیا تھا

اس کی ایک جھلک یہ تھی کہ وہ پوتے کا احترام کیا کرتے تھے، اہل مکہ جب عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے متصل خصوصی مسند بچھایا کرتے تھے تو عبدالمطلب کی اولاد و احباب میں کسی کو اس مسند پر بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، بلکہ اسے ایک طرح کی بے ادبی سمجھتے تھے مگر آنحضرتؐ بے تکلف دادا کے برابر بیٹھ جایا کرتے تھے، عبدالمطلب بڑے احترام سے جگہ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ کے اس طرز کو بے ادبی سمجھتے ہوئے مسند سے نیچے بیٹھنے کے لئے کہا مگر عبدالمطلب نے فرمایا نہیں ان کو یہیں بیٹھا رہنے دو، خدا کی قسم! تمہیں نہیں معلوم میرے بیٹے کی بڑی شان ہے یہ ایک مملکت کی بنیاد ڈالے گا۔ (ابن کثیر)

ایک مرتبہ کہنے لگے۔ میرے بچے میں خود شناسی کی صفت پائی جاتی ہے وہ خود کو بزرگ سمجھتا ہے، مجھے امید ہے کہ بڑے مرتبے پر فائز ہو گا"۔

ایک مرتبہ مکہ میں بارش نہیں ہو رہی تھی، ہر طرف خشک سالی کا دور دورہ تھا۔ لوگ قحط کے آثار دیکھ کر سخت پریشان ہو رہے تھے۔ عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو ساتھ لے کر بارگاہ ایزدی میں دعائیں کی اور پوتے کے اوصاف حمیدہ کا واسطہ بھی دیا، اللہ تعالیٰ نے التجا قبول فرمائی اور ابر کرم نے مکہ کو شاداب کر دیا۔ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب شاہ یمن کو ایک فتح کی مبارکباد دینے مکہ سے یمن گئے تھے اور والی یمن نے ان کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ نبی آخر الزماں تمہاری نسل سے ظاہر ہونگے۔ چنانچہ واپسی کے بعد ہی آپ نے آنحضرت کو لے کر طلب باراں کے لئے دعا کی تھی (روض الانف)

رمد چشم کا واقعہ

اسی زمانہ میں جبکہ آپ اپنے دادا عبد المطلب کی پرورش میں تھے اور عمر سات سال کے قریب ہو چکی تھی، آپ کی آنکھیں دکھنے آئیں، مکہ میں جو علاج ہو سکتا تھا کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا کچھ لوگوں نے عبد المطلب کو مشورہ دیا کہ عکاظہ میں ایک راہب آنکھوں کا اچھا علاج کرتا ہے، چنانچہ عبد المطلب آنحضرتؐ کو لے کر عکاظہ گئے مگر لوگوں نے کہا کہ ابھی ابھی راہب نے اپنا دروازہ بند کیا ہے اور اب وہ عادت کے مطابق ایک سال کے بعد کھولے گا۔ عبد المطلب مایوس ہو کر واپس آنا چاہتے تھے کہ راہب نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور لوگوں سے پوچھا کہ آج کون آگیا ہے کہ جس کی ہیبت سے میرا عبادت خانہ لرز اٹھا اور ایک زلزلہ سا آگیا، گویا کسی کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو رہا ہے۔ عبد المطلبؓ اپنے پوتے کو لئے قریب ہی کھڑے تھے، راہب کی نظریں آنحضرت پر پڑیں اور وہ بے ساختہ پکار اٹھا کہ اے عبد المطلب! یہ نورانی فرزند دنیا بھر کے نبی اور گنہ گاروں کے شفیع ہونگے، اگر میں جلدی نہ نکلتا تو عبادت خانہ ہی میں دب کر مر جاتا، اے عبد المطلب! اس مبارک فرزند کی پورے طور پر حفاظت کرنا، یہودان کے سب سے زیادہ دشمن ہونگے، عبد المطلب نے کہا میں تمہارے پاس ان کی آنکھوں کے ..... علاج کے لئے آیا تھا۔ راہب نے کہا، یہ تو خود طبیب ہیں، تمام جہان کے لئے نسخہ شفاء ان کے پاس موجود ہے ان کی آنکھوں میں ان کا لعاب دہن لگاؤ، ٹھیک ہو جائیں گی، عبد المطلب نے ایسا ہی کیا اور آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ (ابن جوزی)

علاج و معالجہ کے سلسلہ میں قفطی کے اخبار الحکما میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ نصرانی طبیب حارث ابن کلدہ کو اپنے علاج کے لئے سعد بن ابی وقاص کو بھیجکر بلوایا تھا مگر یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر کیا تھی اور آیا یہ حارث وہی راہب تھا جس کے پاس آپ اسد چشم کے علاج کے لئے لیجائے گئے تھے۔

دادا کی وفات

عبد المطلب کی عمر کافی لمبی ہوچکی تھی، ضعف پیری نے ان کو اس بات کا پورا یقین دلایا تھا کہ شمع حیات بجھنے کی تیاریاں کر رہی ہے، ان کو سب سے بڑی فکر آنحضرتؐ کی تھی، وہ ان کی نگرانی و پرورش کے مسئلہ پر اکثر اوقات غور کیا کرتے تھے خاندان بھی بڑا تھا۔ اولاد بھی کافی تھی مگر ان کی نظریں کسی پر جمتی نہیں تھیں، آخر بھرے کنبہ میں اس اہم کام کی ذمہ داریاں سونپنے کے لئے ان کی نظر نے ابوطالب کا انتخاب کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جو انس ابوطالب کو آنحضرتؐ سے تھا وہ کسی کو نہیں تھا۔ حضرت عبد اللہ اور ابوطالب آپس میں حقیقی بھائی تھے یعنی دونوں کی والدہ ایک ہی تھیں جن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم تھا۔ حضرت ابوطالب اور جناب عبد اللہ کے درمیان گہری محبت قائم تھی، ابوطالب کی طرح ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد بھی، آنحضرتؐ پر دل و جان سے فدا تھیں، یہاں تک کہ بعثت کے بعد انھوں نے آپ کی تائید کی، ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کے انتقال کے وقت آنحضرتؐ نے فرمایا ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ کوئی مہربان نہیں تھا،

آنحضرتؐ ان کی قبر میں اترے تھے۔ اپنا پیرہن ان کے کفن سے لپیٹا تھا۔ یہ تھیں وہ باتیں جن کی وجہ سے عبدالمطلب نے جناب ابوطالب کا انتخاب کیا اور بالکل صحیح کیا، کسی اور سے ایسی جان نثاری اور خدمت کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ عبدالمطلب کی حالت جب زیادہ نازک ہوئی تو انھوں نے ابوطالب کو پاس بلایا اور آنحضرتؐ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا، ان کی نگرانی اور حفاظت تم اپنا سب سے بڑا فرض خیال کرنا، کسی وقت ان کی طرف سے غفلت مت کرنا ابوطالب نے بڑی خوشی سے اس خدمت کو قبول کیا اور بوڑھے باپ کو آنحضرتؐ کی طرف سے ہر طرح کا اطمینان دلایا۔ عبدالمطلب کو اگرچہ ابوطالب کی طرف سے پہلے ہی اطمینان تھا مگر اس وصیت کے بعد وہ بالکل مطمئن ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے ام ایمن کو بھی آنحضرتؐ کی خبر گیری کی وصیت کی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اہل کتاب کو یقین ہے کہ میرا پوتا اس امت کا نبی ہوگا۔ بوڑھے ہاشمی سردار نے ابوطالب اور ام ایمن کو وصیت کے بعد جگر گوشہ کو سینے سے لگایا، دیر تک محبت بھری نظروں سے دیکھتے رہے آخر پیغام اجل آہی گیا اور عبدالمطلب کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں، مکہ ہاشمی سردار کے ماتم سے گونج اٹھا، ابوطالب نے آنحضرتؐ کو گود میں اٹھا لیا، پیار کیا اور تسلی دیتے ہوئے اپنی محبت کا یقین دلایا، ام ایمن کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ عبدالمطلب کے جنازہ کے ساتھ روتے ہوئے جا رہے تھے، ایک مرتبہ خود بھی فرمایا تھا کہ مجھے دادا کی موت یاد ہے۔ میں اس وقت ۸ برس کا تھا، اہل مکہ اور گھر کے لوگوں نے بڑے دھوم سے عبدالمطلب کی میت اٹھائی اور مقام حجون میں سپرد خاک

کر دیا۔ آنحضرتؐ ابوطالب کی انگلی پکڑے ہوئے اس سوگ میں شریک تھے وفات کے وقت عبدالمطلب کی عمر میں مورخین کا اختلاف ہے، ایک سو بیس ایک سو دس اور بیاسی سال کی عمر بیان کی جاتی ہے (ابن سعد، ابن ہشام) مولانا شبلیؒ نے ۸۲ سال والی روایت کو اختیار کیا ہے، آنحضرتؐ کی عمر کے متعلق کہا گیا ہے کہ ۸ برس ۲ ماہ اور دس دن کی تھی۔

عبدالمطلب کی وفات نے بہت سے دلوں کو بے چین کر دیا، خصوصاً ابوطالب اور حضرت صفیہ کے لئے یہ حادثہ بہت ہی دردناک تھا۔ آنحضرتؐ باجود صغرسنی کے اس غم میں برابر کے شریک تھے۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے مجلس غم منعقد کی۔ بہت سے مرثیے پڑھے گئے۔ حضرت صفیہ کے مرثیہ میں کہا گیا تھا کہ "ایسے مرد کریم کی وفات پر افسوس ہے جس کی بزرگی مسلم تھی وہ عالی نسب، کشادہ ابرو اور صاحب فضائل تھے، وہ قحط سالی میں لوگوں کے لئے ابر رحمت تھے۔ اگر زندگی میں قیام کی کوئی صورت ہوتی تو وہ اپنی فضیلت اور شرافت کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے۔

ہاشمی عورتوں میں حضرت صفیہ بلند پایہ شاعرہ تھیں، آنحضرتؐ کی والدہ محترمہ بھی اچھے شعر کہہ لیا کرتی تھیں، انھوں نے اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی وفات پر ایک مرثیہ بھی کہا تھا۔ حضرت حلیمہ نے جب آنحضرتؐ کو واپس کیا اس وقت بھی انھوں نے چند شعر کہے تھے۔ انتقال کے وقت بھی آنحضرت کو رخصتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کچھ شعر کہے تھے، حضرت حلیمہ اور ان کی بیٹی شیما بھی شاعرہ تھیں چنانچہ ان دونوں محترم خواتین کی لوریاں تاریخوں میں بیان

کی گئی ہیں۔ (ابن سعد، ابن حبیب، سیرت حلبیہ)

ابوطالب کی خدمات

اوپر کی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عبدالمطلب کے بعد سب سے زیادہ محبت ابوطالب کو آنحضرتؐ سے تھی، وہ اگرچہ کثیر الاولاد تھے مگر آنحضرتؐ کو اپنے بچوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ وہ ایک گھڑی کے لئے بھی آنحضرتؐ کو تنہا نہیں چھوڑتے تھے، ساتھ سوتے، ساتھ کھاتے اور ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے عبدالمطلب کی وفات کے بعد تقریباً ۳ سال ابوطالب کو آنحضرتؐ کی نگرانی خدمت کی وجہ سے تجارت کے لئے باہر جانے کا موقعہ نہیں ملا، جب اخراجات کی زیادتی اور معاشی پریشانی زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے حسب دستور سابق ملک شام جانے کا قصد کیا، آنحضرتؐ کی عمر اب بارہ سال کے لگ بھگ ہو چکی تھی، ابن جریر نے ۹ سال اور ابن سعد نے ۱۲ سال لکھے ہیں۔ ۱۲ سال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں اگرچہ مورخین نے عام طور پر یہی بیان کیا ہے کہ ابو طالب آپ کو مکہ ہی میں چھوڑ کر شام جانا چاہتے تھے۔ مگر آنحضرتؐ کے رونے اور اصرار کرنے پر وہ اپنے ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گئے لیکن عقل اس بیان کو قبول کرنے سے پس و پیش اس لئے کرتی ہے کہ ابوطالب جو رات کو ساتھ لے کر سوتے ہوں اور پھر حفاظت کی خاطر راتیں گاہے گاہے بستر بھی بدل دیتے ہوں۔ اس بات کو کس طرح گوارہ کر سکتے تھے کہ آنحضرتؐ کو مکہ میں چھوڑ کر اتنے طویل سفر کا قصد کریں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ابوطالب نے آنحضرتؐ سے سفر کے خیال کو ظاہر نہ کیا ہو اور آنحضرتؐ معلوم ہونے پر خود ہی کہنے لگے ہوں کہ چچا جان

میں بھی ہمراہ چلوں گا، اور اگر اس روایت کو تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ابوطالب کی نظروں میں آنحضرت ؐ اولاد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے مگر یہ خلاف حقیقت ہے۔

بہرحال ابوطالب نے رخت سفر باندھ لیا، قریش کا قافلہ جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ ابوطالب اپنی سواری پر بیٹھے اور آنحضرت ؐ کو اپنے آگے بٹھا لیا قافلہ مکہ سے آگے بڑھا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنی ہاشم کی وہ عظمت و شان باقی نہیں رہی تھی جو ان کی حیات میں تھی، عبدالمطلب کی وفات نے بنوامیہ کی دیرینہ آرزو کو ابھرنے اور پورا ہونے کا موقعہ دیا، چنانچہ عبدالمطلب کی مسند ریاست حرب کے ہاتھ میں آئی، یہ امیہ کا نامور فرزند اور سیاسی جوڑ توڑ کا آدمی تھا۔ اب بنی ہاشم میں صرف حجاج کو پانی پلانے کی خدمت حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ابوطالب کو رخصت کرنے میں گھر والوں کے علاوہ اہل مکہ شامل نہیں تھے، ابوطالب اس کمی کو خوب محسوس کر رہے تھے اور بنی ہاشم کی مغلوبیت پر دل ہی دل میں آنسو بہا رہے تھے۔

حضرت ابوطالب سامان تجارت لے کر مکہ سے روانہ تو ہو گئے، وہ کئی برس کے بعد شام جا رہے تھے، ان کا خیال تھا کہ کاروبار کے سلسلہ میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے جو پچھلے سالوں میں نہ جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی، مگر وہ زیادہ دن ٹھہر نہیں سکے اور آنحضرت ؐ کی وجہ سے ان کو جلد ہی مکہ واپس آجانا پڑا۔ واپسی کی وجوہات کیا تھیں، آگے کے

واقعات بتائیں گے۔

راستہ کے واقعات

راستہ میں کئی منزلیں کرنا پڑتی تھیں، پہلی منزل ایک مسیحی راہب کے عبادت خانہ کے قریب پوری ہوتی تھی۔ ابوطالب کو اس منزل میں ٹھیرے ہوئے تھوڑی سی ہی دیر ہوئی تھی کہ مسیحی راہب نے آپ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ یہ صاحبزادے آپ کے کون ہیں۔ ابوطالب نے حسب عادت جواب دیا یہ میرا بیٹا ہے۔ راہب نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ اس بچہ کے والد زندہ ہوں ابوطالب نے حیرت سے پوچھا کہ تم کو یہ کیسے علم ہوا کہ اس بچے کے والد موجود نہیں ہیں؟ راہب نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اس بچہ کی صورت انبیائے کرام جیسی ہے اور آنکھیں بھی انبیائے کرام کی آنکھوں سے ملتی ہوئی ہیں،

ابوطالب نے نبی کی حقیقت معلوم کی تو راہب نے کہا کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس خدا کی طرف سے وحی آتی ہے اور وہ خدائی احکام کو بندوں تک پہنچاتا ہے۔ ابوطالب نے کہا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے، راہب نے آخر میں حضرت ابوطالب کو سمجھایا کہ یہود کی نظروں سے صاحبزادے کو بچانے کی کوشش کرنا، درحقیقت ابوطالب انبیائے کرام کے اوصاف سے اچھی طرح واقف تھے مگر یہ گفتگو صرف اس لئے کی تھی کہ آپ راہب کے خیالات کی اچھی طرح جانچ کرلیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ آگے کی منزلوں میں ایک دوسرے راہب نے بھی ابوطالب سے ملاقات کی تھی اور اس نے بھی اسی قسم کے سوال وجواب

کئے تھے اور حفاظت کی تاکید تھی جس کے بعد ابوطالب نے آنحضرت ؐ سے فرمایا، بیٹا! تم نے ان لوگوں کی باتیں سنیں؟ آپ نے فرمایا، جی ہاں اللہ تعالیٰ کی بیشمار قدرتیں اور لاتعداد احسانات ہیں۔

بحیرہ راہب کا واقعہ

ابوطالب کی آخری منزل وہ جگہ تھی جسے بصریٰ کہتے تھے، آج کل اس جگہ کو حوران کہتے ہیں، عرب سے شام کو آنے والے تجارتی قافلے اسی شہر بصریٰ میں ٹھہرے ہوتے تھے، قیام گاہ سے تھوڑے فاصلہ پر بحیرا راہب کی مشہور خانقاہ تھی، بحیرا دین مسیح کا بہت بڑا، متقی اور عبادت گذار شخص تھا، توریت انجیل اور دیگر آسمانی کتابیں اس کے ذہن میں محفوظ تھیں، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ نبی آخرالزماں کے پیدا ہونے کی علامتیں کیا ہیں، وہ اکثر قریش کے تجارتی قافلوں کو خانقاہ سے دیکھنے کے لئے آتا تھا کہ یہ معلوم کر سکے کہ نبی آخرالزماں اس میں موجود ہیں یا نہیں۔

اتفاق کی بات کہ ابوطالب کا قافلہ گھاٹی سے اتر کر قیام کرنا چاہتا ہی تھا کہ بحیرا کی نظریں پڑ گئی۔ اور وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک ابر کا ٹکڑا قافلہ کے ایک بچے پر سایہ کئے ہوئے ہے اور تمام حجر و شجر سجدے کے لئے جھک رہے ہیں اور السلام علیک یارسول اللہ ؐ کہہ رہے ہیں، ابھی قافلے والے اچھی طرح دم بھی نہیں لینے پائے تھے کہ بحیرا خانقاہ سے ابوطالب کے قریب آگیا اور آنحضرت ؐ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ بچہ سید العالمین اور رسول پروردگار ہے مولانا شبلی ؒ نے بیان کیا ہے کہ "جب ابوطالب بصریٰ میں پہنچے تو ایک

عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ یہ "سید المرسلین" ہیں لوگوں نے پوچھا کہ تم نے کیوں کر جانا۔ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدہ کے لئے جھک گئے۔"

مورخین کا بیان ہے کہ بحیرا نے اہل قافلہ کی اپنی خانقاہ میں دعوت بھی کی تھی۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو وہ آنحضرت ؐ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا، کھانے سے فارغ ہو کر سب کو رخصت کر دیا مگر ابو طالب اور آنحضرت ؐ کو روک لیا اور ابو طالب سے آنحضرت ؐ کے متعلق بہت سے سوالات کئے، خواب و بیداری کے حالات پوچھے رشتہ دریافت کیا، ابو طالب نے والد کی وفات کا حال بتایا۔ شانہ مبارک کو دیکھا اور مہر نبوت کو کتب سماویہ کے مطابق پا کر ابو طالب سے کہا کہ میں آپ کو ہمدردانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ جلدی گھر واپس چلے جائیں، یہود کو نبی عربی سے سخت عداوت ہے، مجھے ان کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ ان کو دیکھیں گے تو ضرور نقصان پہنچانے کی تدبیریں کریں گے۔ ابو طالب نے بحیرا کے مشورہ کو قبول کیا اور بصریٰ ہی میں خرید و فروخت سے فارغ ہو کر مکہ واپس آ گئے۔

طبری وغیرہ کا بیان ہے کہ بحیرا نے آپ کے ہاتھ چومے اور نبوت کی تصدیق کی یعنی قبل از نبوت آپ کے اوپر ایمان لائے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ بحیرا جس وقت آپ کو خانقاہ میں دیکھ رہا تھا اور ابو طالب سے کہہ رہا تھا کہ ان کو یہود سے بچانا، اس وقت سات رومی عیسائی آئے جو میں کھڑے

ہوئے سُن رہے تھے، بحیرا نے ان سے معلوم کیا کہ تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو تو
انھوں نے کہا کہ ہم کو اطلاع ملی تھی کہ نبی عربی اس ماہ میں یہاں آنے والے ہیں
بحیرا نے ان کو کئی دن تک اپنی خانقاہ میں ٹھہرائے رکھا۔

(ابن جریر، مدارج، ابن سعد، روض الانف)

ایک شبہ کا ازالہ

مولانا شبلیؒ نے بحیرا کے واقعہ کی صحت سے کلیتہً انکار کیا ہے جس کی وجہ
یہ ہے کہ وہ عیسائی مورخین کے اس قول کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرتﷺ
نے مذہب کے حقائق اسی راہب سے سیکھے تھے اور جو نکتے اس نے بتا دیئے
تھے ان ہی پر آنحضرتﷺ نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ
اصول انہی نکتوں کے شرح و حواشی ہیں۔ حالانکہ مولانا کو روایت کے انکار سے
زیادہ اس بات پر زور دینا چاہیے تھا کہ اسلام کا پہلا اور بنیادی اصول توحید
ہے اور عیسائی عقائد میں توحید کا کہیں کوئی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا! آنحضرتﷺ
اگر بحیرا کے تعلیم یافتہ ہوتے تو تثلیث کی تبلیغ تو کر سکتے تھے توحید کا ذکر بھی نہیں
کرتے مگر آپ نے عیسائیت کے بالکل خلاف اپنے مذہب کی بنیاد ہی
توحید کو قرار دیا۔

البتہ ہم طبری وغیرہ کی اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ بحیرا نے
آنحضرتﷺ میں علامات نبوت کو دیکھنے کے بعد عیسائیت سے توبہ کر لی تھی
اور قبل بعثت ہی اس نے اسلام قبول کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے خود
بھی آنحضرتﷺ کی حفاظت کی اور ابو طالب کو بھی حفاظت کی تاکید کی۔

یہ مقام جہاں بحیرا کا واقعہ پیش آیا مسیحی تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں ہر طرف سے تاجروں کے قافلے آیا کرتے تھے، مسیحی راہبوں اور مبلغوں نے اس جگہ کو خاص طور پر اسی لئے پسند کیا تھا کہ باہر سے آنے والوں میں دین مسیحی کی تبلیغ و اشاعت کریں گے، ایسی حالت میں جبکہ آنحضرت توحید کے سب سے بڑے مبلغ تھے یہ کہنا کہ بحیرا کی تعلیم نے آپ کو ایک جدید مذہب کے قیام کا راستہ دکھایا تھا، سراسر خلاف علم و عقل ہے۔ مشہور عیسائی مؤلف کا سانووا نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عیسائی دنیا میں یہ عقیدہ موجود تھا کہ ایک مسیحا آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث ہونے والا ہے اور لوگ اس کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لئے اس خیال کو اور بھی تقویت حاصل ہو جاتی ہے کہ بحیرا نے آنحضرت میں علامات نبوت معلوم کر لی تھیں اور بلاشبہ وہ دل ہی دل میں عیسائیت سے تائب ہو کر قبل بعثت ہی اسلام کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بحیرا والی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے البتہ اس سفر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلال کی جو شرکت بعض لوگوں نے بیان کی ہے اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹکڑا غلطی سے شریک روایت ہو گیا ہے اور یہ درست بھی ہے کیوں کہ ابوبکرؓ اس وقت ۶ سال کے تھے اور بلالؓ کا کہیں ذکر نہیں تھا۔

گلہ بانی

سفر شام سے واپسی کے بعد حضرت ابوطالب نے آپ کی دیکھ بھال پر اور زیادہ توجہ دینا شروع کر دی۔ کچھ عرصہ کے لئے باہر جانے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا۔

معاشی پریشانیوں کو کم کرنے کے لئے بکریوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا۔ گھر کے بچے بکریوں کو جنگل میں چرانے کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے بھی بیکار رہنے کو پسند نہیں کیا اور سب کے ساتھ آپ بھی بکریوں کی گلہ بانی کرنے لگے اور یہ آپ کا محبوب مشغلہ ہو گیا۔ مکہ والوں کے لئے بکریاں چرانے کا مشغلہ معیوب نہیں تھا اور پھر اپنے گھر کی بکریاں لے کر جنگل میں چلا جانا کیا معیوب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد ایک مرتبہ فرمایا کہ کوئی نبی نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں اور میں بھی اپنے گھر کی بکریاں قراریط میں چرایا کرتا تھا۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا، بکریاں چرانے والے مسکین اور سنجیدہ طبع ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ صحابہ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے، اصحاب کرام جھر بیری کے بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں وہ بہت مزے کے ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ میرا اس وقت کا تجربہ ہے جب کہ میں چھوٹی عمر میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری کتاب الاجازہ) بکریاں چرانے کا مشغلہ کتنے عرصہ تک جاری رہا؟ تاریخ و تذکرے خاموش ہیں لیکن گمان غالب یہ ہے کہ آپ زیادہ مدت تک اس مشغلہ میں نہیں رہ سکے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ طبیعت کا رجحان عمر کے اعتبار سے بدل رہا تھا۔ سنجیدگی و متانت بڑھتی جا رہی تھی، گھر کی ناداری اور اپنے شفیق چچا کی معاشی تنگیوں کو زیادہ محسوس کرنے لگے تھے نظریں کاروبار کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔ بعض مسیحی مورخین نے لکھا ہے کہ آپ مکہ والوں کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتے تھے۔ یہ غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر آپ

اس کام کو ترقی دیتے اور ضروریات کے لئے اچھا خاصا کما سکتے تھے۔ جن مورخین نے قراریط کا مطلب قیراط یعنی درہم و دینار لیا ہے ان کو حدیث کے الفاظ پر غور کرنا چاہیئے جس سے صاف ظاہر ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو مکہ میں اجیاد کے پاس ہے، ابن جوزی اور علامہ عینی نے بڑی بحث کے بعد ثابت کیا ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھئے عینی جلد ششم صـ ۶۳۶

اس کے علاوہ قدرت بکریوں کے ریوڑ کے ذریعہ آپ کو انسانی رہنمائی کا طریقہ سکھا رہی تھی، اس لئے آپ کا یہ ارشاد کہ بکریاں چرانے سے مسکینیت اور سنجیدگی پیدا ہوتی ہے" اور ایک رہنما میں جب تک اس قسم کے صفات نہ پائے جائیں وہ کسی طرح رہنمائی نہیں کر سکتا ہے۔

امین کا لقب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جیسے جیسے بڑھتی جا رہی تھی مکارم اخلاق نمایاں ہوتے جا رہے تھے گویا خدمت انسانی کے جو جذبات بچپن کی آغوش میں پل رہے تھے وہ اب جوان ہو چکے تھے، آپ چاہتے تھے کہ مظلوموں کی حمایت اور کمزوروں کی امداد و اعانت کی جائے، ہر برائی سے نفرت اور نیکی سے قلبی انس نظر آتا تھا۔ عمر مبارک باختلاف روایات پندرہ یا بیس برس کی ہو چکی تھی۔ بیس سال کی عمر کو اکثر مورخین نے بیان کیا ہے یہ جوانی کی ابتدا کیسی تھی اور آغاز شباب میں آپ کے اخلاق و عادات کتنے پاکیزہ اور لطیف تھے؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل بیانات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں جوان ہوئے کہ ہر قسم کے شر و فساد اور معصیت کے میلان وار تکاب سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرما رہا تھا، یہاں تک کہ آپ جاہلیت کی ناپاکی اور برائی سے محفوظ رہے یہ سب اس لئے تھا کہ مالک حقیقی آپ کو سید رسل اور ہادی سبل بنا رہا تھا سن بلوغ کو پہنچے تو حد درجہ بامروت، باحیا، راست گو، حلیم و کریم، صاحب اخلاق اور شفیق تھے، وہ تمام باتیں جو دامن انسانیت کو داغ دار کرتی ہیں آپ ان سے مطلق محفوظ تھے، گویا رب العزت کی طرف سے آپ کی ذات گرامی میں تمام اخلاق حمیدہ اور فضائل پسندیدہ جمع کر دیئے گئے تھے (سیرت ابن ہشام)

رسول کل اور ہادی سبل جب بالغ ہوئے تو اپنی قوم میں سب سے زیادہ بامروت، فضائل اخلاق سے ممتاز میل جول میں محبت کرنے والے، ہمسایوں پر مہربان، حلم و تحمل میں سب سے بلند، بات چیت میں سب سے زیادہ صادق البیان، فحش باتوں سے متنفر، نہایت بردبار، متواضع اور منکسر المزاج تھے سب کے ہمدرد، وعدہ کے پابند، حد درجہ کے امانت دار غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ میں تمام نیک باتیں اور پاکیزہ اخلاق جمع کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی کہ قوم آپ کو امین کے معزز لقب سے پکارنے لگی۔ (طبقات ابن سعد)

حربِ فجار

مورخین کا بیان ہے کہ آغازِ اسلام تک عرب میں لڑائیوں کا متواتر سلسلہ چلا آرہا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک جنگ حربِ فجار تھی، یہ جنگ قبیلہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندان اس جنگ میں برابر کے شریک تھے اور سب نے اپنی اپنی فوجیں تیار کی تھیں، جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ بوڑھے بھی میدانِ جنگ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ہر خاندان کی فوج کا ایک علم بردار تھا۔ خاندان ہاشم کے علمبردار زبیر ابن عبدالمطلب تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ جنگ کے حامی نہیں تھے مگر حضرت ابوطالب اور اپنے دوسرے چچاؤں سے الگ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ قریش کی سپہ سالاری حرب بن امیہ کے ہاتھ میں تھی، حرب بڑا بہادر اور میدانِ جنگ کا ماہر تھا۔ اس کی اولاد میں بیٹے ابوسفیان اور پوتے امیر معاویہ نے اپنے کفر یا اسلام کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی۔

اس جنگ میں قریش حق پر تھے، قیس کی زیادتیاں کھلی ہوئی تھیں یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان والوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے مگر طبیعت صلح پسند اور حق پرست پائی تھی اس لئے باوجود شرکت کے آپ نے کسی کو مارا نہیں اور نہ مارنے کے خیال سے ہاتھ اٹھایا۔ (ابن ہشام)

امام سہیلی بھی یہی کہتے ہیں مگر رسول اکرمؐ کے جنگ نہ کرنے کی جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں ان کا یہ کہنا کہ کان عصمہ کفار اولم یاذن اللہ لمومن

ان یقاتل الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا ۔ یعنی سب کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لئے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔" ہمارے خیال میں درست نہیں ہے اس لئے کہ اول تو فریقین میں سب کافر نہیں تھے خود سرکار دو عالمؐ ایک فریق کی حیثیت سے اپنے رفیق چچا کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھے اور انبیائے کرام بعثت سے قبل بھی معصوم ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ رسول اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں اس لڑائی میں شریک تھا اگرچہ کسی کو مارا نہیں مگر اپنے چچاؤں کو دشمنوں کے تیروں سے بچا رہا تھا امام موصوف کا کا سب کفار تھا کہنا کھٹکتا ہے۔ رسول اکرمؐ اس وقت بھی مومن تھے اور وہ جنکی مدد کر رہے تھے یقیناً ان کی نظروں میں وہ بھی اہل حق تھے۔ البتہ ہاتھ نہ اٹھانے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ لڑائی کی ابتدا فریق مخالف کی طرف سے ان مہینوں میں کی گئی تھی جو اسلام سے قبل بھی محترم سمجھے جاتے تھے جیسے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم، بنو قیس نے ذی قعدہ میں حملہ کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس مہینہ کی حرمت تھی، آپ اس احترام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اس لڑائی کو حرب فجار اسی لئے کہتے ہیں کہ اشہر حرم کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ مورخین نے اس جنگ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بنو قیس کے ایک شخص عروہ بن عتبہ کو بنی کنانہ کے ایک شخص براض کنانی نے قتل کر دیا تھا یہ قتل غلط ہو یا صحیح مگر بنو قیس نے کنانہ کے ساتھ قریش کو اپنے حملہ کا نشانہ بنا لیا تھا سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ شروع میں بنو قیس کو غلبہ حاصل

رہا اور آخر میں قریش غالب ہوئے اور پھر عتبہ بن ربیعہ کی کوشش سے صلح ہو گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس صلح میں یہ شرط قرار پائی تھی کہ بنو قیس کے جو چالیس آدمی زیادہ مارے گئے ہیں، بنو کنانہ اور قریش اپنے چالیس آدمی بنو قیس کو دیت میں حوالے کر دیں۔ کہتے ہیں کہ ان چالیس آدمیوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی حکیم بن حزام رض بھی شامل تھے۔ مگر بعد میں ایک شخص عامر بن صعصعہ نے رحم کھا کر سب کو معاف کر دیا۔ (ابن کثیر)

رسول اکرم ؐ کے زمانہ ما قبل نبوت میں ایسے چار واقعات بیان کیے جاتے ہیں، دو کے وقت آپ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، ایک میں آپ نے مشہور نیزہ باز ابو براء کے بڑی بہادری سے نیزہ مارا تھا اور چوتھی حرب فجار جس میں صرف چچا کا بچاؤ کر رہے تھے۔

انجمن قیام امن

ابن حبیب کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس آخری حرب فجار کی غیر معمولی خوں ریزی نے اہل عرب کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ آئندہ کے لئے یہ سلسلہ بند ہو جائے تاکہ قوم جانی و نقصان سے محفوظ رہے۔ آخر زبیر ابن عبد المطلب۔ ابو طالب ابن عبد المطلب اور قبیلہ تیم کے سردار عبد اللہ بن جدعان نے یہ تحریک اٹھائی کہ جرہمی دور کے اس معاہدہ کو جو "حلف الفضول" کے نام سے ہوا تھا زندہ کیا جائے گویا ایک ایسی انجمن قائم کی جائے جو مظلوموں کی حمایت اور دادخواہوں

کی فریاد سنے، ظلم کا استیصال کیا جائے اور لوگوں کے جائز حقوق کو دلائے ہیں ان کی مدد کرے تاکہ امن قائم ہو سکے اور لوگ اطمینان کی زندگی گزار سکیں، یہی غرض تھی اس حلف الفضول کی جو جرہمی دور میں ہوا تھا مگر فسق و فجور کی کثرت اور زمانہ کے امتداد نے ذہنوں سے اس کو محو کر دیا تھا۔

آخر تحریک نے عملی شکل اختیار کر لی اور عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اہل مکہ کے با اثر لوگوں کی ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں ابن جدعان کی طرف سے ضیافت کا انتظام بھی کیا گیا۔ قبیلہ تیم، بنی ہاشم، بنی زہرہ، بنی حارث اور بنی فہر کے سرداروں نے حلف اٹھا کر اقرار کیا کہ حدود مکہ میں کسی کو کسی پر ظلم نہیں کرنے دیں گے مظلوم کی حمایت کریں گے اور ظالم سے ان کے حقوق دلائیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے پہلو میں رونق افروز تھے اور اس کارروائی کو پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ابن سعد، ابن ہشام اور دیگر مورخین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کو روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اس معاہدہ میں شریک تھا جو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں کیا گیا تھا اور اگر مجھے اس کی شرکت سے علیحدہ رہنے کے لئے معاوضہ میں سرخ رنگ کے بیش قیمت اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز نہیں لیتا اور آج بھی زمانہ اسلام میں مجھے اس قسم کے معاہدہ کے لئے اگر کہیں بلایا جائے تو میں جانے کو تیار ہوں اور مجھے کوئی اس معاہدہ کی دہائی دے کر پکارے تو میں اس کی مدد کرنے کے لئے دوڑوں۔"

اس معاہدہ میں شریک ہونیوالوں نے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ حلف اٹھایا تھا۔

باﷲ لیکونن یداً واحدۃ مع المظلوم علی الظالم حتیٰ یودی الیہ حقہ مابل بحر صوفۃ ومارسی حراء وثبیر مکانہما وعلی التاسی فی المعاش۔

(روض الانف)

اللہ کی قسم ہے سب ایک ہاتھ بن کر ظالم کیخلاف اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک وہ مظلوم کا حق نہ ادا کردے اور یہ (بات) اس وقت تک قائم ہے جب تک کہ سمندر سپے ہے گھونگھوں کو پانی پلاتا ہے اور حراء وثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔

حلف الفضول کی وجہ

امام سہیلی کا بیان ہے کہ ایک یمنی تاجر جو قبیلہ زبید سے تعلق رکھتا تھا مکہ آیا اور عمر ابن خطاب اور عمرو بن عاص کے ہاتھ اپنا مال فروخت کیا مگر قیمت ادا نہیں کی۔ اس نے ہر چند کوشش کی مگر بےکار گئی، بہت سے لوگوں کو توجہ دلائی مگر ان دو بااثر لوگوں کے خلاف غریب مسافر کی حمایت کے لئے کوئی بھی نہیں کھڑا ہو سکا۔ آخر مجبور ہو کر جبل بو قبیس پر چڑھ کر اپنی مظلومیت پہ بڑے دردناک اشعار پڑھنے لگا۔ اعیان قریش خصوصاً زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب جو قریب ہی بیت اللہ کے پاس بیٹھے تھے اس کی آہ وفغاں سے بہت متاثر ہوئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے یہ فریاد بیکار نہیں جائے گی۔ اس کے بعد حلف الفضول کی تحریک اٹھی۔ انجمن امداد مظلومیت کا قیام عمل میں آیا اور پھر حلف اٹھانے والوں نے یمنی تاجر کے مال کی قیمت وصول کر کے یمنی

تاجر کو خوشی خوشی مکہ سے روانہ کر دیا۔

اس معاہدہ کو حلف الفضول کہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس تحریک کے اٹھانے والوں کے ناموں میں بہت سے لوگوں کے نام میں فضل کا لفظ پایا جاتا تھا مگر حارث بن اسامہ کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاہدہ اس نام سے اس لئے موسوم ہوا کہ معاہدہ میں "ترد الفضول علی اھلھا" کے الفاظ موجود تھے۔

جرہمی دور میں حلف الفضول کی بڑی غرض بھی یہی تھی کہ رضاکارانہ طور پر ظالموں کے ہاتھوں کو ظلم کرنے سے روکا جائے۔ جرہمی دور اس زمانہ کو کہتے ہیں جو قصی بن کلاب کے مکہ پر قبضہ کرنے سے پہلے تھا۔ قدیم حلف الفضول کو زندہ کرنے کے بعد کچھ عرصہ بڑے زور شور سے کام ہوتا رہا سرکار دوعالمؐ بھی نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔ ظہور اسلام کے بعد اس معاہدہ کی سرگرمیاں اس لئے ختم ہو گئیں کہ اسلام نے قیام امن اور احیائے اخلاق کی پاکیزہ جدوجہد اور تدابیر کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور آنحضرتؐ نے وہ خدائی طریقے پلیش کئے کہ پھر کسی تحریک اور انجمن کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

عبداللہ بن جدعان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کے خاندان کا معزز شخص تھا۔ ابو زہیر انکی کنیت تھی۔ بڑا ملنسار با اخلاق اور غریبوں کا ہمدرد تھا مگر بت پرستی نے اس کی نیکیاں مٹا دیں، حضرت عائشہؓ کے ایک سوال کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا "اس کے اعمال آخرت میں کچھ کام

تاریخ مصطفےٰؐ

نہیں آئیں گے کیوں کہ اس نے ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب تو قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دینا۔" (مسلم)

تجارت کا خیال

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤاجداد کا ذریعہ معاش تجارت سے وابستہ تھا اور آپ کے دادا سردار ہاشم ابن عبد مناف نے خاص طور پر اس طرف سب سے زیادہ توجہ دی تھی اور مختلف قبائل و ممالک سے تجارتی معاہدے بھی کیے تھے حضرت عبدالمطلب جناب عبداللہ اور ابوطالب سب کی نظریں تجارت ہی کی طرف لگی رہتی تھیں حضرت ابوطالب نے شام سے واپس آکر بحیرا کی ہدایات کے مطابق آپ حضرت کی حفاظت کے خیال سے کوئی تجارتی سفر نہیں کیا تھا۔ بکریوں کی آمدنی اور کچھ مقامی معمولی کاروبار سے کام چلا رہے تھے۔ سرکار دو عالم کی عمر ۲۵ سال کے قریب ہو چکی تھی گھر کی ناداری کو آپ اب بہت زیادہ محسوس کرنے لگے تھے۔ آپ کا خیال تھا کوئی سلسلہ چھیڑا جائے اور بوڑھے چچا کی فکروں کو ہلکا کیا جائے مگر سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ مالی اعتبار سے حالت اس قابل نہیں تھی کہ اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا جائے۔ البتہ اخلاقی اعتبار سے آپ مکہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، یہاں تک کہ امین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ تجارت کے خیال کو آپ نے اپنے چچا سے بیان کیا اور کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ یہ خبر مکہ کی نامور اور مال دار خاتون حضرت خدیجہ تک پہنچ گئی۔ حضرت خدیجہ رض پر پہلے سے آپ کی دیانت واخلاق کا

سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس اطلاع کے ملتے ہی انھوں نے آپ کو بلایا اور کہا کہ میں عرصہ سے اپنا مال دیگر لوگوں کو تجارت کی غرض سے شام بھیجتی ہوں، میں نے سنا ہے کہ آپ بھی تجارت کرنا چاہتے ہیں اگر یہ صحیح ہے تو مال میرا اور محنت آپ کی جو نفع میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے زیادہ آپ کو دوں گی آنحضرتؐ رضامند ہو گئے۔ گھر آکر چچا سے ذکر کیا، وہ کہنے لگے یہ خدا کا بھیجا ہوا رزق ہے۔

ملک شام کا سفر

حضرت خدیجہ رضہ سے بات چیت کے بعد آپ ایک قریشی کاروان کے ساتھ شام روانہ ہو گئے۔ جناب خدیجہ رضہ نے ایک بڑی مقدار میں سامان تجارت آپ کی تحویل میں دیدیا، اس کے علاوہ اپنے غلام میسرہ کو اور ایک رشتہ دار خزیمہ کو بھی ساتھ کر دیا، میسرہ خدمت کے لئے اور خزیمہ نگرانی کے لئے مامور کئے گئے۔ حضرت ابو طالب نے قافلے کے بعض لوگوں کو تاکید کر دی تھی کہ میرے بیٹے کا خیال رکھنا ویسے بھی آنحضرتؐ کے اخلاق سے تمام قافلہ متاثر تھا اور آپ کی خدمت و اعانت کو فخر محسوس کرتا تھا۔

ابن سید الناس کا بیان ہے کہ قریشی کاروان شام کے سرحدی شہر بصریٰ میں پہنچا اور بازار کے قریب جہاں ہمیشہ یہ لوگ ٹھہرا کرتے تھے وہیں قیام پذیر ہو گیا میسرہ نے بھی اپنے ساتھی کی مدد سے ایک سوکھے ہوئے بیری کے درخت کے پاس اپنا سامان اتار لیا میسرہ اس مقام سے اچھی طرح واقف تھا، وہ پہلے بھی کئی مرتبہ یہاں آچکا تھا۔ اس جگہ سے متصل ہی

نسطورا راہب کا عبادت خانہ تھا جو نظر آ رہا تھا۔ آنحضرتؐ کی برکت سے وہ درخت سرسبز ہو گیا۔ (عیون الاثر)

نسطورا اس کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب آیا اور میسرہ کو پہلے کی دید شنید کی وجہ سے نام لے کر پکارا اور پوچھا یہ اس دفعہ تمہارے ساتھ کون آئے ہیں۔ میسرہ نے کہا کہ اہل قریش کے ایک شریف جوان ہیں۔ محمد بن عبداللہ ان کا نام ہے۔ میسرہ سے راہب نے کہا یہ خاتم النبیین ہیں۔ کاش! میں اس زمانہ میں ہوتا جب کہ یہ اپنی دعوت کا آغاز کرتے۔ اس کے بعد نسطورا آنحضرتؐ کے قریب آیا اور بغرض امتحان اس نے کہا "میں تم کو لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں تم بتاؤ کہ تمہارا کیا نام ہے" آپ نے فرمایا میں نے کسی کی زبان سے ایسی بات نہیں سنی جو تمہاری ان باتوں سے زیادہ ناگوار ہوتی ہو؟ نسطورا کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی وہ اس کو دیکھتا جاتا تھا۔ آخر میں اس نے کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت عیسیٰ پر انجیل نازل فرمائی یہ اللہ کے آخری نبی ہیں۔

(مدارج النبوت)

شام سے واپسی

قریش کے کاروان نے شام پہنچتے ہی خرید و فروخت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ جو مال مکہ سے لے گئے تھے وہ بھی جلدی ہی فروخت ہو گیا آپ نے بصریٰ کے بازار سے مکہ کے لئے بھی مال کی خریداری سے فرصت حاصل کر لی دوسرے تاجروں کے مقابلہ میں آپ نے لین دین کے معاملات کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ خرید و فروخت کے انداز عام تاجروں کے مقابلہ میں

زیادہ پاکیزہ نظر آتے تھے، واپسی میں اہل کارواں کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات اور حسن معاملہ کا بہت اثر ہوا تھا، سب سے زیادہ اس سفر میں میسرہ متاثر ہوا کیونکہ وہ خدمت کے فرائض انجام دے رہا تھا اور بہت قریب سے آپ کے حالات کو دیکھ رہا تھا، میسرہ کا بیان ہے کہ راستہ میں جب گرمی کی شدت ہوتی تو بادل کا ایک ٹکڑا آپ کے سر پر سایہ کر لیتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران ہوتے ہوئے جب مکہ میں داخل ہوئے تو ظہر کا وقت تھا۔ اتفاق سے حضرت خدیجہؓ اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اپنے مکان کے بالاخانہ پر موجود تھیں۔ کارواں کی آمد اور آنحضرتؐ کا سب سے آگے آگے آنا دیکھ رہی تھیں۔ آپ کی مشہور سہیلی اور رازدار خاتون محترمہ نفیسہ بیان کرتی ہیں کہ جب آں حضرتؐ تشریف لا رہے تھے تو دو فرشتے آپ کے سر پر سایہ افگنی کر رہے تھے، ہم لوگ اس کیفیت کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تھوڑی سی دیر میں آپ گھر میں تشریف لے آئے۔ مزاج پرسی اور خیریت کے بعد آپ نے حضرت خدیجہ کو تجارت میں نفع کا حال بتایا، حضرت خدیجہؓ اس غیر معمولی کامیابی سے بہت خوش ہوئیں، اس کے بعد شام سے لائے ہوئے مال کو جب مکہ کے بازار میں فروخت کیا گیا تو اس میں بہت فائدہ ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے وعدہ سے زیادہ یعنی نفع کا دگنے سے زیادہ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا حضرت ابوطالب اس فائدہ سے بہت خوش ہوئے، آنحضرتؐ نے نفع کا مال چچا کی خدمت میں پیش کر دیا، اور اس طرح خانگی پریشانیاں ختم ہو کر خوشحالی

کا دور دورہ ہو گیا۔

احادیث و تاریخ کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بعثت سے قبل کئی تجارتی سفر کیے تھے۔ چنانچہ بحرین سے آئے ہوئے ایک وفد نے مدینہ میں وفات شریف سے کچھ پہلے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے ان کے ملک کے تفصیلی حالات بیان فرمائے تو وہ لوگ حیران رہ گئے، آپ نے فرمایا میں نے تمہارے ملک کی اچھی طرح سیر کی ہے۔ آپ نے مشقر اور دبا کے میلوں میں بھی شرکت فرمائی ہے، اسی طرح آپ نے جب مکہ سے بعض صحابہ کو حبش ہجرت کرنے کی اجازت دی تو جعفر طیارؓ کو شاہ حبش کے نام ایک خط بھی ارسال کیا تھا۔ جس کا انداز تحریر ایسا تھا جیسے کسی جانے پہچانے آدمی کو لکھتے ہیں، نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایک ایسے بادشاہ کا ملک ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا ہے، پھر احادیث میں آپ سے بہت سے حبشی الفاظ کا مروی ہونا بھی ثابت کرتا ہے کہ آپ نے ان ممالک کے سفر کیے تھے۔ چونکہ حبشہ جانے کے لئے بحری راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے اس لئے آنحضرتؐ کے بحری سفر کا امکان بھی معلوم ہوتا ہے، اگرچہ مورخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں مگر واقعات اور قرآن کریم کے بیانات پر غور کرنے سے یہ بات حد یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے بحری سفر اور زمین کی سیر کی ہو گی۔ یہ سب سفر تجارتی غرض سے کئے گئے تھے۔ یہ ناممکن نہیں ہے کہ شادی کے بعد وقت بعثت تک آپ گھر ہی رہے ہوں اور شادی سے قبل جو تجارتی سلسلہ شروع کیا تھا وہ بند کر دیا ہو (مسند امام احمد جلد ۴)

تاریخ مصطفیؐ

شادی کا پیغام

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور آپ کی دیانت اور تجارتی سلیقہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، پاک بازی اور شرم و حیاء کے علاوہ میسرہ نے راستہ کے عجائبات بیان کئے اور نسطورا کی باتیں بتائیں تو وہ آپ کی بجد گرویدہ ہوگئیں، ان کی عمر اگرچہ چالیس سال کی تھی اور دو شادیاں یکے بعد دیگرے ہونے کے بعد بیوہ ہو چکی تھیں مگر مکہ میں اپنی باعصمت زندگی کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں، شادی کا کوئی خیال نہیں تھا۔ کئی پیغامات وہ رد کر چکی تھیں مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دیکھ کر ان کو شادی کا خیال پیدا ہوا، ان کو یہ بھی خیال تھا کہ شاید عمر کی زیادتی اور بیوگی آنحضرت ﷺ کو پسند نہ آئے اور وہ انکار کردیں لیکن وہ اس خیال کو دل سے نہیں نکال سکیں اور اس شادی کو اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتے ہوئے اپنی رازدار سہیلی نفیسہ کی معرفت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیج دیا۔

ابن ہشام، فتح الباری اور ابوالفداء وغیرہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہ نے شادی کے پیغام سے پہلے آپ کو اپنے پاس بلوایا اور جب آپ آئے تو انھوں نے دروازہ پر استقبال کیا اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی ہنسلی پر رکھ لیا اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں لہٰذا اس وقت مجھے مت بھولنا اور میرے حق میں اپنے معبود سے دعا کرنا، مگر اس روایت کو اس لئے قبول نہیں کیا

جا سکتا کہ آنحضرت ؐ شادی سے قبل حضرت خدیجہ رضؓ کی ہنسلی پر ہاتھ رکھنا کسی طرح پسند نہیں کر سکتے اور نہ جناب خدیجہ رضؓ طاہرہ سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ آنحضرت ؐ کے ہاتھ کو اتنی بے تکلفی سے اپنی ہنسلی پر جو سینہ کا ایک بالائی حصہ ہے رکھنا پسند کریں۔ ہم اس روایت کے اس ٹکڑے کو حاشیہ آرائی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے کیوں کہ شادی کے سلسلہ میں مورخین اور سیرت نگاروں نے بڑی لاپرواہی اور غلو سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ "سیرت کبریٰ" کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "عشق و محبت کی آگ خدیجہ رضؓ کے معمر دل میں سلگ رہی تھی"۔ اسی طرح سیاسی زندگی" کے مولف نے آنحضرت ؐ کے حسن وجمال، گردن وسینہ اور اعضائے جسمانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اور اگر اس پر خدیجہ طاہرہ کے بجھے ہوئے چراغ آرزو میں پھر سے تیل آگیا ہو اور دل ہاتھ سے چھوٹ گیا ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے" یہ باتیں تو بہت سی لکھی گئی ہیں مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ہیں البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ معصوم زندگی کے متعلق سیرت نگاروں کو قلم کی پوری نگرانی کرنی چاہیئے کیونکہ اگر اسی طرح حسن و عشق کی کارگزاریاں سیرت کا جزو بنتی رہیں تو دوسروں پر نکتہ چینی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، معصومانہ اور پاکیزہ زندگی میں اس قسم کی خرافات کو جگہ دینا علم وعقل اور ایمان کے منافی ہے۔

بہرحال نفیسہ کی معرفت حضرت خدیجہ رضؓ کے پیغام کو آنحضرت ؐ نے سنا اور نفیسہ کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ اچھا مجھے منظور ہے مگر چچا سے بھی معلوم کر لوں، کہا جاتا ہے کہ نفیسہ نے پیغام کے کہنے سے پہلے کچھ دیر آنحضرت ؐ سے

شادی کے مسئلہ پر بات چیت کی۔ اور آپ کا خیال معلوم کیا۔ ایسا کیوں کیا؟ ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت خدیجہ رض کو خیال تھا کہ شاید آں حضرت ؐ میرے پیغام کو رد کر دیں گے۔ اس لئے انھوں نے نفیسہ کو حسن ترکیب سے پیغام دینے کی ہدایت کر دی ہو گی۔

نفیسہ کے متعلق علامہ طبری نے لکھا ہے کہ وہ غیر قوم کی لونڈی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئی تھیں، حضرت خدیجہ رض کی خدمت کرتی تھیں آنحضرت ؐ کے پاس پیغام لے جانے کے لئے ان سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا۔ اول تو آنحضرت ؐ کو جانتی تھیں دوسرے لونڈی زادی تھیں اور اس کام کے لئے وہی موزوں ہو سکتی تھیں۔

مجلس نکاح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے پیغام کو اپنے چچا ابو طالب سے بیان کیا گھر کے دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہوا، کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ حضرت ابو طالب بھی راضی ہو گئے۔ جناب خدیجہ رض نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بھی راضی کر لیا، طرفین نے تاریخ کا تعین کر لیا، حضرت ابو طالب رض حضرت امیر حمزہ رض اور دوسرے افراد خاندان مع رؤسا مکہ حضرت خدیجہ رض کے مکان پر تاریخ معینہ پر گئے تھوڑی سی دیر بیٹھنے کے بعد جناب ابو طالب نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ نکاح پڑھا۔ پھر جانبین سے ایجاب و قبول ہوا۔ عمرو بن اسد نے کہا کہ اے گروہ قریش! تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد ابن عبد اللہ کے نکاح میں بعوض چار سو مثقال مہر دیدیا۔

خطبۂ نکاح

حضرت ابو طالب نے مجلس نکاح میں جو خطبہ پڑھا تھا۔ وہ قبل اسلام کی

تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس سے ابوطالب کے پاکیزہ خیالات پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے۔ جو لوگ جناب ابوطالب کو کفر و شرک سے وابستہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو اس خطبہ کے الفاظ پر غور کرنا چاہیئے۔

"تمام تعریفوں کا مستحق وہ خالق عالم ہے جس نے ہم کو ابراہیم کی اولاد، اسمعیل کی نسل اور معد و مضر کے خاندان سے پیدا فرمایا۔ اپنے گھر کا محافظ اور حرم کا نگران بنا کر عظمت و برتری عطا فرمائی وہ گھر جس کی زیارت کیلئے تمام اطراف سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ محمدؐ میرے بھائی عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ مال کم ہے مگر شرافت، سیادت اور فضیلت میں نیز عقل و خرد میں سب سے ممتاز ہیں، یہ وہ اوصاف ہیں کہ جس کسی سے بھی ان کا مقابلہ کیا جائے گا وہ بلند و بالا ہی نظر آئیں گے۔ مال زوال پذیر اور مستعار ہے یہ کسی کے پاس قائم نہیں رہتا۔ محمدؐ وہ شریف نوجوان ہیں جن کا حسب و نسب کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، اب یہ تمہارے خاندان کی نامور اور نیک خاتون خدیجہؓ بنت خویلد کو نکاح میں لا رہے ہیں اور میرے مال سے اتنی رقم مہر میں دے رہے ہیں۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اس عقد کے بعد ان کی عظمت بہت بڑھے گی، لوگ ان کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔"

(روض الانف، زرقانی وغیرہ)

حضرت ابوطالب کے بعد جناب خدیجہؓ کے چچا عمر بن اسد نے جواباً کہا۔

"اے گروہ قریش! تم گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو چار سو مثقال

مہر بعد محمد بن عبد اللہ کے نکاح میں دیا گیا“ (مواہب لدنیہ وغیرہ)

امام سہیلی کا بیان ہے کہ بیس اونٹنیاں مہر میں دی گئیں۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ بارہ اوقیہ یعنی ۴۸۰ درہم دیئے گئے، ایک روایت میں ۵۰۰ درہم بیان کیے گئے ہیں جو اسی وقت ادا کر دیئے گئے تھے نکاح کی صبح کو آنحضرت ؐ نے ولیمہ کیا اور چند اونٹ ذبح کیے گئے۔ (ابن جریر۔ طبری)

متفرقات

حضرت خدیجہ رضؓ اور آنحضرت ؐ کی شادی کے واقعات ابن ہشام، ابن سعد اور طبری وغیرہ میں اجمال اور اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں، البتہ زرقانی جلد اول میں تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔ مکہ میں یہ کوئی عیب کی بات نہیں تھی کہ عورت شادی کے معاملات کو خود طے کرے اور پھر حضرت خدیجہ رضؓ تو بیوہ تھیں اس لئے وہ اپنے لئے زیادہ بہتر سمجھ سکتی تھیں، ہمارے یہاں بھی بیوہ عورتوں کو شادی کے معاملات میں دخل دینا معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔

بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ کے والد زندہ تھے اور وہ اس شادی کو برابر کا جوڑ نہیں سمجھتے تھے مگر یہ صحیح نہیں ہے امام سہیلی نے دلیل سے ثابت کیا ہے کہ وہ جنگ فجار سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ نفیسہؓ اسلام لے آئی تھیں، ان کو صحابیہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ ان کے باپ کا نام امیہ اور نانی کا نام منیہ بنت جابر بن وہب تھا (اصابہ)

شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ نے آنحضرت ؐ کو اپنے ہی گھر پر بلایا۔ آپ اپنے چچا کی اجازت سے قدیم گھر سے حضرت خدیجہ رضؓ کے گھر میں آگئے، یہ مکان آج بھی دار خدیجہ

کے نام سے مشہور ہے۔ اس گھر کو کسی زمانہ میں امیر معاویہؓ نے خرید کر مسجد بنا دیا تھا۔ راقم الحروف نے اس مسجد کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ آنحضرتؐ ہجرت تک اسی مکان میں رہے، جہاں برسوں وحی الٰہی کا نزول ہوتا رہا، بعض علما نے مکہ میں بیت اللہ کے بعد سب سے افضل دار خدیجہؓ کو قرار دیا ہے۔

بعض مورخین نے حضرت خدیجہ رضؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بُت پرست تھیں اور اسی لئے آنحضرتؐ سے جو پہلا بچہ پیدا ہوا، اس کا نام انھوں نے عبد العزیٰ رکھا تھا، مگر یہ روایت اگرچہ بخاری کی تاریخ صغیر کی ہے لیکن صحیح نہیں ہے، مولانا شبلیؒ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اس روایت کا راوی اول اسماعیل بن ابی اویس ہے اور وہ اکثر محدثین کے نزدیک جھوٹا اور جھوٹی احادیث بنانے کا عادی تھا۔ امام نسائی اور دار قطنی وغیرہ نے اسے کذاب اور غیر ثقہ کہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ اور آنحضرتؐ کو بتوں سے کس درجہ نفرت تھی اس کا اندازہ مسند امام حنبل جلد ۴ کی اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ آں حضرتؐ نے لات و عزیٰ کی مذمت کرتے ہوئے ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ "خدا کی قسم میں ان بتوں کی کبھی پرستش نہ کرونگا۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب میں کہا، آپ ان کا تو ذکر بھی نہ کیا کیجیے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب خدیجہ کو ان بتوں سے اتنی نفرت تھی کہ وہ انکے ذکر کو بھی پسند نہیں کرتی تھیں، شادی کے بعد پہلے فرزند کا نام قاسم تھا۔ اسی فرزند کے ہونے پر آنحضرتؐ نے اپنی کنیت ابو القاسم رکھی تھی، قاسم ایام رضاعت ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

حضرت خدیجہ رضؓ نے شادی کے بعد تمام مال آنحضرتؐ کے حوالہ کر دیا، آپ نے تجارت سفر کا سلسلہ جاری رکھا اور کاروبار میں اچھی خاصی ترقی کی۔ میسرہ کی ہمراہی میں شام کے

سفر کے علاوہ جن دوسرے سفروں کا پتہ چلتا ہے غالباً وہ اسی زمانہ میں بعد شادی اور قبل نبوت کئے ہونگے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی پہلی دو شادیوں سے دو بچے ہوئے تھے۔ شوہر کا نام ابوہالہ اور لڑکے کا نام ہند تھا دوسرے شوہر کا نام عتیق بن عائذ مخزومی تھا اور ان سے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کا نام ہندہ تھا۔

آنحضرتؐ سے شادی کے بعد ان بچوں کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس کے پاس رہے مگر یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس نہیں رہے، ممکن ہے کہ ددیال میں رہ گئے ہوں اور بڑے ہونے کی وجہ سے وہ کوئی خاص تعلق قائم نہ رکھ سکے ہوں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کی دیانت دارانہ تجارت اور تجارتی سمجھ بوجھ نے حضرت خدیجہ رضؓ کو پہلے سے زیادہ مال دار بنادیا تھا اور غرباء کے ساتھ ان کی ہمدردیاں بہت بڑھ گئی تھیں

شادی کے بعد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کے بعد تقریباً ۱۵ برس خانگی اور شہری زندگی گذارنے کا موقعہ ملا۔ اس مدت میں زیادہ تر آپ کی توجہ کاروبار، گھر کے کام، بچوں کی تربیت اور سوشل کاموں کی طرف رہی، کسب معاش کے لئے تجارت کرتے رہے اور اس کے بعد جو وقت ملتا اس کو آپ خاندان اور قبیلہ کے علاوہ ہر شخص کی امداد واعانت میں صرف فرماتے۔ اس بات کو ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے کہ بیوی کی دولت کو بیکار بیٹھ کر کھائیں یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد بھی آپ نے متعدد تجارتی سفر کئے اور حضرت خدیجہ رضؓ کے سرمایہ کو گھٹایا نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہی کیا۔

اسی درمیان میں مکہ کو قحط کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، آنحضرتؐ اور جناب خدیجہ رضؓ نے عام لوگوں کی مشکلات کو دور کرنے اور ان کی ہر طرح مدد کرنے

کی بہت کوشش کی، آنحضرتؐ نے مال کو خرچ کرنے سے کوئی دریغ نہیں کیا، رفتہ دار
کی پریشانیوں کو دور کرنے اور ان کے بوجھ کو کم کرنے کا آپ کو بے حد خیال تھا۔

حضرت علیؓ کی پرورش

حضرت ابوطالب جن کا کنبہ کافی بڑا تھا۔ اس قحط سے بہت متاثر ہوئے آنحضرتؐ
کو آپ سے دلی ہمدردی تھی، اکثر ہر قسم کی مدد فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر
آپ نے اپنے سوتیلے چچا حضرت عباس رضؓ سے ملاقات کی اور جناب ابوطالب کے بوجھ
کو ہلکا کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ چچا جان کے افکار کو کم کرنے اور امداد کے علاوہ ان
کی طرف سے مطمئن کرنے کے لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علی کو میں اپنے گھر لے جاؤں
اور جعفرؓ کو آپ اپنے گھر لے جائیں، حضرت عباس رضؓ نے آپ کی رائے کو پسند کیا، اس
وقت ابوطالب سے ملاقات کی اور اپنا خیال ظاہر کیا، حضرت ابوطالب راضی ہو گئے
لہٰذا حضرت علی رضؓ کو آپ اپنے ہمراہ گھر لے آئے اور جناب جعفر رضؓ حضرت عباس رضؓ کے گھر
رہنے لگے، حضرت خدیجہ رضؓ نے بھی اس بات کو بہت پسند کیا اور حضرت علی کی پرورش
پر پوری توجہ فرمانے لگیں۔ اس وقت حضرت علی کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی آنحضرتؐ
کے مبعوث فرمائے جانے میں پانچ چھ برس باقی تھے۔ آنحضرتؐ کے عام اخلاق وعادات
نے صرف گھر والوں کو ہی آپ کا گرویدہ نہیں بنا دیا تھا بلکہ پورے مکہ میں آپ کو لوگ
عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ازرقی کا بیان ہے کہ مکہ میں کوئی شخص چالیس سال کی عمر
سے پہلے دانا اور اعتماد کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۳۵ سال کی عمر تک ہی اس قدر مقبول ہو چکے تھے کہ بوڑھے بھی آپ کی عزت، اور احترام
کرنے لگے تھے، اکثر شہری اور خانگی قضیے آپ کی مدد اور مشورہ سے سلجھائے جایا کرتے

تعمیر کعبہ

عام مورخین کے بیان کے مطابق ۳۵ ولادت میں قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی۔ اس تعمیر تک کعبہ کی صرف چہار دیواری تھی چھت وغیرہ نہیں تھی، اس چہار دیواری کو بھی سیلاب نے اتنا خستہ کر دیا تھا کہ اب اس کا بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ بہت دن تک قریش صرف اس لئے تعمیر نہیں کر سکے کہ ان کے خیال میں کعبہ کو گرانا ٹھیک نہیں تھا مگر ولید بن مغیرہ نے کدال لے کر دیواریں گرانا شروع کر دیں، دوسرے دن لوگوں کے دلوں سے یہ خیال دور ہو گیا اور سب اس کے انہدام اور تعمیر میں لگ گئے

اسی درمیان میں جدہ کے ساحل سے ایک تجارتی جہاز ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ کعبہ کی عمارت میں چونکہ لکڑی اور لوہے کی بھی ضرورت تھی اس لئے ولید بن مغیرہ نے جدہ جا کر اس ٹوٹے جہاز کو خرید لیا اور اس رومی معمار کو بھی ساتھ لیتا آیا جو جہاز میں کام کرتا تھا۔ اس معمار کا نام باقوم تھا۔ قریش کے تمام قبائل نے مل کر اس کام میں حصہ لیا، خود ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچاؤں کے ہمراہ پتھر ڈھو رہے تھے، آپ کے شانے پتھر اٹھاتے اٹھاتے چھل گئے تھے۔

دیواریں جب اس مقام تک پہنچیں جہاں حجر اسود نصب کیا جانے والا تھا تو آپس میں سخت نزاع پیدا ہو گئی۔ ہر قبیلہ اور سردار یہی چاہتا تھا کہ یہ اعزاز مجھے حاصل ہو۔ اس جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ تلواریں کھنچنے کی نوبت آ گئی۔ دعویداروں نے خون کے پیالہ میں اپنی انگلیاں ڈبو کر اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے قسمیں کھائیں چار دن شدید ہنگامہ برپا رہا آخر پانچویں دن ایک معمر ترین قریش ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ کہہ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو

وہی ثالث قرار دیا جائے ۔

کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ صبح کو قریشی سردار جب حرم میں داخل ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں پہلے سے بیٹھا ہوا دیکھا تو خوش ہو کر بلند آواز سے کہنے لگے ھذا الامین رضینا ھذا محمدؐ" یہ تو محمد امین ہیں، ہم کو ان کا فیصلہ منظور ہے ۔ یہی ہمارے ثالث ہونگے ۔ تمام سرداروں نے آپ سے کہا کہ آئیے اور ہمارے اس باہمی نزاع کا فیصلہ کر دیجئے ۔ یہ ایسا موقع تھا کہ آنحضرتؐ چاہتے تو تنہا اس کام کو انجام دیدیتے مگر آپ نے اس کو پسند نہ کیا اور اس دورِ جہالت میں حسن تدبیر اور اخلاق کی وہ مثال پیش کردی جو تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نمایاں رہے گی، آپ نے فرمایا کہ تمام دعویدار قبائل اپنے اپنے سردار کا انتخاب کرلیں، پھر آپ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھدیا اور تمام سرداروں سے فرمایا کہ تم سب مل کر اس چادر کو اٹھاؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب چادر موقع نصب پر پہنچی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا ۔

(ابن ہشام ، بخاری)

یہ تھی رسالت مآبؐ کی وہ تدبیر جمیل جس نے ایک بہت بڑی جنگ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ۔ تمام قبائل تعریف کرنے لگے اور آپ کی فراست کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا

حطیم کعبہ

قریش نے جو سامان تعمیر کے لئے جمع کیا تھا وہ اس عمارت کی تکمیل کے لئے ناکافی ثابت ہوا ۔ لہٰذا زمین کعبہ کا تھوڑا سا حصہ صرف قدآدم دیواریں بنا کر چھوڑ دیا گیا باقی حصہ کو مکمل کر کے اس پر چھت ڈال دی گئی، جو حصہ رہ گیا اور آج وہ کعبہ کے ساتھ احاطہ کی شکل میں ہے اسے حطیم کہتے ہیں ۔ یہ درحقیقت کعبہ ہی ہے اور اسی لئے طواف کے

وقت اس کو حلقہ میں لینا پڑتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد نبوت چاہتے تھے کہ اس حصہ کی دیواریں گرا کر اور سب کو ملا کر ایک ہی عمارت مکمل کر دیں مگر اس خیال سے آپ نے اس خیال کو ترک کر دیا کہ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہے ممکن ہے کچھ لوگوں میں بدگمانیاں پیدا ہو جائیں اور مخالفین کو اسلام کے خلاف ایک نئی آگ لگانے کا موقع مل جائے (ابن ہشام، طبقات، طبری)

دو باتیں!

اس موقع پر دو باتیں غور طلب ہیں اول تو یہ کہ بعض مورخین کا یہ کہنا کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت عباس نے آنحضرت ؐ کی تہبند کو جھٹکا دے کر کھول دیا اور کہا بھتیجے تہبند کو کاندھے پر رکھ لو تاکہ پتھر اٹھانے سے شانہ چھلے نہیں۔ آنحضرت ؐ برہنہ ہو گئے اور برہنگی کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے۔ یہ روایت کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ تو حضرت عباس ہی ایسا کر سکتے تھے اور نہ آنحضرت ؐ اس کو گوارہ کر سکتے تھے کہ آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے۔ وہ آنحضرت ؐ کے مزاج اور ان کی پاکیزگی اخلاق سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگر کوئی ناواقف دیہاتی اس فعل کو کرتا تو کسی حد تک تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ ایسی حالت میں جب کہ آنحضرت ؐ کو امین کا لقب مل چکا تھا، ہر طرف آپ کی ذات مرکز عقیدت بنی ہوئی تھی، پھر اس موقعہ پر حضرت ابو طالب بھی موجود تھے یہ صورت کسی طرح ممکن نہیں تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا شبلی ؒ نے تعمیر بیت اللہ کا واقعہ شادی سے پہلے بیان کیا ہے اور یہ مسلم ہے کہ شادی ۲۵ برس کی عمر میں ہوئی تھی اور تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ ۳۵ سال کے تھے۔ ہمارے خیال میں یہ ترتیب واقعات کی غلطی ہے ورنہ اس واقعہ میں

عمر شریف کا ۳۵ سال ہونا سلف و خلف سبھی نے تسلیم کیا ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد مکہ والوں میں جس قدر خیالات کے لوگ پائے جاتے تھے ان سبھی نے کعبہ کو اپنا مرکز عقیدت جانتے ہوئے سجانا اور سنوارنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اندر کی جانب دیواروں پر بہت سی تصویریں بنائی گئیں جو انبیائے کرام اور فرشتوں کی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر بہت نمایاں تھیں اور ان دونوں حضرات کو تیروں سے فال لیتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ ؑ کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں، باہر کی طرف اطراف میں تقریباً تین سو ساٹھ بُت قطار سے نصب کئے گئے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ عرب کے تمام قبائل کی عقیدتیں اس عمارت سے وابستہ ہیں، گویا تعمیر جدید کے بعد کعبہ بین المذاہبی مرکز بن گیا تھا۔

آفتاب نبوّت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی سلیم الطبع بنایا تھا مگر جس قدر عمر بڑھتی جا رہی تھی آپ کے مزاج میں متانت، صبر و قناعت اور عبادت کرنے کا ذوق نمایاں ہوتا جا رہا تھا تعمیر کعبہ کے بعد آپ کے غور و فکر اور تجسس میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ تنہائی کو پسند فرمانے لگے تھے، بعض لوگوں کو آپ کی غیر معمولی خاموشی اور ہر وقت کچھ سوچتے رہنے کی کیفیت کو دیکھ کر یہ خیال ہونے لگا کہ شاید آپ کے دماغی حالات میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے مگر آپ کی رفیقۂ حیات پر اس صورت حال کا کوئی اثر نہیں تھا، وہ مطمئن تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ سب کچھ قدرت کی طرف سے ہو رہا ہے۔

علامات بعثت

جس طرح ولادت سے قبل اور بعد ولادت بہت سے عجائبات ظہور میں آئے اور ان کو دیکھ کر لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ آپ قدرت کی طرف سے کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اسی طرح بعثت سے قبل بھی بے شمار واقعات اہل تاریخ نے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کعبہ کے احاطہ میں آرام

فرماتے ہیں کہ عالم خواب میں تین فرشتے آپ کے پاس آئے اور ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ درمیان والے فرشتے نے جواب دیا وہ جو سب سے بہتر ہیں (بخاری) ابن جریر اور ابن سعد وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے قبل آپ جنگل کی طرف تشریف لے جاتے تھے تو پتھر اور درخت آپ کو سلام کیا کرتے تھے اور کہتے تھے السلام علیک یا رسول اللہ! آپ اس آواز کو سن کر جب ادھر ادھر دیکھتے تھے تو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ مسلم و ترمذی کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اب تک اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو قبل نبوت مکہ میں مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ علماء و محدثین کا خیال ہے کہ وہ پتھر یا تو حجر اسود تھا یا زقاق الحجر تھا جو حضرت خدیجہ رض کے گھر کے قریب ہی تھا، مدارج کا بیان ہے کہ بکریاں چرانے کے زمانے میں ایک پتھر پر آپ کے پیروں کا نشان بن گیا تھا اور وہ نشان شدہ پتھر آج بھی موجود ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کو رویائے صادقہ نظر آنے لگے تھے جو کچھ آپ عالم خواب میں دیکھتے تھے وہی ظہور میں آتا تھا، درحقیقت یہ خواب نبوت کا مقدمہ تھے، پہلے عالم خواب میں آپ کو نبوت سے روشناس کرایا گیا تاکہ عالم بیداری میں جب تاج نبوت آپ کے سامنے پیش کیا جائے تو آپ اس منصب سے نامانوس نہ ہوں۔ محدثین نے رویائے صادقہ کو وحی کے انواع میں شمار کیا ہے صحیح بخاری میں ہے اول ما بدء به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحة

غار حرا میں قیام

جیسے جیسے آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کا وقت آتا جا رہا تھا طبیعت

گوشہ گیری اور خلوت نشینی کی طرف مائل ہوتی جارہی تھی یہاں تک کہ گھر بار سے الگ اور شہری تعلقات سے کنارہ کش ہو کر غار حرا میں قیام فرمانے لگے۔ یہ غار مکہ معظمہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر منیٰ کے قریب وجوار میں واقع تھا کبھی کبھی آپ زیادہ عرصہ تک یعنی ایک ایک اور دو دو ماہ اس غار میں گوشہ گیر رہتے، کھانے پینے کا انتظام فرما لیا کرتے تھے ختم ہو جاتا تو گھر پر تشریف لاتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے، غار حرا میں آپ کا تمام وقت عبادت اور مراقبہ میں گزرتا تھا۔ اس عبادت کے متعلق عینی شرح بخاری میں ہے کہ قیل ماکان صفۃ تعبدہ اجیب بان ذالک کان بالتفکر والاعتبار یعنی یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آپ کی عبادت کیسی تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت حاصل کرنا غیر معمولی ریاضت، گوشہ نشینی اور مراقبہ نے مزاج میں ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا تھا۔ ہر طرف سے طبیعت ہٹتی جارہی تھی اور عالم غیب کی طرف توجہ بڑھتی جارہی تھی۔ جب آپ غار سے باہر تشریف لاتے تو پہلے بیت اللہ میں حاضر ہوتے اور طواف کرتے تھے، پھر گھر میں تشریف لاتے تھے۔ کبھی آپ نہیں آتے تھے اور وقت زیادہ ہو جاتا تھا تو آپ کی بیوی صاحبہ خود یا کسی خادم کے ذریعہ کھانا بھجوا دیا کرتی تھیں۔ کھانے کی چیزیں اکثر خشک ہوتی تھیں جو زیادہ دن تک خراب نہیں ہوتی تھیں، یہ غار حرا جس کو آج کل مکہ میں جبل نور کے نام سے پکارتے ہیں بائبل میں اس کا ترجمہ فاران کیا گیا ہے، اگرچہ یہ جگہ ایک سنسان علاقہ ہے مگر پھر بھی کبھی کوئی راہ گیر اس طرف آجاتا تھا تو آپ اس کی تواضع اپنے کھانے کے سامان سے فرمایا کرتے تھے۔ غار حرا اس پہاڑی پر واقع ہے جس کی نچلی سطح میں ترکوں نے بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے حوض بنا دیئے ہیں۔ ان حوضوں کو ترکوں نے

دو وجہ سے بنایا تھا اول یہ کہ بارش کا پانی زیادہ تعداد میں ان حوضوں میں جمع ہو جائے اور عرصہ تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، دوسرے یہ کہ اس رُخ کے پانی کو مکہ میں داخل کا موقع نہ ملے اور حرم محترم سیلاب سے محفوظ رہے۔

اس پہاڑ کی چوٹی پر غار حرا، قدرتی طور پر بن گیا ہے۔ کئی چٹانیں آپس میں اس طرح مل گئی ہیں کہ ایک چار گز لمبا، دو گز چوڑا اور قد آدم بلند غار بن گیا ہے، جس کا فرش ہموار ہے اور اندر ایک شخص آرام سے لیٹ بھی سکتا ہے اور کھڑا بھی ہو سکتا ہے یہ جگہ دھوپ اور بارش سے محفوظ ہے اور ہوادار ہونے کے ساتھ قبلہ رُخ بھی ہے۔

زمانہ قیام

تاریخ اور تذکروں سے صحیح طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مدت تک اس غار میں قیام فرماتے رہے لیکن اتنا یقینی ہے کہ زمانہ قیام چار سال سے کم نہیں ہے۔ عبادت کے متعلق یہ امر مسلمہ ہے کہ کوئی مخصوص طریقہ نہیں تھا صرف خاموشی کے ساتھ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہنا اور عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے تعلقات پر غور کرتے رہنا آپ کی عبادت تھی۔ یہ طریقہ اتنا کامل اور سکون بخش تھا کہ آپ اس میں خاص قسم کی لذت محسوس کرنے لگے تھے۔ روحانی تجارب اور تزکیہ نفس کی یہ صورت ہو گئی تھی کہ درخت اور پتھر ہمکلام ہوتے نظر آنے لگے تھے، ان غیبی آوازوں میں آپ کو کچھ ایسا لطف آنے لگا تھا کہ اگر یہ سلسلہ کبھی بند ہو جاتا تو آپ ہمہ تن انتظار بن جاتے تھے۔ عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہو رہے تھے، آپ اب ایسا محسوس فرما رہے تھے کہ حقیقت منتظر سامنے آکر کوئی خاص پیغام سنانے والی ہے۔ عالم استغراق اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ آپ،

دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے تھے۔ یہ وہ آخری منزل تھی جہاں سے آفتاب رسالت طلوع فرمانے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا۔

خلعت نبوت

غار حرا میں عبادت کا سلسلہ جاری تھا، عمر شریف چالیس سال اور ایک دن کی ہوئی تھی کہ سردار ملائکہ حضرت جبرئیلؑ بحکم رب العالمین غار حرا میں داخل ہوئے اور آنحضرتؐ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور قرائن سے معلوم کر لیا کہ یہ کوئی خاص شخصیت ہے، ابھی آپ کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت جبریل نے خود ہی کہا کہ میرا نام جبریل ہے۔ میں خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ آپ کو رب العالمین کا یہ پیغام سنا دوں کہ آپ کو آج خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ اب آپ بنی نوع انسان کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اس پیغام کے بعد حضرت جبریلؑ نے آپ سے کہا اقرأ یعنی پڑھئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ما انا بقاری میں پڑھا ہوا نہیں ہوں حضرت جبریلؑ نے آپ کو سینہ سے لگایا اور بقدرے دبا کر چھوڑ دیا اور پھر پڑھنے کے لئے کہا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں وہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت جبریلؑ نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا اور چھوڑ دیا۔ مگر تیسری مرتبہ دبانے اور چھوڑنے کے بعد آپ جبریلؑ کے کہنے پر پڑھنے لگے۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝ اقرأ
وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (سورہ علق ع۱)

پڑھیئے اپنے رب کا نام لے کر جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے آپ کا رب کریم ہے، ایسا کریم جس نے

انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا، وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

یہ پہلی وحی تھی جو مرتبہ نبوت پر سرفرازی کا پیغام سناتے ہوئے رب العزت کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آئے، آپ نے مذکورہ بالا آیتوں کو زبان سے ادا فرمایا جلالِ الٰہی کے اثر سے دل کانپنے لگا، جسم میں لرزہ سا پیدا ہو گیا وحی کے الفاظ سینے پر لکھ گئے، حضرت جبریل نے آپ کی گھبراہٹ کو محسوس کیا مگر پیغام سنانے کے بعد چونکہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں ملی تھی اس لئے سلام کے بعد واپس چلے گئے۔

سرکار دو عالم ؐ تاجِ نبوت سے آراستہ غارِ حرا سے گھر واپس تشریف لائے طبیعت میں انحراف اور چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ بیوی صاحبہ نے کیفیت دیکھی اور مزاج پوچھا تو آپ نے فرمایا، ذرا ٹھیرو اور کچھ اڑھا دو۔ تھوڑی دیر آرام فرمایا، طبیعت سکون پر آئی تو تمام حالات بیان کئے، حضرت خدیجہ رضؓ نے فرمایا فکر مت کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ آپ رب العالمین کی طرف سے سرفراز فرمائے جائیں گے کیونکہ آپ سب سے اچھا سلوک کرتے ہیں سچ بولتے ہیں، مہمان نواز ہیں یتیموں اور غریبوں کی دستگیری فرماتے ہیں، امانت دار، خوش اخلاق اور بلند حوصلہ ہیں، (بخاری و مسلم)

طبری کا بیان ہے کہ بیوی صاحبہ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ آپ اس امت کے نبی ؐ ہیں۔ علماء نے حضرت خدیجہ رضؓ کے اس بیان کو کمال فراست اور حقائق کی انتہائی معرفت قرار دیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ نے اگرچہ اپنی فراست اور بہت سے عینی مشاہدات سے

یہ معلوم کر لیا تھا کہ آپ خدا کی طرف سے کسی بڑے کام کی تکمیل کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مگر پھر بھی مزید اطمینان کے لئے وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، واقعہ بیان کیا تو ورقہ خوش ہو کر کہنے لگے، اے خدیجہ! تم کو خوش ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے رسول ہیں آپ وہی احمد نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سنا چکے ہیں۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ پہلے عداس کے پاس گئیں اس کے بعد ورقہ بن نوفل سے ملاقات کی (زرقانی)

مگر یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی، عداس نینوا کے رہنے والے تھے، مکہ میں غلامی کی زندگی گذار رہے تھے۔ آسمانی کتابوں سے کوئی لگاؤ ہو گا مگر ورقہ بن نوفل پر ترجیح نہیں پا سکتے۔ ورقہ جیسے ماہر کتب سماویہ اور موحد کو چھوڑ کر جناب خدیجہؓ کا عداس کے پاس آنحضرتؐ کو لے جانا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا ہے۔

ابن ہشام نے ورقہ بن نوفل کا ایک قصیدہ حوالہ قلم کیا ہے جو بعثت نبویؐ سے قبل انھوں نے لکھا تھا۔ اس قصیدہ میں کہا گیا ہے کہ "عنقریب محمد ؐ ہم میں ظاہر ہو کر ہماری رہنمائی کریں گے، جو ان سے مزاحم ہو گا مغلوب ہو گا ان کا نور تمام شہروں میں پھیل کر مخلوق کے انضراب کو دور کر دے گا، جو اچھی طرح پیش آئے گا فلاح پائے گا، کاش! ان واقعات کے ظہور کے وقت میں موجود ہوں، ان کی شہادت دوں اور پیروی کروں اور اس دین میں داخل ہو جاؤں جس سے قریش نفرت کریں گے"۔

ابن ہشام وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ورقہ کو بعثت نبویؐ کی اتنی خوشی تھی کہ وہ کسی جگہ بھی چند آدمیوں کو کھڑا ہوا دیکھتے تو ان کے قریب پہنچ کر کہتے تھے کہ "مخلوق

کا نجات دینے والا آگیا ہے اور بت پرستی کا دور ختم ہوا چاہتا ہے۔" مگر وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اس لئے لوگ ان کی باتیں سن کر کہتے تھے "سٹھیا گئے ہیں"۔

امام محمد اور امام ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رض کے سوال کا جواب دیتے ہوئے آنحضرت صلعم نے ورقہ کے متعلق فرمایا کہ وہ مجھے عالم رویا میں دکھائے گئے ہیں ان کا لباس سفید تھا اگر وہ جنتی نہ ہوتے تو سفید لباس نہیں ہوتا، ایک شخص جو ورقہ کو برا کہہ رہا تھا آپ نے اس سے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے ورقہ کو جنت میں دیکھا ہے (روض الانف)

غرض ورقہ کے متعلق جو لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کفر کی حالت میں جان دی اور مشرک مرے یہ ایسا ہی ہے جیسے عبدالمطلب اور ابوطالب کے لئے کوئی کہدے کہ انھوں نے حالت شرک میں جان دی۔

بعض راویوں کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ "ورقہ کی باتیں سن کر آپ کو اپنے نبی ہونے کا یقین آگیا اور جو خوف وہراس پیدا ہو گیا تھا دور ہو گیا۔ مزید یہ کہ جب سلسلہ وحی رک جاتا تھا تو آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر خودکشی کرنے کا ارادہ کیا کرتے تھے اور جبریل آکر آپ کو تسلی دیتے تھے" یہ سب بیانات حقیقت سے دور نظر آتے ہیں۔ صحیح مسلم میں آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد کہ میں اس پتھر کو اچھی طرح پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ نیز ترمذی کی یہ حدیث کہ سفر شام میں جس درخت کے نیچے آپ نے قیام کیا تھا۔ اس کی شاخیں آپ پر سایہ فگن ہو گئی تھیں، ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے نبی بنائے جانے کا پہلے سے یقین کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل نبوت کی زندگی مکہ والوں سے الگ نظر

آتی ہے اور اس میں قبل بعثت بھی نبیوں کا کردار پایا جاتا ہے۔ پھر ڈرنے، گھبرانے اور جان کا خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔ ورقہ بن نوفل کی تصدیق سے پہلے آپ یقین کر چکے تھے البتہ حضرت خدیجہ رض کی تشویش دور ہو گئی اور اطمینان کامل حاصل ہو گیا سیرت کبریٰ کے مصنف مولانا رفیق دلاوری کے اس بیان کو ہم کسی طرح صحیح نہیں کہہ سکتے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے محاسن شرعیہ سے بے خبر تھے اور اس دور میں آپ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب الہٰی کیا چیز ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں کیونکہ یہ باتیں اہل علم کی صحبت میں معلوم ہوتی ہیں اور آپ کو اہل علم سے ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا" سیرت کبریٰ کے مصنف نے بڑی سخت غلطی کی ہے، انھوں نے عیسائی مورخین کے اس خیال کو بڑی تقویت پہونچائی ہے جو کہتے ہیں کہ "محمد بن عبداللہ نے نسطورا وغیرہ عیسائی راہبوں کی تعلیمات کی روشنی میں اس نئے مذہب کی بنیاد رکھی تھی" دوسرے ان کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت بعثت سے قبل ایمان سے ناآشنا تھے حالانکہ نبوت اکتسابی چیز نہیں ہے، یہ وہبی مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت پہلے اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اس مرتبہ پر فائز کرنے کے لئے چن لیتا ہے (قرآن کریم)

پہلی اور دوسری وحی

تمام علماء اور مورخین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی وحی سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں جو کہ اوپر لکھی جا چکی ہیں، اس پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وحی کا سلسلہ رک گیا اور یہ اس لئے تھا کہ پہلی وحی کی آیات میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں آپ ان پر کچھ عرصہ تک غور کر سکیں اور وہ حقائق جو تخلیق انسانی، ذات باری تعالیٰ اور قلم سے وابستہ ہیں پورے طور پر سامنے آجائیں چنانچہ آپ پہلی وحی کے بعد بھی بدستور غار حرا

میں جاتے رہے اور غور وفکر وعبادت میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ آپ ایک مرتبہ مسلسل ایک ماہ تک غار میں گوشہ گیر رہے اور اس قیام کے اختتام پر دوسری وحی جو نازل ہوئی وہ سورۂ مدثر کی پہلی سات آیات تھیں جن میں آپ سے فرمایا گیا تھا کہ

"اے کملی اوڑھنے والے! اٹھیئے۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے۔ اپنے رب کی عظمت بیان کیجیے، کپڑوں کو پاک رکھیئے اور نجاست سے علیحدہ رہیئے"۔ (سورۂ مدثر)

ممکن ہے کہ ان آیات کے ظاہری مضمون سے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ آپ قبل نبوت اپنے رب کی عظمت سے غافل ہونگے، ناپاک رہتے ہونگے اور نجاست سے اجتناب نہیں کرتے ہونگے اس لئے یہ حکم دیا گیا۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نسخۂ ہدایت ہے جسے ہر خاص وعام کے لئے نازل کیا گیا ہے اور اس نسخے کی ہدایتیں براہِ راست عام لوگوں تک نہیں پہونچتی ہیں بلکہ بندوں میں سے بندۂ کامل کو چن لیا جاتا ہے جسے اسلام اور شریعت کی اصطلاح میں نبی کہتے ہیں، یہ نبی خدا کے احکام بندوں تک پہنچاتا ہے تاکہ نبی کے واسطے سے قرآنی ہدایات بندوں تک پہونچتی رہیں اور بندے ان کو سن کر زندگی کے لئے لائحہ عمل بناتے رہیں۔

دوسری وحی کے بعد پھر مسلسل وحی آتی رہی یہاں تک کہ جلد ہی تبلیغ کا حکم بھی آگیا۔ ابن اسحاق نے وہ زمانہ جس میں وحی کا آنا بند ہو گیا تھا تین سال بیان کیا ہے۔ اس بندش وحی کے زمانہ میں کبھی کبھی طبیعت بیحد رنجیدہ ہو جاتی تھی۔ مگر کچھ تو خود ہی سکون ہو جاتا اور کچھ زوجہ محترمہ کی طرف سے تسلی دی جاتی نیز حضرت جبریلؑ بھی تشریف لاتے اور فرماتے آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

انقطاع وحی کی مدت تین سال بیان کرنا قرین قیاس نہیں ہے البتہ تاریخ ور تذکرے اس امر کی وضاحت ضرور کرتے ہیں کہ عطائے نبوت کے بعد تین سال تبلیغ کا سلسلہ خاموشی سے جاری رہا اور اس مدت کے بعد علانیہ تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

تاریخ بعثت

اس سے قبل کہ تبلیغ وارشاد کے ابتدائی حالات بیان کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وحی میں جو تاریخ کا اختلاف نظر آتا ہے اسے بیان کر دیا جائے۔ غار حرا میں پہلی مرتبہ حضرت جبریلؑ کب تشریف لائے؟ یہ مسئلہ بھی مورخین کے درمیان مختلف فیہ ہے چنانچہ تمام مورخین دو فریق میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں ایک وہ جو یہ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری ایام میں پہلی وحی سے سرفراز کیا گیا اور دوسرے وہ جو یہ کہتے ہیں کہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ اور دوشنبہ کا دن تھا۔

جہاں تک ہماری تحقیقات کا تعلق ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا جیسا کہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا ہوں۔ چنانچہ علامہ علاؤالدین مغلطائی بھی اپنی کتاب سیرت مغلطائی میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن خلعت نبوت سے سرفراز فرمائے گئے، علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ آٹھ ربیع الاول کو ۴۱ عام الفیل میں خدا کے فرشتے نے غار حرا میں پہونچ کر تاج نبوت فرق مبارک پر رکھا دورہ حاضرہ کے بیشتر سیرت نگار محققین نے تاریخ بعثت ۲۲ فروری ۶۱۰ء قرار دی ہے اور اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ قمری حساب سے ۱۲ ربیع الاول ۴۱ میلادی اور دوشنبہ کا دن تھا۔

ہمارے خیال میں جس طرح تاریخ ولادت کے سلسلہ میں عملی طور پر تمام اسلامی دنیا ۱۲ ربیع کے لئے متفق ہو چکی ہے اسی طرح تاریخ بعثت پر بھی متفق ہو جانا چاہیئے۔ نیز یہ کہ واقعات کے سلسلہ میں تاریخ کا جو عظیم اختلاف پایا جاتا ہے اسے کلیتہً ختم ہو جانا چاہیئے تاکہ تاریخ کے اعتبار سے حیات طیبہ کے واقعات کو عوام بھی آسانی سے ذہن نشین کر سکیں اور ہر شخص بغیر کسی تامل کے تاریخ لکھ سکے، اور بیان کر سکے۔

تبلیغ وارشاد

سب سے پہلی وحی میں آپ کو تبلیغ وارشاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ پہلی وحی میں آپ کو پیغام نبوت کے ساتھ سورہ علق کی چند ابتدائی آیات بھیجی گئی تھیں تاکہ آپ اپنے رب کی ذات پر غور کریں اور ساتھ ہی انسان کی تخلیق اور علم وقلم کی حقیقت پر بھی توجہ دیں۔ درحقیقت پہلی وحی کے بعد دوسری وحی کے آنے میں دیر لگنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ ان حقائق پر بھی اچھی طرح غور کر سکیں۔ اس لئے آپ بدستور غار حرا میں عبادت فرماتے رہے۔

دوسری وحی میں آپ تبلیغ پر مامور فرمائے گئے مگر آپ سوچتے رہے کہ تبلیغ کیسے کریں مکہ کفر وضلالت کا مرکز تھا کسی شخص سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ آپ کی بات سنے اور صحیح تسلیم کرے، تاہم مامور من اللہ نے خدا کے پیغام کو پیش کرنا ہی تھا اگرچہ آپ کے اہل خانہ پاکیزہ خصائل اور صفات حمیدہ سے متصف تھے کفر وضلالت سے ان کو دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا پھر بھی آپ نے یہی مناسب خیال کیا کہ سب سے پہلے گھر والوں ہی کے سامنے توحید ورسالت کو پیش کیا جائے۔ حضرت خدیجہؓ جو آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حضرت علیؓ جو چچا کے بیٹے اور آغوش رسالتؐ کے پروردہ تھے

آپ کے آزاد کردہ مخصوص غلام اور متبنّیٰ زید بن حارثہ تھے۔ یہ آپ کے گھر کے وہ حضرات تھے جو برسوں سے آپ کی زندگی کے حالات کو بہت قریب سے دیکھ رہے تھے۔

آنحضرتؐ نے سب سے پہلے بیوی صاحبہ کو پیغام سنایا۔ بقول مولانا شبلیؒ کے وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، ان کے بعد حضرت علی رضؓ اور زید بن حارثہ رضؓ کی باری آئی۔ دونوں ہمہ تن اسلام تھے۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق کرنے والوں میں آپ کی بیوی صاحبہ حضرت خدیجہ رضؓ آپ کی صاحبزادیاں حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت زید بن حارثہ رضؓ اور آپ کی لونڈی ام ایمن تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر ۲ سال سے کچھ زیادہ اور حضرت علی رضؓ کی عمر دس سال کے قریب تھی۔ یہ سب وہ حضرات تھے جن کو تصدیق رسالت اور اعتراف حقیقت میں کوئی تامل نہیں ہوا۔ گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب پہلے سے ہی آپ کو سچا جانتے تھے اور اس امر کا یقین رکھتے تھے کہ آپ خدا کے برگزیدہ ہیں اور عنقریب ہی مرتبہ رسالت سے سرفراز کئے جائیں گے گھر کے لوگوں کی تصدیق نے آنحضرتؐ کی تشویش کو دور کر دیا اور آپ اب دوستوں کے سامنے اپنے خیال کو ظاہر کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

قریب کے دوستوں اور ملاقاتیوں میں سب سے زیادہ قربت حضرت ابوبکرؓ کو حاصل تھی چنانچہ آپ نے انہی کے سامنے اسلام کو پیش کیا اور وہ بلا کسی حجت و تاخیر کے مسلمان ہو گئے۔ علامہ بیہقیؒ حضرت ابوبکر رضؓ کے بلا تامل ایمان لانے کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ پہلے سے آثار بعثت کو معلوم کر چکے تھے اس لئے دعوت ملتے ہی قبول کر لی۔ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جس کے سامنے (گھر والوں کے علاوہ) اسلام کو پیش کیا وہ سوچتا رہا اور جھجکا مگر ابوبکرؓ نے بلا تامل دعوت ایمان قبول کر لی حضرت

کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اسلام لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر شام میں بحیرا راہب سے دریافت کی تھی۔ اس نے جواب میں بتایا تھا کہ تمہارا خواب سچا ہے اور ایک نبی تمہاری قوم قریش میں مبعوث ہوں گے۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوبکر رضؓ کے متعلق ابن سعد وغیرہ کا بیان ہے کہ وہ نہ صرف دولت مند تھے بلکہ بہت فیاض بھی تھے۔ جب ایمان لائے تو چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے وہ مکہ کے بہت نامور اور معزز شہری تھے۔ لوگوں کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، وہ اپنے اکثر معاملات میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد آپ نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنے حلقہ ملاقات میں اسلام کو متعارف کرایا جس کا بہت نمایاں اثر ہوا اور حضرت عثمان ابن عفانؓ، زبیرؓ ابن عوام، حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، اور حضرت طلحہ رضؓ مسلمان ہو گئے۔

یہ سب حضرات مکہ کے بہت بااثر لوگ تھے، ان پانچوں حضرات نے دولت ایمان حاصل کرنے کے بعد اپنی کوشش تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دیں چنانچہ چند ہی روز کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اسلام قبول کر لیا۔

چالیس مسلمان

ان مذکورہ بالا حضرات کے بعد جن لوگوں نے اسلام لانے کی سعادت حاصل کی ان کی تعداد چالیس کے قریب بتائی جاتی ہے جن کے نام یہاں درج کئے جا رہے ہیں اور اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ترتیب باعتبار قبول اسلام قائم رہے تاکہ قارئین اس امر کا اندازہ لگا سکیں کہ کون کس کے بعد مسلمان ہوا۔ فہرست اسماء مندرجہ ذیل ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن ابوالارقم، عثمان بن مظعون، قدامہ بن مظعون عبداللہ بن مظعون، قدامہ اور عبداللہ عثمان کے حقیقی بھائی ہیں، عبیدہ بن حریث، سعید بن زید مع اپنی بیوی فاطمہ بنت خطاب، خباب بن ارت، عمیر بن ابی وقاص یہ سعد بن وقاص کے بھائی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود۔ سلیط بن عمرو، عیاش بن ابی ربیعہ مع اپنی بیوی اسماء بنت سلامہ، خنیس بن حذافہ، عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن جحش، ابواحمد عبد بن جحش، حاطب بن حرث مع اپنی بیوی فاطمہ بنت مجلل، خطاب بن حرث مع اپنی بیوی فکیہہ بنت یسار، معمر بن حرث، سائب بن عثمان بن مظعون مطلب بن ازہر مع اپنی بیوی رملہ بنت ابی عوف نعیم بن عبداللہ، عامر بن فہیرہ غلام ابوبکر خالد بن سعید بن عاص مع اپنی بیوی امینہ بنت خلف۔ حاطب بن عمرو۔ ابوحذیفہ بن عتبہ۔ واقد بن عبداللہ، خالد بن بکیر، عامر بن بکیر، عامل بن بکیر، ایاس بن بکیر یہ چاروں حقیقی بھائی تھے، عمار بن یاسر، صہیب بن سنان، حضرت علی مرتضیٰ اور آپ کے حقیقی بھائی جعفر طیار پہلے ہی تائید رسالت کر چکے تھے۔ یہ سب کچھ تین سال کی رازدارانہ تبلیغ کا نتیجہ تھا ممکن ہے کہ کچھ اور حضرات بھی اسلام لائے ہوں مگر مندرجہ بالا حضرات کے نام تاریخ میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

یہ سب وہ لوگ تھے جو ایک طرف تو مکہ کے رہنے والے اور دوسری طرف سید عالم کے کردار اور ان کی زندگی سے اچھی طرح واقف تھے۔ جو ایک دفعہ ایمان لے آیا وہ کبھی منحرف نہیں ہوا اور سب کے ساتھ تبلیغ میں ہاتھ بٹانے لگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ انسانی نفیس کے تزکیہ اور اخلاق و عادات کی تعمیر کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے اس لئے جو بھی حلقہ بگوش اسلام ہوتا آپ اس کی تعلیم و تربیت پر خاص طور سے توجہ فرماتے

تھے۔ چند روز میں ایمان مستحکم ہو جاتا اور وہ باوجود مخالفت اور مصائب کے اسلام چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت ؐ ان کو آیات قرآنی کی تعلیم دیتے اس کا مطلب ذہن نشین کراتے اور زندگی کو عملی سانچہ میں ڈھال کر اسلام کا ایسا گہرا رنگ ان پر چڑھاتے تھے کہ پھر ان کے قدم شدائد و مصائب سے بھی متزلزل نہیں ہوتے تھے۔ تین سال کے معمولی عرصہ میں آپ نے ان کو کفر و شرک کی آلائشوں سے نکال کر اتنا بلند کردار اور پاکیزہ اخلاق بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر قرآن کریم میں تعریف فرمائی اور ان کی اطاعت، محبت اور جاں نثاری کو پسند فرمایا۔

(اصابہ، ابن ہشام)

دار ارقم میں قیام

نبوت کا چوتھا سال شروع ہو چکا تھا، اہل مکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے عداوت کا جذبہ برابر بڑھتا جارہا تھا اور شہر میں کہیں کہیں مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا گیا تھا۔ اس سے قبل آنحضرت پوشیدہ طور پر ماننے والوں کو مکہ کی گھاٹیوں میں لے جاتے تھے اور وہیں نماز وغیرہ ادا کی جاتی تھی عبادت اور تبلیغ کے کام بہت خاموشی اور رازداری سے کئے جاتے تھے۔ اس زمانہ کے بہت سے واقعات ابن ہشام اور اسد الغابہ وغیرہ میں ملتے ہیں جس سے مسلمانوں کے ذوق عبادت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ کے رفیق و محسن چچا ابوطالب بھی آگئے، دیر تک طریقہ عبادت دیکھتے رہے، پھر پوچھنے لگے یہ کونسا طریقہ عبادت و مذہب ہے فرمایا یہ مسلک انبیاء ہے اور یہی مسلک و طریقہ ہمارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام

کا بھی تھا۔ میرے رب نے مجھے اسی طریقہ کی تعلیم دی ہے اور اپنے بندوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے چچا کو بھی دعوت دی کہ یہ طریقہ آپ کو بھی قبول کرنا چاہیے۔ آپ نے جواب دیا میں اپنے آبا و اجداد کے دین پر قائم ہوں۔ پھر اپنے بیٹے علی رضؓ سے پوچھا تمہارا کیا مذہب ہے؟ حضرت علی رضؓ نے عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور انہی کی پیروی کرتا ہوں۔ حضرت ابو طالبؓ نے فرمایا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ محمدؐ تم کو نیک ہی راستہ بتائیں گے تم ان کی اتباع کو مت چھوڑنا۔ (طبری)

ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت علی رضؓ تنہا آنحضرتؐ کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں آپ نے بڑے بیٹے جعفر رضؓ سے فرمایا کہ دوسرے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ (اسد الغابہ)

اب اسلام کی کمزور تحریک طاقت پکڑ چکی تھی مگر ساتھ ہی قریش کے دلوں میں اسلام کے خلاف جوش و جذبہ بھی بڑھتا جا رہا تھا مسلمان اب علانیہ ستائے جانے لگے تھے شجر اسلام کو اکھاڑنے کا خبط اہل مکہ کے دماغ پر اس درجہ مسلط ہو چکا تھا کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں لگے ہوتے تھے کہ کس طرح اس تحریک کا خاتمہ کیا جائے۔ ابو جہل، ابو لہب اور عمر ابن خطاب کی مخالفانہ سرگرمیاں سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرت سعد اور طلیب ابن عمر رضؓ سے ابو جہل اور کئی بت پرستوں سے جھگڑے ہو چکے تھے۔ طلیب نے ابو جہل کی اچھی طرح خبر لی تھی جس کی وجہ سے تمام اہل مکہ مسلمانوں کے اور بھی دشمن ہو گئے تھے، عداوت کا جذبہ اب اس قدر بڑھ چکا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی سخت خطرے میں پھنس گئی تھی۔ اب آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو شہر سے باہر دروں اور گھاٹیوں میں فریضہ عبادت ادا کرنے کے لئے جانا خطرے سے خالی

نہیں تھا۔ آخر حضرت ارقم نے ہادی عالم کی خدمت میں حالات کی نزاکت پر اظہار تشویش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اب مکہ سے باہر گھاٹیوں میں جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا اس لئے میں اپنا مکان آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، اب مسلمانوں کو اس مکان میں جمع ہو کر عبادت و تبلیغ کے فرائض انجام دینا چاہیئے۔ آنحضرت نے جناب ارقم کی تجویز منظور فرمائی اور مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ وہ دار ارقم میں جمع ہوں یہیں نماز پڑھیں اور اسی جگہ بیٹھ کر اسلام کی تعلیمات حاصل کریں۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت ارقم نے کچھ دن کے بعد اس مکان کو اللہ کے لئے وقف کر دیا اور پھر یہ گھر اسلام کا گھر مشہور ہو گیا اس مکان سے مسلمانوں کو بہت سے فائدے پہونچے۔ اب ان کو گھاٹیوں میں جانے کے لئے نہ تو شہر چھوڑنا پڑتا اور نہ مخالفین سے بچنے کی فکر کرنا ہوتی۔ دوسرے یہ مکان چونکہ صفا و مروہ کے درمیان تھا اور سعی کرنے والے اس کے دروازہ پر سے گذرتے تھے اس طرح مسلمانوں کو باہر سے آئے ہوئے عربوں میں اسلام کی آواز پہونچانا بھی آسان ہو گیا حضرت ارقم کا درجہ اسلام لانے والوں میں ساتواں یا دسواں بیان کیا گیا ہے (اصابہ)

نماز کی ابتداء

اس سے اوپر کے واقعات میں چونکہ نماز کا ذکر آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی ابتدائی کیفیت بھی بیان کر دی جائے تاکہ قارئین کو کوئی غلط فہمی نہ ہو چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ دو وقت کی نماز کا حکم پہلی وحی کے ساتھ ہی آیا تھا، سرکار دو عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور دوسرے دن سہ شنبہ کو علیؓ نے نماز ادا کی اور اس کے بعد ابو بکرؓ اور زید بن حارثہ نے اس فریضہ کو ادا کیا، اس سے

پتہ چلتا ہے کہ جس طرح تائید اسلام کا شرف سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو حاصل ہوا ہے اسی طرح ادائے صلوٰۃ کی سعادت بھی سب سے پہلے انہی حضرات کو حاصل ہوئی پنجگانہ نماز معراج میں فرض ہوئی ہے اس سے قبل صرف دو ۲ نمازیں دو دو رکعت میں پڑھی جاتی تھیں حسن بصریؒ اور حربی رضؓ کا بیان ہے کہ معراج سے قبل صرف دو ۲ نمازیں تھیں۔ دو رکعت صبح اور دو ۲ رکعت شام کو ادا کرنا پڑھنا فرض تھیں۔　(روح المعانی، فتح الباری)

ابن جریر اور ابن ہشام وغیرہ کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ شروع میں حضرت جبریل نے آپ کو وضو کا طریقہ اور نماز کا طریقہ سکھایا تھا۔ انھوں نے آپ کے ہمراہ وضو کیا اور نماز پڑھی تھی۔ اس کے بعد آپ نے وہی طریقہ حضرت خدیجہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو سکھا دیا تھا جب تک قریش کے سینوں میں مخالفانہ اثر پیدا نہیں ہوا تھا آنحضرت صلعم کعبہ کے قریب نماز ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ عفیف کندیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آغاز بعثت کے ایام میں گھر کی ضروریات خریدنے مکہ آیا عباس ابن عبدالمطلب کے یہاں قیام کیا۔ ایک دن حضرت عباس رضؓ کے ساتھ حرم میں گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آئے کعبہ کے قریب کھڑے ہوئے، آسمان کی طرف دیکھا اور نماز شروع کر دی۔ پھر ایک لڑکا آیا اور وہ اس بزرگ شخص کے داہنی جانب کھڑا ہو گیا پھر ایک خاتون آئیں اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور نماز پڑھ کر یہ سب چلے گئے۔ میں نے اس جدید طریقہ کو بڑے غور سے دیکھا اور ان کے جانے کے بعد حضرت عباس رضؓ سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں مجھے تو کسی بڑے انقلاب کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت عباس رضؓ نے جواب دیا تمہیں نہیں معلوم یہ میرے بھائی کے

بیٹے محمد ابن عبداللہ ہیں اور یہ لڑکا میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور وہ محترم خاتون محمد ابن عبداللہ کی بیوی ہیں۔ اور میں تم کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ میرے بھتیجے محمد ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ "یہ مذہب آسمانی ہے، خدا کا فرشتہ میرے پاس آتا ہے، حکم خدا سناتا ہے، میں جو کچھ کرتا ہوں خدا کے حکم سے ہی کرتا ہوں" میرا خیال ہے کہ ان تینوں کے علاوہ اس نئے دین کا کوئی اور پیرو نہیں ہے عفیف کندیؓ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے بیان کو سن کر میرا دل چاہا کہ کاش چوتھا میں ہوتا۔

(ابن سعد و حاکم)

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابتداء میں اہل اسلام کا قبلہ کعبہ نہیں تھا بلکہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان نماز پڑھی جاتی تھی۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ جو لوگ اب تک دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے انہیں قریش میں کوئی اعزازی عہدہ حاصل نہیں تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو قریشی نہیں تھے اور غلامی سے آزاد ہوئے تھے۔ جاہ و جلال اور عظمت و مال میں سے کوئی چیز ان کو حاصل نہیں تھی رسول اکرم جب کبھی ان غربائے اسلام کو ساتھ لے کر حرم میں تشریف لے جاتے تو روسائے قریش آپس میں بطور مذاق کہتے تھے۔

أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنۢ بَيْنِنَا "کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسانِ عظیم کیا ہے"۔ (سورۃ انعام)

اہل مکہ کی یہ باتیں کوئی نئی نہیں تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کے لئے بھی اس دور کے کفار نے ایسا ہی کہا تھا۔ سورۃ ہود میں ہے "اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی وہی لوگ کر رہے ہیں جو رذیل اور

کمتر ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔

علانیہ تبلیغ

آفتاب نبوت چوتھے سال کے آخری منازل میں تھا اور تبلیغ وعبادت کے فرائض خاموشی اور رازداری سے انجام دیئے جا رہے تھے۔ اگرچہ ایمان لانے والوں کی تعداد میں کوئی غیر معمولی اضافہ نہیں ہو سکا تھا مگر جو لوگ اب تک دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے ان میں آنحضرتؐ کی تعلیمات نے ایسا عزم راسخ اور جوش عمل پیدا کر دیا تھا کہ قریش کے بے پناہ مظالم کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کسی قسم کے تزلزل کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ آخر سورہ حجر کی یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اے رسولؐ! جو احکام آپ کو بھیجے جا رہے ہیں ان کو علانیہ بیان کیجئے اور مشرکین کی پرواہ مت کیجئے۔"

اس حکم کے ملتے ہی تبلیغ کے خفیہ پردوں کو آنحضرتؐ نے چاک کر دیا اور علانیہ تبلیغ کی تدابیر پر غور فرمانے لگے، چند ہی روز میں سورہ شعرا کی یہ آیت نازل ہو گئی۔

فَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ ۔ "اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرایئے اور اتباع کرنے والے مومنین کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے۔"

اس دوسرے حکم کے ساتھ ہی آنحضرتؐ نے گوشۂ عزلت چھوڑ دیا۔ کوہ صفا کی بلندی پر چڑھے اور اے گروہ قریش کہہ کر لوگوں کو پکارا۔ لوگ یہ کہہ کر کہ محمدؐ ابن عبداللہ آواز دے رہے ہیں جمع ہونا شروع ہو گئے، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے اور کس لئے آواز دیتے ہو۔؟

آپ نے فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر

آرہا ہے جو آتے ہی غارت گری مچا دے گا تو کیا تم یقین کر لو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا ہاں کر لیں گے کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آنحضرت صلعم نے اس جواب کو سن کر فرمایا۔ اچھا تو پھر میں تم کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں۔ اگر تم ایک خدائے واحد پر ایمان نہیں لائے تو سخت عذاب میں گرفتار کئے جاؤ گے۔ پھر آپ نے قبائل قریش کو نام بنام پکارا اور فرمایا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو حق بات سناؤں اور حق تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤں پس تم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا چاہیے، اور اس کی پرستش کرنا چاہیے۔"

ان جملوں نے قریش کو سخت برہم کر دیا، لوگ واپس جانے لگے تو ابولہب نے کہا، "تو ہلاک ہو گیا تو نے ہم کو یہی بات سنانے کے لئے یہاں جمع کیا تھا، اور پھر ایک پتھر زمین سے اٹھا کر آنحضرت صلعم کو مارا۔ قرآن کریم کی سورۃ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ابولہب کی اسی نازیبا حرکت کے بارے میں نازل فرمائی گئی ہے۔ اس سورت میں ابولہب اور اس کی بیوی کے دوزخی ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔ جب یہ نازل ہوئی تو ان دونوں کے غیظ و غضب میں اور بھی اضافہ ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ غیظ و غضب کیا حقیقت رکھتا تھا۔ (بخاری، مسلم، روح المعانی)

چند روز کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت علی رضی سے فرمایا دعوت کا انتظام کرو۔ تمام خاندان عبدالمطلب اور دوسرے رشتہ دار مدعو کئے گئے۔ چالیس آدمیوں نے اس دعوت میں شرکت کی۔ حضرت ابوطالب، جناب حمزہؓ اور حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ پہلے کھانے سے فراغت پائی پھر آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ یہ پہلا موقع تھا جب کہ اسلام پر آنحضرت صلعم نے ایک بسیط تقریر کرتے ہوئے فرمایا "میں آپ حضرات

کے لئے وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کو کفیل ہوگی اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص اپنی قوم کے لئے ایسا نادر تحفہ لے کر آیا ہو، کون ہے جو اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا ساتھ دے اور میری رفاقت اختیار کرے؟ کسی نے جواب نہیں دیا دیر تک اہل مجلس خاموش رہے، آخر حضرت علیؓ جو پندرہ برس کے تھے اٹھے اور اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہنے لگے "میں اگرچہ کم سن ہوں تاہم آپ کا ساتھ دوں گا" اہل مجلس نے ہنستے ہوتے علی رضؓ کی طرف دیکھا اور آپس میں کہنے لگے "یہ ہیں وہ دونوں جو دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں" آنحضرتؐ کی تبلیغی تقریر اور حضرت علی رضؓ کی تائید نے اگرچہ لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا، وہ آپس میں کیسی ہی خیال آرائی کر رہے ہوں مگر حالات نے آگے چل کر بتا دیا کہ وہ دونوں جو بھی کہہ رہے تھے سچ کہہ رہے تھے۔ (طبری۔ ابوالفدار)

مولانا شبلیؒ نے بھی اس روایت کو سیرت النبیؐ جلد اول میں درج کیا ہے، جو طبری کی تاریخ اور تفسیر سے ماخوذ ہے لیکن مولانا سلیمان ندوی نے اسحاق کی تحریر کردہ روایت کو ضعیف کہا ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کے راوی ہیں عبدالغفار بن قاسم شیعی، متروک ہے، دوسرا بدمذہب ہے جس کا نام منہال بن عمر ہے۔ نقد و نظر اچھی چیز ہے مگر اتنی سخت بھی ٹھیک نہیں کہ مولانا شبلیؒ کی برسوں کی محنت و کاوش کو غیر معتبر کہہ دیا جائے۔ اب باب تبلیغ کھل چکا تھا مسلمانوں میں استحکام اور دینی جذبہ کے ساتھ تعداد میں بھی اضافہ ہو چکا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر لوگوں کو دین حق کی طرف بلانا شروع کر دیا تھا، حضرت ابوبکر رضؓ۔ حضرت عثمان رضؓ۔ حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح سب نے مکہ کے مختلف محلوں میں تبلیغ کے مرکز کھول دیئے تھے۔ آنحضرتؐ خود بھی محلوں، بازاروں اور بعض لوگوں کے گھروں پر تشریف لیجا کر

توحید کی خوبیاں اور بت پرستی کے نقصانات سے آگاہ فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم سے بھی آگاہ فرماتے تاکہ اہل مکہ چوری، زنا، جھوٹ اور دختر کشی جیسی بداعمالیوں کے ارتکاب سے باز رہیں مگر سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا کہ لوگ توحید کا اقرار کریں اور رسالت مآبؐ کی نبوت پر یقین لائیں۔

ایک دن آپ نے خاص حرم میں توحید کا اعلان فرمایا۔ بتوں کی مذمت اور توحید کے اعلان نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ کیونکہ یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور ہر طرف سے آنحضرتؐ پر ٹوٹ پڑے یہ خبر حارث بن ہالہؓ کو پہنچی۔ بھاگے ہوئے آئے۔ آنحضرتؐ کو نرغہ کفار سے بچانے اور چھڑانے کی کوشش کی مگر جسم پر اتنی تلواریں پڑیں کہ وہیں شہید ہو گئے۔ اسلام میں ایک عاشق رسولؐ کا یہ پہلا خون تھا جس نے زمین حرم کو لالہ زار بنا دیا۔ (اصابہ)

وجوہ عناد و مخالفت

اسلام اور آنحضرتؐ سے قریش اور ان کے زیر اثر قبائل عرب کو اس درجہ مخالفت کیوں تھی؟ بہت سے وجوہات نظر آتے ہیں مگر سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام ان کے باطلانہ نظام کے پھیلے ہوئے طلسم کو ختم کر دینا چاہتا تھا جو کہ قریش کی عظمت و اقتدار ان بتوں سے وابستہ تھی جو کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور اسلام انہی کو مٹا کر ایک خدا کا پرستار بنانا چاہتا تھا اس لئے انکی مخالفت شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ جو سب سے زیادہ اس نظام باطل سے فائدہ اٹھا رہا تھا وہی سب سے زیادہ مخالفت میں پیش پیش نظر آ رہا تھا۔ بتوں سے وابستگی قریش کا وہ امتیازی نشان تھا کہ وہ کہیں بھی جاتے احترام و عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ہر ملک اور ہر قریہ میں ان

کی تواضع ہوتی۔ مہمان نوازی کے اہتمام کیے جاتے، سہولتیں دی جاتیں اور اظہار عقیدت کیا جاتا۔ قریش اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے صدیوں کے قائم شدہ اقتدار میں فرق آئے اور لوگوں کے دل بتان حرم اور ان کے مجاوروں کی محبت سے خالی ہو کر خدائے واحد کے عشق سے سرشار ہو کر پیغمبر اسلام کے گرویدہ ہوں۔

جو لوگ اس عناد و مخالفت میں بہت نمایاں نظر آ رہے تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے یا یہ سمجھئے کہ اسلام کو دفن کرنے کا بیڑا اٹھا چکے تھے ان میں حرب بن امیہ ابو سفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل، ابولہب، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث، امیہ بن خلف عمر ابن خطاب اور عقبہ بن ابی معیط کے نام تاریخ نے آج تک محفوظ رکھے ہیں۔

قریش اپنے اس زعم باطل پر اڑے ہوئے تھے کہ نبوت کا منصب جلیلہ اگر کسی کو مل سکتا ہے تو مکہ اور طائف کے کسی رئیس ہی کو مل سکتا ہے۔ سورہ زخرف میں اسی کو بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر قرآن کو نازل ہونا تھا تو ان دو شہروں میں سے کسی رئیس اعظم پر اترنا تھا۔ (یعنی مکہ اور طائف میں ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی پر۔)

مخالفت کی اس وجہ عظیم کے علاوہ اور بھی وجوہات تھے جو دولت، اولاد اور رسم و رواج سے تعلق رکھتے ہیں مگر وجہ عظیم بت پرستی کا خاتمہ تھی، قریش اور دیگر قبائل عرب کو مذہب باطل سے ہٹا کر توحید سے آشنا اور اس کا گرویدہ کرنا تھا۔

قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے۔ بنو ہاشم و بنو امیہ

عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا، ابو طالب دولت مند نہ تھے۔ عباسؓ دولت مند تھے، لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدچلن تھا، اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ (سیرت النبیؐ مولانا شبلی)

باوجود اس سخت مخالفت کے آنحضرتؐ اپنے کردار اور اخلاق میں اس درجہ بلند واشرف تھے کہ کسی کو آپ کی ذات میں کسی عیب کی ادنیٰ ترین جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ کوشش بھی کرتے تھے کہ ذاتی برائیوں کو سامنے لا کر عوام کے دلوں کو ذیادہ گرمایا جائے مگر آپ ہر جگہ ہر مخالف کو سب سے زیادہ سچے اور پاکباز نظر آتے تھے یہی وجہ ہے کہ ہادی عالمؐ نے ایک مختصر مدت میں نفرت و عداوت کو عشق و محبت سے بدل دیا اور بتوں کے چاہنے والے رب کعبہ کے پروانے نظر آنے لگے۔

اگر ایک طرف جوش عناد بڑھتا جا رہا تھا تو دوسری طرف برملا تبلیغ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا جیسے جیسے بتوں کی مذمت اور مشرکین کے کردار کے خلاف آیات قرآنی نازل ہوتی جا رہی تھیں قریش آپے سے باہر ہوتے جا رہے تھے دیکھئے سورۃ انبیاء، مدثر، قلم، علق، زخرف، حٰم سجدہ اور حدید، وغیرہ۔

ممکن تھا کہ اہل مکہ آپ کی جان کے دشمن ہو جاتے اور قتل وغیرہ کے منصوبے بناتے مگر وہ جانتے تھے کہ یہ آگ اس طرح ٹھنڈی نہیں ہو گی بلکہ اور بھڑکے گی۔ بنو ہاشم

خون کا انتقام لئے بغیر باز نہ آئیں گے اور اس طرح جنگ کے شعلے معلوم نہیں کس کس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں، اور جو تباہی پچھلی خانہ جنگیوں کی بدولت مسلط ہے وہ اور زیادہ اپنی گرفت مضبوط کرلے۔

ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جو کسی قسم کے ہنگامہ اور قتل و فساد کو پسند نہیں کرتا تھا اس گروہ کے لوگ چاہتے تھے کہ کوئی امن وعافیت کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یہ گروہ بھی مشرکین ہی سے تعلق رکھتا تھا مگر شرافت نفس کی ایک ہلکی سی جھلک پائی جاتی تھی جو نیک راستہ کی طرف لے جانا چاہتی تھی۔ قرآن کریم انہی لوگوں کے لئے ارشاد فرماتا ہے کہ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ وہ تکلیف پہنچانے سے تو لوگوں کو روکتے تھے مگر خود قبول اسلام سے پیچھے ہٹتے جاتے تھے"۔

درحقیقت اسلام لگی لپٹی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسے کردار کی تعمیر کرتا ہے جہاں مصلحت کوشی اور وقتی تقاضوں کو اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ زبان و خرد کو دل کا رفیق بنایا جاتا ہے۔

مخالفت کا زور

قبل اس کے کہ قریش کا ابو طالب کے پاس وفد لیکر جانے کا حال بیان کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حال ان مخالفتوں کا اور ان نئے ایمان لانے والوں کا بیان بھی کردیا جائے جو اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ مخالفانہ سرگرمیاں تو جاری تھیں، مگر اب اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ آنحضرت ؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت سیدہ زینب ؓ کے ابوالعاص پر زور ڈالا جا رہا تھا کہ وہ ان کو طلاق دیں مگر ابوالعاص جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتے تھے رضامند نہیں ہوتے اور صاف جواب دے دیا کہ میں طلاق نہیں

دے سکتا۔ حضرت رقیہ اور ام کلثوم جن کی منگنیاں عتبہ اور عتیبہ ابولہب کے بیٹوں سے ہو چکی تھیں وہ ٹوٹ گئیں ۔اس کے علاوہ عتیبہ کو آنحضرتؐ کے خلاف سخت مشتعل کیا وہ غصہ میں بھرا ہوا آنحضرتؐ کے پاس پہونچا اور کلمات ناشائستہ آپ کی شان میں کہے اور کپڑے پھاڑ ڈالے، چہرہ مبارکؐ پر تھوک دیا، آپ اگرچہ صبر سے کام لیا کرتے تھے مگر اس موقعہ پر زبان اقدس خاموش نہ رہ سکی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ اے اللہ اپنے کتوں میں سے کوئی کُتا اس پر مسلط فرمادے۔ آخر یہ دعا قبول ہوئی اور شام کے راستہ میں ایک شیر نے عتیبہ کا کام تمام کر دیا۔ ابولہب کے دوسرے بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، ابولہب جنگ بدر کے بعد ہزیمت قریش کے صدمہ سے مر گیا۔

مکہ کے در و دیوار اور شجر و حجر تک مخالفت کر رہے تھے مگر پائے رسالت اور مومنین کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ بہت سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے ستیزہ کاریوں کا مسلسل نشانہ بنایا گیا مگر فراعنہ وقت کی کوئی بدترین سے بدترین، لائی ہوئی تکلیف بھی پائے استقلال میں جنبش پیدا نہ کر سکی۔ عرب بھر کی وہ کون سی طاقت و ہستی تھی جو آواز حق کو دبانے میں سرگرم عمل نظر نہیں آرہی تھی۔ ناپاک کوششوں نے مظالم کے وہ پہاڑ ڈھائے اور غریب مسلمانوں کو ایسا تختہ مشق بنایا جس کی مثال نہیں ملتی جس کے تصور سے آج بھی زمین کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ غریب ایمان والوں کے گھروں پر پہونچ کر طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتیں۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرایا جاتا، پھر بھی عداوت کی آگ اگر نہیں بجھی تو اس قدر مارتے کہ جسم لہولہان ہو جاتا قریش کی ایک منظم جماعت صرف اسی کام پر لگی ہوئی تھی کہ حق پرستوں کو تکلیفیں پہنچائی جائیں

زندگی کو ہر طرح محروم حیات بنانے کی تدابیر پر غور کیا جائے۔ بدنام کرنا۔ مذاق اڑانا اور طرح طرح کی تکلیفیں دے کر نور اسلام کو ظلمت کفر میں جس طرح بھی ہو مستور کر دیا جائے ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل۔ اسود بن مطلب بن اسد۔ اسد بن عبد یغوث اور حارث بن قیس اس گروہ کے رکن اعظم تھے۔ عثمان ابن عفان کو انکے چچا حکم بن ابوالعاص نے اتنا مارا کہ بے ہوش ہو ہو گئے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کو ان کے چچا اور گھر والوں نے شدید ماریں دیں۔ مصعب بن عمیر کو ان کے والدین نے گھر سے نکال دیا جسم چھپانے کے لئے لباس اور پیٹ بھرنے کو ایک ایک دانے کے محتاج ہو گئے حسین وجمیل چہرہ اجڑ کر بے رونق ہو گیا۔ زبیر بن عوام کے چچا نوفل نے ان کو چٹائی میں لپیٹ کر اتنا دھواں پہونچایا کہ لب دم ہو گئے۔ سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب کو حضرت عمر نے اس قدر مارا کہ خود ہی تھک کر بیٹھ گئے۔ سعد بن ابی وقاص اور انکے بھائی عامر بن ابی وقاص کو اسلام سے ہٹانے کے لئے ان کی ماں نے بھوک ہڑتال کر دی۔ کئی دن کے بعد جب بھوک سے مرنے لگی تو سعد نے کہا، اگر ہزار دفعہ مر کر زندہ ہو گی جب بھی ترک اسلام کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ آخر مجبور ہو کر کھانا شروع کر دیا حضرت بلال کو حرّہ کی گرم زمین پر لوہے کی زرہ پہنا کر لٹا دیا جاتا مگر یہ عاشق رسول احد احد کی صدائیں بلند کرتا رہتا تھا۔ جب ظلم وستم بہت بڑھ گیا تو حضرت ابوبکر رض نے امیہ سے خرید کر بلال رض کو آزاد کر دیا۔ غرض ظلم وستم کی بے شمار مثالیں ہیں جن کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ اگر ان کو سپرد قلم کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو گی۔

(ابن ہشام، ابن سعد، اسد الغابہ)

خباب، عمار۔ صہیب اور ابوفکیہہ پر جو کچھ بیتی ہے اس کے تصور سے انسانیت کے

رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی صبر و استقلال کے وہ نمونے سامنے آتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ قرآن کریم نے کئی موقعوں پر ان مظلومین کے صبر و استقامت کی تعریف کی ہے۔ ابوجہل نے ایک مرتبہ سجدے کی حالت میں آنحضرت ؐ کے سر کو پتھر سے کچلنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہونچا۔ عبداللہ ابن مسعود کو تلاوت قرآن کے جرم میں عین حرم کے اندر اتنا مارا گیا کہ خون سے زمین بھی تر ہو گئی۔

ابوطالب سے شکایت

مخالفین اسلام کی تمام تدابیر بیکار ہو چکی تھیں۔ وہ مار مار کر تھک چکے تھے لیکن پھر بھی اہل ایمان کو توڑنے اور اسلام سے موڑنے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر مجبور ہو کر روٴسائے قریش کے ایک وفد نے ابوطالب سے ملاقات کی اور شکایت کی کہ تمہارے بھتیجے کی تبلیغ سے ہمارے دل مجروح ہو رہے ہیں۔ اب ہم سے اپنے معبودوں کی مذمت نہیں دیکھی جاتی۔ اس وفد میں عتبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور اسود بن مطلب بن اسد شریک تھے۔ ابوطالب کے سامنے وفد کے ارکان نے یہ بھی کہا کہ صرف تمہاری موجودگی ہمیں روکتی ہے ورنہ ہم بہت پہلے اس قضیے کا خاتمہ کر دیتے۔ ابوطالب نے وفد کی باتیں سنیں اور ان کو حسن ترکیب سے سمجھا کر واپس کر دیا۔ درحقیقت جناب ابوطالب جو پہلے سے دعوت اسلام کو حق سمجھتے تھے اور جن کو پورا یقین تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دعویٰ کر رہے ہیں وہ صحیح ہے، وہ شروع سے آپ کے حالات جانتے تھے بلکہ بعثت سے قبل ہی ان کو یقین تھا کہ میرا بھتیجا خدا کا راز ہے جو ایک دن ضرور کھلے گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تحریک اسلام کے آگے بڑھنے اور بڑھانے میں مزاحم نہیں ہوئے اور ہمیشہ آنحضرت ؐ کی حفاظت

اور ہمدردی فرماتے رہے، یہی وہ یقین تھا کہ اتنی عظیم سفارت اور مخالفت کے باوجود انھوں نے آنحضرتؐ سے کچھ نہیں کہا اور وفد کو سمجھا کر واپس کر دیا۔

آنحضرتؐ خود بھی ان حالات کو دیکھ رہے تھے، انہیں ارکان وفد کی باتیں معلوم تھیں مگر اس کے باوجود آپ کی تعلیمی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا، وفد کا خیال تھا کہ ابوطالب روک دیں گے مگر ابوطالب نے آنحضرتؐ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ چند روز تک وفد کے ارکان حالات دیکھتے رہے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ تبلیغ کے سلسلہ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے اور آنحضرتؐ بدستور فریضۂ الٰہی کی انجام دہی فرما رہے ہیں تو وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے، غصہ میں بھرے ہوئے اور سخت لب و لہجہ کے ساتھ ابوطالب سے کہنے لگے کہ تمہارے بھتیجے نے ابھی تک اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے وہ بدستور ہمارے معبودوں کو برا کہہ رہا ہے، ہمارے بزرگوں کو گمراہ بنا رہا ہے اور ہم سے کہتا ہے کہ تم سب احمق اور بے وقوف ہو، اس لئے ہم تم سے آخری مرتبہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم درمیان سے ہٹ جاؤ یا حمایت کا دعویٰ ہے تو پھر تم بھی میدان میں آؤ تاکہ ہم دونوں میں فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب اب حالات کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، انہیں یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ میں تنہا قریش کے مقابلہ پر کس طرح قائم رہ سکتا ہوں۔ نیز اب سمجھانے سے بھی کام نہیں چلے گا اور قریش نہیں ملیں گے آخر ابوطالب نے آنحضرتؐ کو بلایا اور فرمایا اے میرے بھائی کے عزیز بیٹے! یہ سب لوگ تمہاری قوم قریش کے سردار ہیں اور اس لئے آئے ہیں کہ تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو۔

آنحضرتؐ نے شفیق چچا کے جواب میں فرمایا۔ میں ان کو صرف ایک بات کی طرف بلاتا ہوں جو ان کے تمام معبودوں سے بہتر ہے اور ایسے کلمہ کی دعوت دیتا ہوں جو ان کے حق میں

بہتر ہی نہیں بلکہ یہ اس کے سبب تمام عرب پر اپنا اقتدار قائم کر سکیں گے، اور وہ ہے لا الٰہ الا اللہ سرداران قریش نے جواب دیا، یہ نہیں ہو سکتا ہے، ہم ہر بات مان سکتے ہیں مگر تمہارے ایک معبود کی پرستش نہیں کر سکتے، آپ نے فرمایا بس تو میں کسی اور چیز پر راضی نہیں ہو سکتا ہوں قریش کے اکابرین نے آنحضرتؐ کے اس جملہ کو سن کر کچھ نہیں کہا اور غضب ناک حالت میں ابوطالب کے گھر سے اٹھ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ص میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"بھلا یہ شخص کیوں کر سچا سمجھا جا سکتا ہے جب کہ وہ اتنے معبودوں کے ہوتے ہوتے ایک ہی ذات کو قابل پرستش قرار دیتا ہے، یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور پھر وہ آپس میں کہتے ہوئے چل دیئے کہ بس اپنے معبودوں کی پرستش پر جمے رہو کیوں کہ جس توحید کے ماننے کی ہم سے خواہش کی گئی ہے وہ ایک ایسی چیز ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں سے کبھی نہیں سنی، بس یہ من گھڑت ہے۔"

قریش کی مخالفت کی آگ اب بہت بھڑک چکی تھی، ابوطالب نے جب یہ حالت دیکھی تو آنحضرتؐ سے فرمایا۔

"اے میری جان! اب قوم سخت برہم ہو چکی ہے، کاش! تم میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالتے جسے میں نہ اٹھا سکتا، تم جانتے ہو کہ دو آدمی پوری قوم سے کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

رسول اکرمؐ آبدیدہ ہو گئے۔ چہرہ جوش توحید سے ماہ تاباں کی طرح چمکنے لگا، محبت بھری نظریں چچا کے چہرہ پر گاڑ دیں اور فرمایا:-

تاریخ مصطفیٰ ۴۱

"اے میرے رفیق و شفیق چچا! میں اس کام کو اپنے پروردگار کی حمایت و رفاقت کے بھروسہ پر انجام دے رہا ہوں، اسی نے مجھے اس کام پر مامور فرمایا ہے۔ میں آپ کی حمایت کا ممنون ہوں مگر سب سے بڑی نصرت خدا کی نصرت ہے اور میں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔

اے چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج لا کر رکھ دیں جب بھی میں باز نہیں رہوں گا، دو ہی باتیں ہیں یا تو اس دین کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کے چھوڑونگا یا پھر خود اس دین کی عظمت پر قربان ہو جاؤنگا۔

آنحضرتؐ کی اس پر تاثیر تقریر نے ابوطالب کے اس یقین کو اور بھی مضبوط کر دیا کہ میرا بھتیجا اپنے ارادوں میں ضرور کامیاب ہوگا۔ آنحضرتؐ اٹھ کر جانے لگے تو ابوطالب نے فرمایا بیٹا! جاؤ اپنے کام میں لگے رہو۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا ہے، اس واقعہ کو ابن ہشام اور امام بخاری اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں اور ابن جریر نے بھی قلم بند کیا ہے۔

ابوطالب کا عزم و ثبات

ابن جریر اور ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قریش تیسری مرتبہ پھر ابوطالب کے پاس گئے اور عمارہ بن ولید جو خالد بن ولید کا بھائی تھا اسے ساتھ لے کر آئے، عمارہ بڑا حسین و جمیل نوجوان اور تندرستی میں دیو ہیکل انسان تھا۔ قریش نے ابوطالب سے کہا کہ ہم تیسری بار گئے ہیں اور بڑی قیمتی پیشکش لائے ہیں۔ اور وہ یہ عمارہ ہیں جو اپنے حسن و جمال اور صحت کمال میں بے مثال ہیں۔ ہم ان کو تمہاری نذر کرتے

ہیں، تم ان کو اپنا بیٹا بنا لو۔ یہ تمہارے محمدؐ سے زیادہ کام آئیں گے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالہ کر دو۔ وہ ہمارے اور تمہارے بزرگوں کو برا کہتا ہے اور اس کی ذات سے ہم تم میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ ہم کو امید ہے کہ تم عمارہ کو پسند کرو گے اور محمدؐ کو ہمارے حوالہ کر کے اس قضیہ کو ختم کرنے میں ہماری مدد کرو گے۔

قریش خاموش ہوئے تو مطعم بن عدی نے کہا۔ ابوطالب! یہ بہترین تجویز ہے تمہیں ضرور منظور کر لینا چاہیے تاکہ ہر روز کے جھگڑے سے نجات مل جائے۔ ابوطالب نے جواب دیا۔ تم نے انصاف کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ تم مجھے مرعوب کر کے میرے بھتیجے کی جان لینا چاہتے ہو۔ میں تم سے بلا کسی خوف و اندیشہ کے صاف کہتا ہوں کہ میں اپنے بھتیجے کو نہیں چھوڑوں گا، جاؤ تم سے جو ہو سکے وہ کر لینا۔

مولانا شبلیؒ اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے، طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے، ایک مرتبہ آپ حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔

قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی و جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے۔ قریش نے بھی یہی خیال کیا، اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا۔ "محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ یا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں، اور اس پر بھی راضی

ہیں کہ کل ملک تمہارے زیر فرمان ہو جائے۔ لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔"

عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا، لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ - (حم ۔ سجدہ)

اے محمدؐ کہدے کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہی بس سیدھے اسکی طرف جاؤ اور اسی سے معافی مانگو۔"

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (حم ۔ سجدہ)

اے محمدؐ کہدے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور خدا کے شریک قرار دیتے ہو، یہی سارے جہان کا پروردگار ہے

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا۔ اس نے قریش سے جا کر کہدیا کہ "محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائیں گے تو یہ تمہاری عزت ہے، ورنہ عرب ان کو خود فنا کر دے" لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی

ابو طالب کا کارنامہ

باوجود ان مصائب و شدائد کے آنحضرتؐ کی تبلیغ دن بدن بڑھتی جارہی تھی یہاں تک کہ مکہ سے باہر کے لوگوں میں بھی اسلام پہنچنے لگا تھا۔ اعدائے رسالت اس

صورتِ حال کو دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے اب تمام کوششیں بیکار ہو چکی تھیں۔
سب سے بڑی پریشان کن صورت یہ تھی کہ اب قریش کے خاندانوں میں کوئی خاندان بھی ایسا نہ تھا کہ جس کا ایک نہ ایک فرد دائرہ اسلام میں نہ آگیا ہو۔ اعدائے دین اب قتل کے منصوبے سوچ رہے تھے مگر یہ آسان نہیں تھا، ہاشمیوں سے برسرِ پیکار ہونا گویا ایک غیر معلوم عرصہ کے لئے قتل و قتال کے دروازہ کھولنا تھا۔ مگر اب اس کے سوا کوئی صورت ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جس طرح بھی ہو محمدؐ کو قتل کر دیا جائے۔
ابوطالب ان حالات کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ جب قتل کرنے کی اطلاعات ان تک پہنچیں تو آپ نے ہاشم اور مطلب کی اولاد کو بلایا اور مخالفین کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی ان سے کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے محمدؐ کی حفاظت کرنا چاہیے۔
ابوطالب کی تقریر و اپیل سے ہاشمیوں کی رگِ حمیت تڑپ اٹھی، وہ لوگ جو علانیہ دائرہ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے وہ اور جو ابھی تک غیر جانبدار اور خاموشی سے حالات کا مطالعہ کر رہے تھے وہ اُن کے علاوہ وہ حضرات جو غیر ہاشمی تھے اور دامن رسالت میں آچکے تھے سب نے باہم آنحضرتؐ کی حفاظت کا عہد کیا۔ یہ عہد اتنا مضبوط تھا کہ لوگوں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور خون کے آخری قطرہ کے گرنے تک آنحضرتؐ کی حفاظت کے لئے سربکف نظر آنے لگے۔
ابن سعد کا بیان ہے کہ ابوطالب ہاشمی جوانوں کو لئے ہوئے آنحضرتؐ کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مجالس قریش میں پہنچے اور کہا اے گروہ قریش! کیا تم جانتے ہو کہ کل شام میں نے کیا ارادہ کیا تھا؟ سب نے کہا ہمیں نہیں معلوم۔ ابوطالب نے ہاشمیوں کے عہد و اقرار کا ذکر کرتے ہوئے ہاشمی جوانوں کی طرف اشارہ کیا تو سب نے

اپنی تلواریں نیام سے کھینچ لیں۔ قریش شمشیر بکف جوانوں کے عزائم دیکھ کر حیران رہ گئے، ابوطالب نے کہا خدا کی قسم! اگر تم محمدؐ کے درپئے آزار ہوئے اور قتل کے منصوبے بنائے تو یاد رکھو نہ تم میں کوئی سلامت رہے گا اور نہ ہم عافیت کا منہ دیکھیں گے قریش ابوطالب کے غیظ و غضب کو دیکھ کر کانپنے لگے اور اپنی طرف سے عاجزی و انکساری کے ساتھ منہ چھپانے لگے۔

ابوطالب کا یہ وہ کارنامہ ہے جس نے دشمنوں کے بڑھتے ہوئے حوصلے پست کر دیئے ہاشمیوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ہر طرف چرچا ہونے لگا، جو لوگ پیش پیش تھے وہ اب پس پردہ نظر آنے لگے، لیکن ابوطالب کو اطمینان نہیں تھا وہ جانتے تھے کہ اب قریش کوئی دوسری تدابیر اختیار کریں گے، اس لئے آپ نے رات کی حفاظت کا انتظام بہت مضبوط کر دیا، ابن سعد اور ابن جریر کہتے ہیں کہ ابوطالب تمام بنی ہاشم کو پہلے سلا دیتے اور پھر رات کا ایک حصہ جب گذر جاتا تو ابوطالب اپنے کسی بھتیجے یا بیٹے یا اور کسی دوسرے ہاشمی نوجوان کو اس کے بستر سے بیدار کرتے اور اس کے بستر پر آنحضرتؐ کو اور اسے آنحضرتؐ کی جگہ سلا دیتے۔ یہ تدبیر اس لئے اختیار کی جاتی تاکہ دشمنوں کو آنحضرتؐ کا پتہ نہ لگ سکے اور وہ اپنے کسی ایسے منصوبہ میں کامیاب نہ ہو سکیں جو آپ کی جان اور نقصان کا باعث ہو۔

ہجرت حبشہ

حضرت ابوطالب کی حمایت اور ہاشمیوں کی حفاظت نیز اظہار عقیدت و محبت نے اعدائے اسلام کے حوصلے تو ضرور پست کر دیئے مگر اب ان کی عداوت کی آگ اندر ہی اندر سلگنے لگی، وہ مسلمانوں کو قہر کی نگاہ سے دیکھتے اور چاہتے تھے کہ اس فتنہ کو جڑ سے

خیال کے مطابق بتوں کی خدائی کے خلاف برپا کیا گیا تھا، کاٹ کر رکھ دیں۔ قریش نے اب علانیہ مخالفت سے قدرے ہٹ کر چور دروازہ سے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جو مسلمان اکیلا دکیلا کسی سنسان مقام میں کسی کافر کو مل جاتا اسے سخت مار دیتے اور جب تھک جاتے تو چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ یہ صورت اتنی بڑھ گئی کہ مسلمانوں کے لئے آزادی سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ آخر خدا کے پرستار کہاں تک تکلیفیں برداشت کرتے۔ مجبور ہو کر آقائے دو عالمؐ کی خدمت میں عرض پیرا ہوئے اور مصائب کی داستان سنائی سرکار والا تبارؐ نے دعائے عافیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حبشہ کا عیسائی بادشاہ نیک طبیعت اور امن پسند ہے جو لوگ حبشہ کی ہجرت پسند کرتے ہوں میں ان کو ہجرت کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ پہلی ہجرت تھی جو اجازت ملنے کے بعد بارہ مردوں اور چار عورتوں نے کی، راہ خدا میں ترک وطن کرنے والے حضرات میں مندرجہ ذیل مسلمان شامل تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عثمانؓ ابن مظعون، حضرت زبیرؓ بن عوامؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ، حضرت عامرؓ بن ربیعہ، حضرت ابوبرہ۔ حضرت سہیل بن بیضا، حضرت حاطب بن عمرو بن عبدشمس، حضرت عبداللہ بن مسعود۔

خواتین میں یہ حضرات شامل تھیں۔ سیدہ رقیہ بنت رسولؐ زوجہ حضرت عثمانؓ بن عفان۔ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ یہ ابوسلمہ کی بیوی تھیں۔ بیوہ ہو کر آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں۔ سہلہ بنت سہیل زوجہ ابوحذیفہ، لیلیٰ بنت ابی حثمہ، زوجہ عامر بن ربیعہ۔ اس گروہ مہاجرین کے امیر حضرت عثمان بن مظعون تھے۔ یہ سب حضرات رات کی تاریکی میں بندرگاہ شعیبیہ سے ایک تجارتی جہاز کے ذریعہ

حبشہ کو روانہ ہوتے۔ قریش کو ایک عورت نے بتایا کہ عثمان ابن عفان مع اپنی بیوی کے ہجرت کر گئے۔ قریش نے تحقیقات کی تو بہت افسوس ہوا کہ یہ لوگ ہاتھ سے نکل گئے اور اب اسلام مکہ سے باہر پہونچ گیا۔ یہ پہلی ہجرت ۵ھ نبوی میں رجب کے ماہ میں کی گئی تھی یہ حضرات حبشہ میں تین ماہ سے کم ہی رہ سکے تھے کہ کسی نے خبر مشہور کر دی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، اس خبر نے عام مسرت پیدا کر دی اور یہ حضرات حبشہ کی سکونت چھوڑ کر مکہ واپس آ گئے۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اور اعداء کا ستم بدستور جاری ہے سخت افسوس ہوا۔ (ابن سعد، ابن کثیر، ابن جریر)

دوسری مرتبہ ہجرت

قریش کا ظلم و ستم تو جاری ہی تھا کہ مہاجرین کی واپسی کے بعد اور بڑھ گیا سرکار دوجہاں نے جب ان مظالم کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے دوبارہ حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ اس دوسری ہجرت میں ایک سو سے زیادہ مرد و عورت شامل تھے تفصیل ابن ہشام اور ابن کثیر میں موجود ہے۔

اس دوسری بار کثیر جماعت کے امیر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اجازت لے کر حبشہ کے لئے روانہ ہوئے تھے مگر چوتھی منزل میں ابن دغنہ سے ملاقات ہو گئی اور وہ آپ کو اپنے ساتھ واپس لے آیا اور قریش سے کہا کہ میں ان کو مکہ سے نہیں جانے دونگا، یہ قبیلہ پرور اور مصیبت میں لوگوں کو سہارا دیتے ہیں، قریش نے اس شرط پر ابن دغنہ کی بات مان لی کہ ابو بکر بلند آواز سے تلاوت نہ کریں۔ آپ نے کچھ دن اس قول و قرار پر عمل کیا اور اس کے بعد ابن دغنہ کی حفاظت سے باہر آ کر بلند آواز سے تلاوت شروع کر دی۔ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ

مکہ میں پہلی مسجد حضرت ابوبکرؓ نے بنائی تھی۔

مہاجرین کی یہ جماعت حبشہ پہونچی اور امن و عافیت سے زندگی گزارنے لگی، نجاشی عیسائی مذہب کا تھا مگر توریت و انجیل کے علوم سے آشنا ہونے کی وجہ سے خداترس تھا اور جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی آخر الزماں پیدا کرنے والا ہے۔ مہاجرین کی پاکیزہ زندگی نے حبشہ میں بڑی جلد ہی عام شہرت حاصل کرلی اور نجاشی نے ہر قسم کے شہری حقوق بھی ان کو دے دیئے۔

کفار مکہ کو مہاجرین کا حبشہ میں پرسکون زندگی بسر کرنا سخت شاق گزر رہا تھا، ان کا خیال تھا کہ حبشہ والے اپنے ملک میں نہیں ٹکنے دیں گے، اور ان کو پھر مکہ واپس آنا پڑے گا مگر برخلاف اس کے حبشہ والوں نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، آخر کفار مکہ نے فیصلہ کیا کہ شاہ حبش کے پاس ایک وفد بھیجا جائے اور وہ وفد نجاشی کو مسلمانوں کے خیالات سے آگاہ کرے اور بتائے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ خداؤں سے منہ موڑ کر صرف رب کعبہ کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

قریش کا وفد

کفار مکہ نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ مخزومی کو یہ اہم کام سپرد کیا کہ وہ حبشہ جائیں اور نجاشی کو مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کریں۔ ان دونوں آدمیوں نے شاہ حبش کو پیش کرنے کے لئے بہت سے تحائف بھیلئے۔ قیمتی لباس اور عربی گھوڑے اور دیگر سامان ساتھ لے کر حبشہ گئے۔ نجاشی تک پہونچنے کے لئے پہلے وہ امراء اور علماء سے ملے اور پھر شہر میں ہر شخص سے فریادی ہوئے کہ کچھ دین فراموش مکہ سے بھاگ کر یہاں آگئے ہیں۔ محمد ابن عبداللہ قریشی کے پیرو ہیں۔ یہ نیا دین محمدؐ نے نکالا ہے

ر باپ دادا کے دین کے خلاف ہے۔ غرض علما اور ریا اثر عوام کی وساطت سے یہ دونو
جاشی کے سامنے پیش ہوتے پہلے نجاشی کو سجدہ کیا پھر ہدایا پیش کیے اور عاجزی
، عرض پیرا ہوئے کہ حضور! ہم بڑی دردناک فریاد لے کر آپ کی خدمت میں
ہیں، جہاں پناہ ! ہماری تمام قوم قریش کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں
اری قوم کے ایک شخص محمد ابن عبداللہ نے باپ دادا کے دین کے خلاف ایک نیا
ن ایجاد کیا ہے، وہ ہمارے قدیم معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہم کو ایک خدا کی
ستش کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے بہکاتے ہوئے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے یہاں
ئے ہیں اور اب وہ آپ کے ملک میں بھی وہی خرابیاں اور فساد برپا کریں گے جو
ہیں کرتے رہے ہیں۔ ہم قریش کے تمام سرداروں کی طرف سے درخواست کرتے
ں کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تاکہ ہم ان کو وطن واپس لے جائیں، وفد کی درخواست
ب نجاشی نے سن لی تو کچھ دربار کے لوگوں نے بھی ان دونوں کی تائید کی مگر نجاشی
کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ میری پناہ میں
یں ان کو میں اپنی پناہ سے نکال دوں۔ میں ان سے بات چیت کرونگا اس کے بعد
ئی جواب دوں گا۔

جاشی نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں گفتگو کرنے کے لئے بلایا، جب وہ آگئے تو کہا کہ یہ
یسا دین ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے؟ مسلمانوں کی
ائندگی حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ کر رہے تھے چند قدم آگے بڑھے اور فرمایا۔

یھا الملک! ہم لوگ ایک جاہل قوم سے تعلق رکھتے تھے، بتوں کی پوجا ہمارا شعار
ا۔ مردار کھانا، بدکاری کرنا، پڑوسیوں کو ستانا۔ بھائیوں پر ظلم کرنا ہمارا ہر روز کا

قبیلہ تھا، پوری قوم اسی گمراہی میں مبتلا تھی کہ ہم میں ایک شخص محمد ابن عبداللہ پیدا ہوئے، ہم ان کی سچائی، دیانت اور شرافت نفس سے اچھی طرح واقف تھے، خدا نے ان کو مرتبہ نبوت سے سرفراز فرمایا اپنے کلام سے نوازا، انھوں نے ہم کو اسلام کی طرف بلایا اور کہا۔ پتھر کے مصنوعی معبودوں کی پرستش چھوڑ دو۔ خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ۔ سچ بولو۔ قتل وغارت گری سے باز آؤ، پڑوسیوں کو مت ستاؤ۔ یتیموں کا مال مت کھاؤ۔ عورتوں کی عصمت مت لوٹو اوروں پر بدکاری کا الزام مت لگاؤ۔ نماز کی پابندی کرو۔ اکل حلال کھاؤ۔ صلہ رحم کرو۔ دختر کشی اور فواحش سے کنارہ کشی کرو۔ غیبت، عیب جوئی اور بداخلاقی سے بچو۔ اس نبی برحق نے ہم کو ہر قسم کی طہارت اور پاکیزگی کا سبق پڑھایا۔ ہم اسی برگزیدہ ہستی پر ایمان لے آئے خدا کو ایک ماننے لگے اور ہر قسم کے اعمال بد سے کنارہ کش ہو گئے۔ قوم کو ہماری ناگوار گزریں وہ چاہتے تھے کہ ہم اسی گمراہی میں پڑے رہیں۔ مگر ہم اپنے ایمان کو برباد نہیں کرنا چاہتے۔ ہم ارض وطن کو خیرباد کہہ کر آپ کی مملکت میں آگئے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ گمراہی کو دوبارہ اختیار کریں۔

حضرت جعفرؓ جب اپنی تقریر ختم کر چکے تو نجاشی نے کہا۔ جو کلام تمہارے نبی پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم اور سورۂ کھیعص کی آیات تلاوت کیں۔ چند ہی آیات سننے کے بعد نجاشی کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور بڑے رقت انگیز لہجہ میں نجاشی نے کہا۔ خدا شاہد ہے کہ یہ کلام اور انجیل ایک ذات کا کلام ہے۔ اس جملہ نے دربار میں عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ ہر طرف سناٹا تھا نجاشی نے قریش کے دونوں سفیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، تم واپس جاؤ

اپنے مہمانوں کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا ہوں۔ عمرو بن عاص اور انکے ساتھی کو نجاشی کی گفتگو نے سخت مایوس کر دیا۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا صورت کی جائے جو بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جائے، اس وقت تو دربار سے چلے گئے مگر دوسرے دن ایک نئی تدبیر سوچ کر پھر دربار میں پہونچے اور نجاشی سے کہا جہاں پناہ! شاید آپ کو یہ علم نہیں ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بھی برا عقیدہ رکھتے ہیں۔ چوں کہ نجاشی عیسائی مذہب رکھتا تھا اس لئے عمرو بن عاص اس نوعیت سے اس کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنا چاہتے تھے۔ نجاشی نے دوبارہ مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تم لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ ہم کو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا۔ خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ نجاشی کے یہ جملے بطاریق دربار کو سخت ناگوار ہوئے۔ ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں مگر بادشاہ نے اس حق پسندی کے سامنے کسی کے غصہ اور غیظ کی پرواہ نہیں کی۔

قریشی وفد کو سخت ناکامی اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑا۔ نجاشی کے حکم سے وفد کے پیش کردہ تحفے واپس کر دیئے گئے جن کو وہ لے کر مکہ واپس آگئے۔ مستدرک حاکم، ابن ہشام، ابن کثیر کا بیان ہے کہ عمرو بن عاص نے شرم کے مارے مکہ میں خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ جب لوگوں نے باہر نکلنے کے تقاضے کئے تو کہنے لگے میں کیا کروں باہر نکل کر کہوں کہ شاہ حبشہ کا خیال ہے کہ محمد ﷺ ابن عبد اللہ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ شاہان حبش کو نجاشی کے لقب سے پکارا جاتا تھا جس نجاشی کے زمانہ میں واقعہ ہجرت حبش

آیا اس کا نام اصحمہ تھا۔ اسی طرح شام اور روم کے بادشاہوں کو قیصر، شاہ ایران کو کسریٰ، شاہان مصر کو فرعون، اسکندریہ کو مقوقس، یمن کو تبع، یونان کو بطلیموس، ترک کو خاقان اور چین کو فغفور کہا کرتے تھے۔

دشمن کا حملہ

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد کسی دشمن نے حبشہ پر حملہ کر دیا، نجاشی خود مقابلہ پر نکلا اور دریائے نیل کے پار میدان جنگ گرم ہوا۔ صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ ایسے موقعہ پر ہمارا خاموش رہنا مناسب نہیں ہے، ہم کو بھی نجاشی کی امداد کرنا چاہیے اور ایسے محسن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے چنانچہ صحابہ کرام نے حضرت زبیر بن عوام کو میدان جنگ کی طرف روانہ کیا تاکہ میدان جنگ کے حالات کا اندازہ لگا کر مطلع کریں اور پھر اس کے مطابق امدادی پارٹیاں روانہ کی جائیں۔ حضرت زبیرؓ نے ہوا بھری ہوئی مشک کے ذریعہ دریا کو پار کیا اور نجاشی کو صحابہ کی طرف سے امداد کی پیش کش کی اور اپنی دعاؤں کا یقین دلایا، ادھر صحابہ کرام دربار باری تعالیٰ میں دست بدعا تھے کہ نجاشی کو دشمن کے مقابلہ پر فتح حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خیر خواہ نجاشی کو دشمن کے مقابلہ پر فتح عطا فرمائی اور وہ شادان و فرحان واپس اپنے ملک میں آیا۔ مسلمانوں کے اس خلوص اور ان کی دعاؤں کے اثر نے نجاشی کو اسلام کا اور بھی گرویدہ بنا دیا اور اسے اب پورے طور پر یقین ہو گیا کہ حضرت عیسیٰؑ نے جس رسول کی بعثت کا مژدہ سنایا تھا وہ یہی نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد مہاجرین بڑے اطمینان سے حبشہ میں زندگی گزارنے لگے۔

حضرت عمرؓ آغوشِ اسلام میں

حضرت عمر ابن خطابؓ اگرچہ ۶ سنہ نبوی میں بت پرستی سے تائب ہو کر دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے مگر اسلام بہت پہلے ان کے گھر میں پہنچ چکا تھا۔ فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر سعید بن زیدؓ مسلمان ہو چکے تھے مگر ان کا اسلام پوشیدہ تھا حضرت عمرؓ مخالفین اسلام میں ابوجہل کے جوڑی دار تھے۔ ان کا سینہ عداوتِ اسلام سے بھرا ہوا تھا۔ اسلام لانا تو در کنار وہ مسلمان کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے سامنے خاندان کی ایک لونڈی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کر خود ہی تھک کر ہاتھ روک لیا اور کہنے لگے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا انھوں نے بہت سے لوگوں کو مارا، سختیاں کیں مگر وہ اسلام کی محبت کے نشے کو اتار نہ سکے ایک دن مخالفت کی آگ اس قدر بھڑکی کہ کمر سے تلوار باندھ کر پیغمبرِ اسلام کا خاتمہ کرنے چل دیئے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ میں آغوشِ اسلام کی طرف کھنچا جا رہا ہوں۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہؓ مل گئے۔ تلوار سے آراستہ اور بدلے ہوئے تیور دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے آج بہت برہم نظر آ رہے ہو۔ کہنے لگے محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ ادھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اور ابوجہل کی عداوت اور مسلمانوں پر سختیاں کرنے کی اطلاعیں پہونچ رہی تھیں۔ آنحضرتؐ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ مولیٰ! ابوجہل اور عمر بن خطاب میں جسے تو پسند فرمائے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرما۔ محبوبِ کردگار کی دعا بھلا کیسے خالی جاتی۔ حضرت عمرؓ کے حق میں منظور ہو گئی۔ غرض نعیم بن عبداللہ نے حضرت عمرؓ کی بات سنی اور کہا۔ میرے خیال میں تم کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینا چاہیے کیونکہ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید مسلمان ہو چکے ہیں۔ نعیم کی اس اطلاع نے جلتے

تعمیل کا کام کیا۔ انتہائی غضبناک حالت میں پلٹے۔ دروازہ پر پہنچے تو بہن اور بہنوئی
دونوں حضرت خباب سے سورہ طٰہٰ یاد کر رہے تھے۔ کانوں میں قرآن کی آواز آئی بہن
نے آہٹ پائی تو خاموش ہو گئیں۔ اور لکھی ہوئی آیات چھپا دیں۔ خباب پچھلے
دروازہ سے باہر چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے بہن اور بہنوئی سے پوچھا یہ کیا تھا جو تم پڑھ
رہے تھے؟ بہن اور بہنوئی نے ٹالنا چاہا مگر حضرت عمرؓ نے کہا، میں جانتا ہوں تم
دونوں نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر بے دینی اختیار کر لی ہے۔ سعید سے خاموش
نہیں رہا گیا کہنے لگے حق و صداقت جہاں بھی ملے قبول کر لینا چاہیئے۔ اس جملے
نے آپے سے باہر کر دیا۔ بہنوئی کو لپٹ گئے۔ خوب مارا۔ فاطمہ بچانے آئیں تو ان پر ٹوٹ
پڑے۔ چہرہ سے خون کے فوارے بہنے لگے۔ فاطمہ نے جوش میں آ کر کہا عمر! تم جس قدر
مار سکتے ہو مار و مگر اسلام اب دل میں گھر کر چکا ہے نکل نہیں سکتا۔!

بہن کے ان جملوں نے کانوں سے گذر کر دل کی دنیا بدل دی۔ غصہ ٹھنڈا ہو چکا
تھا۔ آنکھیں بہن کے لہولہان چہرہ پر لگی تھیں اور دل اس ظلم و زیادتی پر ملامت
کر رہا تھا۔ ہاتھ روک لیا اور کہنے لگے اچھا جو کچھ پڑھ رہے تھے مجھے دکھاؤ۔ بہن نے
وہ آیات سامنے رکھ دیں۔ اٹھا کر پڑھنے لگے۔ یہ آیات سامنے آئیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی
تسبیح کرتی ہے۔ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

زبان سے الفاظ نکل رہے تھے اور دل رقیق ہوتا جا رہا تھا۔ پڑھتے رہے۔ یہ آیت
سامنے آئی۔

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا

کوئی پرستش کے لائق نہیں بس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھو"
اور آگے پہونچے تو یہ آیت پڑھی۔
اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔ "اللہ پر اور اس کے رسول ؐ پر ایمان لاؤ" تو بے اختیار ہو گئے۔ کفر کی تاریکی چھٹ چکی تھی۔ دل قساوت شرک سے پاک ہو چکا تھا چشم بصیرت کھل چکی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوتے تھے اور زبان سے یہ کلمات کہہ رہے تھے۔
اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد ر سول اللّٰہ ۔
حضرت خباب جو باہر سے کان لگائے ہوتے تھے اس آواز کو سنتے ہی اندر آ گئے اور کہنے لگے اے عمر! مبارک ہو۔ کل ہی رسول خدا ؐ نے دعا فرمائی تھی کہ اللہ! ابوجہل اور عمر میں کسی کو اسلام کی توفیق دے۔ بہن اور بہنوئی مار کا غم بھول چکے تھے۔ گھر میں مسرت سے نعرہ تکبیر بلند ہو رہا تھا۔
اب تاب جدائی نہیں تھی۔ تلوار تھامے ہی تھامے دار ارقم کے دروازہ پر پہونچے آواز دی۔ کسی نے کہا کہ عمر ابن خطاب ہیں۔ اور تلوار ہاتھ میں ہے۔ صحابہؓ گھبرا گئے مگر حضرت امیر حمزہؓ نے کہا۔ آنے دو خدمت کرو اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسی کی تلوار سے سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ اندر آئے آج رنگ ہی بدلا ہوا تھا حضور اکرم ؐ ان کے آگے بڑھ کر فرمایا کہو عمر کیسے آئے ہو؟ کہنے لگے مسلمان ہونے آیا ہوں۔ گھر کی پُرسکون فضا میں نعرہ تکبیر گونجنے لگا عمرؓ مسلمان ہو گئے، یہ جملہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ جدھر دیکھو تم خنیر ہے اور حضرت عمرؓ کے اسلام کا چرچا ہو رہا ہے، اتفاق سے عاص بن وائل بھی آ گیا اور شور و غوغا دیکھ کر پوچھا کیا معاملہ ہے؟ ایک کافر نے جواب دیا۔ عمر بن خطاب مرتد ہو گیا۔ عاص نے کہا کوئی غم نہیں میں اس کا ہمی ہوں؟

میں لیتا ہوں۔

ابوجہل گھر میں انتظار کر رہا تھا کہ عمرؓ تلوار لے کر گئے ہیں۔ آج فیصلہ کن خبر سنو نگا مگر قبول اسلام کے بعد حضرت عمرؓ سب سے پہلے ابوجہل کے دروازہ پر گئے، آواز دی ابوجہل دروازہ پر آیا، کچھ بولنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ماموں جان! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، ابوجہل کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، دروازہ زور سے بند کرتے ہوئے کہا۔ تم اور تمہارا اسلام دونوں غارت ہوں۔ قبول اسلام کے وقت حضرت عمرؓ کی عمر ۲۶ سال کی تھی، مکہ میں نہایت جوشیلے اور بہادر سمجھے جاتے تھے۔

(ابن ہشام، بخاری، ابن سعد، ابن اثیر)

طبری اور سہیلی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے چند روز پیشتر جناب امیر حمزہ بن عبدالمطلب کی تائید رسول اکرمؐ کو حاصل ہو چکی تھی اور وہ علانیہ اسلام کی حمایت کرنے لگے تھے۔ حضرت حمزہؓ رسول اکرمؐ کے حقیقی چچا تھے اور آنحضرتؐ سے ان کو دلی اُنس تھا مگر سیر و شکار اور سپہ گیری کی مصروفیات نے ان کو کبھی موقعہ ہی نہیں دیا کہ وہ اپنی محبت و حمایت کا اظہار کرتے لیکن ایک دن جب کہ وہ شکار سے واپس آتے اور کوہ صفا کی طرف گئے تو عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے کہا اے ابو عمارہ! کاش تم ذرا پہلے آگئے ہوتے تو اپنے بھائی کے بیٹے محمدؐ کا حال دیکھتے کہ ابوجہل نے ان پر کس قدر گندگی پھینکی تھی، گالیاں دی تھیں اور مارنے کے لئے ہاتھ بھی اٹھایا تھا مگر وہ صبر کرتے رہے۔ لونڈی کی باتوں نے امیر حمزہؓ کو بے قابو کر دیا، تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے، سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور کمان اٹھا کر اس قدر ماری کہ ابوجہل کا سر کھل گیا کہنے لگے تم ہمیشہ ایک بے گناہ کو ستاتے رہتے ہو، شرم

نہیں آتی۔ ابو جہل کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ بنی مخزوم کے چند دشمنان دین حضرت حمزہ کی طرف بڑھے اور کہنے لگے تم بے دین ہو گئے ہو۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا، حق کو تسلیم کرنے سے کون روک سکتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی ہر بات حق ہے، ممکن تھا کہ بنی مخزوم اور ہاشمی جنگ جلتے مگر ابو جہل جانتا تھا کہ ہاشمیوں سے ٹکرانا عقلمندی نہیں ہے۔ حضرت حمزہؓ کی حمایت اسلام نے مکہ میں ایک غلغلہ پیدا کر دیا۔ مخالفین کے جوش ٹھنڈے پڑنے لگے اور قدم ڈگمگانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمدرد چچا کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام میں تاثیرات قرآنی کے ساتھ حضرت امیر حمزہؓ کی علانیہ تائید و حمایت کو بھی دخل حاصل تھا تو غلط نہ ہوگا۔

ترک تعلقات

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مخالفت کا ایک بڑا مورچہ ٹوٹ گیا تھا نیز ۱۰۰ نامہ مسلمان حبشہ میں اپنے اسلام سے عوام و خواص کو متاثر کر رہے تھے۔ اس صورت حال نے قریش کو بہت زیادہ چراغ پا کر دیا تھا۔ ہاشمیوں پر زور نہیں چلتا تھا آخر غصہ کہاں اتاریں چنانچہ غربائے اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ ان غربا میں غریب الوطن، غلام، لونڈی اور کمزور قبائل کے لوگ جس قدر بے دردی سے جور و ستم کا نشانہ بنائے گئے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ یہ لوگ اسلام کیا لائے تھے جانیں بیچی تھیں، جیسے جیسے سختیاں بڑھتی جاتی تھیں اسلام دل کی گہرائیوں میں بیٹھتا جاتا تھا (قریش ہاشمیوں پر دست ستم دراز نہیں کر سکے تو ترک تعلقات کی تجویز زیر غور آئی۔ اس تجویز کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ابو طالب کے اشارہ

پر آنحضرتؐ کو ہاشمیوں نے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے قبائل اور خاندان کے اکثر افراد بھی اس حفاظتی مہم میں شریک تھے (مخالفین چونکہ علانیہ سامنا کرنے سے گھبراتے تھے اس لئے قبائل قریش نے باہم ایک معاہدہ کیا جس میں لکھا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب سے کوئی شخص کسی قسم کے تعلقات نہیں رکھے گا، لین دین خرید و فروخت، شادی بیاہ، آمد و رفت اور ہر قسم کی سہولتوں اور ضروریاتِ زندگی سے محروم کرنے کی انتہائی کوشش کی جائے گی۔ یہ جان لیوا مقاطعہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ابوطالب اور انکے رفقاء محمدؐ کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں گے۔ معاہدہ مرتب ہو گیا، منصور بن عکرمہ اس معاہدہ کا کاتب تھا۔ تکمیل کے بعد تمام سرداران قبائل نے اس پر دستخط اور نشان لگائے اور کعبہ کی دیوار پر دروازہ کے قریب ایک نمایاں مقام پر لٹکا دیا، تاکہ ہر شخص ہر روز دیکھ سکے اور عہد پر دم بدم قائم رہے۔

ابوطالبؓ کے لئے یہ تحریک پریشان کن تھی مگر وہ ہر قیمت پر حفاظت کا عہد کر چکے تھے۔ چند ہی روز میں ہر طرف معاہدہ کے اثرات رونما ہونے لگے۔ کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی۔ باہر سے اناج آتا تو قریش کے متعین آدمی لمبی قیمت دے کر خرید لیتے آخر ابوطالب نے مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ آنحضرتؐ کو لے کر اپنے موروثی درہ میں چلے جائیں ہاشم اور مطلب کی اولاد نے اور ان لوگوں نے جو دوسرے قبائل سے تھے مگر مسلمان ہو چکے تھے ابوطالب کی رائے سے اتفاق کیا اور سب لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ اس درہ میں محصور ہو گئے۔ یہ درہ شعب ابوطالب کے نام سے مشہور تھا۔ شہری مکان بند ہو گئے۔ چند روز اس سامان سے گذر ہوتی رہی جو ساتھ لے گئے تھے مگر کب تک چلتا دوسرا ملتا نہیں تھا۔ بچے بھوک سے جب روتے تھے تو دشمن قہقہے لگاتے تھے۔ ہر طرف پہرہ

لگا ہوا تھا کہ کوئی چیز کہیں سے خریدنے نہ پائیں۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنے غلام کے ہاتھ کچھ گیہوں بھیجے مگر راستہ میں ابوجہل نے غلام کو روک لیا۔ حجت ہو رہی تھی کہ مکہ کے ایک رئیس ابوالبختری آ گئے اور پوچھنے لگے کیا معاملہ ہے۔ ابوجہل نے کہا یہ گیہوں محمد کے پاس جا رہے ہیں۔ میں ہرگز نہیں لے جانے دوں گا۔ ابوالبختری نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ حکیم کے پاس پھوپھی کی امانت ہو یا قرض اتار رہے ہوں اس لئے جانے دو۔ ابوجہل راضی نہیں ہوا اور جب زیادہ ضد کی تو ابوالبختری نے اس کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زمین پر بیٹھا دیا اور ابوجہل سے دست گریباں ہو گئے۔ ابوجہل مار کھا رہا تھا اور حضرت حمزہ رضی دیر کے پاس سے اس کو پٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اسے مار کھانے کا غم تو کم ہوا مگر حضرت حمزہ رضی کے دیکھ لینے سے جو شرمندگی ہوئی اس نے پانی پانی کر دیا تھا۔ ابوالبختری کا یہی وہ سلوک تھا جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے بدر میں صحابہ کو ابوالبختری پر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا تھا۔

(مسلمانوں نے تین سال کی مدت اس طرح گذاری کہ اکثر و بیشتر طلح نامی درخت کے پتے کھا کر وقت گذارا کرتے تھے۔ فاقہ کشی کی مشکلات اور اعدائے دین کی شدت نے زندگی کے سہاروں کو توڑ رکھا تھا۔

تین سال مسلسل یہ سلسلہ تکلیف جاری رہا مگر پتھر دلوں پر جونک نہیں لگی ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اطلاع دی ہے کہ معاہدہ کے تمام حروف کیڑوں نے چاٹ لئے ہیں صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے، ابوطالب کو آنحضرت ﷺ کی بات کا پورا یقین تھا وہ اس مژدہ کو سنانے

درہ سے باہر نکلے تاکہ قریش کو مطلع کریں اور وہ اس خدائی معجزہ کا فرکو دیکھ کر معاہدہ کو منسوخ کردیں۔ قریش نے ابوطالب کو آتے دیکھا تو سمجھے کہ تنگ آگئے ہیں اس لئے محمدؐ کو حوالہ کرنے آرہے ہیں۔ قریب آئے تو قریش نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ ابوطالب نے کہا کہ میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معاہدہ سے بیزار ہے اس وجہ سے معاہدہ کے تمام حروف کیڑوں نے چاٹ لئے ہیں اور صرف اللہ کا نام رہ گیا ہے۔ معاہدہ لایا گیا۔ واقعی آنحضرتؐ نے جو فرمایا تھا وہ صحیح نکلا مگر اس کے باوجود قریش معاہدہ کو ختم کرنے پر رضامند نہ ہوئے اور کہنے لگے یہ بھی محمدؐ کا جادو ہے۔

مطعم بن عدی، ابوالبختری، ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود کے دل میں نرمی آئی اور انھوں نے اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ سب لوگ آرام سے کھائیں اور پئیں اور بنو ہاشم و بنی مطلب ایک ایک دانہ اور قطرہ کو ترسیں، ہم اسے برداشت نہیں کرسکتے، خدا گواہ ہے جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ منسوخ نہیں کردیا جائے گا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے، ابوجہل بہت تلملایا مگر زمعہ اسے جھٹلاتے رہے اور مطعم نے ہاتھ بڑھا کر معاہدہ اتار لیا اور چاک کرڈالا۔ پھر سب ہتھیار لگائے شعب ابوطالب میں پہونچے اور بنی ہاشم کو ساتھ لاکر ان کے گھروں میں پہونچادیا، کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

اس سلسلہ میں قدرت کا یہ انتقام بھی عبرت ناک ہے کہ معاہدہ کا محرر منصور بن عکرمہ عذاب سے نہ بچ سکا اور اس کا وہ ہاتھ بیکار ہوگیا جس سے معاہدہ لکھا تھا۔ یہ سلسلہ محرم ۷ نبوی سے شروع ہوکر ۱۰ نبوی تک جاری رہا، تین سال اللہ کے پرستاروں نے بڑے صبر و سکون سے گذارے (ابن ہشام، ابن جریر، ابن سعد)

رکانہ پہلوان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور رکانہ پہلوان کا واقعہ بھی اسی دوران سے تعلق رکھتا ہے۔ کئی راوی حضرت امام باہلیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ مکہ کا مشہور پہلوان تھا۔ اسلام سے اس کو بھی بغض تھا۔ وہ اکثر اپنی بکریوں کو لے کر وادی اضم میں چلا جاتا تھا۔ ایک دن آنحضرتؐ بھی اتفاق سے اس کی وادی میں تشریف لے گئے، رکانہ نے کہا، آپ لات وعزیٰ کی مخالفت چھوڑ دیجئے میں رشتہ کا خیال کرتا ہوں، ورنہ مدت کا ختم کر دیتا، آپ نے فرمایا میں موجود ہوں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ رکانہ نے کہا میں تم سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ دیکھوں کہ لات وعزیٰ کے مقابلہ میں تمہارا خدا تمہاری کیا مدد کرتا ہے۔ اگر تم نے مجھے گرا دیا تو میں دس بکریاں دوں گا۔ آپ نے اس کی دعوت منظور فرمائی، مقابلہ ہوا اور اس نے مدد کے لئے لات وعزیٰ کو پکارا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی ایسی مدد فرمائی کہ رکانہ جیسے ماہر اور طاقت ور پہلوان کو زمین دیکھنا پڑی لیکن اس نے ہار نہیں مانی اور تیسری مرتبہ بھی آپ نے گرایا تو اس نے تیس بکریاں آپ کو دینا چاہیں مگر آنحضرتؐ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں بکریاں لینا نہیں چاہتا ہوں بلکہ تم اس خدا پر ایمان لاؤ جس نے مجھے رسول بنا کر انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اس نے کہا اچھا کوئی معجزہ دکھایئے میں ایمان لے آؤں گا، آپ نے قریب کے ایک کیکر کے درخت کو بلایا اور وہ حاضر خدمت ہو گیا، پھر حکم دیا تو اپنی جگہ بدستور قائم ہو گیا۔ رکانہ نے کہا میں ضرور ایمان لے آتا مگر قوم کے لوگ کہیں گے کہ رکانہ جیسا پہلوان ایک معمولی آدمی سے مرعوب ہو گیا۔ اس نے پھر بکریاں دینا چاہیں مگر آپ نے فرمایا میں ایفائے عہد چاہتا ہوں بکریاں نہیں۔ آپ کو اس سلسلہ میں دیر ہو گئی تھی،

تلاش ہو رہی تھی کہ کہاں تشریف لے گئے آخر حضرت ابوبکر رضؓ تلاش کرتے ہوئے اِدھر آنکلے، آپ نے واقعہ سنایا اور ساتھ گھر چلے گئے۔ (بیہقی)

تفسیر کبیر کی شرح میں ہے کہ رکانہ مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ مکہ میں مشہور پہلوان تھا بچھے ہوئے چمڑے کو پیر کے نیچے دبا کر کھڑا ہو جاتا تو کھینچنے سے چمڑا پھٹ جاتا تھا۔

غم کا سال

یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔ اس سال میں آپ کو دو بہت بڑے غم برداشت کرنا پڑے۔ پہلا غم رفیق چچا حضرت ابوطالب کی وفات کا ہوا، چند ہی مہینہ درّہ سے باہر آئے ہوئے گذرے تھے۔ عمر کی زیادتی اور مقاطعہ شدیدہ کی تکالیف نے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ چلنے پھرنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ آخر سنہ ۱۰ نبوی کے رمضان کی ساتویں تاریخ کو پیغام اجل قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ کو آپ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے روتے ہوئے جب یہ روح فرسا خبر سنائی تو آبدیدہ ہو گئے حضرت علیؓ سے فرمایا تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔ جنازہ تیار ہوا تو آپ ساتھ ساتھ یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ اے میرے چچا! آپ نے محبت کا حق ادا کر دیا، میرے آرام و پرورش اور حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں چھوڑی، اللہ آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے۔

مدارج النبوت کا بیان ہے کہ ابوطالب نے زمانۂ علالت میں قریش کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے گروہ قریش! تم کو خدائے قدوس نے اپنی تمام مخلوق میں شرف بخشا ہے، میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق ہیں۔ یہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اگرچہ زبانیں تائید کرنے سے رکتی ہیں مگر دل ان کی ہر بات کو قبول کرتے ہیں۔ خدا شاہد

ہے کہ ان کی دعوت کو صرف غرباء و مساکین ہی قبول نہیں کر رہے ہیں بلکہ امراء و اکابر بھی ان کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں۔ اے گروہ قریش! تم ان کی طرف محبت و رقابت کا ہاتھ بڑھاؤ، جو ان کی پیروی کرے گا اور ان کی سیرت پر عمل کرے گا وہ ابدی عزت حاصل کرے گا۔ میں اب موت سے ہم کنار ہو رہا ہوں اگر بچ گیا تو ہر ممکن کوشش کروں گا کہ ان کی ہر طرح حفاظت کروں اور ان تک پہنچنے والے حوادث و مصائب کو رد کروں۔"

مشہور اور قدیم مورخ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ انتقال کے وقت ابوطالب کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ حضرت عباس رضی نے کان لگا کر سنا اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ نے جس کلمہ کے لئے کہا ہے وہی کہہ رہے ہیں۔ (ابن ہشام مصری ص ۱۴۶)

حضرت ابوطالب رضی نے آنحضرت کی محبت میں جس کثرت سے مصائب برداشت کئے اور خطرے مول لئے، اپنے بچوں سے زیادہ بلکہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ تمام قبائل عرب دشمنی پر اتر آئے۔ شعب ابوطالب کے وہ تین سال خندہ پیشانی سے برداشت کئے جس میں آب و دانہ کیسا گھاس بھی پیٹ بھر کر کھانے کو میسر نہ ہوتی تھی۔ ابوطالب کی زندگی میں یہ وہ کارنامے اور قربانیاں ہیں جس کی مثال مکہ اور مدینہ کا کوئی شخص نہیں پیش کر سکا۔ وہ اگرچہ چچا تھے اور عمر میں تقریباً چالیس سال بڑے تھے مگر باوجود اس قرب و محبت کے ہمیشہ ادب و احترام کرتے اور کبھی آنحضرت کی دل شکنی گوارہ نہیں فرماتے۔

آپ کا نام عبد مناف تھا مگر اپنے بیٹے طالب کی کنیت سے ابوطالب مشہور ہوئے۔ آپ کی اولاد میں طالب رضی، عقیل رضی، اور حضرت علی رضی نے بڑی شہرت و عظمت حاصل کی۔ لڑکیوں میں حضرت ام ہانی بہت مشہور ہیں۔ یہ سب حقیقی بھائی بہن تھے

جن کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ یہ بھی ابوطالب کی طرح آنحضرت ؐ سے محبت کرتی تھیں اور ان کے آرام کا خیال رکھتی تھیں۔

دوسرا سب سے بڑا غم آنحضرت ؐ کو اپنی رفیقۂ حیات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کا ہوا۔ آپ ۲۵ برس کاشانۂ رسول ؐ میں جلوہ گزین رہیں۔ وفات کے وقت ۶۵ سال کی عمر تھی رمضان کی ۱۰ تاریخ اور نبوت کا دسواں سال تھا ابوطالب کی وفات کو ۳ دن ہوئے تھے۔

ان دونوں سچے غم گساروں کے اٹھ جانے سے آنحضرت ؐ کو سخت صدمہ ہوا آپ اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔

حدیث و تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ کو زمانہ رسالت کی خواتین اسلام میں جو خصوصیات شامل تھیں وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئیں یہ خود صاحب مال تھیں مگر سب کچھ راہ تبلیغ میں لٹا دیا۔ یہاں تک کہ نہ پیسہ رہا نہ تجارت، بہت سے رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا۔ مصائب و آلام کے بادل گھر گھر کر آئے مگر کبھی آہ نہیں کی۔ ذات رسالت ؐ سے گہری انسیت اور فروغ اسلام مقصد زندگی تھا، ہمیشہ مصیبتوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ راحت و آرام میں پلی ہوئی زندگی نے فاقوں کو دیکھا مگر اف نہیں کی۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ شکوہ کسے کہتے ہیں اور شکایت کیسی ہوتی ہے، یہ شرف حضرت خدیجہ رضؓ ہی کو حاصل تھا کہ جبریل امین خدا کا سلام رسالت مآب ؐ کی معرفت پہونچایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت جبریل ؑ غار حرا میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! حضرت خدیجہ رضؓ کھانا لے کر آ رہی ہیں۔ جب آجائیں تو ان سے خدا کا سلام کہیے گا اور یہ فرمایئے گا کہ جنت میں ان کے لئے موتیوں کا محل

تعمیر کیا گیا ہے جہاں راحت ہی راحت ہے تکلیف کا نام نہیں۔ (بخاری و مسلم)
انسانوں میں اسلام کی ابتدا انہیں کی ذات سے ہوئی، تائید اسلام کی سب سے پہلی آواز انہی کی تھی۔ ان کی حیات طیبہ میں آنحضرتؐ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا آنحضرتؐ کی جملہ اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی صرف حضرت ابراہیمؓ ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ مریم بنت عمران اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل تھیں مگر حضرت خدیجہؓ اس امت میں افضل النساء ہیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو حضرت خدیجہؓ کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ان جیسی کوئی عورت پیدا نہیں ہوئی، آپ نے فرمایا وہ ایسی ہی تھیں اور ان ہی سے میری اولاد ہوئی۔ (بخاری و مسلم)
فتح الباری میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی بڑی کوشش یہ رہی تھی کہ آنحضرتؐ کو کسی طرح کوئی تکلیف نہ ہونے پاتے چنانچہ حضور اکرمؐ ان سے ہمیشہ راضی رہے، کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہوئی جو مزاج نبوت کو گراں گزرتی۔ برخلاف اس کے دوسری ازواج مطہرات سے کچھ ایسی فروگذاشتیں ہوئی جو مزاج گرامی کے لئے باعث تکدر بنیں رسول اکرمؐ نے آپ کو مقام حجون میں دفن فرمایا اور خود ان کی قبر میں اترے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنا کرتہ انکے کفن سے لپیٹ دیا تھا۔ آج کل مقام حجون کو جنت المعلی کہتے ہیں۔ راقم الحروف نے ۱۶ ذالحجہ ۱۳۷۲ھ میں قبر شریف کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ غرض حضرت خدیجہؓ کی یاد کبھی آپ کے دل سے محو نہیں ہوئی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کوئی بکری ذبح کی جاتی تو حضور اکرمؐ اس کا عضا الگ الگ کرکے

ان کی سہیلیوں کو بھجوایا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

شدت مخالفت

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات نے آنحضرتؐ کے دل کو حد درجہ ملول کر دیا تھا۔ دنیا میں ان دو ظاہری سہاروں سے آپ کو بڑی تقویت تھی، ان دو غمگساروں اور رفیقوں کی موجودگی میں بے شمار مصائب آئے مگر دل کو ایک قسم کی ڈھارس تھی۔ مخالفین بھی جو کچھ کرتے تھے ان کو ایک طرح کا احساس رہتا تھا مگر اب کوئی ایسا نہیں رہا جسے دیکھ کر قریش کی آنکھیں جھکتیں اور دل خوف زدہ ہوتے، لیکن ان دونوں بزرگوں کے اٹھتے ہی تحریک عداوت اور مجلس ایذا رسانی کے کاموں میں جان پڑ گئی، اعدائے دین ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ تکالیف دیں کہ انکے تذکرہ سے روح انسانی کانپ جاتی ہے۔

ہر سمت سے حملے ہو رہے تھے۔ گھر سے باہر قدم نکالنا مشکل ہو گیا تھا، ایک مرتبہ راستے میں کسی دشمن نے گندی مٹی کھینچ ماری، گھر میں تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ بالوں کو پانی سے دھوتی جاتی تھیں اور آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے، آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا، بیٹی صبر کرو۔ اللہ تمہارے باپ کی حفاظت فرمائے گا۔ (طبری، ابن ہشام)

مجلس ایذا رسانی کو از سر نو زندہ کیا گیا، اس کے صدر ابو لہب نے تمام ممبران کو ہدایت کی کہ محمدؐ اور ان کے ماننے والوں کو ہر ممکن طریقہ سے ستایا جائے۔ عرصہ حیات اس طرح تنگ کر دیا جائے کہ ماننے والے بھاگ کھڑے ہوں اور کسی نئے شخص کو اسلام لانے کی ہمت نہ ہو سکے۔

ایک مرتبہ آپ مسجد الحرام میں عبادت فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے پیچھے سے آکر

چادر گلے میں ڈالدی اور اسے اس حد تک مروڑا کہ گلا گھٹنے لگا اور آنکھیں اُبل آئیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو دوڑ کر آئے۔ عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا اور فرمایا۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں واضح دلائل بھی لایا ہے (قرآن)

ایک مرتبہ سجدے میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی گندی اوجھ اٹھا کر آپ کے مونڈھوں کے درمیان رکھدی، اور سب اس حالت پر خوب قہقہے لگانے لگے، دیر تک سر مبارک سجدے سے نہ اٹھا سکے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا دوڑتی ہوئی آئیں اور اس بوجھ کو ہٹایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر دس سال کی تھی۔

دشمنوں کی سنگ دلی اور مصائب کے ہجوم نے پہلی مرتبہ یہ خیال پیدا کیا کہ یہ اشقیاء اسلام قبول نہیں کریں گے۔ آخر ان کی طرف سے ہونے والی بے پناہ سختیوں کو دیکھتے ہوئے آپ نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"اے اللہ! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ اور عقبہ کو سزا دے۔ یہ تیرے دین کے بدترین دشمن ہیں"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات بلند و بالا کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ میں نے بدر کے میدان میں ان پانچوں کو ذلت کے ساتھ زمین پر پڑا دیکھا ہے۔ ان کی لاشیں گھسیٹ کر گڑھے میں ڈالی جا رہی تھیں۔ (بخاری و مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں ان پانچ کے علاوہ سب سے زیادہ دشمن خدا ابولہب

تھا۔ مگر امام جوزی کا بیان جو نہ صرف محل غور ہے بلکہ ناقابل قبول ہے کہ ابوطالب کی وفات کے بعد ابولہب کو آنحضرتؐ سے ہمدردی ہو گئی تھی اور اس نے آنحضرتؐ سے کہا "اے میرے بھائی کے بیٹے! میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ابوطالب کی طرح تمہارا ہمدرد ہوں۔ جو چاہو کرو مجھے لات کی قسم ہے کہ کوئی تمہاری طرف نظر بھی نہیں اٹھا سکتا اور نہ کوئی تمہارے راستے میں مزاحم ہوگا"۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن غیطلہ نے آنحضرتؐ کو گالیاں دیں تو ابولہب نے اس کو گھر پہ جا کر مارا اور پھر ایک مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا "میں صابی ہو گیا ہوں"۔ جو مورخین اس قسم کی روایتوں کو قابل قبول سمجھتے ہیں، ان کو سورہ لہب پر غور کرنا چاہیے۔ جس میں ابولہب کی شقاوت قلبی کو قیامت تک کے لئے بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ابولہب کے سامنے ایک دن عبدالمطلب کو دوزخی کہا تو اس کی ہمدردی دوبارہ عداوت سے بدل گئی اور وہ بدستور سابق ایذا پہنچانے لگا۔ یہ روایت بھی قبول نہیں کی جا سکتی جبکہ علامہ سیوطیؒ "مسالک الحنفاء" میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں شروع سے آخر تک سب موحد اور دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اسی طرح بلوغ الادب فی احوال العرب میں علامہ محمد بغدادیؒ نے آنحضرتؐ کے اجداد کو موحد اور دین ابراہیمی کا پیرو ثابت کیا ہے۔

طائف کا سفر

دو سچے رفیقوں کی جدائی کے بعد جو روح فرسا مظالم مکہ والوں نے آپ پر ڈھانا شروع کئے اس کی ایک معمولی جھلک اوپر بیان کی گئی ہے، ان حالات نے آپ کو مکہ

والوں کی طرف سے مایوس کر دیا اور آپ کو بہت حد تک یقین ہو گیا کہ یہ لوگ نہ تو اسلام ہی لائیں گے اور نہ کسی قسم کی رعایت و مروت کریں گے۔ للہذا آپ نے ارادہ کیا کہ مکہ کے باہر قریب وجوار کے دیہات اور بستیوں میں جا کر قبول توحید کی طرف لوگوں کو مائل کریں، آخر آپ شوال سنہ ۱۰ نبوت میں زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لے کر مکہ سے روانہ ہوئے، یہ سفر آپ نے طائف کے ارادہ سے کیا تھا۔ راستہ میں آپ نے قبیلہ بنی بکر اور قبیلہ قحطان میں بھی قیام فرمایا۔ اسلام کی دعوت دی مگر کسی نے قبول نہیں کی اور نہ آپ کو کچھ عرصہ قیام کرنے دیا۔

طائف میں خاصی آبادی تھی، کئی اہل ثروت خاندان آباد تھے، مکہ کے روسا بھی اکثر تبدیل آب وہوا اور تفریح کی غرض سے جایا کرتے تھے، کھیت اور باغیچوں کا پُر فضا مقام تھا۔ آنحضرتؐ دونوں قبیلوں سے دل برداشتہ ہو کر طائف پہنچے۔ سب سے پہلے آپ نے عبد یالیل، مسعود اور حبیب سے ملاقات کی، یہ تینوں سگے بھائی تھے اور بنی ثقیف کے نامور رئیس تھے۔ تینوں نے دعوت حق کو ٹھکرا دیا اور نہایت بدتمیزی سے پیش آئے، ایک نے کہا کہ تم اگر پیغمبر ہو تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہے ہو۔ دوسرے نے کہا، کیا خدا کو تمہارے سوا کوئی پیغمبر بنانے کے لئے نہیں ملا۔ تیسرے نے کہا میں تم سے کوئی کلام کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تم اپنے قول میں صادق ہو تو بولنا ادب کے خلاف ہے اور اگر جھوٹے ہو تو قابل التفات نہیں ہو۔ آنحضرتؐ نے دس دن طائف میں قیام کیا۔ کوئی میزبان نہیں تھا۔ حبیب خدا، خدا کے مہمان تھے، یہ دس دن کس طرح گذارے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تاریخ کے اوراق کچھ نہیں بتاتے ہیں۔

بنی ثقیف سے مایوس ہوئے تو دوسرے لوگوں سے ملے مگر کسی نے توجہ نہیں کی بلکہ

بدقماشوں نے مذاق اڑانا اور ستانا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو گھیر لیا بچوں کو ہشکا کر پیچھے لگا دیا۔ اوباش بچوں کا ایک جم غفیر تھا جو آپ کے پیچھے لگا ہوا تالیاں بجا رہا تھا اور پتھر مار رہا تھا، جدھر سے بچ کر نکلنا چاہتے لوگ راستہ روکتے اور پتھراؤ کرتے، مجبور ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ زیدؓ آنحضرتؐ کو بچانے کے لئے خود کو سامنے کر دیتے مگر دشمنوں کی نظریں آپ پر لگی ہوئی تھیں۔ تھک کر اگر کسی جگہ بیٹھ جاتے تو لوگ ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور آپ پھر مجبور ہو کر چلنے لگتے۔ حضرت زیدؓ کو بھی بہت سے پتھر کھانا پڑے، آنحضرتؐ کا جسم خون سے تر ہو گیا، کپڑے پھٹ گئے خون بہہ کر جوتوں میں بھر گیا، جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں پتھر نہ لگے ہوں جسم چوٹوں سے چور ہو رہا تھا، قدم اٹھانا مشکل تھا، آخر آپ نے جس طرح ہو سکا قریب کے ایک باغ میں جا کر پناہ لی اور درختوں میں خود کو چھپا لیا۔ طائف والے یہ دیکھ کر کہ آپ باغ میں چلے گئے ہیں واپس ہو گئے۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کا تھا۔ اتفاق سے یہ دونوں اس وقت باغ میں موجود تھے۔ عتبہ اگرچہ مشرک تھا مگر مزاج میں قدرے شرافت پائی جاتی تھی۔ یہ خاندان بنی امیہ کا مشہور آدمی اور امیر معاویہؓ کا نانا تھا۔ آنحضرتؐ سایہ میں تھوڑی دیر بیٹھے حضرت زیدؓ نے چادر سے جمے ہوئے خون کو جسم سے صاف کیا۔ وضو کے لئے پانی لائے۔ آپ نے وضو سے فارغ ہو کر بارگاہ خداوندی میں دست دعا اٹھائے اور درد بھری آواز میں عرض پیرا ہوئے، دعا کا خلاصہ یہ ہے:۔

"اے کمزوروں اور ناتوانوں کے پالنہار تو ہی میرا آقا اور میرا رب ہے کہ ملے میرے رب اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی مصیبت کا کوئی غم نہیں، صرف

تیری بخشی ہوئی عافیت میرے لئے کافی ہے، اے میرے رب میں تجھ سے
اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو اور تو مجھ سے خفا ہو"
(طبری، ابن سعد، روض الانف)

انگور اور عداس

اس پورے سفر میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے رفاقت کا اظہار کیا ہوتا اور ٹوٹے ہوئے دل کو کچھ ڈھارس حاصل ہوتی۔ اپنے رب سے کہہ سن کر خاموش بیٹھے تھے اور واپسی کا ارادہ کر رہے تھے کہ باغ کے ملازم عداس نصرانی نے خدمت میں انگور کا ایک خوشہ یہ کہہ کر پیش کیا کہ باغ کے مالک عتبہ نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔ آنحضرتؐ نے اس تحفہ کو اس خیال سے قبول کر لیا کہ شاید عتبہ اور شیبہ کے مزاج میں کچھ نرمی آگئی ہے اور وہ اسلام قبول کر لیں۔ آپ نے خوشہ سے ایک انگور توڑا اور بسم اللہ کہہ کر منہ میں رکھا۔

عداس نے کلمات بسم اللہ کو بڑے غور سے سنا اور کہا "میں نے یہاں کے لوگوں کو کبھی یہ کلمہ پڑھ کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا" آپ نے عداس سے پوچھا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا میں نینوا کا باشندہ ہوں اور کچھ عرصے سے اس باغ میں ملازم ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ نینوا حضرت یونس بن متی کا وطن تھا۔ عداس نے عرض کیا۔ کیا آپ یونس بن متی کو جانتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں جانتا ہوں۔ یونس میرے بھائی تھے اور وہ بھی میری طرح پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔"

عداس نے آنحضرتؐ سے یہ جملے سنے اور نام و نشان معلوم ہوا تو ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگا۔ "میں نے انجیل و توریت میں آپ کی نبوت و بعثت کا حال پڑھا ہے۔ میں

اسی وقت سے آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اب آپ مجھے اپنے دین میں داخل کیجئے عداس دست رسول پر ایمان لے آئے۔ واپس گئے تو عتبہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا عداس ہم دیکھ رہے تھے۔ خبردار اپنا دین مت چھوڑنا۔ محمدؐ کے دین سے تیرا دین بہت بہتر ہے۔

ایک روایت ہے کہ عداس نے آپ کے ہمراہ مکہ جانا چاہا مگر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اپنا کام کئے جاؤ۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو تو میرے پاس چلے آنا۔ ہجرت کے بعد عداس کو معلوم ہوا کہ اسلام مدینہ میں چمک رہا ہے تو وہ طائف سے مکہ آتے ہوئے مدینہ آئے۔ آنحضرتؐ اس وقت انگور کھا رہے تھے، آپ نے عداس کو یہ کہہ کر شامل کرلیا کہ "یہ مدینہ کے انگور ہیں"۔ (مدارج، روض الاحباب)

آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ طائف کا دن احد سے بھی سخت تھا۔ جب کہ حضرت جبرئیلؑ نے واپسی کے وقت راستہ میں آکر مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو خدمت میں بھیجا ہے، اگر آپ حکم دیں تو یہ طائف کے پہاڑوں کو اس نافرمان آبادی پر الٹ دے۔ آپ نے فرمایا "نہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگ ایک دن ایمان کی دولت سے مستفیض ہونگے اور ان کے اصلاب سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو کسی کو خدا کا شریک نہیں کریں گے۔ (بخاری و مسلم)

ابن جریر اور امام بخاری کی روایات بتاتی ہیں کہ آنحضرت طائف سے نخلہ میں تشریف لائے۔ چند دن قیام بھی کیا۔ پھر یہاں سے حرا میں آئے۔ زیدؓ نے عرض کیا کہ مکہ میں واپس جانا۔ جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے یارسول اللہؐ! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ضرور حفاظت کا سامان پیدا کرے گا۔

چند مکہ والے حرا میں مل گئے۔ آپ نے مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ مطعم اگرچہ کافر تھے مگر آمادہ حمایت ہو گئے اور کہلا بھیجا کہ آئیے میں آپ کو پناہ دیتا ہوں اس کے بعد مطعم نے اپنے لڑکوں سے کہا۔ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچو اور رسول اللہ کی آمد کا انتظار کرو۔ آنحضرت مکہ آئے۔ حرم میں داخل ہوئے نماز ادا کی مطعم نے اعلان کیا کہ محمد سے کوئی شخص مزاحمت نہ کرے۔ میں نے ان کو پناہ دی ہے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو مطعم اور انکے بیٹوں نے تلواروں کے سایہ میں کاشانۂ رسالت تک پہونچایا۔ (ابن سعد)

مطعم بن عدی عبد مناف کے چھوٹے بیٹے نوفل کی اولاد میں تھے۔ اس لحاظ سے ان کا نسب آنحضرت سے ملتا تھا۔ یہ بدر سے قبل حالت کفر میں مر گئے تھے۔ مگر انکے اس سلوک کو دربار رسالت کے شاعر حضرت حسان نے بھلایا نہیں اور وفات پر مرثیہ کہا تھا۔ (زرقانی)

بخاری کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت مدینہ طیبہ میں ذوالقربیٰ کا حصہ تقسیم فرما رہے تھے۔ ہاشمیوں کی طرح بنی مطلب کو دیا گیا تو مطعم کے بیٹے جبیرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! بنو مطلب اور ہم اولاد نوفل دونوں آپ سے ایک ہی سی نسبت رکھتے ہیں، پھر بنو مطلب کو دے رہے ہیں اور ہم کو نہیں دیتے کیا بات ہے؟ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہمیشہ آپس میں متحد اور رفیق رہے ہیں۔

قبائل عرب میں تبلیغ

دس گیارہ سال کی مسلسل کوشش اور تبلیغی جدوجہد کے بعد آنحضرت کو اہل مکہ کی طرف سے بہت حد تک مایوسی ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے طائف کا سفر اختیار فرمایا

اور بے پناہ مظالم برداشت فرماتے۔

طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی کی پناہ کے اعلان نے مخالفین کی تھوڑی بہت ہمتیں پست کر دیں۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ بنی نوفل سے مخالفت کرنا ابو جہل وغیرہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ چونکہ آنحضرت ؐ کی حیات طیبہ کا مقصد واحد تبلیغ تھا، اگر یہ عارضی پناہ نہ بھی ہوتی جب بھی آپ اپنی کوششوں کو بند کرنے والے نہیں تھے۔ غرض طائف کے بعد اب آپ کی نظر قبائل عرب کی طرف اٹھنے لگی۔

ایام حج میں بہت سے قبائل مکہ اور منیٰ وغیرہ میں آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے مقامات پر کچھ میلے بھی لگا کرتے تھے اور قبائل عرب بغرض خرید و فروخت اور سیر و تفریح وغیرہ ان میں بھی شریک ہوا کرتے تھے، چنانچہ عکاظ مجنہ ذوالمجاز وغیرہ ناموں کے میلے بڑی اہمیت رکھتے تھے اور بہت کثرت سے قبائل ان میں شریک ہوتے تھے۔ آنحضرت ؐ نے ان میں سے کسی موقعہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ ہر جگہ تشریف لے گئے اور قبائل عرب سے ملاقات کی اور دعوت توحید ان کے کانوں تک پہونچائی۔

جن قبائل سے آپ ملے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا ان کے نام یہ ہیں:۔

محارب بن خصفہ، بنو فزارہ، بنو غسان، بنو مرہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو نضر، بنو بکاء، بنو حارث بن کعب، بنو عذرہ، بنو حضارمہ، بنو کندہ، بنو کلب، بنو حنیفہ، بنو عامر بن صعصعہ۔

ابن سعد نے ان تمام قبائل کا بہت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ آنحضرت ؐ سب کے پاس تشریف لے گئے، اور ان میں کھڑے ہو کر تبلیغ کرتے اور تقریر فرماتے۔ سب

لوگ اس سچی اور حقیقت بھری آواز کو غور سے سنتے، ممکن تھا کہ ان میں کوئی لبیک کہتا مگر ابو لہب اور ابو جہل کی معاندانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ وہ بھی پیچھے لگے ہوئے تھے جہاں آپ وعظ و تبلیغ فرماتے یہ بھی سایہ کی طرح ساتھ ہوتے، تقریر ختم ہوتی تو ابو لہب جو اپنے اثر اور نام کے لحاظ سے بہت مشہور تھا فوراً مجمع کو اپنی طرف مخاطب کرتا اور کہتا "یہ دین سے پھر گئے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ ہے اور کچھ دماغ میں بھی فتور ہے"

(ابن سعد)

ابو لہب کا یہ معمول تھا کہ آنحضرتؐ جدھر بھی جاتے اور جس قبیلہ کے پاس بھی پہنچتے وہ آپ کے ساتھ رہتا اور برابر پکار پکار کر کہتا جاتا کہ ان کی بات مت سنو یہ باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر بے دین ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آپ کو پتھر بھی مارتا جاتا تھا، آپ کے جسم سے خون بہتا رہتا تھا مگر زبان خاموش رہتی

قبائل عرب میں آنحضرتؐ کی جو تقاریر ہوتی تھیں ان کے متعلق ربیعہ بن عباد کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ میں موجود تھا اور میرا جوانی کا زمانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرما رہے تھے :-

"اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میرا رب تم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک مت کرو غیروں کی عبادت کرنا اور ان سے مدد مانگنا چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جو تمہاری حاجتوں کو پورا کرے، میری رسالت پر ایمان لاؤ اور میرے ساتھ شریک ہو کر اس کام کو آگے بڑھاؤ۔ میں صرف اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ

آسمانی تعلیمات کو مخلوق خدا کے سامنے پیش کروں۔"

آنحضرتؐ تقریر فرما کر خاموش ہوئے تو ابولہب نے لوگوں سے کہنا شروع کیا "یہ محمد ابن عبداللہ اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہیں اور لات و عزیٰ کو چھوڑ کر ایک نئے معبود کی پرستش کرانا چاہتے ہیں۔ تم اس گمراہی کو قبول مت کرنا۔" (طبری)

یہی حال ابوجہل کا تھا۔ وہ بھی ہر جگہ آپ کے پیچھے لگا تھا۔ ذوالمجاز کے میلے میں آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار کر رہے تھے اور ابوجہل آپ کی طرف زمین سے مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ "دیکھو ان کے دھوکے میں مت آنا ورنہ اپنے معبودوں کی پرستش سے محروم ہو جاؤ گے۔" (مسند امام احمد)

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان میں جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس قبیلے کے سردار مفروق سے پوچھا کہ تم نے کسی پیغمبر کا ذکر سنا ہے وہ یہ ہیں۔ مفروق نے آنحضرتؐ سے کہا اے سردار قریش! "تم کیا کہتے ہو؟" جواب میں ارشاد فرمایا "اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔" آپ نے سورۃ انعام کی چند آیات بھی تلاوت فرمائیں۔ مفروق اور دوسرے سردار قبیلہ بہت متاثر ہوئے اور کہا خاندانی دین کو اتنی جلدی کس طرح چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ "اچھا خدا خود اپنے دین کی مدد کرے گا۔"

قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے آپ کی تقریر سنی تو کہنے لگا "یہ شخص اگر مجھے مل جائے تو میں پورے عرب کو اپنا بنا لوں۔" پھر کہنے لگا "اچھا اگر ہم تمہاری مدد کریں اور مخالفوں پر غلبہ مل جائے تو کیا یہ ریاست ہم کو ملے گی؟" آپ نے ارشاد فرمایا "یہ خدا کے اختیار میں ہے۔" اس نے کہا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محنت ہم کریں اور

حکومت دوسروں کے پاس رہے۔"

آنحضرتؐ بنو حنیفہ کے پاس بھی تشریف لے گئے انھوں نے بہت سخت جواب دیئے اور بڑی بداخلاقی سے پیش آئے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی قبیلہ سے تھا۔ (ابن ہشام، طبری۔ روض الانف)

جس وقت آنحضرتؐ قبائل عرب کا تبلیغی دورہ فرما رہے تھے۔ بہت سے ایسے لوگ بھی آپ کو ملے جو آپ کی دعوت کو قبول کرنا چاہتے تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ فتحمند ہونے کے بعد دنیاوی جاہ و حشمت صرف ہمارے ہاتھ میں رہے اور کوئی دوسرا اس کا مالک نہ ہونے پائے۔ آنحضرتؐ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور ایسے مفاد پرستوں سے آپ نے صاف کہدیا کہ میں دین حق کی اشاعت و بلندی کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھے اللہ کے سچے پرستاروں کی ضرورت ہے۔ ہوا و ہوس کے بندے مجھے درکار نہیں" ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ استقلال ہے جسے غیر مسلم مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں ورنہ اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے اس دنیا میں بے شمار ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں جن کو نہ تو وعدے وعید کرتے ہوئے کوئی چیز روکتی ہے اور نہ وہ سنہرے خواب دکھانے میں تامل کرتے ہیں۔ چونکہ اسلام خدا کا پسندیدہ دین ہے۔ سرکار دو عالمؐ کو جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال پر پورا یقین تھا، اسی طرح آپ کو اپنے رسول ہونے اور دین کے پھیلنے پر بھی پورا یقین اور کامل اطمینان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دلوں پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کا سکہ بٹھایا۔ اسی کے سامنے سب کو جھکایا اور دنیاوی جاہ و حشمت کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ آپ کا معاملہ اپنے رب سے تھا اور اسی کی ذات آپ کی امیدوں کا آخری سہارا تھی۔ آپ کو پورا یقین تھا کہ فتح و نصرت اسی کو حاصل

ہو گی جو حق کو ہو گا اور حق کی طرف بلانے والا ہو گا۔ طائف سے واپس ہوتے ہوئے عتبہ کے باغیچہ میں آپ نے جو دعا مانگی تھی اس کے ایک ایک لفظ سے آپ کی عاجزی اور اللہ کی عظمت و برتری کا اندازہ ہوتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ یہ الفاظ صرف اسی کی زبان سے نکل سکتے ہیں جو خدا کا برگزیدہ بندہ اور رسولِ پروردگار ہو۔"

"اے اللہ! میں عاجز اور بے بس ہوں۔ لوگوں نے مجھے حقیر اور کمزور سمجھ لیا ہے۔ بس میں تجھی سے اس کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے رحمٰن و رحیم! اے کمزوروں اور ناتواں کے پالنے والے! میں تجھی کو اپنا آقا اور رب تسلیم کرتا ہوں۔ اے بگڑی کے بنانے والے! کیا تو مجھے ایسے لوگوں کے حوالے کر دے گا جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟ اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کا کوئی غم نہیں ہے۔ میرے لئے تیری عافیت و عنایت بہت کافی ہے۔ میں تیری بلند و بالا ذات اور ارفع و اعلیٰ نور جس کے پرتو سے زمین و آسمان منور ہوئے اور تاریکیاں دور ہوئیں اور جو آخرت کے کاموں کو سنوارنے والا ہے، اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے اپنے عذاب کا مورد بنائے۔ راضی رہنے اور ناراض ہونے کے پورے اختیارات تجھے حاصل ہیں۔ تیری امداد اور تائید و اعانت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہے"۔ (طبری)

غرض عزم و استقلال اور صبر و ثبات کے جو نمونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ تبلیغ اسلام میں پیش فرمائے۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، کیسی مایوسی؟ اور کیسی نا امیدی؟ ہر مصیبت جب سامنے آتی تو یقین میں

اور اضافہ ہوجاتا۔ اکثر اوقات فرماتے سنا گیا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ جو لوگ آج مخالفت کر رہے ہیں۔ کل یہی ایمان لائیں گے، ان کی اولاد خدا کو ایک مانے گی اور اسلام کی مایہ ناز فرزند کہلائے گی، ابولہب، ابوجہل، ولید، عتبہ، شیبہ، امیہ اور ابوسفیان وغیرہ سبھی کی اولادوں کو اسلام قبول کرنا پڑا اور غرور و تکبر کی پیشانیاں خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکانا پڑیں، یہ تھا حضور رسالت آبؐ کا وہ یقین و ایمان جس نے بہت قلیل عرصہ میں کفر، شرک کو اسلام و ایمان سے اور بغاوت و عداوت کو اطاعت و محبت سے بدل دیا۔

معراج مصطفیٰ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرداگرد برکتیں رکھی گئی ہیں تاکہ ان کو ہم اپنی نشانیاں دکھلائیں بے شک اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے پ ۱۵ رکوع ۱

واقعہ اسراء جیسا کہ قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ بہت سی قصیر و طویل احادیث میں مختلف صحابہ سے منقول ہے، جن میں انسؓ، ابی بن کعبؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمروؓ، علی ابن ابی طالبؓ، عمر بن ابن الخطابؓ، عائشہؓ، اسماءؓ، ام ہانیؓ، اور ام سلمہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور صحابیات شامل ہیں۔

اسراء سے مراد نبی کریم صلعم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر ہے۔ جو آج بھی بیت المقدس کے نام سے فلسطین میں اپنی عظمت شان کی مظہر ہے۔ اور وہ تمام انبیاء بنی اسرائیل اور کچھ عرصہ تک سرکار دو عالم صلعم کا قبلہ رہ چکی ہے۔

بیت المقدس کو اقصیٰ اس لئے کہا۔ کہ اس زمانے میں اس کے بعد اور کوئی مسجد نہ تھی۔

معرج مصعد اور مرقیٰ۔ تینوں ایک ہی معنیٰ میں مستعمل ہوتے ہیں اور جمع معارج اور معاریج آتی ہے اور کبھی معرج میم کے زیر کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے اور معراج مفتاح کے وزن پر ہے۔

اب ہم بغیر کسی قسم کی گہرائی میں جاتے ہوئے اس مضمون کی ایک جانب کو اختیار کئے لیتے ہیں اسراء میں تین بحثیں ہیں اول اسراء کہاں سے ہوئی؟ دوم کون سے مہینہ اور کون سے سال میں ہوئی؟ سوم، کہاں تک ہوئی۔ صرف رُوح تھی یا رُوح اور جسد دونوں؟

وقت اسراء سے آج تک علماء اس بارے میں کلام کرتے اور مختصر و مطول کتابیں اور رسائل تصنیف کرتے چلے آرہے ہیں۔

اسریٰ ــــ اور ــــ سریٰ ــــ کیا یہ دونوں ایک معنیٰ میں ہیں یا دونوں کے مختلف معنیٰ ہیں؟ اہل لغت نے اس مادے کو ذکر کیا۔ صاحب مصباح نے کہا سریت اللیل وسریت بہ سریا والاسم السرایۃ، رات چل کر گذارنا اور اسریت الف کے ساتھ لغت حجازی ہے۔ یہ دونوں لغت اپنے مفعول کی طرف بار کے ساتھ متعدی ہو کر مستعمل ہوتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے۔ سریت بزید۔ واسریت بہ۔ ابو زید نے کہا۔ سُری اول درمیانی اور آخر رات ہوتی ہے۔ اس صورت میں سَری اور اَسری دونوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں اور مختار میں ہے۔ یسری بالکسر سری بالضم سری بالفتح واسری۔ یعنی رات کو چلا۔ اور الف کے ساتھ اہل حجاز کا

لغت ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ دونوں لغت مستعمل ہوئے ہیں۔

"اسریٰ بعبدہ لیلاً" میں۔ لیلاً۔ بطور تاکید فرمایا۔ ورنہ سریٰ تو رات ہی کو ہوا کرتی ہے۔

اور بعض اہل لغت نے خیال کیا کہ اسریٰ، سری، یسری سے نہیں بلکہ "سراۃ" سے ہے، جس کے معنی وسیع زمین کے ہیں اور اس کی اصل وادی ہے، تو گویا اَسْریٰ اَجْبَلَ اور اتْہَمَ کی طرح ہو گیا۔ اور "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً" کے معنی ہوئے۔ پاک ہے وہ جو اپنے کو زمین کے بلند حصہ میں لے گیا اور "سراۃ" ہر چیز کے بلند حصہ کو کہتے ہیں۔ اور اس معنے میں اسریٰ بعبدہ لیلاً۔ میں لیلاً۔ تاسیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے۔ اس وجہ سے کہ اب یہ لفظ ایک نئے معنی کا فائدہ دے رہا ہے اس واسطے کہ اسریٰ کے معنی بلند حصہ میں داخل ہونے کے ہوئے خواہ رات کو ہو یا دن کو۔ اسی لئے۔ فرمایا اسریٰ بعبدہ لیلاً۔ اس معنی پر نفس مطمئن ہوتا ہے۔ اور اسی کو سہیلی نے اپنی کتاب "الروض" میں ترجیح دی ہے۔ سہیلی کہتے ہیں "رواۃ نے اسراء کہنے پر اتفاق کیا ہے اور کسی نے سری نہیں کہا۔ اگرچہ اہل لغت نے عبارت کی تحقیق نہیں کی۔ اور یہ اس وجہ سے کہ قراء نے اس قراۃ میں اختلاف نہیں کیا اور سب سبحان الذی اسریٰ بعبدہ پڑھتے رہے اور کسی نے سری نہیں پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واللیل اذا یسری۔ یسریٰ۔ نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ سریٰ سریت سے ہے۔ بمعنی رات کو چلنا۔ اور اسراء معنے متعدی ہے۔ لیکن اس کا مفعول حذف کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اہل لغت نے لفظوں میں جب دونوں کو غیر متعدی دیکھا۔ تو گمان کیا کہ سری اور اسریٰ ایک ہی معنی میں ہیں۔

تاریخ مصطفیٰ

"مکان اسراء"

علماء نے بیان فرمایا کہ مسجد حرام کا اطلاق چار چیزوں میں کسی ایک پر کیا جا سکتا ہے اول: نفس کعبہ۔ فرمایا "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" آپ اپنے چہرہ مبارک کو نفس کعبہ کی طرف پھیر لیجیے"۔ دوم:۔ کعبہ اور اس کے اطراف مسجد سوم:۔ تمام مکہ فرمایا۔ "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" تم ضرور مکہ میں داخل ہو جاؤ گے چہارم:۔ تمام حرم: جہاں جہاں شکار ممنوع ہے، فرمایا إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مگر وہ لوگ جنہوں نے تم سے حرم میں عہد کیا۔ یہ عہد حدیبیہ میں ہوا تھا۔ جو حرم میں ہے۔ اور فرمایا۔ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بیشک! مشرکین ناپاک ہیں۔ پس اب وہ حرم کے قریب بھی نہ ہوں۔

ماوردی کہتے ہیں۔ کہ جہاں بھی خدا تعالیٰ نے مسجد حرام کا ذکر کیا اس سے حرم مراد ہے۔ مگر اس آیت میں فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہاں نفس کعبہ مراد ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اسراء حرم سے ہوئی۔ مگر کس بقعہ سے ہوئی روایات اس میں مختلف ہیں۔ ابن اسحٰق حسن سے روایت کرتے ہیں فرمایا۔ رسول اللہ صلعم نے "اس وقت جب ہیں حجر میں سو رہا تھا۔ کہ جبریل آ گئے۔ الخ اور دوسری روایت ام ہانی سے نقل کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلعم کو اسراء نہیں کرائی گئی مگر اس رات آپ میرے گھر میں آرام فرما تھے۔ آپ نے اول ہمارے ساتھ عشاء پڑھی۔ پھر سو گئے۔ پھر ہم نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ تو آپ نے فرمایا سلے ام ہانی میں نے تمہارے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر میں بیت المقدس گیا اور وہاں دو رکعت

نماز پڑھی۔ پھر اب تمہارے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ پھر آپؐ نے باہر جانے کا ارادہ ہی کیا تھا۔ کہ میں نے آپؐ کی چادر کا کونہ پکڑ کر کہا۔ یا نبی اللہ۔ اگر آپ یہ بات لوگوں سے کہیں گے تو وہ آپؐ کی تکذیب کریں گے اور آپؐ کو تکلیف پہنچائیں گے۔ فرمایا۔ نہیں۔ خدا کی قسم میں بیان کروں گا۔ میں نے ایک حبشی باندی سے کہا۔ تیرا ناس ہو رسول اللہؐ کے پیچھے جا۔ دیکھ آپ لوگوں سے کیا کہتے ہیں۔ اور لوگ آپؐ سے کیا کہتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اسرا حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات کے بعد ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اگر خدیجہؓ حیات ہوتیں تو آپؐ ان کا گھر چھوڑ کر ام ہانی کے یہاں آرام نہ فرماتے اور اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ام ہانی کو آپؐ کی ایذا رسانی کا خوف نہ ہوتا۔ حافظ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ آپؐ ام ہانی کے گھر آرام فرماتے اور بخاری میں یہ حدیث اس عام لفظ کے ساتھ آرہی ہے "بینا انا عند البیت" اور دل اسی طرف مائل ہوتا ہے کہ لیلۃ الاسرا۔ وہی ہے جس میں آپؐ اپنی پھوپی کے یہاں آرام فرماتھے۔ کیونکہ اس وقت کفار قریش آپؐ کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو رہے تھے جب یہ حالت تھی تو بعید ہے۔ کہ آپ کسی غیر ذی قرابت کے گھر میں ہوں۔ کہ وہ آپؐ پر مہربانی کرے اور آپ سے ہر قسم کی تکلیف دور کر سکے۔

"عام اسرا۔ اور مہینہ"

اس میں اختلاف ہے۔ کہ معراج کا واقعہ کون سے سن اور مہینہ میں پیش آیا علماء سیر کے اس بارے میں دس قول ہیں۔

(۱) ہجرت سے چھ ماہ قبل۔ (۲) ہجرت سے آٹھ ماہ قبل (۳) ہجرت سے گیارہ ماہ قبل۔ (۴) ہجرت سے ایک سال قبل (۵) ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ

قبل (۶) ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ قبل (۷) ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ قبل (۸) ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ قبل (۹) ہجرت سے تین سال قبل (۱۰) ہجرت سے پانچ سال قبل۔

اب رہی یہ بات کہ کون سے مہینہ میں ہوئی اس بارے میں بھی پانچ اقوال ہیں

(۱) ربیع الاول (۲) ربیع الآخر (۳) رجب (۴) رمضان (۵) شوال

محمد بن شہاب زہری کے قول کے مطابق ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء اکیاون برس اور نو مہینہ کی عمر میں ہوئی اور حربی نے کہا کہ تاریخ اسراء ہجرت سے ایک سال قبل ربیع الآخر کی ۲۷ ویں شب ہے۔ اسی کو ابن سیر عالم مصری نے ترجیح دی ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے ایک قول بھی معارض آتا ہے کہ بالاتفاق حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور آپ کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہو چکی ہے اور نماز لیلۃ الاسراء میں فرض کی گئی؟

مسلم کی ایک حدیث کو دلیل بنا کر اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ حضرت خدیجہؓ کی نماز فرض نہ تھی۔ مسلم میں آیا کہ نبی کریم صلعم نے بیت المقدس میں معراج سے پہلے دو رکعت پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ نماز تو پہلے سے بھی شروع تھی۔ جیسا کہ قیام لیل بلا اختلاف اسراء سے پہلے ——— فی الجملہ بھی واجب تھا۔ حربی کے قول کو یوں بھی ترجیح دی جا سکتی ہے کہ اس نے تاریخ متعین کر دی ہے۔ اور جب دو خبروں میں تعارض ہو ایک خبر تفصیلی ہو اور دوسری واقعہ کو مجمل رکھ رہی ہو۔ تو مفصل کو ترجیح دی جائے گی۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ آپ کو اسراء ہوئی۔ اور اسلام مکہ اور قبائل میں پھیل چکا تھا۔ یہ بھی قول ہے۔ کہ لیلۃ سبت ۱۷ رمضان اور ہجرت سے اٹھارہ مہینہ پہلے۔ زیادہ مشہور رجب کی ۲۷ ویں شب ہے۔ اسی کو حافظ عبد الغنی سرور المقدسی نے اختیار کیا ہے اگرچہ اکثر علماء حربی کے قول کی طرف مائل ہیں۔

"اسراء صرف روح کے ساتھ تھی۔ یا جسد اطہر کے ساتھ بھی؟"

علماء نے کیفیت اسراء میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر نے کہا کہ اسراء روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی۔ اور بعض نے کہا کہ اسراء صرف روح کے ساتھ تھی اور یہ قول حضرت حذیفہؓ۔ عائشہؓ، اور معاویہؓ سے منقول ہے اور ایک قول اور بھی کہ اسراء جسد کے ساتھ اور معراج صرف روح کے ساتھ ہوئی ہے۔

ابن اسحق نے کہا۔ کہ مجھ سے بعض آل ابی بکرؓ نے بیان کیا۔ کہ عائشہ رضی فرماتی تھیں کہ آپؐ کا جسم گم نہ ہوا تھا۔ آپ کو اسراء روح کے ساتھ ہوئی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے آپؐ کے جسم کو گم نہ پایا۔ لیکن یہ روایت واہی ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ بنا بریں حضرت عائشہؓ کی روایت بنیاد ہی سے ثابت نہیں۔ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔۔۔

اس وجہ سے کہ حضرت عائشہؓ بطور مشاہدہ کے نہیں بیان کر رہی ہیں۔ کیوں کہ نہ تو اس وقت آپؐ زوجیت میں تھیں اور نہ ہی آپؓ کی عمر حفظ و ضبط کے قابل تھی۔

جنھوں نے یہ کہا ہے کہ اسراء مکہ سے بیت المقدس تک جسم کے ساتھ اور وہاں سے سماوات تک بالروح ہوئی ہے۔ وہ خدائے تعالیٰ کے اس ظاہر قول کو دلیل بناتے ہیں۔ "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔۔۔" اس وجہ

ہے کہ مسجد اقصیٰ کو اسراء کی غایت بتاتی ہے۔ اگر اسراء مسجد اقصیٰ سے آگے بھی جسم کے ساتھ ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کیا جاتا۔ تاکہ مدح رسول میں مبالغہ اور صداقت رسول پر دلیل ہو سکے اور جن لوگوں نے کہا کہ اسراء روح و جسد دونوں کے ساتھ تھی۔ سماوات اور سدرۃ المنتہیٰ تک۔ انھوں نے جواب دیا کہ مسجد اقصیٰ کی تخصیص کی وجہ قریش کا آپؐ سے علیٰ سبیل الامتحان سوال کرنا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ نے بیت المقدس کا سفر نہیں فرمایا۔ پس آپؐ نے جو دیکھا تھا اور جو وہ بھی جانتے تھے۔ اس کے مطابق جواب دیا۔ اور انکے اوپر حجت قائم ہو گئی۔ اس لئے انھوں نے سماوات سے متعلق کچھ نہ پوچھا

مشہور قول کو اختیار کرتے ہوئے ۲۷ رجب ۱۱ھ نبوی کی شب میں جب سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما تھے۔ کہ یکایک چھت شق ہوئی اور جبریل امین اور چند فرشتے اترے اور آپؐ کو اٹھا کر حطیم کعبہ میں لے گئے۔ وہاں جا کر آپؐ کو لٹایا اور پھر اٹھایا اور پھر زمزم پر لے گئے۔ پھر جبریل امین نے آپ کا سینہ مبارک کھولا اور دل مبارک کو نکال کر آب زمزم سے دھویا۔ پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں انوار الٰہی اور ایمان تھے۔ وہ آپ کے سینہ مبارک میں بھرے گئے۔ پھر آپؐ کا سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ بعد ازاں ایک براق لایا گیا اور اس پر آپؐ کو سوار کیا گیا۔ اس براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نظر پڑتی تھی وہیں قدم پڑتا تھا۔ راستہ میں خدا کی حکمت سے لوگوں کو جو سزائیں دی جا رہی تھیں وہ آپؐ کو دکھائی گئیں۔

(۱) ——— ایک جگہ آپ کا گذر ہوا۔ تو آپ نے ایک بوڑھے مرد اور ایک بوڑھی عورت کو دیکھا کہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ جبریل امین نے کہا آگے چلیے۔ بعد ازاں

بتلایا کہ یہ بوڑھی عورت دنیا ہے دنیا کی عمر اتنی ہی کم رہ گئی جتنی اس بڑھیا کی۔ اور وہ بوڑھا شیطان تھا۔ جو آپ کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہتا تھا۔

۲ ——— آگے ایک جماعت پر گذر ہوا۔ انھوں نے آپ کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا۔ تو جبریل امیں نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

۳ ——— نیز آپ کا ایسی قوم پر گذر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ لوگ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو ان ناخنوں سے چھیل رہے تھے۔ جبریل امیں نے بتایا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں۔

۴ ——— پھر آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا کر کھا رہا ہے جبریل امین نے بتایا کہ یہ سود خوار ہے۔

۵ ——— نیز آپ کا ایسی قوم پر گذر ہوا جو ایک دن میں بو بھی لیتے ہیں اور کاٹ بھی لیتے ہیں جبریل امین نے بتایا کہ یہ مجاہدین ہیں کہ ان کی ایک نیکی سات نیکیوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

(۶) پھر آپ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں کچلے جانے کے بعد پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ جبریل امیں نے بتایا کہ یہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والے ہیں۔

(۷) ——— پھر آپ نے ایک قوم کو دیکھا کہ اونٹ بیل کی طرح جہنم کے کانٹے اور پتھر کھاتے پھرتے ہیں۔ جبریل امیں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

(۸) نیز آپ نے سر راہ ایک لکڑی کو دیکھا کہ اس کے پاس جو چیز آتی ہے اسے کھا لیتی ہے۔ جبریل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو سر راہ ڈاکہ زنی کرتے ہیں

(۹) ——— بعد ازاں آپ نے ایسے لوگوں کو دیکھا کہ جن کے ہونٹ اور زبانیں قینچی سے کاٹی جا رہی ہیں۔ جبریل امین نے بتایا کہ یہ وہ مقرر ہیں۔ جو یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ کے مصداق ہیں۔

اس کے بعد جب آپ بیت المقدس پہنچے تو وہاں آپ کے اعزاز کے لئے تمام انبیاء جمع تھے آپ کے پہنچنے پر اذان دی گئی۔ صفیں تیار ہوئیں اور آپؐ نے سب کی امامت فرمائی گویا آپ کا تمام انبیاء کا امام و مقتدا ہونے کی طرف اشارہ کرنا تھا۔

پھر آپؐ ملاء اعلیٰ کی طرف تشریف لے چلے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آسمان پر کسی سیڑھی سے تشریف لے گئے۔ یا براق سے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ چاندی کی سیڑھی لگائی گئی اور اس پر سے براق لے کر گیا۔ اس طرح آپؐ پہلے آسمان پر پہنچے سوال کیا گیا کون ہیں کہا۔ جبریل۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہیں۔ بتایا محمدؐ۔ پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے جبریلؑ نے کہا جی ہاں تب دروازہ کھلا اور آپؐ اوپر تشریف لے گئے ۔ حضرت آدمؑ سے ملاقات کی۔ دیکھا حضرت آدمؑ کے دائیں طرف بھی کچھ روحیں ہیں۔ اور بائیں طرف بھی۔ آدمؑ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو مسرور ہوتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ آدم کے داہنی طرف ان کی نیک اور جنتی اولاد ہے جسے دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں اور بائیں طرف اولاد بد اور دوزخی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر غم فرماتے ہیں۔

پھر آپؐ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے یحییٰؑ اور عیسیٰ ع سے ملاقات کی اسی طرح تیسرے پر یوسف ع۔ چوتھے پر ادریس ع اور پانچویں پر ہارون ع چھٹے پر موسیٰ ع۔ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم ع سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ بیت المعمور پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ پھر جنت کا مشاہدہ کیا۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ پر بلند کئے گئے جس پر ستر ہزار فرشتے روزانہ طواف کرتے ہیں۔ لیکن پھر دوبارہ کبھی نمبر نہیں آتا۔ پھر آپ صریف الاقلام تک پہنچے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں کاتبین قضا و قدر مشغول کتابت رہتے ہیں۔ یہ تمام مدارج طے کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ جل وعلیٰ کی زیارت قلب سے نظر سے ہوئی۔ اور پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ آپؐ واپس آئے تو موسیٰ ع نے فرمایا کہ آپؐ کی امت کمزور ہے۔ پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکتی۔ کم کرا لیجئے۔ آپؐ واپس حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پانچ نمازیں کم ہوئیں۔ حضرت موسیٰ ع نے پھر واپس بھیجا کہ اور کم کرائیے۔ اس دفعہ بھی پانچ کم ہوئیں۔ موسیٰ ع واپس بھیجتے رہے اور ہر دفعہ پانچ کم ہوتی رہیں حتیٰ کہ آخری بار پانچ ہی رہ گئیں۔ اور خدائے عزوجل نے فرمایا۔ لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ھِیَ خَمْسٌ وَھِیَ خَمْسُوْنَ۔ میرے یہاں بات نہیں بدلا کرتی۔ یہ نمازیں عمل میں تو پانچ ہی ہیں۔ مگر ان کا ثواب پچاس کا ہے۔

علماء نے بیان فرمایا کہ موسیٰ ع کا مقام تو کلیم اللٰہی کا تھا ہی اس لئے بار بار واپس بھیجتے اور کم کراتے رہے۔ پھر آپ واپس اسی براق پر بیت المقدس تشریف لائے اور وہاں سے خانہ کعبہ تشریف لائے۔ اور صبح ہونے سے پہلے یہ سفر تمام ہوا

—۲۶—

مجدد الملت شاہ ولی اللہ صاحبؒ واقعات معراج سے متعلق زیر نظر حقائق و حکم بیان فرماتے ہیں۔

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک خدا نے چاہا سیر کرائی گئی یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا۔ لیکن یہ ایک مقام ہے۔ جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے۔ اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے۔ پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے۔ اور روح اور معانی نے جسم قبول کر کے تمثل اختیار کیا اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک حقیقت ہے

(۱) "صدر" کا چاک کیا جانا۔ اور اسے ایمان سے بھر دیا جانا" اسکی حقیقت ہی انوار ملکیہ کا غلبہ ہو جانا۔ اور شعلہ طبیعت کا بجھ جانا۔ اور جو کچھ حظیرۃ القدس سے طبیعت کو فیضان ہوتا ہے اس کے لئے مطیع بن جانا۔

(۲) براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے۔ کہ نفس ناطقہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آجائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر ایسی ہی خوبی سے سوار ہوئے۔ جیسا کہ حضورؐ کے نفس انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب اور مسلط تھے۔

(۳) مسجد اقصیٰ تک سیر اس لئے ہے کہ وہ شعائر الہیہ کے ظہور کا محل ہے۔ ملاء اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظر گاہ ہے گویا وہ ملکوت کی جانب ایک روزن ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات .... کی حقیقت یہ ہے کہ حظیرۃ القدس سے ان کو اجتماعی ربط و ضبط حاصل ہے۔ اور پھر ان اجتماعی امور کی خصوصیات کا نہایت کاملیت اور خصوصیت کے ساتھ نبیؐ سے ظہور ہوا ہے۔

(۵) آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھنے کی حقیقت درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے نکل کر مستوی رحمٰن کی طرف جانا ہے۔ نیز احوال ملائکہ کی معرفت جو اس مقام سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ نیز ملائکہ اور نسل انسانی ان بزرگوں کے احوال کی شناخت جو ملائکہ سے ملے ہوئے ہیں۔ نیز اس تدبیر کلیہ کی معرفت جو مقام مذکور میں وحی ربانی سے بتائی گئی۔ نیز ان امور کی شناخت جن پر ملائکہ مسابقت کیا کرتے ہیں

(۶) واضح ہو کہ گریہ موسیٰ سے حسد کا اظہار مراد نہیں بلکہ اظہار اس امر کا ہے۔ کہ ان کی رسالت تمام دنیا کے لئے عام نہ تھی۔ اور اس طرح ایک کمال باقی تھا جو حضرت موسیٰؑ کو حاصل نہ تھا۔

(۷) سدرۃ المنتہیٰ درخت عالم ہے۔ کہ ایک وجود دوسرے وجود پر مترتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ درخت کا بھی غذا و نمو میں یہی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اس کی تمثیل نہیں دی گئی۔ کیوں کہ وہ تدبیر کلیہ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے۔ وہ بھی مفرد ہے اور اسی لئے بہترین مشابہت اس کی درخت میں پائی جاتی ہے۔ اور حیوانات میں یہ مشابہت پائی نہیں جاتی۔ کیوں کہ حیوان میں قوائے تفصیلہ بھی ہیں۔ اور قوت ارادہ بھی ہے اور یہ سنن طبیعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

(۸) دریاؤں کی اصل وہ رحمت فائضہ ہے۔ جو عالم شہادت کے مجازی عالم ملکوت میں موجود ہے نیز حیات اور نمو بھی اسی اصل میں شامل ہیں۔ اسی لئے ظاہراً چند اسباب نافعہ مثل نیل و فرات وغیرہ کا تعین کیا گیا ہے۔

(۹) یہ ہے وہ انوار جنہوں نے اسے ڈھانپ لیا تھا۔ وہ تدلیات رحمانی اور

تدبیراتِ الٰہیہ ہیں جو عالمِ ظہور میں جلوہ گستر اور نفوس بنے رہیں جہاں تک اس عالم میں ان کی استعداد پائی جاتی ہے۔

(۱۰) بیت المعمور کی حقیقت وہ الٰہی تجلی ہے جس کی طرف بندگانِ خدا کی دعائیں اور مسجدوں کا رُخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ و بیت المقدس کے محاذ میں، جیسا کہ لوگوں کا ان ہر دو کی بابت اعتقاد ہے۔ ایک گھر کا تمثل لئے ہوئے ہے۔

(۱۱) شب معراج نبی کریمؐ کے سامنے ایک برتن دودھ کا ایک برتن شراب کا پیش کیا گیا۔ اور آنحضرتؐ نے دودھ کو پسند فرمایا۔ اور جبریلؑ نے بتایا کہ آپ نے فطرتِ اصلیہ کو پسند فرمایا۔ اگر شراب کا برتن آپ لے لیتے تو آپ کی امت بھٹک جاتی۔

(۱۲) پانچ نمازوں کا تقرر بھی زبان تجویزی سے ہوا۔ یہ پانچ ثواب ... میں پچاس کے برابر ہیں گویا رب کریم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو ۵۰ کے برابر کا کامل ہے یہ مطلب حضرت موسیٰؑ کی سند سے متمثل کیا گیا ہے۔ کیوں کہ جناب ممدوح امت کی اصلاح و درستی اور اصول سیاست امت کی شناخت میں اکثر انبیاء سے بڑھے ہوتے ہیں۔ (رحمۃ اللعالمین)

"براق"

خدائے عزوجل نے بے شمار عالم پیدا فرمائے ہیں جن میں سے ایک عالم مثال بھی ہے جس کا ثبوت بہت سی احادیث اور علماء صلحاء کے ان گنت اقوال سے ملتا ہے۔ مثلاً سرورِ کائناتؐ نے خواب میں اپنا دودھ کا پس خوردہ حضرت عمرؓ کو دیا حضرت عمرؓ نے تعبیر پوچھی فرمایا علم ہے۔ معلوم ہوا کہ عالم مثال میں علم بشکل دودھ

موجود ہے اور جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے تو موت کو ایک سیاہ مینڈھے کی شکل میں لایا جائیگا اور اس کو جنتیوں اور جہنمیوں کے سامنے ذبح کردیا جائے گا جس سے جنت والوں کی خوشی اور جہنم والوں کے غم کی انتہا نہ رہے گی۔ علماء نے بیان فرمایا جس طرح عالم مثال میں یہ سیاہ مینڈھا۔ موت کی شکل ہے، اسی طرح عالم مثال میں براق حیات اور زندگی کی شکل ہے۔ بلکہ عین حیات اور زندگی ہے۔ جب ہمارے آقا ؐ عین حیات پر سوار ہو گئے۔ تو خطرات سفر اور فضاء کے طبقات کا کیا خوف۔ اب چاہے طبقات زمہریہ درمیان آویں یا ناریہ۔

قاضی محمد سلیمان صاحب اپنی کتاب رحمۃ اللعالمین میں لکھتے ہیں، یہ واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آج کل کے فلسفۂ خشک کی بنیاد پر فضول ہے۔ کیوں کہ جس قادر مطلق نے اجرام سماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو خلاء میں قائم کر رکھا ہے، وہ جسم انسانی کے صغیر جرم کو خلاء میں لے جانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ آج کل نیٹروجن کی طاقت سے ہوائی جہاز اور جہازوں کے اندر آدمی اڑا دیئے ہیں۔ اس لئے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کو بسواری براق ملکوت السموات کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں دوسری چیز یہ کہ جب خالق کائنات نے بلایا تھا تو وہ فضاء کے خطرات بھی ختم کر سکتا ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم ؑ کے لئے یا نار کونی بردا و سلما کہہ کر آگ کے مزاج کو بدل دیا گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ

سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان ۔۔۔ پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو

چیز اوپر جاتی ہے۔ وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جاکر ملتہی ہو جاتی ہے اور ملا ماعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے۔ وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھیر جاتی ہے۔ پھر نیچے اترتی ہے۔ اس لئے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اس مقام پر آپؐ نے جبریل امین کو اصلی صورت میں دیکھا۔ اور حق تعالیٰ کے عجیب و غریب انوار و تجلیات اور بے شمار فرشتوں کا مشاہدہ کیا۔

"مقام صریف الاقلام"

یہ سدرۃ المنتہیٰ کے بعد تدابیر الٰہی اور تقادیر خداوندی کا بلا تشبیہ و تمثیل صدر مقام ہے چوں کہ یہاں پر ملائکۃ اللہ قضاء و قدر کی کتابت اور لوح محفوظ سے احکام خداوندی نقل کرتے رہتے ہیں اس لئے اسے مقام صریف الاقلام کہتے ہیں۔

لیلۃ اسراء میں نفل عمل

اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اگر ہے تو اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ بعض قصہ گو بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ عرش پر جوتے لے کر تشریف لے گئے غیر صحیح ہے احادیث معراج میں کہیں نہیں کہ آپؐ عرش پر چڑھے۔

حکمت اسراء

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ کہ آپؐ کی سیر گاہ میں عجیب عجیب حکمتیں اور خدا کی قدرتیں ہیں جن میں اہل عقل کے لئے عبرت، ہدایت اور رحمت اور جو صاحب ایمان کے لئے باعث ثبات ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جہاں چاہا اور جس طرح چاہا آپ کو لے گیا تاکہ اپنی نشانیاں دکھلائے حکمت اور نکتہ معراج میں یہ ہے کہ جب سنہ نبوی ختم ہو گیا اور ابتلاء و آزمائش کی انتہا ہو گئی اور مصائب و آلام کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہی جو خداوند ذوالجلال کی راہ میں برداشت نہ کی گئی ہو۔ تو اس کا انجام

سوائے عزت رفعت اور ترقی و معراج کے کیا ہو سکتا ہے۔ بعض عارفین نے یہ فرمایا کہ عرش تک سیر کرانے میں ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ کیوں کہ تمام کائنات عرش پر ختم ہو جاتی ہے۔ کتاب و سُنّت سے عرش کے بعد کسی مخلوق کا وجود ثابت نہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام کمالات آپؐ پر ختم ہوتے ہیں۔

(ماخوذ اسریٰ و معراج پیام حق)

مدینہ میں اسلام

سچ کہا تھا حضرت ابو طالب نے قریش کو مخاطب فرما کر کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ غریب اور غیر معروف لوگ ایمان لا کر عزت و عظمت کے مالک بن رہے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ قبولِ حق کی دوڑ میں تم پیچھے رہ جاؤ گے، اے گروہ قریش! مخالفت چھوڑ کر محمدؐ کی پیروی کرو کیوں کہ ابدی راحت و سعادت اسی میں ہے۔" چنانچہ یہی ہوا کہ مکہ والے آخر وقت تک مخالفت کرتے رہے اور جب کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تو فتح مکہ کے وقت اطاعت کا اقرار کیا۔ برخلاف اس کے دور دراز کے علاقے اسلام سے متاثر ہونے لگے۔ سب سے پہلے آفتاب اسلام نے جس علاقہ کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور فرمایا اس کا نام یثرب ہے جسے بعد میں مدینۃ النبی کہلانے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یثرب کا نام ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ کیوں کہ یثرب اہل مدینہ یعنی اوس و خزرج کے ایک بت کا نام تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ یثرب ایک شخص کا نام تھا جو قابل بن ارم بن سام بن نوح کا بیٹا تھا۔ وہی اس سرزمین میں سب سے پہلے آباد ہوا اور اسی کے نام سے اس جگہ کو یثرب کہنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے

بعد نام بدل دیا اور یثرب سے طابہ یا طیبہ یا مدینہ رکھدیا۔ براء بن عازب رضی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مدینہ کو یثرب کہے اسے استغفار کرنا چاہیے
(بخاری، مسلم، مسند احمد)

قبائل عرب میں آنحضرت کے تبلیغی دورے اگرچہ بظاہر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکے مگر دلوں میں اسلام کی حقانیت کا اعتراف ضرور کیا جانے لگا۔ ممکن تھا کہ بعض قبائل آپ کی دعوت کو قبول کر لیتے مگر ابولہب، ابوجہل اور ابوسفیان کی علانیہ اور شدید مخالفت کو دیکھ کر ان کی جرأت نہ ہو سکی۔ آنحضرت قریش اور انکے زیر اثر قبائل کی طرف سے مایوس ہو کر سوچنے لگے کہ اب کن لوگوں کے سامنے دعوت حق کو پیش کیا جائے۔ ابھی یہ مسئلہ زیر غور ہی تھا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ یثرب سے کچھ لوگ حج کے لئے مکہ آئے ہیں۔ آپ فوراً ان کی تلاش و ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے۔ منیٰ کے قریب عقبہ کی مشہور گھاٹی میں آپ نے اہل یثرب کی یہ مختصر جماعت دیکھی۔ قریب تشریف لے گئے اور فرمایا۔ کہاں سے آئے ہو اور کون ہو؟ کہنے لگے، یثرب سے آئے ہیں اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ کیا یہود کے حلیف ہو؟ کہنے لگے جی ہاں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، اگر سنو گے تو تمہارے حق میں بہت مفید ثابت ہو گا۔ مدینہ والے بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت موثر اور مختصر الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و الوہیت کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا۔ "میں اللہ کا آخری رسول ہوں۔ میری قوم قریش میری مخالفت کرتی اور تبلیغ اسلام سے روکتی ہے۔ اگر تم لوگوں نے دین حق کو قبول کر لیا اور اللہ پر ایمان لا کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تو دنیا و آخرت

کی بھلائیوں سے سرفراز کئے جاؤگے۔ آپ نے اسلام کو پیش کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیات بھی تلاوت فرمائیں۔ اہل مدینہ نے آپ کی باتیں بڑے غور سے سنیں۔ تلاوت قرآن سے بہت متاثر ہوتے اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگے یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا ذکر یہود مدینہ اکثر ہم سے کرتے رہتے ہیں اور ہم کو طعنہ بھی دیتے رہتے ہیں کہ جب وہ مبعوث ہوں گے تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور تم اپنی بت پرستی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جاؤ گے پھر کہنے لگے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے ان کی پیروی میں آگے بڑھ جائیں، یہ کہہ کر سب کے سب داخل اسلام ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور فرمایا کہ گھر پہنچ کر اپنی قوم کو اسلام سے روشناس کرنا، کہنے لگے، یا رسول اللہ ہماری قوم میں سخت عداوت اور دشمنی پائی جاتی ہے مگر ہم آپ کا پیغام ضرور پہنچائیں گے، امید ہے کہ اسلام کی برکت سے اختلافات دور ہو جائیں گے اور اتحاد و محبت میں اضافہ ہو گا۔

دولت اسلام سے دامن مراد کو بھرنے والے حضرات اہل مدینہ کی تعداد مورخین نے چھ بیان کی ہے، جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

اسعد بن زرارہؓ، عوف بن حارثؓ، رافع بن مالکؓ، قطبہ بن عامرؓ، عقبہ بن عامرؓ، اور حضرت جابر بن عبداللہؓ۔ بعض مورخین نے سات بیان کی ہے اور عامر بن عبد حارثہؓ کا نام بھی لکھا ہے، یہ وہ سابقین اسلام ہیں جن کی ذات کو مدینہ میں اولیت کا شرف حاصل ہے جس طرح مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سابقون الاولون میں شمار کیا جاتا ہے۔ اہل مدینہ

شرف ایمان سے مشرف ہو کر ہادی اعظم سے دعائیں لیتے ہوئے رخصت ہوئے گھر پہونچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قوم کو اسلام سے روشناس کرانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ یہود اکثر کہتے رہتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باتوں کا بہت جلدی چرچا ہونے لگا۔

اسلام کی حقانیت دلوں میں گھر کرنے لگی اور آنحضرتؐ سے ملاقات کا اشتیاق دن بدن پیدا ہونے لگا۔ باوجود باہمی عداوت و مخالفت کے قبیلہ خزرج کے علاوہ قبیلہ اوس میں بھی آنحضرتؐ کے چرچے ہونے لگے اور بعض لوگ مکہ آکر ملاقات کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

عقبہ اُولیٰ

ایک سال تک متواتر ان چھ حضرات کی کوشش کا یہ اثر ہوا کہ نبوت کے بارھویں سال حج کے موسم میں بارہ آدمی مدینہ سے مکہ آئے۔ اس مرتبہ بھی عقبہ ہی میں آنحضرتؐ نے ان سے ملاقات فرمائی ان میں سے سات آدمیوں نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر قبول اسلام کی سعادت حاصل کی اور پانچ وہ تھے جو پہلی دفعہ آ چکے تھے اور اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ نئے ساتوں ایمان لانے والوں کے نام یہ تھے۔

معاذ بن حارثؓ۔ ذکوان بن عبد قیسؓ۔ عبادہ بن صامتؓ۔ ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہؓ۔ عباس بن عبادہ۔ ابوالہیثم مالک بن تیہانؓ۔ عویم بن ساعدہؓ۔ ابھی تک مدینہ کے جو لوگ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے وہ سب قبیلہ خزرج

سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرا بڑا قبیلہ اوس اسلام سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے ان دونوں قبائل کی باہمی جنگ تھی جس وجہ سے یہ دونوں الگ الگ ایک دوسرے سے رہتے تھے۔ لیکن خزرجی مسلمانوں کو یقین تھا کہ اسلام جس وقت بھی اوس میں پہنچے گا تو کوئی گھر ایمان لائے بغیر نہیں بچے گا۔

عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرتے وقت ہم سے فرمایا کہو:۔

"ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کرینگے حرام کاری سے اجتناب کریں گے اپنی اولاد کو کبھی قتل اور زندہ درگور نہیں کریں گے۔ کسی پر کبھی کوئی بہتان نہیں باندھیں گے نیکی کرینگے اور نافرمانی سے بچیں گے، جو کوئی ان باتوں پر عمل کرے گا اس کی جزا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہوا اور دنیا میں اسے اس کی سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے لئے آخرت میں گناہ کا کفارہ ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ نے اگر اس کی پردہ پوشی کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے وہ چاہے تو معاف فرمادے اور چاہے تو عذاب کرے۔"

حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ بیعت کے بعد ہماری درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ہمارے ساتھ کر دیا تاکہ مدینہ میں اسلام کی تبلیغ اور احکامات کی تعلیم نومسلموں کو حاصل ہو سکے۔ حضرت مصعبؓ مکہ کے رہنے والے اور سابقین اسلام میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مکتومؓ کو بھی ساتھ کر دیا تاکہ دونوں

حضرات اس فریضہ کو اچھی طرح انجام دے سکیں۔ یہ سب حضرات مکہ سے واپس مدینہ آئے اور حضرت اسعد بن زرارہؓ کے دولت خانہ پر ٹھہرے چند روز حالات کا مطالعہ کرتے رہے اور پھر تبلیغ میں مصروف ہو گئے (بخاری، ابن جریر، ابن ہشام)

اوس کا اسلام

کچھ عرصہ تک تو حضرت مصعبؓ قبیلہ خزرج ہی میں تبلیغ کرتے رہے کیونکہ خزرج کے کئی رئیس اسلام لا چکے تھے اور کوئی امر تبلیغ سے مانع نہیں تھا۔ حضرت مصعبؓ ہر گھر میں جاتے، دیر تک بیٹھتے اور اسلام کی خوبیوں سے ان کے کان آشنا کرتے چنانچہ بہت جلد ہی انھوں نے پورے قبیلہ کو اسلام کا گرویدہ بنا لیا۔ بہت سے لوگ انکے ہاتھ پر دولت ایمان سے سرفراز ہوئے مگر ان کو بڑی فکر اوس کی تھی تاکہ یہ دونوں قبائل اسلام کے زیر علم آئیں لیکن اوس و خزرج کی باہمی عداوت کی وجہ سے کوئی راستہ نہیں نکلتا تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ دوسری بیعت جسے عقبہ اولیٰ کہتے ہیں اس میں دو آدمی اوس کے بھی تھے اگر یہ صحیح ہے تو ہمارا خیال ہے کہ وہ کوئی با اثر آدمی نہیں ہونگے ورنہ اوس میں اسلام پہونچانے کے لئے حضرت مصعبؓ کو اتنا سوچنا نہیں پڑتا اور نہ اتنی دیر لگتی آخر ایک دن حضرت مصعبؓ بنو عبد الاشہل کے باغ میں پہنچ ہی گئے۔ یہ قبیلہ اوس کی شاخ تھا۔ اندر بیٹھے اور قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ اوس کے سردار سعد بن معاذ کو کسی نے اطلاع کر دی۔ سعدؓ خود تو نہیں آئے مگر اپنے چچا زاد بھائی اُسیدؓ کو بھیجا کہ تم جاؤ اور اس مکہ والے مبلغ سے کہدو کہ باغ سے فوراً نکل جائے اور آئندہ کبھی ہمارے علاقہ میں قدم نہ دھرے۔ اُسیدؓ بڑے غضبناک ہو کر باغ میں

داخل ہوئے اسعد بن زرارہؓ جو حضرت مصعبؓ کے ساتھ تھے اُسیدؓ کو آتا دیکھ کر کہنے لگے۔ اُسیدؓ آرہے ہیں یہ! ور انکے بھائی سعدؓ دونوں بڑے با اثر ہیں اگر یہ ایمان لے آئے تو پورا اوس مسلمان ہو جائے گا جب قریب آئے تو چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ بڑے بھرے ہوئے اور خشم آلود لہجہ میں گالیاں دیتے ہوئے کہنے لگے۔ نادانوں کو بہکاتے پھرتے ہو نکل جاؤ باغ سے ورنہ خیریت نہیں ہے حضرت مصعبؓ آنحضرتؐ کے تعلیم یافتہ تھے، نرمی اخلاق اور متانت وارث حلم و اخلاق کے بخشے ہوئے تھے۔ اسیدؓ جب برس کر تھم چکے تو حضرت مصعبؓ نے فرمایا خفا نہ ہوں۔ تھوڑی دیر بیٹھیں۔ جو میں کہوں اسے سُنیں اگر لے جا کہوں تو آپ کو اختیار ہے نہ مانیں۔ یہ درخواست کچھ اس طرح کی گئی تھی کہ انکار کرتے نہ بنی۔ بیٹھتے ہوئے کہنے لگے کہو کیا کہتے ہو؟ تلمیذ رسالت مآبؐ نے مختصر مگر جامع الفاظ میں اسلام کی تعریف پہ چند جملے کہے اور قرآن کی آیات تلاوت کیں۔ اسیدؓ بڑے غور سے سنتے رہے یا یوں سمجھئے کہ کفر ٹوٹ چکا تھا۔ حضرت مصعبؓ خاموش ہوتے ہی بے ساختہ کہنے لگے "کتنی اچھی ہدایت ہے" حضرت مصعبؓ نے قبول کی مبارکباد دی اور اُسیدؓ کلمہ شہادت پڑھ کر داخل حلقۂ اسلام ہو گئے

سعد بن معاذؓ انتظار کر رہے تھے کہ اسیدؓ مبلغ اسلام کے متعلق کیا خبر لے کر آتے ہیں۔ اُسیدؓ آئے تو سعد نے پوچھا کیا کر آئے؟ اُسیدؓ کہہ سکتے تھے کہ مسلمان ہو کر آیا ہوں مگر کہنے لگے، بھائی اب سب ٹھیک ہو گیا ہے مگر کچھ ایسی باتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ تم کو جانا ہی پڑے گا، سعدؓ جوش میں بھرے نیزہ لئے باغ میں پہنچے اور جلتے ہی گالیاں بکنے لگے، جب بہت گرم ہوئے تو اسعد بن زرارہؓ جو سعدؓ کے خالہ زاد بھائی تھے کہنے لگے آپ ناراض نہ ہوں کچھ ان کی بھی سن لیجیے

دیکھئے یہ کہتے ہیں کیا؟ کوئی بات سمجھ میں آئے تو ٹھیک ہے ورنہ جو بہتر سمجھو وہ کرنا۔
سعدؓ حضرت مصعبؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے اچھا کہو کیا کہتے ہو؟

حضرت مصعبؓ معمولی درجہ کے مبلغ نہیں تھے۔ آنحضرتؐ کے منتخب تھے۔ بڑے متین اور دل نشین لہجہ میں محاسن اسلام بیان کئے، تلاوت سے تھکے تو سعدؓ کا پتھر دل پگھل چکا تھا۔ آنکھیں جوش ایمان سے چمک رہی تھیں اور قبیلہ اوس کے سب سے بڑے سردار کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا۔

حضرت مصعبؓ نے دعائے خیر دی۔ سعدؓ باغیچہ سے بادہ ایمان سے سرشار اٹھے۔ سیدھے گھر کی طرف گئے اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آواز دی۔ اے بنو عبدالاشہل! آج آواز میں کچھ اور ہی اثر تھا۔ سب لوگ چاروں طرف جمع ہو گئے۔ سعدؓ نے کہا، مجھے جانتے ہو؟ سب حیران تھے کیا جواب دیں۔ آج تک ایسا سوال نہیں کیا تھا۔ کہنے لگے اے سردار! آج کیا بات ہے جو ہم آپ کو نہیں پہچانیں گے۔ آپ قبیلہ کے سردار، رئیس قوم اور بلند رتبہ و بلند حوصلہ ہو۔ ہم آپ کو جانتے ہی نہیں ہیں۔۔ بلکہ اپنی جان فدا کرتے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا، مگر میں تم سے کلام کرنے کو حرام جانتا ہوں تاوقتیکہ تم خدا اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ۔

مدینہ کی وہ کونسی گلی تھی اور کونسا گھر تھا جہاں اسلام کے چرچے نہ ہو رہے ہوں سب کے کان آشنا تھے۔ حضرت سعدؓ جیسے سردار کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی قبیلے کے تمام لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ سابقین اسلام کے چہرے کھل گئے اور تکبیر کے پُر زور نعروں سے مدینہ گونجنے لگا۔ حضرت مصعبؓ کی تبلیغ کلم

کر گئی، چند ماہ کی کوششوں نے کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں کھڑا کر دیا۔ (طبری ۔ ابن سعد ۔ ابن ہشام، بخاری)

عقبہ ثانی

حضرت مصعبؓ کی کوشش سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان کی دلی آرزو یہ تھی کہ سرکار دو عالمؐ سے شرف نیاز حاصل کریں۔ حضرت مصعبؓ کو انتظار تھا کہ حج کا موسم آئے تو اہل مدینہ کے قافلہ کو لے کر مکہ جائیں اور یہ دیکھے ایمان لانے والے اپنی آنکھوں سے نبی پاک کا دیدار کریں۔ آخر نبوت کے تیرھویں برس کا موسم حج قریب آگیا اور حضرت مصعبؓ مدینہ کے بہتر مسلمانوں کو ہمراہ لے کر مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اوسؓ خزرج کے تمام نامور حضرات اس قافلہ میں شامل تھے، جن میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر بڑی شہرت اور عظمت کے حامل تھے۔

حضرت براء بن معرورؓ، سعد بن ربیعؓ، منذر بن عمروؓ، عبداللہ بن رواحہؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ۔ اسید بن حضیرؓ، سعد بن خیثمہؓ، حضرت ابوالہیثم بن تیہانؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عباس بن عبادہؓ، حضرت رفاعہ بن عبدالمنذرؓ، حضرت سلمہ بن سلامہؓ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ، حضرت رافع بن مالکؓ، حضرت ضحاک بن حارثہؓ، جابر بن عبداللہؓ، حضرت معاذ بن عمرو بن جموحؓ، عبادہ بن صامتؓ، ظہیر بن رافعؓ، عویم بن ساعدہؓ، اسعد بن زرارہؓ۔

حضرت مصعبؓ مکہ پہونچے تو سب سے پہلے خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے ایک سال کی تبلیغ اور عظیم الشان کامیابی کا حال بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے دعائے خیر فرمائی

اور محنتوں کی داد دی۔ مدینہ سے جو مسلمان آئے تھے وہ منیٰ میں مکہ سے باہر مقیم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بارگاہِ نبوتؐ میں بلا اجازت حاضری دینا مناسب نہیں ہے۔ حضرت مصعبؓ نے بارگاہِ رسالتؐ سے نکلے تو بوڑھی ماں کا خیال آگیا۔ وہ ابھی تک اپنے پرانے مذہب پر جمی ہوئی تھیں، کفریہ عقائد میں اتنی سخت تھیں کہ ایک مرتبہ بیٹے کو باندھ کر ڈال دیا تھا۔ حضرت مصعبؓ باوجود اس شدت کے ان کے پاس گئے۔ ماں نے دیکھتے ہی کہا کہ تو ابھی تک اپنے خیال سے باز نہیں آیا ہے؟ کہنے لگے جو دین میں نے قبول کیا ہے وہ چھوٹنے والا نہیں۔ سب چیزیں چھوٹ سکتی ہیں مگر محمد مصطفےٰؐ کا دین چھوٹ سکتا نہیں ہے۔ اس جملہ نے ماں کے جلتے ہوئے دل پر تیل کا کام کیا۔ نہایت غضبناک لہجے میں کہنے لگی جائیں تیرے مذہب سے بیزار ہوں اور کبھی اپنا دین چھوڑ کر تیری طرح احمق نہیں بنوں گی۔

مدینہ کے مسلمان طے کر چکے تھے کہ حج کے بعد ہی آنحضرتؐ سے شرف ملاقات حاصل کریں گے مگر براء بن معرورؓ کی خواہش تھی کہ اس سے پہلے ہی نیاز حاصل کر لوں اور اپنے اس خواب کو جو راستہ میں دیکھا ہے عرض خدمت کر دوں چنانچہ وہ اپنے ایک ساتھی کعب بن مالکؓ کو ساتھ لے کر چلے، دونوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا مکہ میں آئے تو ایک شخص سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کہاں ملیں گے۔ جواب دیا کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگے نہیں۔ اچھا انکے چچا عباس ابن عبد المطلبؓ کو پہچانتے ہو؟ کہا جی ہاں ان کو تو پہچانتے ہیں کیوں کہ وہ ہمارے یہاں اکثر کاروبار کے سلسلہ سے جاتے رہتے ہیں۔ بس تو آپ مسجد حرام میں چلے جائیں۔ جہاں عباسؓ بیٹھے ہونگے اسی جگہ وہ بھی ہونگے۔

براءؓ مسجد حرام میں کعبؓ کے ہمراہ گئے تو عباسؓ سامنے بیٹھے نظر آئے، دونوں قریب گئے اور سلام کیا۔ حضرت عباسؓ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا جان! یہ کون ہیں؟ کہنے لگے۔ یثرب کے رئیس براء بن معرورؓ اور کعب بن مالکؓ ہیں۔ آنحضرتؐ سمجھ گئے کیونکہ حضرت مصعبؓ سے سب کچھ پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا۔ دونوں مسلمان مسرور تھے۔ جس نبیؐ کے کلمہ کو مدینہ میں پڑھا تھا آج آنکھوں کو اس کے دیدار کی سعادت حاصل ہو رہی تھی تھوڑی دیر کے بعد حضرت براءؓ کہنے لگے یا رسول اللہؐ میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں بیت اللہ کی طرف پشت نہیں ہونے دے رہا ہوں چنانچہ میں نے اس کے بعد جو نماز ادا کی وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ہی پڑھی تاکہ پشت ادھر نہ ہونے پائے۔ بعض دوستوں نے منع بھی کیا مگر میں نہیں مانا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ بہتر تو یہی تھا کہ تم صبر کرتے کیونکہ میں بھی ابھی بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرتا ہوں۔

دونوں حضرات سلام کر کے رخصت ہونے لگے تو آنحضرتؐ نے فرمایا "میں ایام تشریق میں تم سب سے عقبہ میں ملاقات کروں گا" یہ حضرات اپنے ساتھیوں میں واپس آگئے، انہی دنوں کے ایک واقعہ کو حضرت کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ مدینہ سے حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو بھی آئے تھے مگر وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، چنانچہ میں نے ایک دن ان سے کہا اے ابا جابر! ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تم سردار قوم اور رئیس قبیلہ ہو مگر ابھی تک اصنام پرستی کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ

کہیں دوزخ کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ کئے جاؤ، کعبؓ کی باتیں عبداللہؓ کے دل میں بیٹھ گئیں اور وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

حج کے دن گذر گئے تو آنحضرتؐ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو لے کر عقبہ میں داخل ہوئے مسلمان ہمہ تن انتظار تھے۔ آفتاب نبوتؐ پر جیسے ہی نظریں پڑیں چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔ عجیب سماں تھا۔ عاشقوں کی ایک جماعت تھی جو خورشید اسلام کو اس طرح گھیرے ہوئے تھی جیسے چاند کو ستارے۔ چند ساعت کے بعد حاضرین نے درخواست کی، یا رسول اللہؐ! کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ نے پہلے قرآن کی تلاوت کی، پھر فرمایا۔ میں تم کو خدا کی طرف بلاتا ہوں اور اس کے نازل کئے ہوئے دین پر قائم رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ جس طرح تم سب اپنے بیوی بچوں کی حفاظت اور خبر گیری کرتے ہو اسی طرح اس دین کی تائید اور نصرت کی کوشش کرتے رہو گے " حضرت براء بن معرورؓ نے آگے بڑھ کر دست رسولؐ تھام لیا اور عرض کیا " یا رسول اللہؐ! ہم کو اس خدا کی قسم ہے جس نے آپؐ کو آفتاب ہدایت اور مظہر صداقت بنا کر مبعوث فرمایا ہے کہ ہم اپنی جان و مال اور اہل و عیال کی طرح آپ کا ساتھ دیں گے......

اور حفاظت کریں گے، ہم نے تلواروں کے سایہ میں پرورش پائی ہے ہمیشہ سینہ سپر رہیں گے "۔

عباس بن عبادہ انصاریؓ نے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ جانتے ہو تم کس بات کی بیعت کر رہے ہو؟ خوب جان لو اور سمجھ لو کہ دامن رسالتؐ سے وابستگی عرب و عجم کی مخالفت کا مقدمہ ہے۔ جان و مال عزت و ناموس ہر چیز

لٹانا پڑے گی سا ایسا نہ ہو کہ ہجوم آلام سے گھبرا کر منہ موڑ لو اگر تم نے کبھی ایسا کیا تو یاد رکھو یہ ناقابل معافی جرم ہوگا جس کی تلافی نہیں ہو سکے گی، دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی ذلت کا طوق پہننا پڑے گا۔ کیا تم اپنے وعدے پر پورے اترو گے؟ یہ دین و دنیا کی سعادتیں ہیں جو پھر میسر نہیں آسکیں گی۔"

یہ وہ پیروانے تھے جن کو صرف جان دینا آتی تھی جو صرف مرنے ہی کو تکمیل ایمان خیال کرتے تھے سا اسلام کی محبت دل کی گہرائیوں میں بیٹھ چکی تھی۔ سب نے ایک ساتھ عرض کیا ہم ہر مصیبت گوارا کریں گے مگر کبھی اللہ کے رسولؐ سے منہ نہیں موڑیں گے

ابوالہیثم بن تیہانؓ کہنے لگے یا رسول اللہؐ! ہمارے اور یہود کے درمیان جو باہم معاہدہ ہے آئندہ وہ باقی نہیں رہ سکے گا جو تعلقات اور محبت چلی آرہی ہے وہ بھی نہیں رہ سکے گی، اس لئے آپ بھی ہم سے وعدہ فرمائیں کہ جب آپ کو مخالفین پر غلبہ حاصل ہو جائے گا تو آپ ہم کو چھوڑ کر واپس اپنی قوم میں نہیں آئیں گے۔ آنحضرتؐ اس گفتگو کو سن کر مسکرائے اور فرمایا "میرا مرنا اور جینا سب تمہارے ساتھ ہوگا، تمہارا خون، تمہاری بربادی، تمہاری جنگ اور تمہاری صلح، میری جنگ، صلح اور خون ہے، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، میں تم کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔"

ابوالہیثمؓ نے یہ گفتگو اس لئے کی تھی کہ اس سے قبل آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ اہل مدینہ سے فرما چکے تھے کہ مکہ میں مخالفین نے ان کے خلاف قیامت برپا کر رکھی ہے، اس لئے حالات کا تقاضا ہے کہ یہ تمہارے پاس چلے جائیں بشرطیکہ تم آخر وقت تک ان کی حفاظت کرو اور کسی حال میں دشمنوں کی طرف سے ان کو

کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے"۔ اس کے علاوہ عباس بن عبادہؓ بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ چکے تھے کہ دامن رسالتؐ سے وابستگی پورے عرب سے مخالفت اور جنگ کا مقدمہ ہے"۔

ایک اور صاحب کہنے لگے یا رسول اللہؐ! ہم کو ان قربانیوں کا کیا صلہ ملے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا "جنت" اس کے بعد ہاتھ بڑھنے لگے اور سب نے آنحضرتؐ سے اسلام پر قائم رہنے اور ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے کے بعد مسلمان رہتے ہوئے مرنے اور جینے پر بیعت کر لی۔

اہل مدینہ کے دل اپنے نبیؐ کی محبت سے اس درجہ سرشار تھے کہ وہ قریش کے ڈھائے ہوئے مظالم کا حال سن کر بے تاب ہو گئے سب نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنی تلوار کے کمال دکھائیں اور قریش سے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لیں، یا پھر حضور والا ہمارے ساتھ مدینہ چلیں، ہم آخر دم تک جان نثار رہیں گے، آپ نے فرمایا "ابھی مجھے دونوں باتوں کی اجازت نہیں ملی ہے، نہ تلوار اٹھا سکتا ہوں اور نہ ہجرت کر سکتا ہوں، حکم ربی کا منتظر ہوں جو میرا رب حکم دے گا ویسا کروں گا"۔

نقبائے اسلام

بیعت سے فارغ ہونے اور مسلمانانِ مدینہ کی عرضداشتوں کا جواب دینے کے بعد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین کی اشاعت اور امور دینیہ کی حفاظت کے پیش نظر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم لوگ حاضرین میں سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کر لو تاکہ ان کے ذریعہ دین و مذہب کے کام بحسن و خوبی

ام پاتے رہیں۔ مسلمانوں نے حکم ملتے ہی عمل کیا اور مندرجہ ذیل حضرات منتخب کئے گئے۔

"اسعد بن زرارہؓ۔ رافع بن مالکؓ۔ براء بن معرورؓ۔ عبادہ بن صامتؓ
عبداللہ بن عمروؓ۔ سعد بن ربیعؓ۔ عبداللہ بن رواحہؓ۔ سعد بن عبادہؓ
منذر بن عمروؓ۔ اسید بن حضیرؓ۔ سعد بن خثیمہؓ۔ ابوالہیثم بن تیہانؓ"

ت کرنے والوں میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے زبانی ت لی اور ہاتھ نہیں دیا۔ آپ کبھی عورتوں سے بیعت کے وقت مصافحہ نہیں تے تھے، ایک صاحبہؓ نام ام عمارہ تھا یہ حضرت کعبؓ کی صاحبزادی تھیں بڑی در اور نڈر خاتون تھیں، احد میں شریک ہوئی تھیں، دوسری خاتون بھی بڑی باز اور انصار کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، ان کا نام ام منیع ۔ یہ عمرو بن عدی کی صاحبزادی تھیں۔ ام عمارہ کے مزید حالات جنگ یمامہ میں ے ہیں۔

اہل مدینہ کی واپسی

عقبہ ثانیہ کی بیعت بھی قریش کی نظروں سے بچ کر کی گئی تھی۔ جو غیر مسلم ینہ سے مسلمانوں کے ساتھ مکہ آئے تھے ان کو خبر نہیں ہونے دی۔ آنحضرت لی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لینے کے بعد مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ مدینہ لے جائیں۔ آنحضرتؐ دعائیں دے کر تشریف لے آئے اور اہل مدینہ اپنی یام گاہ پر پہنچے اور فوراً ہی مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس امر کی سخت شش کی گئی تھی کہ قریش کو خبر نہ ہونے پائے مگر پھر بھی کسی طرح ان کو معلوم

ہو گیا اور وہ فوراً تلاش میں لگ گئے۔ مدینہ کے غیر مسلموں سے معلوم کیا تو انھوں نے
بھی لاعلمی ظاہر کی مگر قریش کو یقین ہو چکا تھا کہ رات کو ہمارے خلاف
وخزرج نے بیعت کی ہے اس لئے وہ اہل مدینہ کی تلاش میں نکلے، قافلہ
دور نکل چکا تھا مگر سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمرو جو پیچھے رہ گئے تھے قریش کی
نظر پڑ گئے۔ منذر تو بچ گئے مگر سعدؓ کو گرفتار کرکے قریش مکہ میں لائے
مارا اور جو بھی آیا اس نے مارا۔ مار کھاتے کھاتے بے حال ہو گئے مگر خاموش
اور زبان سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ حضرت سعدؓ خود بیان کرتے ہیں
مارنے والے تھے۔ بچانے اور چھڑانے والا کوئی نہیں تھا۔ آخر ایک شخص کے
میں رحم پیدا ہوا اور اس نے مجھ سے کہا کہ مکہ میں کوئی تمہارا جاننے والا نہیں
جو تم کو اس مصیبت سے نجات دلائے، میں نے کہا جبیر بن مطعم اور حارث
کو جانتا ہوں، یہ ہمارے یہاں تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے، شخص
جاکر کہا کہ یثرب کے سعد بن عبادہؓ کو لوگ مار رہے ہیں کوئی چھڑانے والا
وہ تمہارا نام لیتے ہیں۔ جبیرؓ نے کہا میں ان کو جانتا ہوں وہ یثرب کے
ہیں اور ہمارے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتے رہے ہیں۔ پھر جبیر آئے
انھوں نے ظالموں کے ظلم سے حضرت سعدؓ کو چھڑا کر مدینہ روانہ کر دیا
آگے جاکر ٹھہر گیا تھا۔ منذر نے سب کیفیت بیان کر دی تھی۔ سب
آئے اور سعدؓ کو تلاش کرنے کا خیال کر ہی رہے تھے کہ سعد بن عبادہؓ آ
مسلمانوں کو ان کی تکلیف کا بہت صدمہ ہوا، مگر صبر کے ساتھ مدینہ واپس
گئے۔ (طبری، ابن سعد، ابن ہشام)

چاند کے دو ٹکڑے

معجزہ شق القمر اسی زمانہ کا واقعہ ہے، اگرچہ بہت سے مورخین نے نظر انداز کیا ہے مگر معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ کے ایک اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو کر نیچے اتر آیا۔

واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رات کو ابوجہل نے آنحضرتؐ سے کہا کہ تم باہر سے آنے جانے والے لوگوں کو اپنا معتقد بناتے ہو، ہمیں بھی تو کوئی ایسی نشانی دکھا دو جو ہم سمجھیں کہ تم واقعی نبی ہو۔ اس کے بعد ابوجہل نے کہا اچھا اس چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دو۔ آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کر کے دکھا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے کہا۔ ہاں تم کو ہم سچا نبی مان لیں گے۔

آپ نے ارشاد فرمایا، اچھا چاند کی طرف دیکھو۔ سب نے دیکھا اور آپ نے اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف جھک گیا اور پھر دونوں بلند ہوئے اور آپس میں مل گئے۔ قریش وعدے سے پھر گئے اور کہنے لگے کہ "ابن ابی کبشہ" بہت بڑے جادوگر ہیں، ابی کبشہ حلیمہؓ کے شوہر کا نام تھا اور قریش بطور حقارت کے کہا کرتے تھے۔ بعض مسافروں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی مگر قریش کو کسی طرح ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔

بعض تاریخوں میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابوجہل نے شاہ یمن کو لکھا کہ محمد ابن عبداللہ نے ہمارے بتوں کے خلاف آگ لگا رکھی ہے۔ تم مکہ

آؤ اور ان کا استیصال کر دو۔ حبیب شاہ یمن آیا اور آنحضرتؐ سے معجزہ شق القمر طلب کیا اور جب آپ نے چاند کو شق کر دیا تو وہ مسلمان ہو گیا، ابو جہل نے اس سے کہا کہ محمدؐ کے جادو کا تم پر اثر ہو گیا مگر میں ان کو نبی نہیں جانتا ہوں

(واللہ اعلم)

بعض لوگوں نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ چاند کا شق ہونا قیامت سے تعلق رکھتا ہے اس سے پہلے نہیں ہو سکتا ہے مگر سورہ قمر پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر انشقاق قمر قیامت سے متعلق ہوتا تو یہ نہیں فرمایا جاتا کہ "لوگ معجزہ دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ہوتا چلا آیا ہے"۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس معجزہ کی حقیقت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو ان کی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں موجود ہے۔ (مواہب الدنیہ، بخاری، مسلم)

مظلومیت اور ہجرت

مدینہ میں اسلام کی اشاعت اور اہل مدینہ کے دلوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور والہانہ عقیدت نے کفار قریش کو بے حد چراغ پا کر دیا۔ انہیں بڑی فکر تھی کہ اسلام کی جڑیں مدینہ میں مضبوط ہوتی جا رہی ہیں اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو یقیناً ہمارے مقابلہ پر ایک مضبوط محاذ قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس خیال نے عداوت کی آگ کو خوب بھڑکایا اور مسلمانان مکہ کی یورش بہت بڑھ گئی۔ چونکہ صبر و استقلال کی تلقین قبول اسلام کے وقت سے ہی کی جاتی رہی تھی اس لئے ہر مصیبت پر صبر کرنے کو رضائے

ذریعہ سمجھتے رہے مگر کہاں تک؟ ہر مصیبت کی ایک حد ہوتی ہے اور اب صورت
حال برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض
کیا کہ حضورؐ اگر اجازت دیں تو ہم مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ خطرات بڑھتے چلے
جاتے ہیں اور مصائب میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ رسول اکرمؐ خود بھی ملاحظہ
فرما رہے تھے، پھر یہ کہ خود ذات اقدس بھی ظلم اعداء کا نشانہ بنی ہوئی تھی مگر
اس کے باوجود آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس سلسلے میں اپنے رب کی اجازت اور حکم کا انتظار فرمانے لگے
مسلمانوں کی نظروں میں کئی مقامات ایسے تھے جسے وہ اپنا دارالہجرت بنا سکتے تھے حبشہ میں ایک
بڑی تعداد مسلمانوں کی موجود تھی۔ اہل مدینہ پہلے ہی دعوت دے
چکے تھے، ان کی دلی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ اور مسلمان ہمارے یہاں آ جائیں
اور اس سرزمین کو اپنے قدوم سے شرف بخشیں۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ
جو قبیلہ دوس کے رئیس تھے اور ایک بڑا قلعہ بھی رکھتے تھے وہ بھی چاہتے تھے
کہ مسلمان یہاں آ جائیں۔ قبیلہ ہمدان بھی چاہتا تھا کہ ہماری خدمات قبول
کر لی جائیں۔ باوجود اس کے سرکار دو عالمؐ کئی دن خاموش رہے مسلمان جانتے
تھے کہ یہ خاموشی خدا کے حکم کے انتظار میں کی گئی ہے، لہٰذا وہ بھی خاموش ہو گئے
چند روز کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ مجھے خواب میں دارالہجرت
دکھایا گیا ہے اور وہ پر فضا مقام مدینہ کی بستی ہے، لہٰذا جو لوگ اللہ کے لئے
وطن چھوڑنا چاہتے ہیں وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔
مدینہ کو مسلمانوں کا دارالہجرت بننے کی سب سے پہلی اور بڑی خواہش
یثرب یعنی مدینہ کے مسلمانوں کی تھی۔ انھوں نے عقبہ ثانیہ میں آنحضرتؐ

ٹ تاریخ مصطفیٰؐ

سے وعدہ بھی کرالیا تھا، آخر ان کی یہ دلی آرزو بر آئی اور مکہ سے مسلمان مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

تاریخ و احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ سے ہجرت کا سلسلہ انفرادی طور پر شروع ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار مکہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص مکہ سے باہر جائے اور اسلام کے لئے دارالامن پیدا ہو کر خطرہ کا سبب بنے مگر اللہ تعالی نے ایمان والوں کی مدد فرمائی اور وہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، یہ ہجرت جان بچانے یا تکلیفوں سے بچنے کے لئے نہیں کی گئی تھی، بلکہ مسلمانوں کا مطمح ایمانی صرف ایک تھا کہ کفار کی زد سے باہر ہو کر آزاد فضا میں آزادی کے ساتھ اللہ اور رسول کا نام لے سکیں، تلاوت و عبادت کے فرائض کو انجام دے سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے نہ تو جائدادوں کی طرف دیکھا اور نہ مال و تجارت پر نظر ڈالی، ان کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی اور پیاری چیز ان کا ایمان تھا جسے وہ بچا کر مدینہ لے آئے۔ اجتماعی ہجرت میں چونکہ تصادم کا اندیشہ تھا بلکہ یقین تھا اور آنحضرت تصادم کو مناسب نہیں سمجھتے تھے ورنہ مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو چکی تھی وہ آسانی سے اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے تھے مگر اس کا ابھی وقت نہیں آیا تھا، مکہ سے جن حضرات نے تنہا یا بیوی بچوں کے ساتھ ہجرت کی ان کی تعداد دو سو کے قریب پائی جاتی ہے یہ سب حضرات دو دو چار چار کر کے آگے پیچھے روانہ ہوئے۔ صحابہ کرامؓ کس ترتیب کے ساتھ یا کون کس سے پہلے اور کس کے بعد عازم مدینہ ہوا اس کے متعلق کوئی یقینی روایت موجود نہیں ہے اگرچہ ابن ہشام نے ساٹھ بزرگوں

نام ترتیب وار بیان کئے ہیں مگر اس میں بہت سے نامور صحابہ جنھوں نے اسی
نہ میں ہجرت کی تھی ان کے نام نہیں ملتے ہیں اس لئے یہ بھی مشکوک معلوم ہوتی
ہے۔ بہر حال ہجرت کرنے والے حضرات میں مندرجہ ذیل نام اولین میں نظر
آتے ہیں۔

ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ۔ عامر بن ربیعہؓ۔ لیلیٰ بنت ابی حثمہ زوجہ
عامر بن ربیعہؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ، پانچواں نام عمار بن یاسرؓ
اور چھٹا نام حضرت بلال بن رباحؓ کا ملتا ہے۔

ان حضرات کے بعد کتب تاریخ میں ناموں کی طویل فہرستیں پائی جاتی ہیں جن میں
حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ تقریباً سبھی نامور حضرات کے نام آجاتے
ہیں۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بھی ہجرت کی اجازت چاہی تھی
مگر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، ٹھیرو میں بھی اجازت کا انتظار کر رہا ہوں امید ہے
کہ جلدی مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ حضرت ابو بکرؓ ٹھہر گئے اور آنحضرتؐ
کے چلنے کا انتظار کرنے لگے۔ ہجرت کرنے والوں کی بڑی کوشش یہ تھی کہ قریش
کو کسی کے چلنے کا علم نہ ہونے پائے، اکثر رات کے وقت ہجرت کرتے یا دن کو
نکلتے مگر اس طرح کہ کسی کو یہ محسوس نہ ہو کہ یہ جا رہا ہے۔ حضرت صہیبؓ چلے
تو قریش کو شبہ ہو گیا، دور تک پیچھا کیا، جب نہیں لوٹے تو سواری سے اتر پڑے
اور تیر نکال کر کہنے لگے۔ تم مجھے جانتے ہو کہ میں تم سب میں مشہور تیر انداز
ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کو اپنے تیروں کا نشانہ بناؤں۔ بہتر یہی ہے کہ
واپس چلے جاؤ ورنہ تیروں کے بعد تلوار کا نمبر آئے گا۔ میرے جسم کو ہاتھ لگانے

لگانے بھی بہت سے لوگوں کو زمین کا پیوند بننا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ جان لے کر واپس چلے جاؤ اور اگر مال کے خواہاں ہو تو فلاں فلاں جگہ میرا مال ہے سب تم لے لو۔ کافر راضی ہو گئے اور صہیبؓ ایمان کی چاہت میں سب کچھ لٹا کر مدینہ آ گئے۔ ایک دفعہ صہیبؓ نے آنحضرت ؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا "تمہاری تجارت بہت نفع کی ہے"۔

آنحضرت کے چچا حضرت عباسؓ نے اس زمانہ میں بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ وہ دن رات قریش کی باتوں اور ان کی تدبیروں اور مشوروں پر کڑی توجہ رکھتے۔ جو کچھ معلوم ہوتا جاتا اس سے آنحضرت ؐ اور ہجرت کرنے والوں کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ان کی اس کوشش سے مسلمانوں کو ہجرت کرنے اور قریش کی نظروں سے بچنے میں بڑی مدد ملتی رہی۔ حضرت عباسؓ صلح حدیبیہ کے قریب تک مکہ میں رہے اور اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں سے برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرماتے رہے۔

وہ لوگ جو ناداری یا بیماری اور ضعف کے سبب ہجرت کرنے سے قاصر تھے۔ حضرت عباسؓ کی سرپرستی ان کو حاصل تھی وہ نرغہ کفار میں قدرے اطمینان سے زندگی گزارتے رہے۔ کچھ ایسے بھی مسلمان تھے جن کی طرف سے کفار کو زیادہ خطرہ تھا یا وہ مشرکین سے قریبی رشتہ اور تعلق رکھتے تھے ان کو دشمنوں نے قید کر رکھا تھا۔ مثلاً ہشام بن عاصؓ جو اپنے بھائی عمرو بن عاصؓ سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، جب کفار کو ان کی طرف سے شبہ ہوا تو قید کر دیا۔ ایک دن غزوہ خندق کے زمانہ میں موقعہ ملا تو وہ بھاگ کر مدینہ آ گئے۔ (ابن سعد)

بخاری، ابن ہشام، مدارج)

(مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ کے وقت تک منقطع نہیں ہوا) بعض مسلمان ایسے بھی تھے کہ آنا چاہتے تھے مگر خاندان کے وہ غریب افراد جو ان کی مداد واعانت پر پل رہے تھے وہ ان کو روکے ہوئے تھے چنانچہ نعیم بن عبداللہؓ نے ارادہ کیا تو خاندان کے یتیم اور بیوائیں لپٹ گئیں۔ نعیم کا دل بھر آیا اور ارادہ ملتوی کر دیا اور جب حالات سازگار ہوئے تو ۶ھ میں پورے خاندان کے ساتھ مدینہ آگئے۔

حضرت مقداد بن عمروؓ اور عتبہ بن غزوانؓ ۲ھ میں کفار مکہ کے ساتھ نکلے تاکہ مسلمانوں سے مقابلہ میں شریک ہوں جب مجاہدین اسلام کے قریب پہونچے تو بھاگ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ مرثد بن ابی مرثدؓ موقع کی تاک میں تھے آخر ہجرت کے دوسرے برس ابن اثاثہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آگئے۔

حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابوسلمہ عبداللہ مخزومی شروع زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مکہ سے حبشہ ہجرت کی اور پھر مکہ آئے اور اس کے بعد مدینہ ہجرت کرنا چاہی تو سخت مصیبت برداشت کرنا پڑی۔ کفار نے پیچھا کیا روک لی گئیں۔ ابوسلمہؓ بھاگ کر مدینہ پہونچ گئے۔ بچہ سلمہ ابوسلمہؓ کے رشتہ دار لے گئے۔ ام سلمہؓ ماں کے گھر آگئیں، تینوں جدا ہو گئے۔ روتے روتے بری حالت ہو گئی، ایک سال کے قریب ہو گیا۔ شوہر اور بچے کے فراق نے لب دم کر دیا۔ آخر گھر کے لوگوں کو رحم آیا۔ اجازت دے دی، کوئی

ساتھ جانے والا نہیں تھا۔ تنہا چل کھڑی ہوئیں تنعیم میں عثمان بن طلحہؓ مل گئے انھوں نے مدینہ پہونچا دیا۔ شوہر سے قباء میں ملاقات ہوئی چلتے وقت بچہ کو بھی لوگوں نے دیدیا تھا۔ ابو سلمہؓ بیوی اور بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ام سلمہؓ تمام زندگی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے حسن سلوک کو یاد کرتی رہیں اہل انساب کی روایت ہے کہ ابو سلمہؓ آنحضرتؐ کی پھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے فرزند تھے اور ام سلمہؓ دوسری پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔

غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے زیادہ تر صحابہ مکہ سے مدینہ جا چکے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے ۲ دو دوستوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا سلمہ بن ہشامؓ اور عیاش بن ربیعہؓ سے کہا کہ تم دونوں سرف میں آجانا۔ پھر وہیں سے روانہ ہونگے حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ سرف پہونچ گئے۔ سلمہؓ نکلے تو کافروں نے پکڑ کر قید کر دیا، یہ دونوں حضرات دیر تک سرف میں انتظار کرتے رہے آخر مجبور ہو کر مدینہ چلے گئے۔ عیاش ابو جہل کے چچازاد بھائی تھے اور سلمہؓ حقیقی بھائی تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ مکہ ہی میں تھے کہ ابو جہل مدینہ گیا اور عیاش کو ماں کی طرف سے محبت بھرا پیغام سنا کر اپنے ساتھ لے آیا۔ عیاش مکہ آئے تو ان کو باندھ کر ڈالدیا گیا، ابن سعد وغیرہ مورخین بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کے مصائب کا آنحضرتؐ کو بہت غم تھا یہاں تک کہ آپ جب ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آگئے تو ایک دن صحابہؓ سے فرمایا۔ کوئی ہے جو سلمہؓ اور عیاشؓ کو چھڑا کر لائے۔ خالد بن ولید

کے بھائی ولید بن ولیدؓ نے اس خدمت کو قبول کیا، مکہ گئے اور بڑے رازدارانہ طریقہ پر سلمہؓ اور عیاشؓ سے ملاقات کی۔ بڑی محنت سے لوہے کی زنجیر کاٹی، باہر نکالا اور سواری پر بٹھا کر مدینہ کی طرف چل دیئے۔ لوگوں نے خالد بن ولید کو اکسایا وہ تلاش میں نکلے مگر کوئی ہاتھ نہیں آیا۔ تینوں بارگاہ رسالتؐ میں پہنچے تو آنحضرتؐ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

رسول اکرمؐ کا عزم ہجرت

قبل اسلام کی تاریخ کا یہ باب سب سے زیادہ روشن ہے کہ انبیائے کرام کو احکام الٰہی کی تبلیغ کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اہل وطن کی طرف سے تکلیف اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس نے تبلیغ کے سلسلہ میں سخت سے سخت مصائب نہ برداشت کئے ہوں۔ ہمیشہ ان کی دعوت کا جواب اینٹ اور پتھر سے دیا گیا اور ان کو شہر بدر کرکے مشکلات میں ڈالا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے اس سے کہیں زیادہ صبر کیا، یہاں تک کہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا مگر آپ اپنے رب کی اجازت کا انتظار فرماتے رہے۔ ہر جانے والے کی خواہش تھی کہ اللہ کے رسولؐ ابھی مدینہ چلیں مگر آپ حکم خدا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ ایسے زمانہ میں جب کہ ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی ظلم وستم کی کوئی کسر نہیں رکھی گئی تو پھر مسلمانوں کے جانے کے بعد جب کہ آپ کی ذات تنہا رہ گئی کیا کچھ نہیں کیا ہوگا مگر اللہ کے حبیبؐ ہر مصیبت کو برداشت کرتے رہے۔ قریش جن کے سینے اسلام کی عداوت کی آگ سے جل رہے

تھے ان کو یہ فکر گھن کی طرح کھائے جارہی تھی کہ مسلمان ایک ایک کرکے ہمارے ہاتھ سے نکل چکے ہیں اگر ان کے ملجاء وماوا سرکار دو جہاںؐ بھی چلے گئے تو پھر مسلمانوں کو دبانے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ انھوں نے ایک آخری اجتماع کا انتظام کیا تاکہ اس صورتِ حال پر غور کریں کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد محمدؐ جو چند ہمدردوں کے ساتھ مکہ میں رہ گئے ان کو کس طرح قابو میں کیا جائے۔ یہ اجتماع ایک شخص قصی بن کلاب کے مکان میں منعقد کیا گیا۔ جو لوگ اس جلسہ میں شریک ہوتے انکے نام یہ ہیں :-

"ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ابولہب، عتبہ بن ربیع
شیبہ بن ربیعہ۔ امیہ بن خلف، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود
حارث بن عامر، حلیمہ بن عدی۔ ابوالبختری بن ہشام"۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس اجتماع میں حکیم بن حزام اور جبیر بن مطعم بھی شریک تھے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی دباؤ کی بنا پر شامل اجلاس ہوگئے ہوں۔ لیکن ان کے پچھلے کارناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس ناپاک تحریک میں کسی طرح بھی حصّہ لینا پسند نہیں کرتے ہونگے۔ حکیم بن حزام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے شعب ابوطالب میں محصوری کے زمانہ میں اناج وغیرہ پہونچا کر آنحضرتؐ اور ہاشمیوں کی امداد کی تھی۔ وہ حضرت خدیجہؓ کے بھائی کے لڑکے تھے اور پھوپھی اور ان کے شوہر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا انس رکھتے تھے، دوسرے صاحب جبیر بن مطعم ہیں، یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے طائف سے واپسی کے وقت آنحضرتؐ کو اپنی حفاظت میں

لیا تھا اور ابوجہل کی شدید مخالفت کے باوجود یہ اعلان کیا تھا کہ جو ان کو نقصان پہنچائے گا گویا وہ ہم سے اعلانِ جنگ کر رہا ہے۔

غرض عمائد قریش نے جلسہ کی کارروائی شروع کی اور اس صورت حال پہ غور کرنے لگے کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو کس طرح روکا جائے کیونکہ شروع سے اب تک بے شمار تدابیر کی جا چکی تھیں جس قدر مخالفت میں شدت اختیار کی جاتی تھی اسلام کی جڑیں مسلمانوں کے قلوب میں مضبوط ہوتی جاتی تھیں۔ شرکائے اجلاس نے کئی مشورے پیش کئے۔ کسی نے کہا جس طرح ہو سکے ان کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ یہ قید ہی میں ختم ہو جائیں کسی نے کہا سب سے بہتر یہ ہے کہ مکہ سے نکال دیا جائے بے دست و پا ہو کر خود ہی عاجز آ کر مخالفت ترک کر دیں گے اور اگر مکہ سے باہر رہے تب بھی تو ہم مکہ میں اطمینان سے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور جن بتوں کی مخالفت کر کے محمد ﷺ نے ہماری زندگی کو تلخ بنا رکھا ہے ان کی پرستش سے دل شاد کریں گے۔ مگر یہ سب باتیں ہی باتیں تھیں کوئی ایسی تجویز نہیں پیش کی گئی جو سب کے لئے قابلِ قبول اور لائقِ عمل ہوتی آخر سردار کفار ابوجہل نے اٹھ کر حاضرین سے کہا۔

"اے سردارانِ قریش! اب تک جو تدابیر پیش کی گئیں ہیں سب ناقابلِ عمل اور کمزور ہیں۔ اس وقت جو تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہیں ہو سکتی۔ ابوجہل نے کہا کہ میری رائے ہے کہ قریش مکہ کے تمام قبائل سے ایک ایک بہادر جوان چن لیا جائے اور وہ سب رات کو مسلح ہو کر محمد ﷺ کے گھر کو گھیر لیں۔ صبح کو

جب وہ اپنے گھر سے نکلیں تو اچانک سب لوگ حملہ کر کے ختم کر دیں، کیوں کہ اس طرح مارنے میں ہر قبیلہ کا ایک آدمی شریک ہوگا اگر بنی ہاشم نے بدلہ لینے کے لئے مقابلہ بھی کیا تو اس خیال سے کہ تمام قبائل سے مقابلہ کرنا ہوگا ہمت ہار جائیں گے اور آخر کچھ لے دے کر صلح ہو جائے گی، ابوجہل نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ سب سے زیادہ کامیاب ہوگا اور بڑی آسانی سے نجات مل سکے گی"

شرکائے اجلاس نے ابوجہل کی تجویز کو پسند کیا، تمام قبائل کی شرکت کے خیال سے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں اور معاندین قریش اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہو گئے، ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان چن لیا گیا اور پھر سب کو تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

قریش اپنی تدبیروں کو آخری شکل دینے کی کوشش میں مصروف تھے مگر قدرت ان کے اوچھے ہتھکنڈے اور حماقت بھرے فیصلوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی، ان کو نہیں معلوم تھا کہ وہ جس ہستی کے خاتمہ پر کمربستہ ہو چکے ہیں وہ عنقریب عرب و عجم میں خدائی قوتوں کے سہارے اسلام کے نظام کو جاری اور قائم کرے گی قریش کا خیال تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں ایک راز سربستہ ہے اور جس کا کسی کو علم نہیں مگر ان کی حرکتوں کو نگاہ قدرت خوب دیکھ رہی تھی۔ حضرت جبریلؑ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کفار آپ کے قتل کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہجرت کی اجازت دیتا ہے۔ آپ آج ہی رات کے پچھلے حصہ میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم خداوندی ملتے ہی حضرت

ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان کو مطلع فرمایا کہ اجازت ہجرت آگئی ہے آج رات کے پچھلے حصہ میں عازم مدینہ ہونگے اور تم میرے ہمراہ چلو گے۔ حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ فرط مسرت سے چمکنے لگا اور اس خیال سے کہ ذات رسالتؐ کے ساتھ ہجرت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ آنکھیں اشک بار ہو گئیں آنحضرتؐ تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر واپس کاشانہ نبوت میں تشریف لے آئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر والے سفر کا سامان درست کرنے اور ناشتہ وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے اور آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حالات سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا۔ میں جا رہا ہوں مگر اب تم امین ہو اور وہ تمام امانتیں جو اہل مکہ نے میرے پاس رکھ چھوڑی ہیں ان کو اپنی تحویل میں لے لو، میں رات میں کسی وقت جاؤں گا، تم صبح کو امانتیں ان کے مالکوں کے حوالہ کر کے مدینہ آجانا۔ یہ بڑا اہم کام تھا اور بہت بڑی ذمہ داری تھی کہ امانتیں انکے مالکوں کے پاس صحیح سلامت پہونچ جائیں۔ چونکہ قریش باوجود دشمن جان ہونے کے آپ پر اتنا اعتماد رکھتے تھے کہ تمام مکہ کو چھوڑ کر اپنی تمام قیمتی اشیاء آنحضرتؐ کے پاس امانت رکھتے تھے انہیں اسلام سے عناد تھا مگر آنحضرتؐ کے متعلق ان کا یہ خیال اٹل تھا کہ محمدؐ امت مکہ میں سب سے زیادہ امانت دار اور قول و قرار کے سچے ہیں، دوسری اہم خدمت جو حضرت علیؓ کے سپرد کی گئی وہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ آج رات کو تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر لیٹ جانا تاکہ دشمنوں کو کوئی شک و شبہ نہ ہو اور تم ہر طرح مطمئن رہو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔

عشاء کے بعد قبائل قریش کے نوجوان نے آنحضرتؐ کے گھر کو ہر طرف سے

گھیر لیا۔ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کی سبز چادر اوڑھے بستر پر لیٹے تھے۔ آنحضرتؐ دروازہ پر کھڑے ہوئے کافروں کی باتیں اور ان کے قہقہے سُن رہے تھے اور صحن مکان میں چہل قدمی فرما رہے تھے، دشمنوں کی نیت تھی کہ صبح کو محمدؐ جب گھر سے نکلیں گے تو سب ایک ساتھ ٹوٹ پڑیں گے۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ حضرت جبریلؑ خدمت رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور کہا۔ یارسول اللہؐ! تشریف لے جایئے اور سورۂ یٰسین کی اس آیت کو پڑھ کر تھوڑی سی مٹی کافروں کی طرف پھینک دیجئے۔

وَجَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ ہ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

اور ہم نے ان کفار کی گردنوں میں آہنی طوق ڈالا ہے جس کی وجہ سے وہ گردن نہیں اُٹھا سکتے ہیں اور ہم نے ان کے سامنے اور پیچھے دیوار حائل کر دی ہے کہ وہ کچھ نہیں دیکھ پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی سلب کر لی۔ وہ ایک غنودگی کے عالم میں ڈوب گئے، آنحضرتؐ ایک مٹھی خاک ان کی طرف پھینکتے ہوئے چلے گئے۔ حضرت امام غزالی لکھتے ہیں کہ ہجرت کی رات اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ اور حضرت میکائیل سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اپنی عمر کو کم کرنا پسند کرتا ہے مگر کوئی راضی نہیں ہوا، فرمایا تو پھر علی ابن ابی طالبؓ تم سے بازی لے گئے۔ دیکھو انھوں نے اپنے بھائی محمدؐ پر کس طرح اپنی جان قربان کر دی، اچھا جاؤ اور علیؓ کی حفاظت کرو۔ دونوں فرشتے آئے اور کھڑے ہو کر حفاظت کرتے رہے۔

دشمن اپنے خیال میں محو گھر کو گھیرے کھڑے تھے۔ رات ختم ہو گئی اور صبح کی سپیدی

نے جلیبیہ ہی رہنمائی کی کہ ان کو ہوش آگیا، اسی اثنا میں کسی نے کہا، کیا کر رہے ہو؟ محمدؐ تو چلے گئے، ذرا اپنے چہروں پر ہاتھ تو پھراؤ۔ سب نے ہاتھ پھیرے تو چہرے گرد آلود ہو رہے تھے۔

ابوجہل کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرتؐ چلے گئے ہیں، دشمن گھر میں داخل ہوئے حضرت علیؓ کو دیکھا تو گھبرائے اور کہنے لگے۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا۔ میں محمدؐ کا نگہبان نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا ان کو پہنچا دیا مگر میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم بلا اجازت گھر میں کیسے آئے؟ کیا تم بنی ہاشم کی تلوار سے واقف نہیں ہو؟ بہتر یہ ہے کہ فوراً گھر سے نکل جاؤ ورنہ یہ تلوار تمہارے خاتمہ کے لئے کافی ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے جواب میں کہا کہ تم ان سے کہا کرتے تھے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ لہٰذا وہ کہیں چلے گئے، قریش اس جواب سے طیش میں بھر گئے اور جناب علیؑ کو پکڑ کر حرم میں لے گئے، مارا پیٹا اور تھوڑی دیر کے بعد چھوڑ دیا۔ (طبری، ابن ہشام، ابن سعد، بخاری)

ابن سعد کا بیان ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرتؐ کے قتل کا جو فیصلہ کیا تھا اس سے آپ کو سب سے پہلے عبدالمطلب کی بھتیجی رقیقہ بنت صیفیؓ نے مطلع کیا تھا۔

غار ثور میں قیام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت پہرہ کے باوجود گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچ گئے وہ پہلے سے انتظار کر رہے تھے، سامان سفر درست ہو چکا تھا، دو اونٹ دروازہ پہ بندھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ تھوڑی دیر ٹھیرے، پھر رفیق صدیقؓ کو لئے ہوئے مکان کی پشت کے دروازہ سے

روانہ ہوتے، چند قدم چل کر کعبہ کی طرف رُخ کیا اور ارشاد فرمایا۔

"اے پیارے وطن مکہ! تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے، اگر تیرے فرزند مجھے پریشان اور مجبور نہ کرتے تو میں کبھی ہرگز تجھ سے جدا نہیں ہوتا۔"

رات کے آخری لمحات میں دونوں حضرات بڑھے چلے جا رہے تھے، راستہ میں کئی مرتبہ پتھریلی زمین سے پیروں کو صدمہ اٹھانا پڑا۔ حضرت صدیقؓ آپ کی تکلیف سے بے چین ہو گئے اور بعد منت و خوشامد آنحضرتؐ کو اپنے شانہ اور پشت پر اٹھا لیا اور قدم اٹھائے ہوئے غار ثور کے دروازہ پر پہونچ گئے غار ثور مکہ سے تقریباً ۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ نہایت تاریک اور بھیانک ہو رہا تھا۔ آج سے قبل کسی انسان نے اس میں قیام نہیں کیا تھا۔ چونکہ روشنی پھیلتی جا رہی تھی اس لئے جناب صدیقؓ نے جلدی سے غار کو صاف کیا۔ سوراخ چادر پھاڑ کر بند کئے اور پھر آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ تشریف لائیں حضور والا اندر داخل ہوتے اور زانوئے صدیقؓ پر سر رکھ کر آرام فرمانے لگے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کی حفاظت فرما رہا تھا۔ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے نے گھونسلا بنایا اور انڈے بھی دیدیتے یہ سب کچھ حافظ حقیقی کی طرف سے اس لئے ہو رہا تھا کہ کسی دشمن کو یہ شبہ نہ ہو کہ سرکار ابد قرار اندر موجود ہیں۔

صبح کی روشنی پھیل چکی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ ایک سوراخ بند کرنے سے رہ گیا ہے۔ اٹھنے سے آرام میں خلل آتا تھا لہذا پیر بڑھا کر انگوٹھا سوراخ

پر رکھ دیا۔ اندر سانپ بیٹھا تھا، اس نے نکلنے کی کوشش کی اور جب کامیاب نہیں ہو سکا تو کاٹ لیا مگر حضرت صدیق رضؓ نے جنبش نہیں کی یہاں تک کہ زہر کے اثر سے آنکھیں پانی بہانے لگیں۔ ایک قطرہ چہرۂ رسالتؐ پر بھی گرا۔ آنکھ کھول دی اور سبب دریافت کیا، فرمایا پیر ہٹا لو اور قریب لاؤ، حضرت صدیقؓ نے پیر ہٹا لیا۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا تکلیف فوراً دور ہو گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن غار ثور میں قیام فرما رہے اور جب دشمنانِ دین کی طرف سے اطمینان ہو گیا کہ اب وہ تھک کر بیٹھ چکے ہونگے تو آپ نے روانگی کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے پہلے سے سب انتظام کر لیا تھا۔ سواری کے لئے دو اونٹ پرورش ہو رہے تھے۔ عبداللہ بن اریقط کو جو آپ کا بہت ہی معتبر آدمی تھا اس بات پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ اونٹوں کی نگرانی اور خدمت کرے اور جس وقت اسے اطلاع ملے دونوں کو لے کر غار کے دروازہ پر آجائے۔ اس کے علاوہ اپنے ایک چرواہے کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ رات کے وقت بکریوں کو غار کے دروازہ پر لائے۔ تاکہ ان کا دودھ وغیرہ استعمال کیا جا سکے۔ حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے جناب عبداللہ کا کام یہ تھا کہ وہ قریش کی باتوں اور ان کے چرچوں سے آنحضرتؐ کو مطلع کریں۔

چنانچہ یہ سب لوگ اپنے کاموں پر لگے رہے اور ان کو بڑی محنت اور محبت سے انجام دیتے رہے۔ تین دن گزرنے کے بعد عبداللہ بن اریقط دونوں اونٹ لے کر غار کے پاس آگیا۔ یہ شخص اگرچہ بت پرست تھا مگر وعدہ کا سچا اور صدیق کا پکا وفادار تھا۔ عامر بن فہیرہ جو آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت ابو بکرؓ

کی بکریاں چراتے تھے گھر سے راستہ کے لئے ناشتہ وغیرہ لے کر آگئے۔ سرکار دوعالم غار ثور سے نکلے اور ایک اونٹ پر بیٹھے پیچھے حضرت ابوبکرؓ کو بٹھالیا، دوسری سواری پر عبداللہ اور عامر سوار ہوئے عبداللہ بن اریقط جو راستہ کا اچھا جاننے والا تھا اپنے اونٹ کو آگے بڑھا کر پیچ دار راستہ سے ہوتا ہوا آگے آگے چلنے لگا۔

آفتاب نبوتؐ کی پشت سے صدیق اکبرؓ بیٹھے ہوئے تھے اور عبداللہ وعامر راستہ بتانے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔

قریش کی ناکام جستجو

اب رؤسائے قریش کی بدحواسی اور جستجو کا حال سنیئے۔ حرم میں جناب علیؓ کو پکڑ کر لے جانے والے ابوجہل نے علیؓ کو تو چھوڑ دیا مگر چاروں طرف آدمی دوڑا دیئے اور خود حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر گیا، آواز دی۔ حضرت اسماءؓ باہر آئیں تو ابوجہل نے پوچھا۔ تمہارے باپ کہاں گئے ہیں؟ اسماءؓ نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ کیوں کہ وہ کچھ کہہ کر اور بتا کر نہیں گئے ہیں۔ ابوجہل کو طیش آگیا اور اس نے بڑے زور سے اسماءؓ کے منہ پر طمانچہ مارا اور گالیاں دیتا ہوا ایک جماعت کو لئے ہوئے تلاش میں سرگرداں وحیران نظر آنے لگا۔ ابوجہل کی ندامت سے آنکھیں زمین میں گڑی جارہی تھیں، اتنے انتظامات اور پھر اتنی بڑی ناکامیابی اسے بار بار شرمندگی ہو رہی تھی کہ ساری اسکیمیں خاک میں مل گئیں، کوئی تدبیر اور کوشش کامیاب نہ ہوسکی اور آخر وہی ہوا جس کے خوف سے نیندیں حرام ہو رہی تھیں۔

ابوجہل اور اس کے ساتھی جب ہر طرف تلاش کر کے تھک گئے تو ابوجہل نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص محمدؐ کو گرفتار کر کے لائے گا یا ان کو قتل کرے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، کئی لالچی اس اعلان کے بعد تلاش اور جستجو میں لگ گئے۔ اس کے علاوہ ابوجہل اور اس کے تمام ساتھی تلاش کرتے ہوئے غار ثور پر بھی پہونچے، ہر طرف نظر دوڑاتے اور پھرتے پھراتے عین غار کے منہ پر آکھڑے ہوگئے۔ ایک شخص نے آس پاس کی زمین غور سے دیکھی اور کہا کہ، قدموں کے نشان اس غار تک پائے جاتے ہیں، لہٰذا بہتر ہوگا کہ ذرا نیچے اتر کر اس غار کو بھی دیکھ لیں شاید اس میں چھپ گئے ہوں مگر مشہور دشمن اسلام امیہ بن خلف نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص غار میں داخل ہوا اور مکڑی کا جالا اور کبوتر کا گھونسلا باقی رہ جائے اعدائے دین غار کے دروازہ پر یہ گفتگو کر رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ ان کی باتوں کو سن رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! دشمنوں کے قدم نظر آ رہے ہیں اگر وہ جھک کر دیکھیں تو ہم کو دیکھ سکتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اے ابوبکرؓ ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ ہم کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ فرشتوں نے اپنے پروں سے ہم کو چھپایا ہوا ہے۔ دشمن کچھ دیر غار کے ارد گرد گھومے اور پھر بے نیل و مرام اپنی نادانیوں اور بے وقوفیوں کا ایک دوسرے سے شکوہ کرتے ہوئے واپس آگئے۔ (بخاری، فتح الباری، طبری، مدارج، ابن ہشام)

سُراقہ کی پشیمانی

ابو جہل کے اعلان نے کئی شخصوں کو سّو اونٹوں کے لالچ میں مبتلا کر دیا مگر سوائے سراقہ کے کوئی بھی سُراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ سُراقہ قبیلہ بنو مدلج کا مشہور شہسوار تھا اسے بھی لالچ ہوا اور گھر سے گھوڑا لے کر آنحضرتؐ کی تلاش میں چل دیا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا اور بہت جلدی اس منزل میں پہونچ گیا جہاں سے سرکارؐ گذر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دور سے ہی دیکھ لیا اور فوراً خدمتِ اقدسؐ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! ایک سوار ہماری طرف آرہا ہے؟ آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "گھبراؤ نہیں اللہ ہمارا محافظ ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے"۔

سُراقہ آن واحد میں قریب آگیا مگر خدا کی قدرت کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر آگیا۔ جلدی سے اٹھا اور پھر گھوڑا بڑھایا۔ آنحضرتؐ نے سواری روک دی، گھوم کر سراقہ پر ایک نظر ڈالی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا "اے اللہ! ہم کو اس دشمن کے شر سے محفوظ رکھنا" یہ الفاظ زبانِ رسالتؐ سے نکلے ہی تھے کہ سُراقہ کا گھوڑا شکم تک زمین میں دھنس گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر زمین نے گھوڑے کو نہیں چھوڑا۔ آخر چلا کر کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کی دعا کا اثر ہے۔ میں آپ کو اللہ کا نام لے کر یقین دلاتا ہوں کہ اگر مجھے اس مصیبت سے نجات مل گئی تو آپ کی طرف سے ہر برے خیال کو دل سے نکال دوں گا۔ اور ہر اس آدمی کو جو آپ کی گرفتاری کے لئے حیران اور سرگردان ملے گا واپس کر دوں گا۔

آنحضرتؐ کو اس کی درخواست پر رحم آگیا۔ آپ نے دعا فرمائی اور زمین نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اب سراقہ کو یقین ہو چکا تھا کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں مگر ابھی اس کے ایمان لانے کا وقت نہیں آیا تھا۔ اس سعادت کے لئے قدرت نے کوئی دوسرا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ سراقہ نے بلند آواز سے کہا۔ میرا نام سراقہ بن مالک ہے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے کوئی نشانی عطا فرمایئے جو میں بطور امان نامہ کے محفوظ رکھوں اور اس وقت وہ میرے کام آئے جب کہ آپ کو غلبہ حاصل ہوگا۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا۔ اس کو کچھ لکھ کر دیدو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ہڈی یا پتھر وغیرہ کے ٹکڑے پر "امان" لکھ کر دیدیا۔ اس کے بعد سراقہ نے قریش کی بدحواسی اور جستجو کا حال آنحضرتؐ سے بیان کیا اور کچھ تحفہ بھی دینا چاہا مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم میرے معاملہ میں خاموش رہنا۔ ایک روایت میں ہے کہ سراقہ نے اپنا ایک تیر دیتے ہوئے کہا، آپ اس کو لیتے جائیں راستہ میں فلاں جگہ میرے غلام اونٹ چرا رہے ہونگے۔ آپ یہ تیر دکھا کر جسقدر جانور اور غلام لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔ آپ نے یہ پیشکش بھی قبول نہیں فرمائی۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ جب حنین و طائف سے فارغ ہو کر مدینہ آرہے تھے تو جعرانہ میں سراقہ نے آپ سے ملاقات کی۔ نشانی دکھائی اور اپنا نام بتایا، پھر مسلمان ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا سراقہ تم اپنے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ تاریخ سے معلوم ہوتا

ہے کہ عہد فاروقی میں کسریٰ کا خزانہ آیا تو سراقہ کو کنگن دیئے گئے جو انھوں نے ہاتھوں میں ڈال لئے۔

ابوجہل کو کسی ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ سراقہؓ کو آنحضرتؐ راستہ میں مل گئے اور یہ پھر بھی ان کو گرفتار کر کے نہیں لایا۔ اس نے سراقہ سے شکایت کی تو سراقہ نے جواب میں کہا:۔

"اے ابوالحکم! میں لات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میرے گھوڑے کا حال دیکھتے کہ زمین نے اس کو کس طرح پکڑ لیا تھا تو تم کو صرف تعجب ہی نہیں ہوتا بلکہ اس بات کا بھی یقین ہو جاتا کہ محمد خدا کے بندے اور دلیل ہدایت ہیں۔ ایسی حالت میں کون ان کی حالت کو چھپا سکتا ہے بہتر تو یہ ہے کہ ان سے دشمنی کو ترک کر دو۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی عظمت کے آثار بہت کچھ ظاہر ہونے لگے ہیں"

غرض کسی کی عداوت اور مخالفت آنحضرتؐ کے راستہ میں حائل نہ ہو سکی مکہ والوں کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سراقہ کی قسمت ایمان کی ضیاء سے منور ہو گئی مگر ابوجہل بدر میں ذلت کی موت کا انتظار کرنے لگا۔ (بخاری و مسلم)

راستہ کے واقعات

سراقہ کے واپس آنے کے بعد ایک دن رات برابر آنحضرتؐ چلتے رہے دوپہر کے قریب حضرت ابوبکرؓ ایک بڑے سے پتھر کو دیکھ کر عرض کرنے لگے یارسول اللہؐ! یہاں سایہ ہے تھوڑی دیر آرام کیجیے۔ آنحضرتؐ لیٹ گئے۔

حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ آرام فرمانے لگے تو میں نے کوشش کی کہ تھوڑا دودھ مل جائے تاکہ حضور والا کو پیش کروں۔ قریب ہی ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا۔ میں نے دودھ حاصل کیا اور جب آنحضرتؐ اٹھے تو اس میں ٹھنڈا پانی ملا کر خدمت حضورؐ میں پیش کیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے آگے بڑھ گئے۔ گھر سے جو ناشتہ وغیرہ ساتھ آیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ بھوک اور پیاس کی خواہش معلوم ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کوشش کی مگر کچھ دستیاب نہیں ہوا۔ آگے چلے اور ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے یہاں پر ام معبد ایک عورت رہتی تھی۔ مسافروں کی خبر گیری میں مشہور تھی۔ آنحضرتؐ اس کے خیمہ پر گئے اور کچھ کھانے کو طلب فرمایا مگر اتفاق کی بات کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ سب بکریاں جنگل میں تھیں ایک دبلی پتلی بکری گھر میں بندھی تھی آپ نے فرمایا اس بکری کا دودھ نکال دو۔ ام معبد نے کہا۔ یہ بیمار ہے دودھ نہیں دیتی ہے۔ فرمایا اچھا ہم کو اجازت دو کہ ہم خود دودھ دوھ لیں۔ ام معبد نے کہا میں اجازت دیتی ہوں مگر اس میں کیا ملے گا؟ آپ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ لگایا تو تھن دودھ سے بھر گئے۔ لاغر بکری تندرست نظر آنے لگی۔ آپ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ کئی بڑے چھوٹے برتن دودھ سے بھر گئے سب نے پیا۔ مسافروں کو پلایا اور چلتے وقت پھر دوہا اور جو برتن خالی ہو گئے تھے سب بھر دیئے۔ آنحضرتؐ آگے چل دیئے مگر ام معبد سخت حیران تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے شام کے قریب اس کا شوہر جنگل سے آیا۔ برتن دودھ سے بھرے ہوئے دیکھے تو پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ ام معبد نے کہا آج ایک ایسے

مہمان آئے تھے جن کی برکت و عظمت دیکھ کر میں حیران رہ گئی، پھر سب حال بیان کیا شوہر نے کہا یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی مکہ میں قریش مخالفت کر رہے ہیں، ابن سعد وغیرہ کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ام معبد اور اس کا شوہر مدینہ گئے اور ایمان کی دولت سے مسرور و معمور ہوئے۔

اسی راستہ کا یہ واقعہ بھی احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دن بھوک کی حالت میں ایک چرواہے سے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تھوڑا دودھ بکریوں سے نکال دو، اس نے کہا سب چھوٹی عمر کی ہیں ایک ہے بھی تو وہ بیمار ہے اور بچہ مرنے کے بعد دودھ دینا بند ہو گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، اس کو لاؤ اور ہم کو دوہنے کی اجازت دو، بکری آئی اور آپ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ لگایا تو تھن دودھ سے بھر گئے۔ سب نے پیا اور چرواہے کے برتن کو بھرا چھوڑ کر آگے چلنے کا قصد کیا تو چرواہے نے کہا، کیا آپ مجھے اپنا نام و نشان بتائیں گے۔ کیونکہ میں نے ایسی بابرکت ہستی اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی؟ فرمایا۔ میرا نام محمد ابن عبداللہ ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

چرواہے نے عرض کیا۔ کیا آپ وہی محمد ابن عبداللہ ہیں جن کو مکہ والے برا بھلا کہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا۔ ہاں وہ مجھے ہی برا کہتے ہیں۔ چرواہے نے اسی وقت کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ اعجاز سوائے نبی کے دوسرے سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ آپ دعا دے کر رخصت ہوئے تو اس نے ساتھ چلنے کی درخواست کی، فرمایا ابھی نہیں پھر کبھی آنا۔

اب راستہ کا ایک بڑا حصہ طے ہو چکا تھا۔ کچھ آگے بڑھے تو زبیر بن عوام

ملک شام سے واپس آتے ہوئے ملے سب کو اس ملاقات سے مسرت ہوئی، یہ آنحضرتؐ کے پھوپھیرے بھائی اور حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے شوہر تھے کاروبار تجارت سے فارغ ہو کر آرہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے اپنے سامان سے نئے اور سفید رنگ کے کپڑے نکالے اور آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو پہنائے کچھ دور کے بعد حضرت طلحہؓ بھی شام سے آتے ہوئے ملے۔ انھوں نے بھی آنحضرتؐ کو شامی تحائف اور کپڑا وغیرہ پیش کیا اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ! یثرب میں سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

(بخاری، مشکوٰۃ، ابن سعد، ابن ہشام)

قبا میں داخلہ اور قیام

قریش کے ۱۳ سالہ ظلم و ستم کے سلسلہ کو اگرچہ ہجرت نے بہت حد تک ختم کر دیا تھا اور مسلمان ان کی دسترس سے باہر ہو چکے تھے مگر آنحضرتؐ کو بیت اللہ کی جدائی کا بہت صدمہ تھا یہی وجہ تھی کہ ۱۳ سال مسلسل اہل جفا کے شدید مصائب برداشت فرماتے رہے مگر مکہ کو چھوڑنا گوارہ نہ کیا اگرچہ ہجرت بحکم خداوندی کی جا رہی تھی پھر بھی دل پر گہرا اثر تھا۔ چنانچہ راستہ میں آنحضرتؐ جب مقام جحفہ میں پہونچے تو مکہ مکرمہ کے چھوٹنے کے خیال نے بے چین کر دیا۔ آگے قدم اٹھایا ہی تھا کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے محبوب! آپ دل کو مطمئن رکھیں جس خدا نے آپ پر قرآن کو نازل فرمایا ہے وہ آپ کو پھر اصلی وطن کی طرف واپس لائے گا۔"

مطلب یہ تھا کہ ہمیشہ کے لئے مکہ آپ سے نہیں چھوٹ رہا ہے بلکہ آپ واپس

آئیں گے اور رعب و قوت کے ساتھ داخل ہو گئے اس وقت اس غم سے کہیں زیادہ خوشی ہو گی۔
آنحضرتؐ اپنے اس سفر ہجرت کی آخری منزلیں طے فرما رہے تھے کہ ایک شخص بریدہ چند جوانوں کو ساتھ لئے گرفتاری کی غرض سے، قریب آیا۔ ابوجہل کے سو اونٹ کا لالچ سر پر سوار تھا آنحضرتؐ نے گھوم کر دیکھا اور دریافت فرمایا کیا نام ہے کہنے لگا بریدہ، آپ نے فرمایا انشاءاللہ کام ٹھنڈا ہے۔ پھر پوچھا کس قبیلہ سے ہو؟ کہا۔ اسلم۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کام سلامت روی کا ہے، اس کے بعد دریافت فرمایا کہ اسلم دو ہیں تم کون سے اسلم ہو؟ عرض کیا بنو سہم آپ نے فرمایا یہ بھی فال نیک ہے۔ اب بریدہ آپ کے استفسارات اور جوابات سے اس قدر متاثر ہو چکا تھا کہ تمام خیالات اور فاسد ارادے ذہن سے نکل چکے تھے، عرض کیا، کیا آپ اپنا نام و نشان بتا سکتے ہیں؟ فرمایا۔ میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب اور خدا کا رسول ہوں۔ بریدہ اسی وقت مع ساتھیوں کے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔
اب قبا۔ قریب آچکا تھا مسلمان کئی دن سے منتظر تھے، مایوس ہو کر جا نا ہی تھے کہ ایک یہودی نے پکار کر کہا، وہ جن کا تم انتظار کر رہے تھے آرہے ہیں۔ مسلمان شوق دیدار میں بلند ٹیلوں پر چڑھ گئے اور آنحضرتؐ کو آتا دیکھ کر خوشی سے جھومنے لگے۔ بریدہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا عمامہ پھاڑ کر ایک علم تیار کر لوں تاکہ قبا۔ میں داخلہ کے وقت آپ کے آگے پرچم اسلام لہرا رہا ہو۔ آنحضرتؐ نے بریدہؓ کے خیال کو پسند

فرمایا۔ بریدہ نے جلدی سے علم تیار کرلیا اور لہراتے ہوئے بڑھنے لگے۔
مسلمان شوق دیدار سے بیتاب ہو رہے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر تھا کہ سرور
انبیاء تشریف لا رہے ہیں۔ وہ بچے اور بچیاں جن کو ابھی تک دیکھنے کا شرف
حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی جانی پہچانی ہستی کو دیکھنے کے لئے
بے چین ہیں۔ آبادی سے باہر ہی مسلمان آفتاب نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔
پروانوں کی ایک بھیڑ تھی جو ہر طرف سے ٹوٹی پڑ رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم تھوڑی دور چاہنے والوں کے ساتھ چلے پھر آبادی میں پہونچ کر ایک
کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بعض لوگوں کو یہ معلوم کرنے میں تامل ہوا
کہ ان میں حضرات میں آنحضرت کون سے ہیں چنانچہ کچھ لوگوں نے اسی خیال میں
حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت سمجھ کر ادب و احترام کا مظاہرہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ
جلدی سے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے
دھوپ سے محفوظ رکھنے کے لئے آنحضرت پر ایک چادر تان دی اور خود اس کو
پکڑے کھڑے رہے۔ اس طرح ہر شخص نے اپنے قبلہ مقصود کو پہچان لیا۔
استقبال کرنے والوں میں وہ تمام حضرات موجود تھے جو مکہ کی وادیوں میں دولت
ایمان سے سرفراز ہوئے تھے آنحضرت نے قبا میں تقریباً پندرہ دن قیام
فرمایا۔ قبا میں آپ کی قیام گاہ بننے کا شرف کلثوم بن ہدمؓ کے مکان کو حاصل
ہوا کبھی ملاقاتیوں کی آسانی کے خیال سے سعد بن خیثمہؓ کے مکان پر بھی تشریف
لے آتے تھے۔ مکہ سے جو مہاجرین آتے تھے وہ بھی قبا ہی میں مقیم ہوتے اسی
زمانہ قیام میں آپ نے قبا میں ایک مسجد بھی تعمیر فرمائی۔ مسجد کے لئے زمین

کلثوم بن ھدم رضؓ نے دی تھی۔ یہاں ان کی کھجوروں کا گودام تھا جسے گرا کر مسجد بنائی گئی۔ اس کی تعمیر میں مسلمانوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حصہ لے رہے تھے۔ بھاری پتھر اٹھاتے وقت کمر جھک جاتی تھی۔ غلام عرض کرتے آپ چھوڑ دیجئے مگر آپ برابر ساتھ لگے رہے۔ قرآنِ کریم میں جو لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى فرمایا ہے وہ یہی مسجد ہے۔ دورانِ قیام میں آپ نے مسجد کی تعمیر کے علاوہ مسلمانوں کے بعض گروہوں میں جو اختلافات تھے ان کو دور فرمایا۔ اوس وخزرج اور انہی کی شاخوں کے درمیان جو شدید اختلافات چلے آ رہے تھے ان کو آپ نے اس طرح دور کرا دیا کہ سب ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے اور ایسے شیر وشکر ہوئے کہ برسوں کی رقابتیں گھنٹوں اور منٹوں میں دلوں سے دور ہو گئیں۔

آنحضرتؐ کو حضرت علیؓ کی بہت فکر تھی۔ آپ ان کے آنے کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے، خود حضرت علی رضؓ کوشاں تھے کہ جلد سے جلد خدمتِ رسولؐ میں پہونچ جائیں۔ چنانچہ وہ تمام امانتیں جو ان کے سپرد کی گئیں تھیں انکے مالکوں کو پہنچا کر قبا میں آنحضرتؐ کے پاس آگئے۔ رسالت مآبؐ کو آپ کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی۔ حضرت علیؓ بھی معماروں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت علیؓ پیدل چل کر آئے تھے۔ پیروں کے زخم اور جسم کے نڈھال ہونے کو دیکھ کر آنحضرتؐ کو بہت رنج ہوا، سینے سے لگا لیا اور دعائے خیر فرمائی۔

آنحضرتؐ اور جاں نثار مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو کر مدینہ روانگی کی تیاری کر رہی

رہے تھے کہ حضرت ابو بکر رضؓ کی صاحبزادی اسماءؓ بھی قبا میں آ گئیں، حضرت زبیر بن عوامؓ نے مکہ پہنچتے ہی ان کو روانہ کر دیا تھا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ وہ جس دن قبا میں آئیں اس کے دوسرے یا تیسرے ہی دن عبد اللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں بغرض تبریک پیش کیا تو آپ نے کھجور چبا کر بچہ کے منہ میں دیدی اور عبد اللہ نام رکھا۔ مہاجرین میں عبد اللہ رضؓ پہلے بچہ ہیں جو قبا میں پیدا ہوئے اور چند روز کے بعد مدینہ لائے گئے۔

حضرت فاطمہ رضؓ مکہ ہی میں تھیں، ہو سکتا تھا کہ حضرت اسماءؓ ساتھ لے آتیں مگر ان کو غالباً اس کا موقعہ نہیں ملا۔ بہرحال آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ جناب فاطمہ جلد سے جلد مدینہ آ جائیں اس لئے آپؐ نے قبا سے چلتے وقت اپنے متبنیٰ زید بن حارثہؓ اور آزاد کردہ غلام ابو رافع رضؓ کو دو اونٹ اور کچھ رقم دے کر مکہ روانہ فرمایا تاکہ وہ حضرت فاطمہؓ اور ام المومنین حضرت سودہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو مدینہ لے آئیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی عبد اللہ بن اریقط کو ساتھ کر دیا تاکہ ان کے اہل و عیال بھی مدینہ آ جائیں۔ حضرت فاطمہؓ آئیں تو مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی تھی آنحضرتؐ نے ان کو مسجد کے حجروں میں ٹھیرایا۔ حضرت ابو بکرؓ کے گھر والے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے ایک گھر میں ٹھیرائے گئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ مسجد قبا کی تعمیر کے لئے جگہ کا انتخاب اس طرح کیا گیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک شخص اونٹنی پر بیٹھ کر چکر لگائے۔ جہاں وہ ٹھیرے

کی اسی جگہ مسجد بنائی جائے گی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے چکر لگایا، پھر حضرت عمرؓ نے مگر اونٹنی کہیں نہیں رکی۔ پھر حضرت علیؓ سوار ہو کر گھومے تو کلثوم بن ھدمؓ کی زمین میں اونٹنی بیٹھ گئی اور پھر اسی جگہ مسجد بنائی گئی۔ غرض قبا میں ۱۴ دن یا پندرہ دن قیام کیا اور پھر مدینہ کیلئے روانہ ہوئے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قبا میں صرف چار دن قیام فرمایا مگر یہ قرین قیاس نہیں ہے

مدینہ اور پہلا جمعہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول کو اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر قبا سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ قبا کے لوگ خصوصاً عمرو بن عوف کے معززین آپ کی سواری کے سامنے کھڑے ہو کر عرض پیرا ہوئے کہ یا رسول اللہؐ! کیا ہمارے گھروں سے آپ کا دل بھر گیا؟ شاید یہاں آپ کو زیادہ آرام نہیں مل سکا؟ مدینہ کے مکان ہمارے مکانوں سے اچھے ہیں۔ ارشاد ہوا مجھے جہاں کے لئے مامور فرمایا گیا ہے اسی جگہ جانا چاہتا ہوں سب لوگ خاموش ہو گئے اور آپ کے ہمراہ مدینہ کی سمت چلنے لگے۔ راستہ میں انصار کے بعض قبائل نے روکنا چاہا مگر آپ نہیں رکے اور فرمایا۔ راستہ چھوڑ دو اور منزل ماموره پر پہنچنے دو۔ مدینہ کی ابتدائی آبادی میں پہونچے۔ یہ بنی سالم کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے آبادی کے وسط میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے آزادی کے ساتھ ادا فرمایا۔ نماز سے قبل دو خطبے پڑھے۔ خدا کی تعریف کے بعد مسلمانوں کو آخرت کا خوف دلایا۔ آپ نے تقویٰ اور طہارت کی نصیحت

فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "صدق نیت سے خدا کے احکام بجالاؤ۔ جو شخص خلوص نیت کے ساتھ اللہ کے لئے نیک عمل کرے گا اور ظاہر و باطن کو حسن عمل سے سنوارے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی طرف لطف و کرم کی نظر فرمائے گا، وہ شخص فلاح پاگیا جس کا دل نور ایمان سے منور ہوگیا اور جس نے قرآن سے اپنے دل کو زینت بخشی۔ پس خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک مت کرو تقویٰ انسان کو اللہ کی ناراضگی سے بچاتا اور اس کے مرتبہ کو بلند کرتا ہے۔"

یہ پہلا خطبہ تھا۔ خاصہ طویل اور پند و نصائح سے لبریز تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس جگہ بھی مسجد کی بنیاد قائم فرمائی یہاں سے اندرون مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو مسلمانوں کا ایک ہجوم تھا جو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ بنو نجار جو آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے بڑے جوش سے استقبال کر رہے تھے۔ راہ میں دونوں طرف لوگوں کی صفیں بنی کھڑی تھیں مکانوں کی چھتوں پر عورتیں اور بچے چڑھے ہوئے ماہ منیر کی ضیا پاشیوں سے منور ہو رہے تھے۔

ہر مسلمان کی یہ خواہش تھی کہ آقائے نامدار میرے مکان پر قیام فرمائیں ٹولیوں کی ٹولیاں آکر عرض کرتیں کہ حضور غریب خانہ حاضر ہے مگر آپ سب سے فرما رہے تھے کہ میری سواری مامور من اللہ ہے، یہ جہاں ٹھیرے گی وہیں قیام کروں گا۔ انصار میں آنحضرت کے قیام کے سلسلہ میں سخت کشمکش تھی آنحضرت نے فرمایا کہ راستہ چھوڑ دو تو سب خاموش ہوگئے مگر دل بے چین تھے کہ دیکھو یہ سعادت کس کے مقدر میں لکھی ہے۔ جس کا دروازہ قریب آتا وہ سامنے آکر منت کرتا کہ حضور میں ہر طرح آپ کو آرام پہونچاؤنگا مگر اونٹنی برابر لگے

بڑھتی رہتی۔ اصرار کرنے والوں میں ننہالی بھی تھے، ان کو یقین تھا کہ قیام رسول
شرف ہم کو بخشا جائے گا مگر ان کی درخواست کو بھی یہی فرما کر آپ نے نظر انداز
کر دیا کہ میں خدا کے حکم سے آیا ہوں اور اسی کے حکم سے قیام کرونگا۔
مدینہ کی پوری آبادی جوش مسرت سے جھوم رہی تھی اور ہر شخص کی زبان پر جا
رسول اللہ و جا نبی اللہ کی صدائیں تھیں۔ پردہ نشین خواتین اور بچے بچیاں
محبت سے کہہ رہے تھے۔
طلع البدر علینا۔ من ثنیات الوداع۔ وجب الشکر علینا۔ مادعی للہ داع
چاند کوہ وداع کی وادیوں سے طلوع ہوا ہے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک
دعا کرنے والے دعا کرتے رہیں۔ آنحضرتؐ نے سب کی طرف محبت سے دیکھا اور
فرمایا۔ تم جس طرح مجھ سے محبت کرتے ہو میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ
کی سواری چلتے چلتے ایک جگہ بیٹھ گئی مگر آپؐ نیچے نہیں اترے۔ وحی کے سے آثار نمو
تھے۔ جب یہ حالت ختم ہوئی تو اونٹنی پھر اٹھی اور کچھ چل کر اس جگہ بیٹھ گئی جہاں
آج مسجد نبویؐ موجود ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اونٹنی پہلی مرتبہ بیٹھ کر
جب اٹھی تو اس نے ایک چکر لگایا اور اسی پہلی جگہ دوبارہ بیٹھ گئی، چنانچہ جس قد
زمین پر اس نے چکر لگایا تھا اتنی ہی زمین پر مسجد نبویؐ تعمیر کی گئی۔ جن مسلمانوں کے
مکان اس جگہ سے قریب تھے وہ سب آنحضرتؐ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہؐ
ہمارے گھر کو قیام کی عزت بخشیں۔ سب کا یہی اصرار تھا۔ آخر سب کے نام پر قرعہ
ڈالا گیا اور اس قرعہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام نکلا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا
کہ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ قریب ہوگا اسی کے یہاں قیام کرونگا، سب نے

ناپنا شروع کیا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ ہی کا دروازہ قریب تھا۔

حضرت ابوایوبؓ اپنی قسمت پر نازاں و فرحاں آگے بڑھے اور سامان اتار کر گھر میں لے گئے، حضرت ابوایوبؓ نے آپ کو مکان کی نچلی منزل میں ٹھیرایا تھا، آپؐ بھی اسی جگہ کو پسند فرماتے تھے تاکہ لوگوں کے آنے اور ملاقات کرنے میں آسانی ہو۔ چند روز کے بعد حضرت ابوایوبؓ کو یہ خیال ستانے لگا کہ آنحضرتؐ نیچے رہتے ہیں اور ہم اوپر رہتے ہیں یہ تو ادب کے خلاف ہے، رات بھر اس خیال سے بستر لپیٹے کونہ میں بیٹھے رہے۔ صبح کو عرض کیا کہ حضورؐ اوپر تشریف لے جائیں، یہ بے ادبی بڑی شاق گذرتی ہے۔ آپ رضامند نہیں ہوئے لیکن اتفاق سے چند ہی دن بعد پانی کا ایک بڑا برتن ٹوٹ گیا، تمام کمرہ پانی سے بھر گیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے جلدی سے گھر کے تمام کپڑے پانی پر ڈال دیئے تاکہ پانی جذب ہو جائے اور آنحضرتؐ کی قیام گاہ میں نہ گرنے پائے۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نیچے سے اوپر تشریف لے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً سات ماہ حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں قیام فرمایا۔ خورد و نوش کا انتظام حضرت ابوایوبؓ ہی کے گھر تھا مگر چاہنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی اور سب اپنی اپنی دعوت کی قبولیت کے لئے بے چین نظر آتے تھے۔ سعد بن عبادہؓ سردار خزرج اور سعد بن معاذؓ سردار اوس نے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ سعادت حاصل کی، کوئی ایسا نہیں تھا جو خدمت رسولؐ میں ہدایا اور تحائف نہ لے کر آتا ہو۔ آپؐ ہر تحفہ شکریہ کے ساتھ قبول فرما لیتے تھے اور پھر اسے دوسرے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے تھے ام سلیمؓ بوجہ غربت کوئی چیز پیش نہیں کر سکیں تھیں۔ ایک دن اپنے شوہر ابوطلحہؓ سے

کہنے لگیں۔ میں بھی کچھ خدمت کرنا چاہتی ہوں مگر لائق شان کوئی چیز میسر نہیں ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ تم لڑکے انسؓ کو لے کر بارگاہ رسالتؐ میں جاؤ اور انسؓ کو پیش کرتے ہوئے کہہ دو کہ یہ غلام خدمت کے لئے لایا ہوں قبول کر لیجئے۔ انسؓ کی عمر ۹ برس کی تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کی محبت بھری پیش کش کو قبول فرمالیا۔ والدین کو بڑی مسرت ہوئی اور وہ اس کو دین و دنیا کی سعادت تصور کرنے لگے۔ حضرت انسؓ نے بڑی خوبی سے خدمت کے فرائض انجام دیئے۔ آنحضرتؐ ان سے بے حد محبت فرماتے تھے اور ہر جگہ ساتھ رکھتے تھے۔

علمائے یہود کا قبول اسلام

آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدینہ میں یہود کی بڑی تعداد آباد تھی اور ان میں کچھ لوگ توریت و انجیل کے عالم بھی تھے۔ وہ اکثر اوس و خزرج کی بت پرستی کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ مکہ میں ایک نبیؐ مبعوث ہونے والے ہیں وہ بت پرستی کا خاتمہ کریں گے اور سب کو ایک خدا کی طرف بلائیں گے یہود کی یہی وہ بات تھی جو انصار کے کانوں میں گونج رہی تھی اور وہ عقبہ میں آنحضرتؐ کے وعظ کو سنتے ہی ایمان سے مشرف ہو گئے۔ توریت و انجیل میں آنحضرتؐ کا ذکر اس وضاحت سے کیا گیا تھا کہ یہود کو پورا یقین تھا کہ آخری نبی جلد مبعوث ہونے والے ہیں۔ کئی ایسے علمائے یہود تھے جو یہ آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش! وہ نبیؐ رحمتؐ ہمارے سامنے مبعوث ہوتا اور ہم اس کی خدمت و اعانت کی سعادت حاصل کرتے۔ علمائے یہود میں سب سے زیادہ جاننے والے عبداللہ بن سلامؓ تھے۔ انصار نے قبول اسلام کے بعد عقبہ کا واقعہ بیان کیا اور تمام حالات و علامات بیان کئے تو ان

تو پورا یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں، یہ چرچے کچھ دن ہوتے رہے یہاں تک کہ آقائے دو عالم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ آ گئے۔ چنانچہ ایک دن عبداللہ بن سلامؓ اپنے باغ میں کھجوریں توڑ رہے تھے کہ ان کی پھوپھی خالدہ بنت حرث نے آکر کہا۔ عبداللہ! وہ نبیؐ مکہ سے مدینہ آ گئے جن کی خبریں مکہ میں مبعوث ہونے کی سنا کرتے تھے۔ عبداللہ اس خبر کو سن کر چونک پڑے اور نعرۂ مسرت بلند کرنے لگے۔ خالدہ کہنے لگیں کہ تم تو اس قدر خوش ہو رہے ہو جیسے واقعی وہ سچے نبیؐ ہوں۔ میں تو دیکھتی ہوں کہ اگر حضرت موسیٰ تشریف لاتے تب بھی شاید تم اتنا خوش نہ ہوتے۔ عبداللہ بن سلامؓ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم وہ سچے نبیؐ ہیں اور اسی دین کی اشاعت کے لئے تشریف لائے ہیں جس کی پیروی حضرت موسیٰ کیا کرتے تھے۔

جناب عبداللہ باغ سے سیدھے بارگاہ نبوتؐ میں گئے۔ خالدہ بھی پیچھے گئیں حضرت امام بخاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ نے خدمت رسولؐ میں پہنچ کر تین سوال کئے۔ پہلے سوال میں پوچھا کہ قیامت کی علامات میں پہلی علامت کیا ہے؟ دوسرا سوال تھا کہ اہل جنت کو سب سے پہلے کیا چیز کھانے کو ملے گی؟ تیسرا سوال تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ بچہ کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے ہم شکل ہوتا ہے؟

سوالات ختم ہوتے ہی حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور فرمایا۔ یا رسول اللہؐ! فرما دیجئے کہ قیامت کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو سمیٹ کر مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ سب سے

پہلے اہل جنت کو مچھلی کا جگر یعنی کلیجی کھانے کو ملے گی۔ اور تیسرے سوال کا جواب آپ دے بھی نہیں پائے تھے کہ عبداللہ بن سلامؓ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ خالدہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ عبداللہ مدینہ کے رہنے والے اور یہود بنو قینقاع سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلا نام حصین تھا۔ آنحضرتؐ نے بدل کر عبداللہ کر دیا۔ عبداللہ بن سلام کے اسلام کا یہود میں بہت چرچا ہوا، باوجود مخالفت کے بہت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے (ابن ہشام، بخاری، سیرت کبریٰ)

مسجد نبویؐ کی تعمیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں ٹھیرے ہوئے چند ہی روز گذرے تھے کہ آپؐ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا۔ جگہ کے انتخاب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ قدرت نے پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا۔ البتہ زمین کے خریدنے کا سوال تھا چنانچہ جتنی جگہ آپؐ کی اونٹنی چکر کاٹ کر بیٹھی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جگہ بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی ہے جن کے نام سہل اور سہیل ہیں۔ یہ عمر کے بیٹے تھے اور عمرو بنو نجار کے معزز شخص تھے۔ یتیم ہونے کے بعد یہ بچے معاذ بن عفراء کی نگرانی اور پرورش میں تھے۔ آپؐ نے زمین خریدنا چاہی اور دونوں بچوں اور ان کی ماں کو بلایا تو انھوں نے قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ معاذ بن عفراء نے بھی ان سے اتفاق کیا مگر آنحضرتؐ نے فرمایا میں عبادت خانہ بنانا چاہتا ہوں تم کو قیمت کا تعین کرنا ہوگا۔ بچے اور ان کی ماں انکار کرتے رہے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور زمین کے عوض میں تقریباً ۴ تولہ سونا دینا طے ہوا جسے آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

کے حوالہ کردیا۔

مسلمان چاہتے تھے کہ جلد سے جلد مسجد تعمیر ہو جائے کیوں کہ نماز کے لئے کوئی مخصوص جگہ نہیں تھی۔ جہاں وقت ہو جاتا تھا وہیں ادا کر لی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے بڑے ذوق سے تعمیر کا سامان فراہم کرنا شروع کر دیا۔ پتھر اور لکڑی کے علاوہ مٹی کی اینٹیں بنائی گئیں۔ گارا تیار کیا گیا اور بنیادیں کھودی گئیں۔ تمام مسلمان مل کر اینٹ، پتھر اور گارا دے رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے بنیادیں بھر رہے تھے اور دیواریں اٹھا رہے تھے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ تعمیر کرتے ہوئے کبھی کبھی زبانِ رسالت سے یہ الفاظ نکلتے ہوئے سنے جاتے تھے "آخرت کا عیش سب سے اچھا عیش ہے اور اس کے علاوہ کوئی آرام اور عیش نہیں ہے۔ اے اللہ! انصار اور مہاجرین کی خطاؤں کو بخش دے"۔

مسجد کے ساتھ دو حجروں کی بنیاد بھی رکھی گئی اور ان کو بھی بنایا گیا، دیواروں میں پتھر اور کچی اینٹیں استعمال کی گئیں۔ چھت ڈالنے کے لئے کھجور کے درختوں کی گول لکڑیاں زمین میں گاڑ دی گئیں اور ان پر کھجور کی شاخیں بچھا کر تھوڑی تھوڑی مٹی ڈالی گئی تھی، زمین سے چھت زیادہ اونچی نہیں تھی، ہاتھ اٹھاؤ تو چھت سے لگ جاتا تھا۔ مسجد کی لمبائی اور چوڑائی کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ ۶۳ گز لمبی اور چودہ گز چوڑی تھی، تین دروازے رکھے گئے تھے جن میں کواڑ نہیں تھے، حجرے کے دروازوں پر چٹائی وغیرہ سے پردہ کیا گیا تھا۔ بارش کے وقت پانی مسجد کے اندر گرتا تھا اور اس کے ساتھ مٹی بھی پانی میں مل ہوئی برستی تھی۔ یہی حال حجروں کا تھا۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت سودہؓ جب مکہ سے مدینہ آئیں تو حجرے مکمل ہو چکے تھے آنحضرتؐ نے ان کو ان ہی حجروں میں ٹھیرایا۔ حضرت ابو بکرؓ کے گھر والے بھی جناب فاطمہؓ کے ساتھ ہی مدینہ آ گئے۔ حضرت عائشہؓ ان کی والدہ ام رومان اور دوسرے بچے وغیرہ بھی سب آ گئے۔ جن کو حارثہ بن نعمانؓ کے گھر میں ٹھیرایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً سات ماہ حضرت ابو ایوبؓ کے مہمان رہ کر خود بھی مسجد کے حجروں میں تشریف لے آئے۔

اس کے بعد ہی حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں آئی، نکاح مکہ میں ہو چکا تھا حضرت عائشہؓ مدینہ میں آئیں تو ۸ ماہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! عائشہؓ اب اس قابل ہو گئی ہیں کہ اگر رخصت کرا لیا جائے تو بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ فی الحال میرے پاس مہر کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اور اپنے مال سے کچھ رقم لا کر پیش کر دی۔ آپؐ نے پانچسو درہم یعنی سوا سو روپیہ کے قریب اس میں سے مہر ادا فرمایا اور رخصتی ہو گئی۔ ام رومانؓ جو حضرت عائشہؓ کی والدہ ہیں خود حاضر خدمت ہوئیں اور حضرت عائشہؓ کو مسجد نبویؐ کے حجرے میں پہونچا گئیں۔ ولیمہ میں حاضرین کی دودھ سے تواضع کی گئی جو حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر سے آیا تھا۔

ترمذی کی روایت ہے کہ مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا۔ یہ یہود کے قبضہ میں تھا۔ وہ اکثر اوقات مسلمانوں کو پانی بھرنے سے روک دیتے تھے یا پھر قیمتاً دیتے تھے مسلمانوں نے اس تکلیف کی شکایت بارگاہ رسالتؐ میں پیش کی تو آپ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کاش! کوئی مسلمان اسے خرید کر

مسلمانوں کے لئے وقف کر دیتا تو بہتر ہوتا۔ حضرت عثمان ابن عفان رضؓ نے آنحضرت صلعم کا اشارہ پاتے ہی کنوئیں کے مالکوں سے بات چیت کی اور ۳۵ ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا　(نسائی، ابن سعد)

عقد مواخات

مسجد نبوی کی تعمیر تک مہاجرین ایک مہمان کی حیثیت سے زندگی گذار رہے تھے۔ آنحضرت صلعم کو دوسرے امور کے ساتھ اس بات کی بھی فکر دامن گیر تھی کہ مہاجرین کی بحالی کا کوئی معقول انتظام ہو جائے، کیوں کہ مہمانداری اور بیکاری کی زندگی تھوڑے دن تو چل سکتی ہے ہمیشہ کے لئے یہ طریقہ نہ صرف فریقین کے لئے پریشان کن بلکہ دنیاوی حیثیت سے کاہلی اور سستی کا سبب بھی ہو سکتا تھا، اس لئے آپ نے اس مسئلہ پر خاص طور سے توجہ فرمائی۔ مدینہ کے مسلمان اپنی مہمان نوازی اور خصوصی اعانت کی بدولت انصار کے معزز لقب سے یاد کئے جانے لگے تھے۔ اس مسئلہ پر توجہ نبوی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جو حضرات ترک وطن کر کے مدینہ آ رہے تھے وہ مایوس نہ ہوں اور خود کو بے وطن خیال نہ کریں، نیز یہ کہ مہاجرین و انصار کو اس طرح زندگی گذارنے کا موقعہ فراہم کیا جائے جو ایک دوسرے کے مزاج طرز زندگی اور طور و طریقہ کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔ چنانچہ ان تمام مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے مسجد نبوی میں ایک مجلس اخوت منعقد فرمائی۔

انصار کو کسی بھی حکم کی تعمیل سے گریز نہیں تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت ان کے دل کی گہرائیوں میں اس درجہ بیٹھ چکی تھی کہ مال تو کیا چیز ہے وہ جان عزیز کے

قربان کرنے میں بھی اپنی سب سے بڑی سعادت خیال کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے اس مشترکہ اجتماع میں عارضی مہمانی کے سلسلہ کو ختم کرکے مستقل اور دائمی بھائی چارہ قائم کر دیا یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا دینی بھائی بنا دیا، یہ رشتہ اتنا مضبوط قائم کیا گیا کہ ہر قسم کی غیریت ختم ہو گئی اور جان و مال سے ایک دوسرے کے ساتھ ایسے وابستہ ہو گئے کہ حقیقی بھائیوں سے بہتر سلوک کرنے لگے۔

انصار کو یہ رشتۂ مواخات اتنا بھی گراں نہیں گذرا جیسے اردو پر سفیدی، وہ ایک خاص قسم کی مسرت محسوس کرتے ہوئے اسی وقت اپنے مہاجر بھائیوں کو مسجد سے گھر لے گئے، ایک دولت تھی عشق و ایمان کی جسے وہ گھر لئے جا رہے تھے۔ یہ بھائی چارہ صرف ایک جگہ رہنے اور کھانے پینے کے لئے نہیں تھا بلکہ سرکار دو عالم نے تو ایک کو دوسرے کا وارث بنا دیا اور یہ یگانگت جانی و مالی اس وقت تک باقی رہی جب تک کہ سورۂ انفال کی ایک آیت کے ذریعہ مہاجرین و انصار کا توارث منسوخ نہ کر دیا گیا۔

کسی کو کسی کا بھائی بنایا گیا تھا اس کی ایک اجمالی فہرست ہم درج کر رہے ہیں، جس سے شخصیتوں کے اعتبار سے اس اسلامی رشتہ کی اہمیت کا بھی اندازہ ہو جائیگا

(۱) حضرت ابوبکر صدیق ؓ۔ حضرت خارجہ بن زید خزرجی ؓ۔ (۲) حضرت عمر ابن خطاب ؓ۔ حضرت عتبان بن مالک خزرجی ؓ۔ (۳) حضرت عثمان ابن عفان ؓ حضرت اوس بن ثابت بن منذر ؓ۔ (۴) حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ۔ حضرت سعد بن معاذ بن نعمان ؓ۔ (۵) حضرت ابوذر غفاری ؓ۔ حضرت منذر بن عمرو ؓ۔۔۔

حضرت عمار ابن یاسرؓ۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ۔ (۷) حضرت بلالؓ۔ حضرت ابو عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ۔ (۸) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت سعد بن ربیعؓ۔ (۹) حضرت زبیر بن عوامؓ۔ حضرت سلامہ بن سلامہؓ۔ (۱۰) حضرت سعید بن زیدؓ۔ حضرت ابی ابن کعبؓ۔ (۱۱) حضرت طلحہ بن عبداللہؓ۔ حضرت کعب بن مالکؓ۔ (۱۲) حضرت مصعب بن عمیرؓ۔ حضرت ابوایوب خالد بن زیدؓ۔ (۱۳) حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ۔ حضرت عویم بن ساعدہؓ۔ (۱۴) حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ۔ حضرت عباد بن بشرؓ۔ (۱۵) حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابودرداء عویمرؓ۔ (۱۶) حضرت جعفر طیارؓ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔

مندرجہ بالا فہرست نہایت مختصر ہے، بھائی چارہ کو ہر مورخ نے بیان کیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ناموں کی تفصیلات کا ذکر کہیں نہیں ملتا ہے۔ حبشہ کے علاوہ مکہ سے آنے والوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ مورخین نے مشہور ناموں پر ہی اکتفا کیا ہو اور غیر معروف حضرات کو بخوف طوالت نظر انداز کر دیا ہو، بہر حال چند حضرات کے علاوہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں مقیم تمام مہاجرین کو انصار کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اس طرح غریب الوطن حضرات کی وقتی پریشانیاں ختم ہو گئیں۔ انصارؓ نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ دنیا کی تاریخ میں ایک ایسی مثال ہے جو اپنا مثل نہیں رکھتی اور جس سے پتہ چلتا ہے کہ محبت و مؤانست کے لئے ان حضرات کے نزدیک کسی کا اسلام قبول کر لینا کافی تھا۔ وطن، نسل، رنگ اور قبیلہ کی وہ تمام حدیں جو انسانی زندگی میں یکانگت اور مواخات پیدا کرنے کے سلسلہ میں سنگِ راہ بنی ہوئی تھیں یک لخت

مٹ گئیں اور سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ قیام اخوت اور عقد مواخات کے بعد انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو سعد ابن ربیع کا بھائی بنایا گیا تھا چنانچہ وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور تمام جائداد کا شمار کراتے ہوئے کہنے لگے برادرم! اس میں سے نصف میں رکھتا ہوں اور نصف آپ کی نذر ہے، اس کے علاوہ دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں اور آپ کو ان سے نکاح کی اجازت ہے۔ مہاجرین مالی اعتبار سے جس قدر مفلوک الحال تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اس قسم کی پیش کش یقیناً ناداری و پریشانی کو کلیتہً دور کر سکتی تھی۔ مگر اسلام نے ان کو مذہب کی محبت کے ساتھ ہمت بھی بخشی تھی، سب کچھ چھوڑ کر ضرور آئے تھے مگر عزم راسخ اور کردار و خیال کی بلندی قبول اسلام کے نتیجہ تھا قدرت نے ودیعت کی تھی ـــ وہ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے انصاری بھائی سعد بن ربیعؓ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ آپ کے مال میں برکت اور مزاج میں سعادت عطا فرمائے، میرے بھائی! میں آپ کو کوئی زحمت دینا نہیں چاہتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ بازار میں تاجروں سے میری شناسائی کرا دیجئے" سعد بن ربیعؓ نے بازار میں پہونچا دیا اور یہ عبدالرحمٰنؓ بہت جلدی اپنی دیانت اور کاروباری سوجھ بوجھ کی بنا پر مدینہ کے مارکیٹ پر چھا گئے، بعض تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اتنی ترقی کی کہ ایک وقت میں ایک ہزار اونٹ خرید کرتے اور پھر اسی وقت کم منافع پر فروخت....

کر دیا کرتے تھے۔

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جس محبت اور خلوص کا برتاؤ کیا اس نے آنحضرتؐ کو اتنا متاثر کیا کہ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور دشمنی نفاق کی نشانی ہے۔

ایک صحابی حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ نے غربائے مہاجرین کے لئے بہت سے مکان وقف کر دیئے تھے تاکہ وہ ان میں آرام سے رہیں۔ حضرت فاطمہؓ شادی کے بعد جس مکان میں رخصت ہو کر گئی تھیں وہ بھی ان ہی بزرگ نے پیش کیا تھا اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آنحضرتؐ نے سب کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنایا مگر حضرت علیؓ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا۔ یا علی انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ اے علی! تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اسی طرح آپ نے اپنے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو زید بن حارثہؓ جو آپ کے متبنّیٰ تھے ان کا بھائی بنایا۔ حضرت علیؓ کے بھائی جعفر طیارؓ حبشہ میں تھے مگر آپؐ نے مدینہ میں ان کی اخوت حضرت معاذ بن جبلؓ سے قائم کر دی۔

غرض انصار و مہاجر کا بھائی چارہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے لئے ہمیشہ نشانِ راہ ثابت ہوگا، قیام محبت اور عقد اخوت کے لئے اس سے بہتر کوئی اور مثال نہیں مل سکتی ہے۔ کاش مسلمان عقد مواخات کی اہمیت کو سمجھتے اور عمل کرتے؟ (بخاری، مسلم، ابن ہشام)

منافقت کی ابتداء

مسجد نبویؐ کی تعمیر اور حضرات مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کے بعد

مدینہ تبلیغ و ارشاد کا مرکز بن چکا تھا۔ صرف مکہ ہی نہیں بلکہ اطراف و جوانب سے لوگ مدینہ آکر اسلام قبول کر رہے تھے۔ مذہبی اعتبار سے مدینہ میں تین گروہ موجود تھے۔ یہود، بت پرست اور مسلمان۔ بت پرستوں کا تعلق اوس و خزرج سے تھا اگرچہ ان دونوں قبیلوں کی اکثریت دامن اسلام سے وابستہ ہو چکی تھی مگر پھر بھی ایک قلیل جماعت بت پرستی پر قائم تھی۔ عبداللہ ابن ابی قبیلہ خزرج کا رئیس تھا۔ یہ شخص اپنی عقل و دانش اور یہود سے گہرے روابط اور مال کی فراوانی کے باعث دو قبیلوں پر اتنا چھایا ہوا تھا کہ باوجود باہمی عداوت کے بھی اوس و خزرج دونوں یکساں اس کی عزت کرتے تھے۔ ہجرت سے قبل ان دونوں قبائل کا خیال تھا کہ عبداللہ کو مستقل طور پر اپنا حاکم اور بادشاہ بنالیا جائے۔ چنانچہ بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ اس خیال کو جامہ عمل پہنانے کے لئے ایک تاج بھی تیار کرالیا گیا تھا اور خیال تھا کہ خصوصی اجتماع کے موقعہ پر یہ تاج عبداللہ بن ابی کے سر پر رکھا جائے اور اسے پورے طور پر اپنا حاکم اعلیٰ بنایا جائے مگر اسی زمانہ میں آفتاب اسلام کی شعاعیں سرزمین مدینہ پر پڑنے لگیں اور اوس و خزرج کی تاریک زندگیاں نور اسلام سے جگمگا اٹھیں عبداللہ کی تاج پوشی یک لخت رک گئی اور ایسی رکی کہ پھر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

اسلام نے اوس و خزرج کے خیالات کو اس درجہ بدلا کہ انکے ذہنوں سے عبداللہ کا خیال ہی نکل گیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں رونق افروز ہوئے تب تو دنیا ہی بدل گئی۔ بہت قلیل تعداد ایسے لوگوں کی رہ گئی جو بت پرستی پر قائم رہے۔ عبداللہ بن ابی کو اپنے اقتدار کا خاتمہ اور اوس و خزرج

کے دلوں پر آقائے نامدار ﷺ کی محبت واطاعت کا اثر دیکھ کر سخت صدمہ ہوا، مگر اب اسلام کے پروانوں کی تعداد اتنی ہو چکی تھی کہ عبداللہ کے لئے علانیہ مخالفت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ چونکہ آدمی دوراندیش تھا اس لئے اس نے منافقانہ چال چلی اور بظاہر مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا دم بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کیا کہ اوس وخزرج کے جو قلیل التعداد لوگ اب تک بت پرستی پر قائم تھے ان کو بھی یہی مصلحت ذہن نشین کرائی چنانچہ وہ سب ظاہری مسلمان بن کر عبداللہ کے ہمنوا ہو گئے۔ یہاں سے اسلام میں منافقت کی ابتداء ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کی عادت نہیں تھی کہ وہ کسی کے چھپے ہوئے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کریں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ کو منافقوں کی ٹولی اور ان کی درپردہ سازشوں اور رخنہ اندازیوں سے مطلع فرما دیا۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ)

اور کچھ تمہارے گردوپیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں، آپ انکو نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے آگاہ فرما دیا تاکہ آپ ان سے ہوشیار رہیں۔ یہی وجہ تھی کہ عبداللہ بن ابی کی طرف سے ہمیشہ ترقی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے گئے اور اندرخانہ مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں کمزور کرنے اور نقصان پہونچانے کی کوشش کی گئی مگر آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کی الحیل سے ٹالتے رہے آپ نے مسلمانوں کو کبھی اجازت نہیں دی کہ وہ منافقوں سے

برسر پیکار ہوں اور ان کو قتل کر کے اس فتنہ کا استیصال کر دیں، اس حسن سلوک کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ منافقوں کے ظاہری اعمال مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے، نماز، روزہ اور دوسرے احکامات کی تعمیل میں سب کے ساتھ شامل رہتے تھے، غیر مسلموں کو ان باطنی خباثت کا کیا علم تھا؟ تو ظاہری حالات کے لحاظ سے ان کو بھی مسلمان ہی سمجھتے تھے، لہٰذا ایسی حالت میں اگر انکے ساتھ کوئی سخت برتاؤ کیا جاتا تو لامحالہ دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو بھی قتل کر ڈالتے ہیں، اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رحمت اللعالمین کو قدرت نے جو قلب عطا کیا تھا وہ اتنا نرم اور مہربان تھا کہ آپ انسان تو درکنار جانوروں پر بھی ہاتھ اٹھانے اور تکلیف پہونچانے کو گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آپ کی زندگی نمونہ کی حیثیت رکھتی تھی ہو سکتا تھا کہ کچھ لوگوں کو آپ کے اس طرز عمل سے زیادتیاں کرنے کا موقعہ ہاتھ آجاتا۔

غرض منافقین کی ریشہ دوانیاں آخر تک جاری رہیں مگر سرکار دو عالم نے کبھی بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی بلکہ اتنی مراعات دیں کہ عبداللہ بن ابی جیسے دشمن اور منافق کے بیٹے نے عرض کیا کہ میں اپنے باپ کو قتل کرے دیتا ہوں مگر آپ نے منع فرمایا اور جب وہ اپنی موت مرا تو آپ نے اپنا پیرہن کفن پر ڈالنے کے لئے عطا فرمایا عبداللہ ابن ابی کی منافقانہ چالوں کا اندازہ آپ کو اس سے اگلے واقعات میں ہو سکے گا اور یہ بات پورے طور پر سامنے آجائے گی کہ اسلام میں منافقوں کا ایک منظم گروہ کام کر رہا تھا مگر اس کے باوجود اسلام کی عظمت

ہتی ہی گئی اور منافقوں کے جملہ منصوبوں کو خاک کا منہ دیکھنا پڑا۔

مورخین نے منافقین کے نام پچاس کے قریب بیان کئے ہیں جو اوس و خزرج اور یہود سے تعلق رکھتے تھے مگر چند آدمی نفاق میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی سب کا سردار تھا، ہر منافق اسی کے اشارہ پر چلتا تھا۔ اس کے علاوہ مشہور منافقوں میں سوید بن صامت، مالک بن ابی نوفل، زید بن لصیب، اور رافع بن حریملہ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ جن کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ نفاق سے تائب ہو کر سچے مسلمان بن گئے تھے۔ ایسے لوگوں میں جلاس بن سوید کا نام بہت مشہور ہے (ابن سعد، ابن ہشام، بخاری)

بات قابل ذکر ہے کہ عبداللہ ابن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا مگر باپ کی منافقانہ روش بیٹے کو مطلق متاثر نہیں کر سکی، وہ ایمان لائے اور اس شان سے ایمان لائے کہ باپ کے قتل سے بھی گریز نہیں تھا، ایک مرتبہ خدمت رسول میں عرض پیرا ہوئے کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اپنے منافق باپ کا سر لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ ارشاد فرمایا، میں اس کو پسند نہیں کرتا ہوں، تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ منافقین کی طرف سے انتہائی عداوت کے باوجود رحمت عالم نے کبھی کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو ان کے قتل وغیرہ یا تباہی و بربادی سے متعلق ہو، ایک مرتبہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ منافقین جب تک ہم میں موجود ہیں، ان کے ساتھ میں ہمیشہ اچھا برتاؤ کرتا رہوں گا۔

یہود سے معاہدہ

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدینہ کی آبادی اوس وخزرج اور یہود پر مشتمل تھی۔ یہود سرمایہ دار اور اوس وخزرج غریب اور کاشتکار تھے۔ غریب کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل مفلوک الحال تھے البتہ سرمایہ میں یہود سے مقابلتہً بہت کمزور تھے۔ اسی لئے اکثر یہود کے قرض دار رہتے تھے گویا دینی اعتبار سے وہ یہود سے دبے ہوئے تھے پھر یہ کہ یہود نے بھی قصداً ان کو مالی اعتبار سے اپنا دست نگر بنا رکھا تھا۔ یہود اگرچہ اوس وخزرج کو یہودی بنانے کی علانیہ کوشش نہیں کرتے تھے مگر ان کی مالی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے بچوں کو رہن رکھ لیا کرتے تھے جو بڑے ہو کر یہودی ہو جاتے تھے ان حالات کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ یہود کو یثرب اور اس کے ملحقہ علاقوں میں تفوق حاصل تھا اوس وخزرج بھلا کس طرح ان کی ہمسری کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا تو ان حالات پر بھی غائر نظر ڈالی یہود کا مالی وعلمی تفوق بھی دیکھا اور اوس وخزرج کی خستہ حالی بھی ملاحظہ فرمائی آپ چاہتے تھے کہ یہود کے اثر واقتدار سے مدینہ کے مسلمانوں کو نجات حاصل ہو اور وہ آزاد وخوش حال زندگی بسر کریں۔ اسی خیال کے پیش نظر آپ نے میٹھے پانی کے کنوئیں کو خریدنے پر صحابہ کرام کو توجہ دلائی اور حضرت عثمان غنیؓ نے ۳۵ ہزار درہم میں یہود سے خرید کر وقف کر دیا۔ یہ پہلا قدم تھا۔ ورنہ اب تک پانی کے معاملہ میں بھی مسلمانوں کو یہود کا دست نگر ہونا پڑتا تھا۔

غرض ان حالات کے پیش نظر آپ نے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہو جائے جو دونوں کے لئے باعث اطمینان ہو اور کسی وقت کسی دباؤ وغیرہ کے اثر سے مجبور ہو کر یہود مسلمانوں کے خلاف شتو صف آراء ہو سکیں اور نہ شہری زندگی کی سہولتوں میں رخنہ اندازی کر سکیں اس معاہدہ کے خیال کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مکہ کے کفار چونکہ ہجرت کے بعد بھی چین سے نہیں بیٹھے تھے اور مخالفت کرتے ہی رہتے تھے اس لئے ہو سکتا تھا کہ وہ یہود سے ساز باز کر کے مدینہ میں بھی مسلمانوں کے لئے اسی طرح عرصہ حیات تنگ کرنے میں کامیاب ہو جاتے جس طرح مکہ میں خود انھوں نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ جیسا کہ اس سے آگے کے واقعات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ قریش نے مدینہ کے یہود کو مسلمانوں کے خلاف صف آراء کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس میں ان کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی مگر معاہدہ کی وجہ سے یہود کو قریش کی طرح کھل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا موقعہ نہیں مل سکا۔

آخر آپ نے معاہدہ کی تحریک اٹھائی، یہود نے اسے پسند کیا اور پھر مندرجہ ذیل باتوں میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔ یہ پہلا معاہدہ تھا جس کو ہجرت کے بعد اسلامی سیاست میں اہم درجہ حاصل ہے۔

دفعات معاہدہ

(۱) اس معاہدہ کے فریقین غیر معاہدین کے مقابلہ میں ایک قوم شمار ہونگے۔ (۲) دونوں فریق اپنے اپنے مذہب کی آزادی سے پیروی کریں گے کوئی

کسی کے دین میں مداخلت نہیں کرے گا۔ مذہب کے علاوہ تمام دوسری باتوں میں فریقین ایک جماعت سمجھے جائیں گے (۳) مسلمان یہودی کا اور یہودی مسلمان کا بصورت قتل خون بہا ادا کریں گے (۴) ظالم اور بدکار کو دونوں فریق مل کر سزا دیں گے اور اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کریں گے کہ وہ کون ہے اور کس کا رشتہ دار ہے (۵) اگر مقتول کے وارث معاف کر دیں یا خون بہا لینے پر رضامند ہو جائیں تو پھر قصاص میں کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا (۶) ہر مسلمان کسی غیر مسلم کو پناہ دے سکتا ہے اور ایک مسلمان اگر صلح کرے گا تو وہ سب کی صلح سمجھی جائے گی۔ (۷) مسلمان جب کسی بیرونی دشمن سے لڑیں گے تو معاہد یہودی بھی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور دشمن سے لڑیں گے اور مالی امداد بھی دیں گے (۸) دونوں فریق جنگ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور خیر خواہ رہیں گے (۹) کوئی معاہد یہودی قریش کو جانی و مالی پناہ نہیں دے گا اور نہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت کرے گا۔ اسی طرح قریش کے مددگاروں کی مدد بھی نہیں کر سکیں گے (۱۰) اگر دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوا تو فریقین مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور اگر صلح ہو جائے تو وہ فریقین کی صلح سمجھی جائے گی (۱۱) اس عہد نامہ کے بعد کسی ظالم یا کمینہ کی حمایت نہیں کی جائے گی (۱۲) اگر کوئی یہودی اسلام قبول کرے تو وہ اپنے حقوق میں مسلمانوں کے مساوی ہوگا اور ہر مسلمان پر لازم ہوگا کہ اس کے دشمن کا مقابلہ کریں (۱۳) کسی شخص کو اس کے حلیف کے بدلہ میں ملزم نہیں ٹھیرایا جائے گا۔ فریقین کے لئے مدینہ کی زمین پر قتل و فساد حرام ہوگا۔ (۱۴) سب مسلمان اس عہدنامہ پر متفق ہیں اور پابندی کا اقرار کرتے ہیں (۱۵) فریقین کے باہمی اختلاف اور نزاعات

کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق ہوگا۔

(بخاری، ابن ہشام، سیرت کبریٰ)

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی آبادی پچاس فیصدی سے زیادہ تھی۔ سرمایہ دار اور خوش حال بھی تھے، اس کے علاوہ ان کو ایک فضیلت یہ بھی حاصل تھی کہ وہ اہل کتاب بھی تھے۔ وہ پرانا مذہب رکھتے تھے اور اسے دل سے پسند کرتے تھے اس کے علاوہ وہ اپنی مذہبی روایات کی بنا پر اس بات کے قائل تھے کہ ایک آخری نبی مبعوث ہونے والے ہیں مگر ان کا خیال تھا کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جن میں آخری نبی کے آنے کی بشارت سنائی گئی ہے، بہرحال یہود سے معاہدہ صلح ہوگیا اور انھوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مدینہ کی ایک بڑی آبادی مسلمان ہو چکی ہے اور چند یہودی علما بھی اسلام لے آئے ہیں، معاہدہ کرنے ہی میں اپنا فائدہ دیکھا مگر بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ یہود نے صرف معاہدہ ہی کی خلاف ورزی ... نہیں کی بلکہ اسلام کے خلاف ایک ایسا محاذ قائم کیا کہ مسلمانوں کو کئی موقعوں پر ان سے سخت جنگ کرنا پڑی اور وہ آخر مغلوب ہوئے۔ قوم یہود کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے اس کتاب کی پہلی جلد "تاریخ مسلمانان عالم" (تاریخ انبیاء) کا مطالعہ کیجئے۔ اگرچہ اس کتاب میں بھی بعض مقامات پر یہود کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر جلد اول میں اسلام سے قبل کے حالات اور قوموں کی زندگی کو بہت وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ تاہم قارئین کی معلومات کے لئے اس موقعہ پر اتنا بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا چنانچہ انہی کی اولاد آگے چل کر بنو اسرائیل کہلائی۔ ایک زمانہ تھا جب کہ

دنیا کی بیشتر قومیں بت پرستی اور جہالت کا شکار ہو رہی تھیں، کائنات کی بیشتر چیزیں تھیں، جن کی پرستش ہو رہی تھی صرف بنو اسرائیل ایک قوم تھی جس میں انبیائے کرام کی تعلیمات پائی جاتی تھیں، یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ سب سے زیادہ انبیائے کرام بھی اسی قوم میں تشریف لائے۔ مذہبی عظمت کے ساتھ ساتھ سیاسی عروج بھی صدیوں تک اس قوم کو حاصل رہا مگر جیسے جیسے یہ توحید سے دور ہوتے گئے اور انبیائے کرام کی تعلیمات میں ترمیم و تنسیخ کرتے گئے قدرتی طور پر ان کا وقار گرتا گیا، یہاں تک کہ اسلام سے بہت پہلے بخت نصر کے ہاتھوں انکی سیاسی عظمت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ قوم آوارگی اور بیابانی زندگی گذارنے لگی کچھ لوگ مصر و عراق کی طرف نکل گئے اور کچھ نے حجاز کا رخ کیا اور یثرب میں مقیم ہو گئے سیاسی حیثیت ختم ہو چکی تھی، مذہب باقی تھا اور توریت کو سینے سے لگائے پھر رہے تھے۔ اس حالت میں بھی بت پرستوں کی نظروں میں ان کا وقار قائم اور یہ ان پر چھائے ہوئے تھے مگر اسلام نے ان کی مذہبی عظمت کو بھی ختم کر دیا۔ آنحضرتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ اور اس کے مضافات میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع آباد تھے، توریت ان کے پاس موجود تھی مگر اس کے احکامات اس درجہ مسخ کئے جا چکے تھے کہ جب ان سے کہا گیا کہ آخری نبیؐ جن کی آمد کی بشارت توریت میں موجود ہے وہ یہی نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو صاف منکر ہو گئے مگر ان کے انکار سے کیا ہوتا تھا، اسلام جو پھیلنے کے لئے آیا تھا، پھیلا اور صرف بت پرستوں ہی میں نہیں بلکہ بہت حق پسند یہودی بھی اس کے گرویدہ نظر آنے لگے جو ہٹ دھرمی اور سرکشی

قائم رہے ان کا نام و نشان زمین حجاز نے مٹا دیا۔
انہی یہودیوں کے لئے سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

"اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا مگر بہت تھوڑے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اکثر نافرمان اور بے ایمان ہی رہے" اس کے بعد مسلمانوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"اے مسلمانو! یہ یہود تم کو سوائے گالیاں دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو ان کو شکست کھا کر بھاگنا پڑے گا اور پھر وہ کہیں سے مدد بھی حاصل نہ کر سکیں گے"

گروہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں اولیت کا شرف عبداللہ بن سلام کو حاصل ہے، ان کے علاوہ زید بن سعنہ، حضرت مخیریق، میمون بن یاسین، ابو یاسر بن اخطب کے نام بھی مورخین نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے ہیں، زید بن سعنہؓ کے اسلام کا واقعہ خود زید ہی اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ کہ جب آنحضرتؐ وارد مدینہ ہوئے تو میں برابر ان کے حالات کو دیکھتا رہتا تھا۔ نبوت کی ہر علامت میں نے ان میں دیکھ لی تھی۔ اگرچہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ سچے نبی ہیں مگر دو باتیں اور دیکھنا چاہتا تھا، ایک یہ کہ نبی آخر الزماں کی حلم ان کے غصہ پر غالب ہوگا اور دوسرے یہ کہ وہ ضبط و تحمل میں اتنا بلند مرتبہ رکھتے ہوں گے کہ جس قدر کوئی ان کے ساتھ بد اخلاقی اور جہالت میں بڑھتا جائے گا ان کا صبر و ضبط اس سے بھی سوا نظر آئے گا۔ چنانچہ میں فکر میں تھا کہ یہ دو نشانیاں اور دیکھ لوں کہ اتفاق سے ایک دن ایک دیہاتی مسلمان نے خدمت رسالتؐ میں

حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہؐ! آپ کی تعلیمات سے میں نے قوم کو آگاہ کیا تو آپ کی دعا کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔ مگر میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر مسلمان ہو جاؤ گے تو دین و دنیا کی خوش حالی حاصل ہو گی۔ مگر اب یہ حال ہے کہ پوری قوم قحط میں مبتلا ہے اور سخت مشکلات در پیش ہیں، اگر ہو سکے تو آپ اس قوم کی کچھ مدد فرمایئے ورنہ ممکن ہے کہ یہ نو مسلم جو ابھی راسخ الایمان نہیں ہو پائے ہیں اسلام سے منحرف ہو جائیں۔ آنحضرتؐ نے جناب علی مرتضیٰؓ سے اس معاملہ میں کچھ کہا تو وہ کہنے لگے کہ یارسول اللہؐ! اس وقت تو میں بالکل خالی ہو رہا ہوں۔ زید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کی بات سنی تو کہا یا محمدؐ! اگر آپ فلاں باغ کی اس قدر مقدار میں کھجوریں وقت مقررہ متعینہ پر مجھے دے سکتے ہیں تو میں اس کی قیمت پیشگی آپ کو دے سکتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا باغ کی قید اگر نہ لگاؤ تو میں تمہاری پیش کش منظور کرتا ہوں، میں راضی ہو گیا اور اسی مثقال سونا آنحضرتؐ کو دیدیا۔ آپ نے یہ سونا دیہاتی کو دیتے ہوئے فرمایا یہ لے جاؤ، کام چلاؤ اور انصاف و دیانت کو مت بھولو۔" زید کہتے ہیں کہ کھجوروں کی ادائیگی کے مقررہ وقت سے چند روز قبل آنحضرتؐ کو میں نے دیکھا کہ ایک جنازہ سے فارغ ہو کر دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہیں، حضرت حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور بہت سے دوسرے صحابہ آپ کے پاس ہیں، میں تو موقعہ کی تلاش میں تھا کہ امتحان کا کوئی وقت ملے، فوراً آگے گیا اور آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر سخت لہجہ میں کہا۔

"تم میرا قرض کیوں نہیں ادا کرتے، خدا گواہ ہے کہ عبدالمطلب کا

خاندان بڑا ہی بد معاملہ ہے۔

میری زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ صحابہ کرامؓ کے چہرے غصہ سے سرخ ہو گئے اور سب ہی میری طرف بڑھے حضرت عمرؓ بہت بے قابو ہو رہے تھے مگر آنحضرت نے بڑے صبر و ضبط کے ساتھ مسکراتے ہوئے فرمایا عمرؓ تم کو چاہیے تھا کہ مجھے ادائے قرض کی تلقین کرتے اور زید کو نرمی سے تقاضا کرنے کی ہدایت کرتے،

خیر! اب جاؤ تم ان کا قرض ادا کر دو اور تم نے جو ان سے گردن مارنے کا کہا ہے اس کی تلافی میں بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دید و۔ چنانچہ حضرت عمرؓ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے، قرض کی کھجوریں ادا کر دیں اور پھر بیس صاع اور مجھے دیں تو میں نے پوچھا یہ کیوں دیتے ہو؟ فرمانے لگے۔ تم نے سنا نہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ بیس صاع زیادہ دینا کیوں کہ تم.... سختی سے پیش آئے تھے۔ زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ مجھ کو جانتے ہیں؟ فرمانے لگے نہیں میں نے کہا "زید بن سعنہ" فرمایا اچھا وہی زید بن سعنہ جو یہود کے مشہور عالم ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میں وہی زید بن سعنہ ہوں، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے عالم کو اس قدر سخت بد اخلاقی سے نہیں پیش آنا چاہیے تھا۔ میں نے کہا، یہ سب کچھ قصداً کیا ہے اور امتحان کی غرض سے کیا ہے۔ لہٰذا میں آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسولؐ ہیں اور میں ان کی غلامی کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ بارگاہ رسالتؐ میں آئے اور حضورؐ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا اور عرض

کیا کہ میرے مال کا آدھا اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہے۔

(اصابہ فی احوال الصحابہ)

حضرت مخیریق رضؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ یہودیوں میں بہت بڑے متمول شخص تھے توریت کے عالم اور کتب سماویہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ آنحضرتؐ کی رسالت پر دل سے یقین رکھتے تھے اور غائبانہ ایمان لا چکے تھے مگر علی الاعلان احد کے دن اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ احد کے لئے نکلے تو حضرت مخیریق رضؓ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن چڑھ کر آئے ہیں تمہارا فرض ہے کہ تم ان کی تصدیق بھی کرو اور مدد بھی کرو، یہود نے کوئی توجہ نہیں دی تو خود ہی ہتھیار اٹھا کر احد میں پہونچے، آنحضرتؐ سے اجازت مانگی اور دشمن سے خوب جم کر مقابلہ کیا آخر شربت شہادت نوش فرما کر رخصت ہو گئے۔ علامہ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ مرنے سے قبل جائداد اور تمام مال و زر کے متعلق وصیت کی گئے کہ یہ سب کچھ میرے بعد آنحضرتؐ کی ملکیت ہے، آنحضرتؐ نے بہت سے باغات مساکین کی گذر اوقات کے لئے اس میں سے وقف کر دیئے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ مدینہ طیبہؐ میں سرکار دو عالمؐ کے اخراجات مخیریقؓ کی جائداد سے پورے ہوتے تھے

(اصابہ)

حضرت میمون بن یامین رضؓ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ خود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ چند ساعت بات چیت کی اور ایمان لے آئے۔ پھر حضور اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اپنا ایک مبلغ میری قوم میں بھیج دیجئے اور ان کو ہدایت کر دیجئے کہ وہ اختلاف کی صورت میں مجھے ثالث تجویز کریں۔ چنانچہ صحابی

گئے۔ میمون کی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے جھٹلایا۔ صحابی نے کہا اچھا اگر تم کو میری بات قبول کرنے میں عار ہے تو تم اپنی قوم میں سے جس کو لائق اور ذی علم سمجھتے ہو ثالث بنالو، وہ بولے ہم میمون کو ثالث بناتے ہیں، حضرت میمون رضؓ نے کہا میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اور جس دین کی طرف تم کو بلا رہے ہیں وہ حق وصواب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسولؐ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ مگر قوم نے میمون کی ثالثی اور ان کی تصدیق کو بھی نہیں مانا اور صحابی رضؓ کو مایوس واپس آنا پڑا۔ (ابن سعد)

ابو یاسر کے متعلق مورخین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی رسالت کی تصدیق تو کی تھی مگر علانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا۔ آنحضرتؐ سے ملاقات کی اور آپ کے ارشادات سنے اور اس بات کو تسلیم کیا کہ آپ سچے رسولؐ ہیں مگر حیی ابن اخطب جو ان کا حقیقی بھائی تھا، اس نے سخت مخالفت کی، تمام قبیلہ اس کے ساتھ ہو گیا اور ابو یاسر اپنے اسلام کو سینے میں چھپانے پر مجبور ہو گئے۔

یہود میں حیی ابن اخطب سب سے زیادہ مخالف اسلام تھا، وہ یہود میں دوسرا ابو جہل تھا اور آخر تک مخالفت میں سرگرم رہا۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ اس کی لڑکی تھیں، وہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو میرا باپ حیی بن اخطب اپنے بھائی ابو یاسر کو لے کر خدمت رسالتؐ میں گیا۔ واپس آکر یہ دونوں بھائی آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میرے باپ نے ابو یاسر کے پوچھنے پر کہا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہم توریت میں دیکھتے ہیں مگر میں مرتے دم تک مخالفت کرتا رہوں گا (ابن ہشام)

قبلہ کی تبدیلی

مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم میں نماز ادا کیا کرتے تھے، اس صورت میں آپ کا رخ انور بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف ہوا کرتا تھا۔ صرف بیت اللہ کو قبلہ قرار نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ کافر و مشرک بیت اللہ کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے چونکہ شرک و کفر کے مقابلہ میں یہودیت و نصرانیت کو افضلیت حاصل تھی اس لئے مکہ میں اور مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا مگر اسلام کا تقاضا تھا کہ اہل ایمان کا قبلہ وہی ہونا چاہیے جو موحد اعظم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا اور جو توحید کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ درحقیقت تبلیغی ضروریات کا مقتضا یہی تھا کہ قبلہ بیت المقدس کو بنایا جائے اور اس معاملہ میں یہود کی موافقت کی جائے لیکن اس موافقت کے باوجود بھی یہود قبول حق کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور شدید مخالفت کرتے رہے۔

مسلمانوں نے یہود میں تبلیغ کی ہر ممکن سعی کی اور ان کو اسلام کے قبول کرنے پر ہر طرح آمادہ کیا مگر معدودے چند حضرات کے سوا کسی نے امر حق کو قبول نہیں کیا بلکہ وہ بیشتر اوقات مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ "محمد تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ نماز کس سمت پر ادا کرنا چاہیے، آخر ہمارے ہی قبلہ کو اپنا قبلہ قرار دینا پڑا، یہ بھی عجیب طریقہ ہے کہ ہماری مخالفت بھی کرتے جاتے ہیں اور ہمارا قبلہ بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شروع سے دلی خواہش یہی تھی کہ بیت اللہ کو

کو قبلہ قرار دیا جائے مگر بربنائے مصلحت بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا
یہود کی طعنہ بازیوں کے بعد اور پھر یہ کہ اب ان کی طرف سے یہ امید بھی منقطع ہو چکی
تھی کہ وہ اسلام قبول کریں گے۔ آنحضرتؐ کی دلی خواہش زبان مبارک سے بھی
ظاہر ہونے لگی اور آپ مدینہ طیبہ میں سولہ مہینہ بیت المقدس کی سمت نماز ادا
کرنے کے بعد اپنے رب سے یہ التجا فرمانے لگے کہ ہم کو بیت اللہ کی سمت متوجہ کر دیا
جائے، یہ آپ کی آرزو تھی جسے بڑے خوب صورت انداز میں آپ پیش کر رہے
تھے اور حکم رب کے منتظر تھے کہ دیکھو کب وہ ساعت سعید آئے کہ میرا رب مجھے حکم
دے اور میں اپنا قبلہ بیت اللہ کو بنا لوں۔ یہ خواہش اس قدر بڑھتی جا رہی
تھی کہ آپ بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ آخر غزوہ بدر سے دو
ماہ پیشتر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔

(سورہ بقرہ)

ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا اور اٹھنا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ چاہتے ہیں۔ پس آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے اور جہاں کہیں بھی ہو، منہ کو اسی طرف رکھیے۔

یہ آیت پندرہ شعبان سنہ ۲ھ میں اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ مسجد بنو سلمہ
میں ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے۔ آیت عین نماز میں نازل
کی گئی اور آپ نے اسی حالت میں اپنا رُخ بیت المقدس سے ہٹا کر بیت اللہ کی

طرف پھیر لیا، مقتدی بھی آپ کے ساتھ پھر گئے، اس واقعہ کے بعد مسجد بنو سلمہ کو مسجد قبلتین کہنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ عصر کی نماز میں ہوا جب کہ آپ مسجد بنو سلمہ میں نماز جماعت سے ادا فرما رہے تھے علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحویل قبلہ کی مذکورہ بالا روایت کو غلط قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نہ آپ مسجد بنو سلمہ میں تھے اور نہ امامت فرما رہے تھے۔ اور نہ وہ لوگ مقتدی تھے جن کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ابو داؤد میں حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق واقعہ صرف اس قدر ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد ایک شخص نے مسجد بنو سلمہ میں لوگوں کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو پکار کر کہا مسلمانو! قبلہ تبدیل ہو چکا ہے اور اب اپنا منہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کیطرف کرنا چاہیے، اس آواز کے ساتھ ہی نمازیوں نے اپنا رُخ پھیر کر بیت اللہ کی طرف کر لیا۔

اکثر مورخین تحویل قبلہ کی آیت کا نزول مسجد نبوی میں تسلیم کرتے ہیں اور اپنی دلیل میں نسائی کی یہ روایت جو حضرت سعید بن معلّی سے مذکور ہے بیان کرتے ہیں کہ سعید بن معلّی روایت کرتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں موجود تھا آنحضرت اٹھے اور منبر پر رونق افروز ہوئے۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ آپؐ نے سب کے سامنے یہ آیت پڑھی قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ (الیٰ آخر) میں نے اپنے ہمراہی سے کہا کہ اٹھو یہ موقعہ اچھا ہے، ہم تم دونوں دو رکعت نماز پڑھ لیں تاکہ تحویل قبلہ کے بعد سب سے پہلے نماز بیت اللہ کی طرف پڑھنے کا ہم کو شرف حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد سرکار دو عالمؐ نے مسلمانوں کو بدلے ہوئے رُخ پر ظہر کی نماز پڑھائی۔

یہود اگرچہ اسلام کے مخالف تھے مگر ان کو بار ہا فخریہ طور پر یہ کہتے سنا گیا کہ اسلام بھی ہمارے ہی قبلہ کو تسلیم کرتا ہے لیکن تحویل قبلہ کے بعد ان کو یہ ٹھیس پہونچی اور وہ اسلام کی زیادہ مخالفت کرنے لگے اور کہنے لگے اگر آنحضرتؐ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہو سکتا تھا کہ ہم ان کو وہی نبی مان لیتے جس کی آمد کا ہم انتظار کر رہے تھے مگر اب ہم اس کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے ہیں۔ بہت سے یہودنے کہنا شروع کیا کہ محمدؐ پر وطن پرستی غالب آگئی۔ مشرکین بھی اس تبدیلی کے بعد کہنے لگے کہ محمدؐ کو اپنے دین میں شبہ پڑ گیا اور اب یہ شبہ بڑھتا ہی جائے گا یہاں تک کہ ایک دن ان کے ماننے والے پھر بت پرستی کی طرف آجائیں گے۔

قبلہ کی تبدیلی نے ان منافقین کو بھی آشکار کر دیا جو اب تک مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ انکے کہنے سننے سے بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی یہ سوچنے لگے کہ قبلہ جو بدلنے کی چیز نہیں ہے کیوں بدل گیا۔ یہ خیالات اور شبہات پیدا ہونے سے ظاہر ہونے لگا کہ انکے پائے استقلال میں تزلزل پیدا ہو رہا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام شکوک شبہات کا جواب دیتے ہوئے دوسرے پارے کی ابتداء میں ارشاد فرمایا۔

"اب بیوقوف لوگ یہ کہیں گے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا۔ اس سے ان کو کس نے پھیر دیا، اے محبوبؐ! آپ فرما دیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے، تمہارا جو پہلے قبلہ تھا اس کو جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون ہے جو ہمارے رسولؐ کی پیروی کرتا ہے؟ اور کون ہے جو پیچھے پھر جانے

والا ہے؟ اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گراں اور ناگوار ہے بجز ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔" (سورۂ بقرہ)

اس سے آگے مزید ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ کوئی ثواب کی بات نہیں ہے کہ مشرق و مغرب کو منہ کر لیا جائے بلکہ ثواب تو یہ ہے کہ آدمی اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، رسولوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں، رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، سائلوں کو، غلاموں کو آزاد کرنے میں اپنی دولت خرچ کرے۔" (سورۂ بقرہ)

گویا اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ وضاحت فرما دی کہ مقصود بالذات جبر عبادت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ، ہر سمت اور ہر طرف موجود ہے، دوسرے اس تبدیلی سے ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا جو اندر اندر اسلام کی جڑیں ہلانے میں مصروف تھے اور ہر شخص کو معلوم ہو گیا کہ کون مسلمان ہے اور کون منافق ہے؟

حی ابن اخطب جیسے مشہور یہودی سردار نے اپنے ہمنواؤں کے تعامل کر مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ اگر بیت اللہ صحیح قبلہ تھا تو وہ مسلمان جو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے پڑھتے دنیا سے رخصت ہو گئے جیسے اسعد بن زارہؓ اور براء بن معرور وغیرہ تو ان کے تو سارے اعمال بیکار ہو گئے اور وہ ہدایت پر مرے یا گمراہی پر؟ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے جو تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ (بخاری تفسیر ابن جریر)

اصحاب صُفّہؓ

تحویل قبلہ کے بعد مسجد نبویؐ کی دوبارہ تعمیر کی گئی، دوبارہ تعمیر کی کئی وجوہات
تھیں اول تو یہ کہ قبلہ کی سمت بدلنے کے بعد مسجد کا رخ بدلنا ضروری ہو گیا تھا۔
دوسرے یہ کہ اب مسلمانوں کی تعداد میں بھی خاصہ اضافہ ہو گیا تھا اور مسجد میں اتنی
گنجائش نہیں تھی کہ سب مسلمان اس میں بیک وقت نماز جماعت ادا کر سکیں،
تیسری وجہ یہ تھی کہ اطراف واکناف سے آکر ایمان لانے والوں میں ایک بڑی
تعداد ایسے حضرات کی تھی جو سخت نادار، مفلوک الحال اور رہائش وطعام کے لئے
پریشان تھے چنانچہ ان ضرورتوں کے پیش نظر آنحضرتؐ نے مسجد کو دوبارہ تعمیر
کرنا چاہا، مسجد کے پڑوس میں ایک غریب اور عیال دار شخص کا مکان تھا اور کافی
اراضی انکے پاس موجود تھی وہ اسے فروخت کرنا چاہتے تھے، آنحضرتؐ نے صحابہ
کرامؓ کے مشورہ اور اعانت سے اس مکان کو خرید لیا۔ حدیث کی روایت سے معلوم
ہوتا ہے کہ آپؐ نے ایک دن صحابہؓ کے سامنے فرمایا کہ مسجد بہت چھوٹی ہے اور
نماز پڑھنے والوں کے لئے ناکافی ہے، کوئی ہے جو اس مکان کو خرید کر مسجد میں شامل
کردے اور میرے ساتھ جنت کا سودا کرے، چنانچہ حضرت عثمان ابن عفانؓ نے
دس ہزار درہم میں وہ مکان خرید کر مسجد کے لئے دیدیا، نئی تعمیر کے لئے بنیادیں وغیرہ
کھودی گئیں۔ سرکار دو عالمؐ نے اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا، مکان
کی شمولیت سے کافی گنجائش نکل آئی تھی لہٰذا آپؐ نے مناسب خیال کیا کہ وہ
نادار مسلمان جن کو اصحاب صفہ کہا گیا ہے ان کے لئے کوئی جگہ بنائی جائے چونکہ کسی
عمارت کے بنانے کے لئے سامان کی قلت تھی آپؐ نے ایک بڑا سا چبوترہ تعمیر

کرادیا جس کو صفہ کہتے ہیں اور اس پر بیٹھنے اور لیٹنے والوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ اس چبوترہ پر ایک سائبان بھی بنادیا گیا تھا تاکہ دھوپ وغیرہ سے محفوظ رہیں اصحاب صفہ کی تعداد کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں، ستر، بہتر اور اسی کا عام طور پر ذکر ملتا ہے اور کبھی کبھی سینکڑوں تک پہونچ جاتی ہیں۔ اسلام لانیوالوں میں جن لوگوں کا کوئی رشتہ دار اور شناسا نہیں ہوتا تھا وہ اسی جماعت میں شامل ہوتے تھے۔

اصحاب صفہ کو اضیاف اللہ یعنی اللہ کا مہمان بھی کہا جاتا تھا۔ ان اہل صفہ کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ ان کا تمام وقت قرب رسولؐ میں گذرے، انھوں نے کبھی لباس اور غذا کی طرف توجہ نہیں کی، معمولی لباس، خشک روٹیاں اور کھجوریں کھا کر عبادت میں مصروف رہنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، دنیا کی خواہشات کبھی انکے دل میں پیدا نہیں ہوئیں، کئی کئی وقت بے کھائے گذر جاتے، لباس بوسیدہ ہو کر پھٹ جاتا مگر ان کی زبان سے کبھی شکایت نہیں سنی گئی۔ آنحضرتؐ کی طرف سے ان کے لئے لباس اور غذا مہیا کی جاتی تھی۔ کتان کا لباس پہننے کو اور کھجوریں کھانے کو دی جاتی تھیں۔ حصول علم اور تبلیغ دین ان کا مقصد اولین تھا۔ زیادہ تر حافظ، قاری اور ارشادات نبویؐ سے واقفیت رکھنے والے ان ہی حضرات میں پائے جاتے تھے اصحاب صفہ کو تمام مسلمان اپنا مہمان سمجھتے تھے اور ان کی ضروریات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ شام کے کھانے کا وقت ہوتا تو اکثر مسلمان ایک اور دو دو کو اپنے ہمراہ لے جاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔ سعد بن عبادہ سب سے زیادہ مہربان تھے اور ساٹھ ستر حضرات کو بیک وقت کھانے پر مدعو کیا کرتے تھے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

کی مہربانیاں تو اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ آنحضرتؐ نے ان کو ابوالمساکین کا لقب عنایت کیا تھا۔ ترمذی کی روایت ہے کہ انصار اپنے باغوں سے کھجور کے خوشہ لاکر مسجد میں رکھدیا کرتے تھے اور اصحاب صفہؓ کو جب بھوک لگتی تھی تو وہ کھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات خاص طور پر دیکھی جاتی تھی کہ وہ حضرات اپنی ذات کو کسی کے لئے بوجھ بنانا نہیں چاہتے تھے اور اکثر حضرات فکر معاش کے لئے جنگل سے خشک لکڑیاں توڑ کر لاتے تھے اور مدینہ کے بازار میں فروخت کرتے تھے۔ وہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کو نہ صرف معیوب بلکہ اسلامی شان کے منافی خیال کرتے تھے وہ کمانے اور خود کھانے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنی محنت سے اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی فائدہ پہونچایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتؐ دس دس آدمیوں کو اپنے ساتھ کھانے کے لئے بلایا کرتے تھے، سب کے تھا مل کر کھاتے تھے اور اگر جگہ نہ ہوتی تو خود بہت سمٹ کر بیٹھتے اور دوسرے لوگوں کے لئے جگہ نکال لیتے تھے۔ اس پاکیزہ جماعت میں چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ۔ حضرت براء بن مالکؓ۔ حضرت ثابت بن ضحاکؓ۔ حضرت ابوسعید ثابت بن ودیعہؓ۔ حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ۔ حضرت بشیر بن معبد اسلمی حضرت حم بن عوف انصاریؓ۔ حضرت خالد بن زید بن جارثہؓ۔ حضرت خبیب بن اسافؓ۔ حضرت ابوسعید خدریؓ۔ حضرت عویم بن ساعدہؓ۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ۔ حضرت مسعود بن عمرؓ۔ حضرت مسطح بن اثاثہؓ۔ حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ۔

مندرجہ ذیل حضرات وہ تھے جن کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل رہ چکا تھا۔ اور آپ نے ان کو آزادی مرحمت فرمادی تھی۔

حضرت ابو ریحانہؓ۔ حضرت سفینہؓ۔ حضرت شقرانؓ۔ حضرت عبیدؓ۔ حضرت ابو کبشہؓ۔ حضرت ابو مویہبہ مزنیؓ۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت یسار راعیؓ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کثیر الحدیث تھے چنانچہ ۵۳۷۴ احادیث کی انھوں نے روایت کی ہے۔ دوسرے احادیث کے مشہور راوی حضرت ابو سعید خدریؓ ہیں ویسے تو اکثر حضرات نے احادیث کی روایات میں حصہ لیا ہے مگر یہ دونوں حضرات خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔

اس برگزیدہ جماعت میں چند ایسے بھی تھے جن کا مشغلہ صرف عبادت و ریاضت تھا اور وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے اگر کسی کی شادی ہوجاتی تھی تو وہ کام کرنے لگتے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس جو صدقات و ہدایا آتے تھے وہ آپ انہی حضرات کو عنایت کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ مجھے ایک خدمت گار عنایت کر دیجئے، کام کرتے کرتے ہاتھوں میں داغ پڑ گئے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اصحاب صفہ تکلیف میں رہیں اور تم کو کنیز و خدمت گار مہیا کی جائے "۔

غرض اصحاب صفہ کے مشاغل میں دو چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں ایک عبادت و حصول علم، دوسرے تبلیغ اسلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک معلم کو مقرر فرمادیا تھا۔ سب لوگ ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسی لئے اکثر

اصحاب صفہ حافظ وقاری تھے، تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرتؐ اکثر ان حضرات کو دیہات وقبائل میں روانہ فرمایا کرتے تھے۔ بیر معونہ کے واقعہ میں جن ستر حضرات کی شہادت کا حال آپ آئندہ پڑھیں گے وہ سب اصحاب صفہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت خبیبؓ جن کو کفار نے درخت پر لٹکا کر شہید کیا اسی پاکیزہ جماعت کے ایک فرد تھے۔ جو حضرات کوئی کام نہیں کرتے تھے ان میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں۔ یہ یہودیت کو ٹھکرا کر اسلام لائے تھے مگر ان کی ماں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تھا۔ عرصہ تک مسلمان بیٹا کافر ماں کے ساتھ زندگی گذارتا رہا۔ آخر ایک دن یہ آنحضرتؐ سے کہنے لگے یا رسول اللہ! میری ماں بھی مسلمان ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا، میں ماں سے صرف اس لئے ملتا ہوں کہ آپ نے حکم دیا ہے مگر دل کو ایسی حالت میں خوشی نہیں ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، انشاء اللہ وہ بھی ایمان لے آئیں گی، دوسرے دن حضرت ابو ہریرہؓ گھر گئے تو ماں نے کہا، بیٹا! مجھے خدمت رسول میں لے چلو۔ میں ان کے سامنے ان کا کلمہ پڑھنا چاہتی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ خوشی خوشی ماں کو خدمت رسالت مآبؐ میں لے کر حاضر ہوئے اور ماں نے اسلام لانے کی سعادت حاصل کی۔

جہاد کی ابتداء

کفار مکہ کو یہ بات اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی کہ اسلام مدینہ میں پہونچ کر وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے اور مختلف قبائل کے لوگ گرویدہ اسلام ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو ایک بڑا اندیشہ یہ بھی تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو مسلمان منظم ہو کر مکہ پر چڑھائی کر دیں۔ چنانچہ ان کی بڑی کوشش یہ تھی کہ جس طرح بھی ہو مسلمانوں کے منظم ہونے سے پہلے مدینہ پر حملہ کر دیا جائے۔ چونکہ مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں بھی غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی اہل مکہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے پیش قدمی کی تو اہل مدینہ اور اس کے اطراف کے قبائل بھی مدد کریں گے اور اس طرح مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا آسان ہوگا۔

ابھی تک ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعدائے اسلام کے مقابلے کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ مکہ سے جو مسلمان کفار کے ہاتھوں اذیت اٹھا کر مدینہ آتے تھے اور چاہتے تھے کہ بدلہ لیا جائے، آنحضرت ان کو برابر صبر کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کو بڑا دکھ ہوتا تھا یہ دیکھ کر وطن سے نکالے جانے والے سخت تکلیف کی زندگی گزار رہے ہیں اگرچہ مسلمانوں میں اعدائے اسلام سے لڑنے

اور بدلا لینے کی پوری قوت پائی جاتی تھی مگر آنحضرتؐ حکم خداوندی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ اور اس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب کہ جہاد کی اجازت ملے اور حق پرستوں کو اعدائے دین سے انتقام کا موقعہ ملے۔

آخر ۲ھ کا شعبان آگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک طرف روزے فرض فرمائے اور دوسری طرف اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت دی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرضیت جہاد کی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے (تفسیر ابن کثیر)

پہلا جہاد غزوہ بدر کہلاتا ہے۔ اس کے واقع ہونے سے پہلے مورخین نے کچھ اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات بیان کئے ہیں۔ درحقیقت وہ سب بدر کا پیش خیمہ تھے اگرچہ مورخین ان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں مگر ہم مختصر طور پر ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ بدر سے پہلے کی کیفیت سامنے آجائے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ کا سب سے پہلا غزوہ ابوا تھا۔ دوسرا بواط اور تیسرا عشیرہ۔ ابوا جحفہ کے قریب ایک موضع ہے اسے ودّان بھی کہتے ہیں۔ یہ دوسرے سال کے آغاز میں ہوا تھا۔ آپ سعد بن عبادہؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرما کر بنی ضمرہ کی شرارتوں کا خاتمہ کرنے نکلے تھے۔ حضرت حمزہؓ علم بردار تھے مگر بنو ضمرہ کا سردار اطاعت کے ساتھ سامنے آیا اور صلح ہوگئی اور ایک معاہدہ تحریر میں آیا۔ (مدارج)

اس کے بعد ربیع الاول میں آپؐ بواط تشریف لے گئے۔ سعد بن وقاص علم بردار تھے جھنڈے کا رنگ سفید تھا دو سو مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔ یہ اقدام اس خیال سے کیا گیا تھا کہ آپ کو یہ اطلاع ملی کہ امیہ بن خلف قریش کی ایک بڑی جماعت لے کر مدینہ

کی طرف آرہا ہے۔ آپ بواط تک تشریف لے گئے مگر کوئی نہیں ملا اس لئے واپس تشریف لے آئے۔ (طبری)

بدر سے پہلے ایک اور واقعہ ہے جو عمرو بن حضرمی کے قتل سے تعلق رکھتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل مکہ نے اپنے ایک تجارتی قافلہ کو ملک شام اس غرض سے بھیجا کہ مال تجارت میں زیادہ نفع ہو اور مسلمانوں کے خلاف ایک طاقت ور جنگ لڑی جائے آنحضرت کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے دس بارہ آدمیوں کو حالات دریافت کرنے کے لئے شام کی سرحد کی طرف روانہ کیا۔ اتفاق سے مکہ والوں کے اس قافلہ کا مسلمانوں سے تصادم ہو گیا اور ایک مسلمان کے تیر نے اہل مکہ کے مشہور شخص عمرو حضرمی کا خاتمہ کر دیا۔ کفار مکہ اس واقعہ سے اور بھی مشتعل ہو گئے اور انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہوگا مسلمانوں سے حضرمی کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ تیر جو عمرو حضرمی کے سینے میں پیوست ہوا وہ واقد بن عبداللہ تمیمیؓ کے ترکش سے نکلا تھا قافلے والے واپس مکہ پہنچے اور اس واقعہ کی اطلاع جب لوگوں کو ہوئی تو ہر طرف انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ (ابن سعد، مدارج، طبری)

اسی سلسلہ میں مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرمی کے قتل کے بعد حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو مسلمانوں نے زندہ گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا، آپ نے دونوں قیدیوں کے لئے فرمایا کہ جب تک سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جو غائب ہیں نہیں آتے ان کو قید میں رکھو۔ چند روز کے بعد یہ دونوں واپس آئے تو آپ نے رہا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ عقبہ مکہ چلے گئے مگر حکم نے جانے سے انکار کر دیا اور اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ رجب میں ہوا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو افسوس تھا کہ ہم نے حرمت

والے مہینہ میں کیوں قتال کیا۔ نیز یہود و مشرکین بھی طعنہ زنی کرتے تھے مسلمان رنجیدہ تھے آخر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس غلطی کو معاف فرمادیا۔ (مدارج، طبری، ابن سعد)

غزوۂ بدر

غزوات اسلام میں پہلا اور عظیم واہم غزوہ ہے، سورۂ انفال میں اس غزوہ کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ مقام بدر مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک گاؤں کا نام ہے چونکہ یہ معرکہ اسی مقام پر ہوا تھا اس لئے بدر کے نام سے موسوم ہوا۔

گیارہ رمضان ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ابوسفیان مکہ والوں کی ایک بڑی جماعت لے کر مدینہ پر حملہ کرنے آرہا ہے رسول اکرمؐ نے فوراً مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ ۱۲ رمضان کو ہفتہ کے دن آنحضرتؐ مسلمانوں کی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے، تین سو آٹھ یا تین سو تیرہ مسلمان تھے جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ ۷۰ اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔ مکہ والوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی جس میں عتبہ شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف اور ابوسفیان وغیرہ سب ہی شامل تھے آنحضرتؐ مدینہ سے چل کر وادی ذفران میں ٹھیرے اور مسلمانوں کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان پر تقریر فرمائی مسلمانوں نے اپنی جاں نثاری اور اسلام سے گہری محبت کا اظہار کیا اور آنحضرتؐ کی تقریر کے جواب میں ہر طرح ثابت قدم رہ کر اعدائے دین کے مقابلہ پر جمے رہنے کا اعلان کیا۔ آنحضرتؐ نے ۳ جھنڈے تیار فرمائے۔ مہاجرین کا جھنڈا مصعب بن عمیر لئے ہوئے تھے۔ قبیلہ خزرج کے جھنڈے کو خباب بن منذر اٹھائے ہوئے تھے اور قبیلہ اوس کے جھنڈے کو اسعد بن معاذ بلند کئے ہوئے تھے

۱۷ رمضان کو جمعہ کی رات میں مسلمان جب بدر میں ایک کنوئیں کے قریب پہنچے تو کفار مکہ سامنے نظر آ رہے تھے۔ سب لوگ اسی مقام پر ٹھہر گئے۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لئے کھجور کی شاخوں سے ایک سائبان تیار کیا۔ حضور اکرمؐ اس میں مصروف عبادت ہو گئے اور سعد بن معاذ دروازہ پر پہرہ دینے لگے۔ حضور اکرمؐ رات بھر عبادت میں مشغول رہے۔ صبح کو بعد فجر فضیلت جہاد پر تقریر فرمائی، بہت سے کافروں کے مقام قتل سے آگاہ فرمایا۔ اس کے بعد ایک تیر کے اشارہ سے مسلمانوں کو قطار میں کھڑا کیا۔ جس تیر کے اشارہ سے آنحضرتؐ مسلمانوں کو قطار میں درست فرما رہے تھے وہ تیر اتفاق سے حضرت سوادؓ کے پیٹ میں لگ گیا۔ سوادؓ نے کہنے لگے۔ میں اس تکلیف کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ رسول اکرمؐ نے پیٹ کھول دیا اور فرمایا اچھا تم بدلہ لے لو۔ سوادؓ آگے بڑھے اور محبت سے شکم مبارک کا بوسہ لے کر پیچھے ہٹ گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ سوادؓ تم نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ! موت سامنے ہے، میں نے چاہا کہ آخر وقت میں اس بہانے سے آپؐ کے جسم سے لگنے کا موقعہ مل جائے۔ آنحضرتؐ نے عاشق کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ مشرکین مکہ قریب ہی نظر آ رہے تھے۔ تعداد زیادہ نظر آ رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا۔

"اے اللہ! یہ قریش فخر و تکبر کرتے ہوئے آئے ہیں، چاہتے ہیں کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسولؐ کو جھٹلائیں، اے اللہ اپنا وعدہ پورا فرما۔ اے اللہ اگر اہل توحید کی یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو پھر اس آسمان کے نیچے تیری پرستش کرنے والا کوئی باقی نہیں

رہے گا۔"

دعا کے وقت محویت کا یہ عالم تھا کہ چادر مبارک بار بار کاندھے سے ڈھلک جاتی تھی جسے حضرت ابوبکرؓ درست فرما دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام پر اس دردانگیزی کا بڑا اثر ہوا ہر طرف رقت طاری ہوگئی اور آنسو بہنے لگے۔ حضرت صدیقؓ سے ضبط نہ ہو سکا تو ادب سے آگے بڑھے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ اب بس کیجئے اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔"

حضرت ابوبکرؓ اور صحابہ کی التجاؤں کے بعد آنحضرتؐ نے سر اٹھایا۔ مقبولیت دعا کی خوش خبری سناتے ہوئے آپؐ نے بلند آواز سے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بہت بڑی ہے ہم ضرور غالب رہیں گے مگر عنقریب یہ جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔" (مسلم)

اس کے بعد دونوں طرف کی صفیں درست ہو چکی تھیں، کافروں کو اپنی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی پر ناز تھا مگر مسلمان آقائے کونینؐ کی غلامی پر ناز کر رہے تھے ان کو یقین تھا کہ یہ دین مٹنے کے لئے نہیں آیا ہے۔

تھوڑی دیر میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو میدان جنگ میں آنے کے لئے للکارا گیا۔ رسول اکرمؐ نے دعائے خیر کے ساتھ مسلمانوں کو میدان میں جانے کی اجازت دیدی۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام مہجعؓ بن صالح یمنی میدان میں نکلے۔ مقابلہ پر عامر حضرمی آیا۔ تھوڑی دیر جنگ ہوتی رہی آخر مہجعؓ حضرمی کے تیر سے شہید ہو گئے۔ یہ جنگ بدر کا پہلا شہید تھا جس نے اسلام کے

نام پر جرعہ شہادت نوش کیا۔ (ابن سعد)

اس کے بعد حارث بن سراقہ انصاری میدان میں آئے اور شہید ہو گئے، پھر حضرت عمیر انصاری نکلے اور شہید ہو گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ آگے بڑھے اور اسود بن عبد الاسد کو واصل جہنم کر دیا۔

کافروں میں سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آئے اور مقابل طلب کیا۔ آنحضرتؐ نے بنی ہاشم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اٹھو اور حق کی حمایت میں لڑو، پھر کیا تھا حضرت علیؓ آگے بڑھے اور ولید کو قتل کر دیا۔ حضرت حمزہؓ نے عتبہ کو خاک کا ڈھیر بنا دیا عبیدہؓ ابن حارث بن مطلب نے شیبہ پر حملہ کیا مگر اس کی تلوار سے آپؓ کی پنڈلی زخمی ہو گئی۔ حضرت علیؓ اور جناب حمزہ آگے بڑھے اور شیبہ کا کام تمام کر دیا حضرت عبیدہؓ کو زخمی حالت میں حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا کہنے لگے یا رسول اللہؐ کیا میں شہید ہوں؟ آپؐ نے فرمایا بے شک تم شہید ہو۔ اب دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے قریب پہونچ چکی تھیں۔

رسول اکرمؐ نے جب حضرت عبیدہؓ کو شہادت کا یقین دلایا تو وہ جواب میں کہنے لگے اگر آج ابو طالب ہوتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو ان کو یقین ہو جاتا کہ میں سب سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں کہ "ہم رسول اللہؐ کی حفاظت کریں گے، یہاں تک کہ لڑکے اردگرد مارے جائیں گے اور اپنے گھر والوں سے غافل ہو جائیں گے۔"

حضرت عبیدہؓ بدر سے واپس آ رہے ہوتے جب وادی صفراء میں پہونچے تو روح مکرم جسم سے پرواز کر گئی، آپ کو اسی مقام میں سپرد خاک کیا گیا۔ (طبری، اسد الغابہ)

قریش کے چار نامور کام آ چکے تھے۔ اعدائے اسلام میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی کہ عبیدہ

بن سعید مشرک لوہے میں غرق میدان میں آیا۔ بڑے فخر سے اپنا اور باپ دادا کا نام لیا۔ مقابلہ پر حضرت زبیر بن عوام نکلے، تمام جسم لوہے کے لباس سے چھپا ہوا تھا صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ حضرت زبیرؓ نے ایسا نشانہ باندھا کہ تیر آنکھ میں گھس کر سر کے پار نکل گیا۔ سعید خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ نے بڑی مشکل سے نعش کو پیر سے دبا کر تیر نکالا جو ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ حضور اکرمؐ نے زبیرؓ سے اس تیر کو لے لیا اور اسے بطور یادگار محفوظ رکھ لیا۔ خلفائے راشدین کے بعد عبداللہ بن زبیر سے اس تیر کا پتہ چلتا ہے (بخاری)

عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ مشرکین کے گروہ سے نکلے اور کہنے لگے، ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے۔ حضرت صدیقؓ بیٹے کے اس جملہ کو سن کر طیش میں آگے بڑھے مگر آنحضرتؐ نے روک دیا۔ بعد میں عبدالرحمٰن جب مسلمان ہوئے تو ایک دن حضرت صدیقؓ سے کہنے لگے کہ بدر کے دن ایک موقع پر آپ میری تلوار تلے آگئے تھے مگر باپ سمجھ کر ہاتھ روک لیا جناب صدیقؓ نے فرمایا۔ میں نے تم کو دیکھا نہیں ورنہ نہیں چھوڑتا۔ (مستدرک حاکم)

اب گھمسان کی جنگ شروع ہو چکی تھی، کون کس پر ٹوٹا پڑ رہا ہے معلوم نہیں ہوتا تھا آنحضرتؐ عرشہ کھجور میں مصروف دعا تھے۔ تھوڑی دیر میں باہر آئے اور فرمایا۔ اللہ کی مدد آگئی ہے فتح کی بشارت ہو۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا سب مل کر حملہ کرو۔ خود آنحضرتؐ تلوار ہاتھ میں لئے بلند آواز سے فرما رہے تھے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ کافر شکست کھائیں گے اور پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔ ہر طرف قتل کا بازار گرم تھا۔ رسول اکرمؐ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا، اے مولیٰ! جس طرح دشمنان دین

صفحۂ ہستی سے مٹ رہے ہیں اسی طرح ابو جہل کو بھی ہلاک فرما اے اللہ یہ دشمن دین تیری گرفت سے بچنے نہ پائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ دعائے رسولؐ کے بعد میں نے دیکھا کہ دو انصاری نوجوان میرے پہلو میں کھڑے ہیں۔ ایک نے مجھ سے کہا کہ چچا! ابوجہل کس کا نام ہے اور کونسا ہے؟ پھر دوسرے نے کہا، کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں حیران رہ گیا کہ یہ نوجوان کس قدر باہمت اور صاحب شجاعت ہیں، میں نے کہا، تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے وہ سب سے بڑا دشمن رسول ہے۔ ہم اسے موت کا ذائقہ چکھائیں گے، اس گفتگو کے ساتھ ہی ابوجہل مجھے نظر آیا اور میں نے ان نوجوانوں سے کہا کہ یہی ابوجہل ہے۔ بھر کیا تھا۔ دونوں لپکے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس سب سے بڑے عدو اللہ کا کام تمام کر دیا ان جوانوں کا نام معاذؓ اور معوذؓ تھا۔ (بخاری و مسلم)

عکرمہ کو باپ کے قتل نے آگ بگولا کر دیا، وہ باپ کے قاتل سے بدلہ لینے کے لئے بے چین تھا۔ معاذ بن عمرو جو ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ خیال کہیں اور تھا کہ عکرمہ نے پشت سے حملہ کر دیا، بازو کٹ گیا صرف تھوڑا سا جڑا رہا معاذ اسی حالت میں عکرمہ سے جٹ گئے مگر لٹکتا ہوا ہاتھ لڑنے میں رکاوٹ ڈال رہا تھا لہذا معاذؓ نے ہاتھ کو پیر سے دبا کر الگ کر دیا عکرمہ اس بپھرے ہوئے شیر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور مقابلہ سے فرار ہو گیا۔ معاذ اس واقعہ کے بعد عرصہ تک زندہ رہے اور ہمیشہ ابوجہل کے قتل پر فخر کرتے رہے (مدارج)

ہر طرف میدان گرم تھا۔ حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کا کام تمام کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح دیکھ رہے تھے کہ ان کا باپ ان کو قتل کی فکر میں

لگا ہوا ہے پہلے تو ٹلتے رہے جب باز نہیں آیا تو ایک ہی ہاتھ میں موت کی آغوش میں پہونچا دیا۔ امیہ بن خلف جو قدیم دشمن اسلام اور کسی زمانہ میں حضرت بلالؓ کا آقا تھا ایک جگہ حضرت بلالؓ کو نظر آگیا۔ حضرت بلالؓ نے انصار کو آواز دی اور کہا دوڑو یہ دشمن اسلام بچنے نہ پائے۔ انصار دوڑ پڑے اور امیہ کو واصل جہنم کر دیا مورخین نے لکھا ہے کہ امیہ عبدالرحمٰن بن عوف کی پناہ میں آچکا تھا وہ اس کی حفاظت کر رہے تھے مگر حضرت بلالؓ نے اس سرگروہ کفر کی جب بھی رعایت نہیں کی اور عبدالرحمٰن کی ٹانگوں میں سے ہاتھ ڈال کر کام تمام کر دیا۔ (ابن جریر وغیرہ)

امیہ میدان جنگ میں آتے ہوئے ڈرتا تھا کیوں کہ اس کے کان میں آنحضرت صلعم کی یہ پیشین گوئی آچکی تھی کہ امیہ ہلاک ہو گا، مگر ابوجہل اور عقبہ بن معیط نے جب اس کو عورت ہونے کا طعنہ دیا تو شریک جنگ ہوا تھا۔

حضرت حمزہؓ سر پر ایک کلغی لگائے میدان میں گھوم رہے تھے۔ دو تلواریں دونوں ہاتھوں میں تھیں اور دشمنان دین کا صفایا کرنے میں مصروف تھے۔ ایک عظیم رعب تھا جو حضرت حمزہؓ سے ٹپکا پڑ رہا تھا۔ امیہ بن خلف نے قتل سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف سے پوچھا یہ کون ہے کلغی والا۔ کہنے لگے یہ آنحضرت صلعم کے محترم چچا حمزہؓ ہیں، امیہ نے کہا، ان کی ذات سے زیادہ نقصان پہونچا ہے (اسد الغابہ)

زبیر بن عوام نے اس کثرت سے حملے کئے کہ ان کی تلوار کی دھار ٹوٹ گئی تھی۔ شانہ پر گہرا زخم آچکا تھا مگر شمشیر زنی میں فرق نہیں آتا تھا عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد کے شانہ پر اتنا گہرا زخم تھا کہ اچھا ہونے کے بعد ہم اس میں انگلی ڈال کر کھیلا کرتے تھے (بخاری) آتش جنگ خوب بھڑک رہی تھی۔ نشۂ توحید کے متوالے شوق شہادت میں دشمنوں سے

پر عقاب کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے عمیر بن حمامؓ نے جنت کی بشارت سن کر کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور صف اعداء میں اس طرح گھسے کہ پھر باہر نہیں آئے۔ عوف بن حارثؓ انصاری نے پوچھا اے اللہ کے نبیؐ خدا کس چیز کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا زرہ کے بغیر دشمن سے برسرپیکار ہونا۔ عوفؓ نے زرہ پھینک دی۔ خوب لڑے اور آخر جام شہادت پی لیا۔

حاکم کی روایت ہے کہ عمیر بن ابی وقاصؓ کو کم عمر ہونے کی بنا پر آنحضرتؐ نے میدان سے رد کر دیا۔ شوق جہاد سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ سرکار کو رحم آگیا اپنے ہاتھ سے تلوار حمائل کی اور میدان کی اجازت دی، باوجود کم سنی کے دیر تک اعداء سے لپٹے رہے، آخر ایک مشرک عمرو بن عبدود کی خون آشام تلوار نے اس نودمیدہ مجاہد کا خون پی ہی لیا۔

عزیمت وفرار

تلواروں کی جھنکار، تیروں کی بارش، آگ کے شعلے اور خون کے چھینٹوں نے میدان بدر میں عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔ توحید کے پرستار اور حیات ابدی کے خواستگار آگ و خون میں اس طرح کھیل رہے تھے کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دیر تک لڑنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ذرا سرکار دوجہاںؐ کو دیکھوں کس حال میں ہیں، عریش کھجور میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ اللہ کے نبیؐ سجدہ میں ہیں اور زبان مبارک پر یاحی یاقیوم کی صدائیں ہیں۔ دوبارہ اور سہ بارہ گیا جب بھی آپ بدستور سجدہ میں پڑے تھے۔

اب وعدہ نصرت پورا ہو رہا تھا۔ رسالت مآبؐ عریش میں مصروف مناجات تھے

کہ آنکھ لگ گئی۔ چند لمحوں کے بعد آنکھ کھلی اور فرمایا۔ ابوبکر! اللہ کی مدد آگئی۔ یہ جبریل ہیں، گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے اور سامانِ جنگ سے آراستہ ہیں۔ آپؐ نے اس کے بعد زمین سے ایک مشت کنکریاں اٹھائیں اور شاہت الوجوہ کہتے ہوئے دشمنوں کی طرف پھینکا صحابہ کرامؓ اشارہ پاتے ہی دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، اب مسلمان دشمنوں کی نظر میں دو چند نظر آنے لگے تھے۔ کفار مکہ کی ہمتیں پست ہو رہی تھیں۔ تاب مقابلہ نہیں رہی تھی۔ راہِ فرار اختیار کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے۔ نامورانِ قریش سے میدان خالی ہو چکا تھا یا تو میدان میں پڑے سسک رہے تھے یا موت کی آغوش میں پہونچ چکے تھے، ابوسفیان نے میدان جنگ کا بگڑا ہوا نقشہ دیکھا تو جان لے کر بھاگا، دوسرے قریش بھی ابوسفیان کے پیچھے بھاگے، میدان خالی ہو گیا۔ لاشیں نظر آ رہی تھیں اور سامان زمین پر بکھرا پڑا تھا۔ (بخاری، ابن سعد)

قرآن کریم نے فرمایا۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ اے محبوبؐ یہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکیں تھیں " یہ کنکریاں کفار کی آنکھوں میں پڑیں اور میدان جنگ ان کی نظروں میں تاریک ہو گیا آنکھیں ملتے اور ایک دوسرے پر گرتے ہوئے میدان سے بھاگے۔

متفرقات

مورخین نے امداد الٰہی اور جوش مجاہدین کے بہت سے نظائر بیان کئے ہیں چند باتیں درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوداؤد مازنی کہتے ہیں کہ جب میں کسی مشرک پر حملہ آور ہوتا تو اس کا سر تن سے جدا ہو کر اس طرح دور جا گرتا جیسے کسی غیبی طاقت نے سر کاٹ کر دور پھینک دیا

ہو۔ حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ اگر ہم اشارہ بھی کر دیتے تھے تو سر کٹ کر گر پڑتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بنو غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک پہاڑی پر کھڑا ہوا کیفیت جنگ دیکھ رہا تھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور آگے بڑھو آگے بڑھو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا بھائی ان آوازوں کو سن کر بے ہوش ہو گیا اور پھر جانبر نہ ہو سکا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بدر میں فرشتے تلوار چلا رہے تھے اور سفید عمامے سر پر بندھے ہوئے تھے۔ ایک انصاری کو جواب دیتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا فرشتوں کی امداد تیسرے آسمان سے آئی ہے۔ جبریل امین اپنے گھوڑے حیزوم پر سوار میدان بدر میں مصروف قتال تھے، مقتولین کفار کے چہروں پر تازیوں کے نیلے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔ (مسلم، ابن جریر)

غنیمت اور قیدی

مشرکین کے فرار کے بعد آنحضرتؐ نے زید بن حارثہؓ کو اور عبداللہ بن رواحہؓ کو فتح کی خوش خبری سنانے کے لئے مدینہ روانہ فرمایا۔ یہ زیدؓ جس وقت مدینہ میں داخل ہوئے تو رسول اکرمؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کو جنت البقیع میں دفن کیا جا رہا تھا۔ زیدؓ بھی شریک ہو گئے۔ مسلمانوں نے جناب زیدؓ کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ آپ نے بدر کی کامیابی سے سب کو مطلع کیا۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آنحضرتؐ نے ۳ دن میدان جنگ میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کوئی ہے جو میدان جنگ میں جائے اور ابو جہل کی خبر لائے۔ عبداللہ بن مسعودؓ گئے ابو جہل کو دیکھا۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ ابن مسعودؓ سینے پر بیٹھ گئے اور کہا اللہ نے آخر

تجھے خوب ذلیل کیا۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ افسوس اس بات کا ہے کہ میں مدینہ کے ایک معمولی کسان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کاش! کوئی نامور شخص مارتا، ابوجہل نے پوچھا، بتاؤ کون جیتا۔ ابن مسعودؓ نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کی جیت ہوئی۔ اس جملہ کو سن کر آخری سانس بھی نکل گئی، حضرت ابن مسعودؓ نے سر کاٹ کر رسول اکرمؐ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے سر کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ ۔ پھر فرمایا مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ۔ تعریف کی مستحق ہے وہ ذات جس نے تجھے اے دشمن خدا ذلیل کیا۔ اس امت کا فرعون مر گیا۔ (مسلم، مدارج)

اس جنگ میں ۱۴ مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ کافروں میں سے ۷۰ مارے گئے۔ ۷۰ قیدی بنائے گئے اور باقی نے راہ فرار اختیار کی۔ کافروں کے مقتولین میں تمام رؤسا قریش موجود تھے۔ مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں۔

ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، عقبہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، سعید بن عاص عاص بن ہشام حنظلہ، بن ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، علی بن امیہ بن خلف وغیرہ مکہ والے لاشوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ سب کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ سب اٹھا اٹھا کر ڈال دی گئیں مگر امیہ کی لاش پھول کر سڑنے لگی تھی اٹھانا ممکن نہیں تھا جہاں پڑی تھی وہیں دبا دی گئی آنحضرتؐ لاشوں کے کنوئیں پر گئے اور فرمایا اے کنوئیں والو! کیا تم نے اس وعدہ کو جو تم سے رب نے کیا تھا ٹھیک پایا؟ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا گیا۔"

(طبری، ابن سعد، ابن ہشام)

مجاہدین بدر میں حسب ذیل حضرات کو درجہ شہادت ملا۔ مہاجرین میں عبیدہ بن حارثؓ

عمیر بن ابی وقاص، مہجع بن صالح، صفوان بن بیضاء، عاقل بن کبیر، عمیر بن عبد عمرو انصار میں حارث بن سراقہ، معوذ بن عفراء، یزید بن حارث، عمیر بن حمام، رافع بن سعد بن خثیمہ، عوف بن حارث، بشر بن عبد المنذر وغیرہ۔

رسول اکرمؐ کے حکم سے مسلمان شہداء کو دفن کیا گیا۔ اسیران جنگ اور مال غنیمت کے مدینہ کو لوٹے، راستہ میں مقام صفراء میں ٹھیرے اور مال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم اسی مقام پر حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے زخموں کی تاب نہ لاکر انتقال کیا۔ مقام میں پہنچے تو اہل مدینہ نے شاندار استقبال کیا اور بارگاہ رسالت میں فتح کی مبارکباد کی۔ مدینہ میں پہونچکر اسیران جنگ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور فرمایا ان کو آرام رکھو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ قیدیوں میں جن کے کپڑے پھٹ گئے تھے مسلمانوں ان کو دوسرے کپڑے پہنائے حضرت عباسؓ کا قد بلند تھا کسی کا کرتہ ٹھیک نہیں آیا عبد اللہ بن ابی منافق نے اپنا کرتہ پیش کیا۔ آنحضرتؐ نے اس کے احسان کو بھلایا نہیں جب وہ مرا تو آپ نے اپنا کرتہ دیا کہ لاش پر ڈال دینا۔

قیدیوں میں عباسؓ، عقیلؓ، نوفل اور ابو العاصؓ شوہر حضرت زینبؓ بھی موجود تھے قریش کے ساتھ بدر میں آئے تھے مگر لڑے نہیں اور خاموشی سے گرفتار ہو گئے۔ حضرت عباس کی مشکیں زیادہ کس گئیں تھیں۔ رات کو تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ آنحضرتؐ کے کان میں آواز آئی تو نیند اچاٹ ہو گئی۔ پوچھا گیا حضورؐ کو نیند نہیں آتی ہے؟ فرمایا کی تکلیف نے بے چین کر دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے جاکر بند ڈھیلے کر دیئے۔ حضورؐ کو ہوا تو فرمایا۔ سب کی بندش ہلکی کر دو۔ قیدیوں سے ملاقات کے وقت آنحضرتؐ نے حضرت عقیلؓ سے فرمایا۔ ابو جہل مارا گیا۔ کہنے لگے جی ہاں اب تہامہ میں مسلمان

کوئی مزاحم نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا عقیلؓ! میں تم سے دوہری محبت کرتا ہوں، ایک تو رشتہ دار ہو دوسرے چچا جان بھی تم کو محبوب رکھتے تھے۔ ابوعزیز جو مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے ان کا بیان ہے کہ جن انصاریوں کی قید میں تھے وہ گھر کے لوگوں سے زیادہ ہمارا خیال رکھتے تھے ہمیں روٹی کھلاتے تھے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے تھے سہیل بن عمرو جو اسلام کے خلاف تقریر کرنے میں مہارت رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ ہمیشہ اسلام کے خلاف بولتا ہے، اس کے دو دانت نیچے کے توڑ دیئے جائیں تاکہ پھر فصیح تقریر نہ کر سکے، حضور اکرمؐ نے فرمایا میں کسی کے اعضاء بگاڑنے کے لئے نبیؐ نہیں بنایا گیا ہوں۔

قیدیوں کے معاملہ میں آنحضرتؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے کہا نہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ پر عمل کیا اور قیدیوں کی حیثیت کے مطابق ایک ہزار سے ۴ ہزار تک فدیہ مقرر فرمایا۔ جو لوگ نادار تھے ان کو ویسے ہی رہا کر دیا گیا۔ جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ تم دس دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دو۔ زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ حضرت عباسؓ سے زیادہ رقم لی گئی کیونکہ وہ مالدار تھے۔ اگرچہ ہاشمی حضرات اپنی خوشی سے شریک بدر نہیں ہوئے تھے ان کو مجبور کر کے لایا گیا تھا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے بدر کے دن فرمایا کہ میرے خاندان کے لوگوں کو جبریہ لایا گیا ہے، کوئی ان پر ہاتھ نہ اٹھائے، فدیہ لینے میں مساوات مقصود تھی۔

سیدہ زینبؓ کے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں مکہ سے ان کی بیوی حضرت زینبؓ نے

بنت رسول اللہؐ نے گلے کا وہ ہار اتار کر بھیج دیا جو ان کی ماں حضرت خدیجہؓ نے شادی میں دیا تھا۔ یہ ہار جب آنحضرتؐ کے سامنے آیا تو بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہؓ سے فرمایا۔ اس ہار کو دیکھ کر خدیجہؓ یاد آ گئیں۔ صحابہ نے ہار بھی واپس کر دیا اور ابوالعاص کو بھی رہا کرنے کی درخواست کی مگر آنحضرتؐ نے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دینا، ابوالعاص گئے اور وعدہ کو پورا کیا۔ پھر خود بھی مدینہ آ گئے۔ حضرت عباسؓ بھی مکہ چلے گئے اور کئی برس وہیں رہے، کیوں کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارا مکہ ہی میں مقیم رہنا زیادہ ضروری ہے۔

(بخاری، ابن سعد، مدارج)

بدر میں مسلمانوں کی کامیابی اور قریش کی شکست نے مکہ کو ماتم کدہ بنا دیا۔ ہر طرف رونے اور نوحہ کرنے کا ایک عام شور تھا کہ کان پڑی نہیں سنائی دیتی تھی، امیر صرف ابوسفیان تھا جو بھاگ کر آ گیا تھا باقی تو اچھے اچھے سورما پیوند زمین بن چکے تھے ابولہب بدر میں نہیں گیا تھا مگر اسلام کی سرفرازی اور مسلمانوں کی کامیابی کا اس قدر غم ہوا کہ نویں دن دم دے دیا۔

اس جنگ نے ایک نئے اور فاتحانہ دور کا آغاز کیا، اسلام کا سکہ دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ مدینہ کے بہت سے یہودی خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر قبول اسلام کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔

اسی سن دو ہجری میں ۲۸ رمضان کو صدقہ فطر واجب ہوا۔ نماز عید الفطر جماعت سے ادا کی گئی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرضیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ اسی سال ماہ ذالحجہ میں حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی، جہیز میں ایک چارپائی

چمڑے کا گدا۔ ایک چھاگل دو گھڑے، چکی اور سوا سو درہم مہر دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا علیؓ نہ ہوتے تو فاطمہ کو شوہر نہ ملتا۔

مکہ کے سب نامور جب مارے گئے تو ابوسفیان کو سب نے سپہ سالاری کا عہدہ پیش کیا۔ ابوسفیان نے اس عہدہ کو قبول کرتے ہوئے عہد کیا کہ جب تک بدر کا بدلہ نہیں لے لوں گا نہ تو نہاؤں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔

قتل رسولؐ کی سازش

بدر میں شکست کھانے کے بعد کفار مکہ نے یہ کوشش کی کہ جس طرح ممکن ہو رسول اکرمؐ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک شخص عمیر بن وہب کو مقرر کیا گیا کہ وہ اس کام کو انجام دے۔ عمیر جب نیت فاسد سے مدینہ آیا تو مسلمانوں کو شبہ ہوا اور اسے پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئے۔ آپؐ نے عمیرؓ سے مدینہ آنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا تھا۔ مگر آنحضرتؐ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو۔ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو۔ پھر آنحضرتؐ نے قتل کی سازش کے تمام واقعات بیان فرما دیئے۔ عمیر حیران رہ گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم سوائے میرے اور ابوسفیان کے اس سازش کا کسی کو علم نہیں تھا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ بلاشبہ آپ کا رب آپ کو خفیہ حالات سے مطلع فرماتا رہتا ہے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں اور دل سے توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔

غزوۂ احد ۳ھ

بدر کے شکست خوردہ مکہ پہونچے تو انتقام کے جذبے سے اندھے ہو رہے تھے قسمیں کھائیں۔ عہد و پیمان کئے اور بدلہ لینے کے لئے قوت کو بڑھانے اور مال و دولت کو جمع کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ بڑے بڑے تو مارے

جا چکے تھے ایک ابو سفیان رہ گیا تھا۔ وہی قوم کا سردار تھا اور سب کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ سامان جنگ کی فراہمی شروع کر دی گئی۔ سال تجارت فروخت کر کے اصل رقم اور نفع جنگی ضروریات کے لئے جمع کر دیا گیا۔ کوئی ایسا گھر نہیں تھا جس نے کسی نہ کسی حیثیت سے اس جنگ میں حصہ نہ لیا ہو۔ ایک عظیم جوش تھا جو ہر گلی اور کوچہ سے ابلا پڑ رہا تھا۔ مقتولین بدر کے نام بنام مرثیے گا کر دلوں میں آگ لگائی جا رہی تھی جس میں عورتوں کو متعین کیا گیا تھا کہ وہ جوانوں کے دلوں کو گرمائیں اور ان میں اپنی شاعری و خطابت سے انتقام یا موت کا جذبہ پیدا کریں۔ اس کے علاوہ کفار مکہ کی اس جنگ میں ایک خطرناک کوشش یہ بھی جاری تھی کہ مدینہ اور قرب و جوار کے غیر مسلم قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملایا جا رہا تھا۔ تاکہ یہ لوگ اندرونی طور پر انتشار پیدا کر کے مسلمانوں کے لئے وہ پریشان کن صورت پیدا کر دیں کہ وہ نہ تو جم کر لڑ سکیں اور نہ اپنی قوت کو مجتمع کر سکیں گویا پورے عرب کی ایک متحدہ قوت تھی جسے حامیان اسلام کے خلاف میدان جنگ میں جھونکنے کی بے پناہ تیاریاں کی گئی تھیں۔

حضرت عباس ابن عبد المطلب جو مکہ ہی میں مقیم تھے ان حالات کو بغور دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایک قاصد کے ذریعہ تمام حالات سے مطلع فرمایا۔ آنحضرتؐ اگرچہ مکہ والوں کی طرف سے غافل نہیں تھے مگر حضرت عباسؓ کی اطلاع ملتے ہی آپؐ نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ یہ بحث چل رہی تھی کہ مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا مدینہ سے باہر کھلے میدان میں لڑا جائے کہ حضور اکرمؐ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے اور جلد ہی زرہ زیب تن فرما کر باہر تشریف لے آئے۔ اس زرہ پوشی کا مطلب واضح تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر میدان میں دشمن

کا مقابلہ کرنا چاہیئے ابھی آپ جاں نثاروں کو لے کر نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ مکہ والے مدینہ کے قریب آچکے تھے اور چراگاہوں کو برباد کر رہے تھے۔

اگرچہ مسلمانوں کے سامنے یہ جنگ اچانک آئی تھی۔ نہ تو سامان جنگ پورے طور پر مہیا تھا اور نہ وہ تدابیر جنگ پر اچھی طرح غور کر سکے تھے مگر پیغمبر اسلام کی موجودگی اور سرپرستی ان کے لئے سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز تھی۔ انکے حوصلے بلند تھے اور وہ اسلام کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط چٹان نظر آرہے تھے۔ دشمن دروازہ تک پہونچ چکا تھا مگر مجاہدین اسلام اور مدینہ کے باشندے مطلق تھے نہ کوئی گھبراہٹ تھی اور نہ دشمن کا خوف! دشمنان اسلام نے پورے جوش وخروش اور سامان جنگ اور کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لے کر ۵ شوال پیر کے دن مکہ سے مدینہ کی طرف کوچ کیا تھا۔ یہ تین ہزار کی جمعیت تھی جوش انتقام میں ڈوبے ہوتے جوانوں کو حسین عورتیں جوشیلے گیت اور مرنے والوں کی یاد دلا کر گرما رہی تھیں تین ہزار آدمیوں میں سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور بہت سی عورتیں تھیں۔ مردوں کی سپہ سالاری ابوسفیان کے ذمہ تھی اور عورتوں کی سپہ سالاری ہندہ زوجہ ابوسفیان کر رہی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فوجوں کو ترتیب دیا اور مونس رض اور انس رض دو نوجوانوں کو بھیجا کہ وہ شہر سے باہر جا کر حالات معلوم کریں۔ تھوڑی دیر میں جوان آگئے اور کہنے لگے کہ:-

ایک کثیر جماعت ہے جو احد کے قریب پہنچنے والی ہے آپ نے دوبارہ خباب رض بن منذر کو بھیجا کہ وہ دشمن کی تعداد وغیرہ کا اندازہ لگائیں

جب تمام حالات معلوم کر لیے تو مسلمانوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ ۱۳ شوال جمعہ کی رات کو سعد بن معاذؓ اسید بن حضیرؓ اور سعد بن عبادہؓ رات بھر پہرہ داری کرتے رہے۔ صبح کو نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے تین جھنڈے تیار کیے۔ مہاجرین کے علم بردار حضرت علیؓ بنائے گئے۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید بن حضیرؓ کو دیا گیا اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا خباب بن منذرؓ کو دیا گیا۔ اس کے بعد ایک ہزار کی جماعت کے ساتھ رات کو مدینہ سے روانہ ہو کر فجر کے قریب میدان احد میں پہنچے۔ راستہ میں آپ نے فوج کا جائزہ لیا۔ کچھ کم عمر بچے تھے ان کو واپس فرما دیا۔ سمرہ بن جندبؓ اور رافع بن خدیجؓ جو پندرہ پندرہ برس کے تھے مگر تیر اندازی میں ہوشیار تھے ان کو روک لیا گیا، فجر کی نماز میدان احد میں ادا فرمائی۔ ایک منافق عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر لشکر اسلام سے یہ کہتا ہوا الگ ہو گیا کہ جب میری رائے نہیں مانی گئی تو میں کس طرح شریک جنگ ہو سکتا ہوں۔ عبداللہ چاہتا تھا کہ یہ جنگ مدینہ میں رہ کر لڑی جائے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی درحقیقت منافق تھے اور بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اس طریقہ سے ان کی غرض عین وقت پر ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں میں احساس کمزوری پیدا کرنا تھا۔

مسلمان میدان جہاد میں

پندرہ شوال ہفتہ کے دن فجر کے بعد آنحضرت ﷺ نے دوبارہ مسلمانوں کا جائزہ لیا۔ اب سات سو مسلمان اور دو گھوڑے رہ گئے تھے۔ آپ نے پہاڑ کی طرف پشت کر کے مسلمانوں کی صف آرائی فرمائی۔ پشت کی طرف سے حملہ کو روکنے کے لیے آپ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا۔ عبداللہ بن جبیرؓ اس دستے کے افسر

نگراں مقرر کئے گئے۔ آپ نے ان پچاس مسلمانوں کو سخت ہدایت کر دی کہ تم کسی حال میں اپنی جگہ مت چھوڑنا، یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی دیکھو کہ دشمن میدان سے بھاگ گئے ہیں جب بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا۔

دشمن پہلے ہی تیار ہو چکے تھے۔ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور عبداللہ بن ربیعہ فوج کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ابوسفیان سپہ سالار اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہا تھا، کافروں کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ اٹھائے ہوئے تھا۔

آنحضرت ﷺ کے حکم سے زبیر بن عوامؓ اور منذر بن عامرؓ داہنے بائیں کی دیکھ بھال کر رہے تھے اور مصعب بن عمیرؓ علم بردار تھے، دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل تھے ادھر فوج کی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی پر ناز تھا۔ ادھر خدا پر بھروسا اور رسالت مآب ﷺ کی رہنمائی پر فخر، مسلمان تلوار کا دھنی تو ہے مگر تلوار پر بھروسہ کرنے کو ایمان کے منافی سمجھتا ہے۔ مشرک عورتیں جوشیلے اشعار گا رہی تھیں اور مقتولین بدر کی نوحہ خوانی سے دلوں کو گرما رہی تھیں۔

سب سے پہلے مدینہ سے بھاگا ہوا ایک شخص ابو عامر اوسی مکہ والوں کی طرف سے میدان میں آیا۔ مقابلہ کے لئے آواز دی مگر مسلمانوں کی تیر اندازی کے سامنے جم نہیں سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد علم بردار طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کوئی جسے میں جنت میں پہنچا دوں یا وہ مجھے دوزخ میں پہنچا دے۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور ایسی تلوار ماری کہ سر کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ طلحہ زمین پر گرا اور آنحضرت ﷺ نے علیؓ کو محبت سے دیکھتے ہوئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ عثمان طلحہ کا بھائی جوش انتقام میں آگے بڑھا۔ ابھی علیؓ تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ حضرت امیر حمزہؓ نے ایک ہی

وار میں جہنم رسید کر دیا۔ امیر حمزہؓ میدان سے یہ کہتے ہوئے پلٹے "میں ساقی حجاج، عبد المطلب کا بیٹا ہوں"۔

اب میدان بہت گرم ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے فرما رہے تھے ہے کوئی جو اس کا حق ادا کرے؟

ابو دجانہ پہلوان نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا دشمنوں پر اس کثرت سے ماری جائے کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ عرض کیا حضورؐ مجھے دیدیجئے۔ آنحضرتؐ نے تلوار ابو دجانہ کو دیدی۔ ابو دجانہ نے تلوار لے لی۔ سرخ رومال سر پر باندھا اور میدان کی طرف بڑھے تو لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ لڑتے ہوئے عورتوں کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ سامنے آگئی، ابو دجانہؓ نے تلوار اٹھائی مگر یہ کہتے ہوئے روک لی کہ "آنحضرتؐ کی تلوار کی توہین ہے کہ کسی عورت کو اس سے مارا جائے"۔

حضرت علیؓ اور حضرت امیر حمزہؓ جانبازی کے ایسے جوہر دکھا رہے تھے کہ جو بھی مقابلہ پر آیا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابھی تک انفرادی جنگ ہو رہی تھی۔ اس کے بعد ایسی گرمی بڑھی کہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ علیؓ و حمزہؓ نے ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ قلب لشکر میں گھس کر صفیں کی صفیں صاف کر رہے تھے۔ دوسری سمتوں میں مجاہدین اسلام ایسی پامردی سے لڑ رہے تھے کہ کفار کا لشکری نظام درہم برہم ہوا جا رہا تھا۔ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی کہ وحشی کا ایک تیر آیا اور جناب حمزہؓ کی ناف پر لگا اور پار ہو گیا۔ عبد المطلب کے بہادر فرزند نے اسی مقام پر جان دے دی۔ مسلمانوں کے جوش میں اتنا اضافہ ہوا کہ وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر کافروں پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت حنظلہؓ لڑتے کاٹتے ابوسفیان کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ شداد بن اسود نے سامنے سے آکر شہید کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ جب ان کی بیوی سے حالات معلوم کئے گئے تو کہنے لگیں کہ اعلان جہاد کی رات کو انہیں غسل کی حاجت تھی مگر رسول اکرم ﷺ کا اعلان سن کر یہ تازہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتے غسل دے رہے تھے۔

مسلمان بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ کافروں کے پیر میدان سے اکھڑ چکے تھے ان کا جھنڈا زمین پر پڑا تھا اور کوئی اسے اٹھانے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ آخر اللہ کے شیروں نے دشمنوں کا منہ پھیر دیا۔ کافر میدان سے بھاگ رہے تھے اور عورتیں ان کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ میدان خالی ہو چکا تھا۔ ابوسفیان، عکرمہ اور خالد کسی کے پیر نہیں جم رہے تھے۔

نافرمانی کا نتیجہ

مسلمانوں کو یقین ہو چکا تھا کہ اب کافر نہیں پلٹیں گے۔ اس خیال نے ان کو دشمنوں کی طرف سے غافل کر دیا اور وہ غنیمت غنیمت کہہ کر کافروں کے چھوڑے ہوئے مال کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ پچاس تیرانداز بھی اپنی جگہ سے بھاگ کر اور لوٹنے میں شامل ہو گئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے ہر چند روکنے کی کوشش کی اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کو یاد دلایا مگر کسی نے پرواہ نہیں کی۔ یہ مورچہ ایک عظیم خطرہ تھا جسے آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی محسوس فرما لیا تھا آخر وہی ہوا مسلمانوں کا اس مورچے سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل فوراً پلٹ پڑے اور پیچھے سے آکر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ اور چند ساتھی جو اپنی جگہ پر قائم تھے۔ بڑی بہادری سے خالد و عکرمہ کے لشکر کو روکتے رہے مگر کب تک؟ آخر سب اسی جگہ لڑتے لڑتے

شہید ہو گئے۔ مسلمان لوٹنے میں مصروف تھے اور کافر پوری قوت سے حملہ کر رہے تھے تھوڑی سی دیر میں مسلمانوں کی صفیں درہم و برہم ہو گئیں اور شاندار فتح نافرمانی کے انجام میں شکست سے تبدیل ہو گئی۔

اسی اثناء میں حضرت مصعب بن عمیرؓ جو شکل و شباہت میں رسول اکرمؐ سے ملتے ہوئے تھے کافروں کے نرغہ میں پھنس کر شہید ہو گئے۔ کفار کو خیال ہوا کہ حضور اکرمؐ شہید ہو گئے چنانچہ ابن قمہ نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ صلعم قتل ہو گئے۔ اس آواز نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے۔ بڑے بڑے بہادر بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ کچھ بھاگ کر مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ کچھ جہاں تھے وہیں جنگ کرتے اور شہید ہوتے رہے۔ تیسرے گروہ میں صرف ۱۲ یا ۱۴ حضرات ایسے تھے جو آخر تک ثابت قدم رہے اور کسی حال میں انہوں نے حضورؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سورۂ آل عمران میں اس واقعہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ (زرقانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت نے بہت سے لوگوں کے دل توڑ دیئے چنانچہ ابن نضرؓ اور ثابت بن وحداحؓ اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ چند انصار کو ساتھ لے کر خالد بن ولید کی فوج پر یہ کہتے ہوئے ٹوٹ پڑے کہ "جب رسول اللہؐ شہید ہو گئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے" تھوڑی دیر مقابلہ کیا آخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

طبرانی کا بیان ہے کہ ابن قمہ نے اعلان سے پہلے آنحضرتؐ کو تلوار سے زخمی کر دیا تھا۔ چہرہ مبارک میں تلوار کی دو کڑیاں گھس گئیں تھیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نکالنا چاہتے تھے مگر ابوعبیدہ بن جراح نے قسم دے کر کہا کہ یہ خدمت میں انجام

دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر ان کڑیوں کو کھینچا۔ کڑیاں تو نکل آئیں مگر ابو عبیدہؓ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے آنحضرتؐ کی طرف ایک پتھر اس زور سے پھینکا کہ سامنے کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ کافروں نے تمام قوت اس مورچہ پر لگا دی تھی کہ جہاں اللہ کے حبیبؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے اسی دوران میں حضرت کعب بن مالک انصاریؓ نے دور سے آنحضرتؐ کو دیکھا اور زور سے چلا کر کہا مسلمانو! تم کو خوش خبری ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ اس آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ مایوس اور سراسیمہ مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر آنحضرتؐ کے گرد جمع ہونے لگے۔ کفار شدید حملے کر رہے تھے۔ صحابہ سینہ سپر اور پروانہ وار قربان ہو رہے تھے حضور اکرمؐ نے فرمایا: کون ہے جو مجھ پر اپنی جان قربان کرتا ہے؟ حضرت زیادؓ انصاری چند ساتھیوں کے ہمراہ سامنے آئے اور لڑتے ہوئے قربان ہو گئے۔

آنحضرتؐ کا چہرہ زخمی ہو چکا تھا۔ خون بہنے سے نقاہت بڑھ گئی تھی۔ آپ پیچھے ہٹتے ہوتے ایک گڑھے میں گر گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ نے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ کفار نے ساری قوت رسول اللہؐ کی طرف لگا دی تھی۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار آنحضرتؐ کی جان لینے پر بری طرح تلے ہوئے ہیں تو انھوں نے آپ کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ حضرت ابو دجانہؓ اپنا سینہ آپ کے سینے سے ملا کر کھڑے ہو گئے پشت کو ڈھال بنا لیا۔ تیر آ کر ان کی پشت پر لگ رہے تھے مگر وہ اپنے آقا پر خوشی سے قربان ہو رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے اس کثرت سے تلوار کے حملوں کو روکا کہ ہاتھ کٹ کر گر گیا۔

حضرت سعد بن وقاص، حضرت ابو طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف
دشمنوں کے مقابلہ پر دیوار آہنی بنے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ سعد بن وقاصؓ کو ...... اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر دے رہے تھے
اور فرما رہے تھے۔ مارو، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ حضرت ابو
طلحہؓ کے ہاتھ سے کئی تلواریں ٹوٹ گئی تھیں۔ حضور اکرمؐ جب گردن بلند فرما کر
دشمنوں کو دیکھتے تو آپ عرض کرتے یا رسول اللہؐ! گردن نہ اٹھائیے۔ کہیں کوئی
تیر نہ لگ جائے۔ حضرت شماسؓ شمشیر زنی کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھوڑی
سی جان تھی کہ مدینہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیج دیا گیا۔ جہاں دوسرے
دن انتقال کر گئے۔ (بخاری۔ ابن حبان)

حضرت قتادہؓ نے آنحضرتؐ کی طرف آتے ہوئے تیر کو روکنے کے لئے اپنا چہرہ
سامنے کر دیا۔ تیر آیا اور آنکھ میں لگا۔ ڈھیلا نکل کر لٹکنے لگا۔ آنحضرتؐ نے
اپنے ہاتھ سے ڈھیلے کو آنکھ میں رکھ دیا اور فرمایا۔ یا اللہ! قتادہؓ کو اس تکلیف
سے صحت عطا فرما کیوں کہ اس نے تیرے نبیؐ کی حفاظت کی ہے۔ خدا کے حکم سے
آنکھ تندرست ہو گئی اور دوسری کے مقابلہ میں زیادہ بڑی نظر آنے لگی۔
حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلامی جھنڈے کو سنبھالتے ہوئے آنحضرتؐ کے سامنے
شہید ہو گئے۔ محمد بن شرجیلؒ کہتے ہیں کہ حضرت مصعبؓ کا جب داہنا ہاتھ
کٹ گیا تو جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ جب یہ بھی بے کار ہونے لگا
تو جھنڈے کو سینے کے سہارے روکا اور بلند آواز سے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ
پڑھتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے فوراً جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں

لے کر بلند کر لیا۔

خالد بن ولید چند ساتھیوں کو لے کر ایک ٹیلہ پر چڑھے تاکہ آنحضرتؐ کا پتہ لگائیں کہ وہ کہاں ہیں۔ آنحضرتؐ نے خالد کو دیکھا تو فرمایا "اے اللہ! یہ ہم پر غالب نہ آئیں"۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی تیر اندازی شروع کر دی اور کافروں کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حضور اکرمؐ ایک ٹیلے پر چڑھنے لگے تاکہ کفار کو دیکھیں مگر نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ چڑھنا مشکل ہو گیا حضرت طلحہؓ نے اپنی پشت پیش کر دی اور اللہ کے رسولؐ پشت پر پیر رکھ کر چڑھ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ طلحہؓ آج بہشت کے مستحق ہو گئے۔ کمزوری اور زخموں کی کثرت کے باعث آج آپؐ نے نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔ نمازی بھی بیٹھے رہے کافروں کی عورتیں میدان میں گشت لگا رہی تھیں مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ بہت نازیبا سلوک کر رہی تھیں، ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنے گلے کا ہار اتار کر وحشی کے گلے میں ڈال دیا اور اس کو حضرت امیر حمزہؓ کے قتل پر مبارک باد دی۔ بہت سے شہداء کے ناک کان کاٹے اور ہار بنا کر ہندہ نے اپنے گلے میں پہنا۔ حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کے قریب ہندہ گئی تو خنجر سے لاش کا سینہ چاک کیا اور کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا، ناک کان کاٹے اور لاش کو اچھی طرح خراب کیا۔

بھاگے ہوئے اور منتشر مسلمان جب جمع ہو گئے تو حضور اکرمؐ نے ایک پہاڑی کو پشت کی طرف لے کر ایک نیا مورچہ قائم کر لیا اور پھر بے جگری سے مقابلہ کرنے لگے اس نئے مورچے نے دشمنوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ کئی مرتبہ خالد، عکرمہ اور ابوسفیان نے اس نئے مورچہ پر سخت حملے کئے مگر ناکام رہے، اور جب دیر تک اس نئے

مورچہ پر ان کو کوئی کامیابی نہ ہوئی اور مزید امداد کے آنے کا مدینہ سے اندیشہ بڑھا تو بھاگنا شروع کر دیا۔

ابوسفیان نے جاتے ہوئے زور سے پکار کر کہا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ لڑائی میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے۔ اے مسلمانو! تم کو بہت سے شہید اس حال میں ملیں گے کہ ان کے ناک کان کٹے ہوں گے۔ اگرچہ میں نے کسی کو یہ مشورہ نہیں دیا تھا مگر مجھے ان کے ایسا کرنے کا کوئی غم بھی نہیں ہے، اچھا اگلے سال بدر میں پھر مقابلہ ہوگا۔"

آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ابوسفیان کو جواب دیدو کہ ہم کو تمہارا اعلان منظور ہے۔ کافر واپس جانے لگے تو حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اے علیؓ! تم دیکھو کہ دشمن مدینہ کا رخ تو نہیں کرتے ہیں۔" حضرت علیؓ نے تعاقب کیا اور واپس آ کر عرض کیا کہ وہ سب مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔"

اس جنگ میں مسلمانوں کی لاپرواہی غنیمت کا لالچ اور حکم رسولؐ سے غفلت کی بنا پر مسلمانوں کو زبردست جانی نقصان پہونچا۔ اللہ کے رسولؐ کو بذات خود مورچہ سنبھالنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جرأت اور چند صحابہ کرامؓ کی ثابت قدمی نے جنگ کا رخ بدل دیا۔ ورنہ معلوم نہیں دشمنان اسلام کے ہاتھوں اللہ کے رسول اور مدینہ کے باشندوں کو کس قدر تکالیف برداشت کرنا پڑتیں۔ کافروں کی دوبارہ شکست و فرار کا تذکرہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (آل عمران)

آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک سے خون بہہ رہا تھا۔ مالک بن سنانؓ نے خون کو چوس کر

بند کرنا چاہا مگر رکا نہیں۔ آخر حضرت فاطمہؓ پانی سے دھونے لگیں حضرت علیؓ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے۔ پھر بھی نہیں رکا تو جناب فاطمہؓ نے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا اور خون رک گیا۔

زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔ وہ قوم کیا فلاح پائے گی جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا۔ پھر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے ہیں "فرمایا اگر یہ خون زمین پر گرتا تو عذاب الٰہی نازل ہوئے بغیر نہیں رہتا (فتح الباری)

خواتین اسلام نے اس جنگ میں بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔ حضرت عائشہؓ حضرت ام سلیمؓ، والدہ انسؓ ام سلیط والدہ ابوسعید خدریؓ بڑی مستعدی سے پانی کی مشکیں بھر بھر کر لا رہی تھیں اور آپ کی دایہ ام ایمن اور آنحضرتؐ کی سالی صاحبہ حمنہ بنت جحش لوگوں کو پانی پلا رہی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں حضرت صفیہؓ جو شہید حمزہؓ کی بہن تھیں ہاتھ میں نیزہ لئے میدان میں گھوم رہی تھیں اور بھاگنے والوں کے منہ پر نیزہ مار کر کہتی تھیں کہ "تم اللہ کے رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے"

گھومتے گھومتے حضرت صفیہؓ جب اپنے بھائی امیر حمزہؓ کی لاش پر آئیں تو صبر و سکون سے فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ پھر بھائی کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت فاطمہؓ نے جب آنحضرتؐ کو سلامت دیکھا تو خوشی سے گلے لپٹ گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ میدان میں جا کر شہدائے اسلام کا حال معلوم کرو اور یہ بھی دیکھو کہ سعد بن ربیع کہاں ہیں اور

کس حال میں ہیں، سعد اجازت لے کر گئے تھے پھر واپس نہیں آئے تھے۔ ایک روایت ہے کہ ابی بن کعبؓ سعد بن ربیعؓ کو تلاش کرنے گئے تھے۔ لاشوں میں نظر نہیں آئے تو نام لے کر پکارا۔ ایک طرف سے جواب ملا۔ دیکھا جاکر تو آخری سانسیں باقی تھیں، سعد نے کہا۔ اللہ کے رسولؐ سے میرا سلام کہدینا اور مسلمانوں سے کہدینا کہ اگر رسول اللہ کو کوئی نقصان پہنچا تو ہم خدا کو منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہیں گے پھر آخری ہچکی نے آغوشِ رحمت میں پہونچا دیا۔ حضور اکرمؐ نے سعد کے پیغام کو سن کر فرمایا، اللہ تعالیٰ سعد پر رحم فرمائے، اس نے موت اور زندگی دونوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو نہیں چھوڑا۔

کفارِ مکہ کو اس جنگ میں اپنے بائیس یا تیئیس بہادروں سے ہاتھ دھونا پڑے ابوسفیان اور خالد کو سخت شرمندگی تھی کہ مکہ والوں کو ان بہادروں کی موت کے بعد کیا منہ دکھائیں گے۔

جامِ شہادت نوش کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ستر اور اسی کے لگ بھگ تھی۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی لاشیں دیکھیں اپنے چچا حضرت امیر حمزہؓ کی لاش پر تشریف لے گئے۔ ناک کان کٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں نکلی ہوئی تھیں۔ اعضائے جسم بیکار کر دیئے گئے تھے، جگر نکال لیا گیا تھا بے اختیار ہو گئے اور فرمایا "میں نے اتنا دردناک منظر کبھی نہیں دیکھا"۔ پھر فرمایا "اَنَا شَہِیۡدٌ عَلٰی ھٰۤؤُلَاۗءِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ۔ میں قیامت کے دن ان شہیدوں کی شفاعت کروں گا"۔

کپڑوں کی کمی کے باعث کئی کئی مسلمان ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر سپردِ خاک کئے گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ کو ایک چھوٹی سی چادر میں لپیٹا گیا۔ سر کو چھپا دیا اور

پیروں پر گھاس ڈال دی گئی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کی کملی میں لپیٹ کر دفن کیا گیا۔

حضرت عمرو بن جموحؓ انصاری تھے اور ایک پیر سے معذور تھے، لنگ کر کے چلتے تھے۔ اگرچہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم پر جہاد فرض نہیں ہے مگر وہ حضورؐ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہتھیار لگائے، میدان میں اجازت کے بعد گئے اور کہتے جا رہے تھے اے اللہ مجھے شہادت نصیب ہو۔ ان کی شہادت کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے فرمایا "عمرو بن جموحؓ کو میں جنت میں ٹہلتا ہوا دیکھ رہا ہوں"۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔ یہ آیت شہداء احد کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

مدینہ میں آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو ہر دل پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں جب ان کو معلوم ہوا کہ اللہ کے رسولؐ سلامت ہیں تو تن مردہ میں جان دوڑ گئی۔ بڑی بے تابی سے حضورؐ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ حضور اکرمؐ جب میدان جنگ سے واپس مدینہ تشریف لائے تو عورتوں، مردوں اور بچوں کا ایک ہجوم تھا جو راستوں میں کھڑا ہوا اپنے آقا کو بے تابی سے دیکھ رہا تھا۔

ایک عورت کو لوگوں نے بتایا کہ تمہارے شوہر، باپ اور بھائی سب شہید ہو گئے اس نے کوئی پرواہ نہیں کی اور کہنے لگی، یہ بتاؤ کہ میرے آقا کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا وہ ٹھیک ہیں۔ کہنے لگیں نہیں مجھے دکھا دو تاکہ اطمینان ہو جائے جب دیکھا تو کہنے لگیں۔ کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ آپ موجود ہیں تو ہر مصیبت

ایچ ہے "

کچھ عورتوں کو رسالت مآب ؐ نے دیکھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لئے رو رہی تھیں یہ دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ عورتوں کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جاؤ اور حضرت امیر حمزہؓ کا ماتم کرو۔ عورتیں آئیں اور نوحہ کرنے لگیں صبح کے قریب حضور اکرم ؐ نے سب کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ان کو گھر جانے کی اجازت دی۔ (ابن ہشام، ابن سعد، بخاری)

زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ احد کے جس میدان میں یہ جہاد ہوا تھا اسی جگہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر ہے۔ احد مدینہ کی آبادی سے ۳ میل کے قریب ہے، جہاد کی تاریخوں میں مورخین کا اختلاف ہے، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، اور پندرہ مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں مگر شوال ۳ھ پر سب متفق ہیں۔

اہم واقعات

۳ھ میں جنگ احد کے علاوہ کوئی ایسا معرکہ نہیں ہوا جس میں قتال تک نوبت پہنچتی۔ البتہ دعثور کا واقعہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ احد سے پہلے دعثور بن الحارث محاربی نے ساڑھے چار سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا آنحضرت ؐ صحابہؓ کے ہمراہ مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے مگر دعثور اور اس کے ساتھی مقابلہ سے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ رسول اکرم ؐ واپس آنا چاہتے تھے کہ بارش ہونے لگی، کپڑے بھیگ گئے، آپ نے کپڑے درختوں پر سوکھنے ڈال دیئے اور خود ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمانے لگے دعثور یہ حال دیکھ رہا تھا آپ

لیٹے اور آنکھ لگ گئی کہ وہ نکل کر آیا اور تلوار سونت کر سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا بتاؤ اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "اللّٰہ" اس لفظ کے سنتے ہی دعثور کے جسم میں رعشہ پیدا ہو گیا، ہاتھ اس قدر کانپے تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ آپ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا۔ اب تم بتاؤ کہ تم کو کون بچائے گا؟ دعثور کوئی جواب نہیں دے سکا۔ آنحضرتؐ کو اس کی لاچاری پر رحم آگیا اور فرمایا۔ جاؤ میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ دعثور پر آپ کے اخلاق کا گہرا اثر ہوا خود بھی اسلام قبول کیا اور قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی اور تمام زندگی تبلیغ اسلام میں ہی گذار دی۔ اسی سن کے شعبان میں آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا۔ ان کے شوہر بدر میں شہید ہوئے تھے حضرت زینب بنت خزیمہؓ بھی اسی سال آپ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت ام کلثومؓ اسی سال جناب عثمان غنیؓ کے نکاح میں دی گئیں، پہلی بیوی حضرت رقیہؓ تھیں جو بدر کے دن فوت ہوئی تھیں۔ اسی سن میں آیت میراث نازل ہوئی اور ذوی الارحام کے حقوق تفصیل سے بیان کئے گئے ابھی تک مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کی اجازت تھی مگر اس سال سے اس رشتہ کو حرام کر دیا گیا (سیرت مغلطائی) اسی سال ۱۵ رمضان المبارک کو منگل کے دن حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ حضرت فاطمہؓ کے پہلے فرزند ہیں۔ آنحضرتؐ نے نام رکھا اور عقیقہ کیا۔ رمضان ۴۰ھ میں خلیفہ ہوئے اور ۵ ربیع الاول ۵۰ھ میں شہید ہوئے۔

ہجرت کا چوتھا سال

آفتاب اسلام کی روشنی جتنی زیادہ پھیلتی جارہی تھی مخالفین کی سرگرمیاں اسی قدر زیادہ بڑھتی جارہی تھیں۔ بدر کی ہزیمت اور احد کی ناکامی نے قریش کو چراغ پا کر دیا تھا۔ ان کی نیندیں حرام ہوچکی تھیں، ابوسفیان چونکہ بدر کے بعد قوم کا سربراہ ہوا تھا اس لئے اس کو سب سے زیادہ فکر تھی کہ کچھ ایسے اقدامات کئے جائیں جو ندامت کو مٹا سکیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی کامیابی کو روک سکیں احد سے واپس ہوکر ابوسفیان نے تیسری جنگ کے لئے بہت کچھ سوچا مگر مکہ والے مسلمانوں سے اس درجہ خائف ہوچکے تھے کہ اب حملہ کے لئے ان کی ہمتیں جواب دے چکی تھیں۔ ابوسفیان نے اس صورت حال کے پیش نظر یہودیوں سے ساز باز شروع کردیا اور اس بات کی کوشش کی کہ قبائل یہود کو اسلام کے خلاف بھڑکایا جائے چنانچہ اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی تباہی اور آنحضرت ﷺ کی جان لینے کے سلسلہ میں کئی سازشیں کی گئیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

قبیلہ بنی اسد کی شرارت — محرم ۴ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی اسد کے بہت سے اسلام دشمن قطن میں جمع ہوتے ہیں تاکہ مدینہ پر حملہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین اسلام کو حضرت ابوسلمہؓ کی نگرانی میں اس قبیلہ کی سرکوبی کے لئے قطن کی طرف روانہ فرمایا۔ مجاہدین پہونچے تو شرارت پسندوں کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور وہ ایسے منتشر ہوتے کہ پھر مدت تک سر نہیں اٹھا سکے۔ (ابن سعد)

شہادت حفاظ — ماہ صفر ۴ھ میں اہل نجد کی خواہش پر آنحضرت ﷺ نے

ستر صحابہ کرامؓ کو تبلیغ اسلام کے لئے نجد کی طرف روانہ فرمایا مگر نجدیوں
نے اسلام قبول کرنے کے بجائے ان صحابہؓ کو دھوکے سے گھیر لیا۔ اہل نجد کے
نامور لوگوں میں رعل، ذکوان، عامر اور عصیۃ سب تلواریں سونت کر کھڑے
ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے سخت مقابلہ کیا مگر نجدیوں کے ٹڈی دل کے سامنے نہتے
اور مجبور مسلمان کیا کر سکتے تھے، دیر تک لڑے اور آخر سب شہید ہو گئے۔ رسول
اکرمؐ کو معلوم ہوا تو سخت افسوس ہوا اور آپ نے ظالموں کے لئے بہت دن
تک فجر کی نماز میں بددعا فرمائی، دوسری رکعت کے بعد دعائے قنوت پڑھی
جاتی تھی۔ (زرقانی)

دوسرا واقعہ۔ اسی سال ابوسفیان نے بنی ہذیل کے چند سرداروں کو آمادہ
کیا کہ وہ مدینہ جا کر مسلمان ہو جائیں اور پھر کچھ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ تبلیغ کے بہانہ
سے لائیں اور شہید کر دیں۔ چنانچہ بنی ہذیل کے سردار مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے
آنحضرتؐ نے ان کی درخواست پر دس صحابہ کرامؓ کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ یہ صحابی
جب قبیلہ ہذیل میں پہنچے تو اچانک دو سو کافر ٹوٹ پڑے۔ صحابہ کرامؓ نے
مقابلہ کیا۔ آٹھ موقعہ پر ہی شہید ہو گئے اور دو حضرات زندہ گرفتار کر لئے
گئے جن کو مکہ لے جا کر انتہائی بیدردی سے قتل کیا گیا۔ مورخین بیان کرتے
ہیں کہ مقام عسفان میں دو سو آدمیوں نے جو بنی لحیان سے تعلق رکھتے تھے ان کو
گھیر لیا۔ مسلمانوں نے ایک پہاڑی ٹیلے پر پناہ حاصل کی، بنی لحیان کے تیر انداز
کہنے لگے نیچے آؤ۔ ہم پناہ دیتے ہیں۔ حضرت عاصمؓ نے کہا۔ میں کافر کی پناہ نہیں
چاہتا ہوں۔ آخر تیر اندازوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ عاصم اور دوسرے

سات مسلمان شہید ہو گئے۔ حضرت خبیبؓ اور حضرت زید بن الدثنہ نے کفار کی بات مان لی اور ٹیلے سے اتر کر جیسے نیچے آئے تو کافروں نے زندہ گرفتار کر لیا۔ خبیبؓ کو حارث کے بیٹے ابو سروعہ نے خرید کر لیا تاکہ حارث کے بدلہ میں قتل کریں جس کو خبیبؓ نے احد میں قتل کیا تھا۔ حضرت زید کو صفوان بن امیہ نے خریدا اور جب قتل کرنے لگا تو ابو سفیان اور چند سردار مکہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ابو سفیان نے کہا۔ اگر محمدؐ کو اس طرح تمہارے سامنے قتل کیا جاتا تو تم کو کتنی مسرت ہوتی۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے، میں تو اتنا بھی پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ کے پیر میں ایک کانٹا لگے۔ یہ جملہ ختم ہوتے ہی صفوان کے غلام فسطاس نے شہید کر دیا۔ زرقانی نے بیان کیا ہے کہ فسطاس نے آخر زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

حضرت خبیبؓ کو کچھ دن حارث کے لڑکوں نے قید میں رکھا تاکہ دیر تک تکلیف دیتے رہیں اور اس طرح دل خوش کریں، ایک دن حارث کی نواسی کھیلتے کھیلتے خبیبؓ کے پاس آگئی، استرہ کھلا ہوا ہاتھ میں تھا۔ خبیبؓ نے استرہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بچی سے باتیں کرنے لگے، لڑکی کی ماں نے دیکھا تو خوف سے لرز گئی کہ بچی کی خیر نہیں ہے۔ حضرت خبیبؓ سمجھ گئے۔ کہنے لگے گھبراؤ نہیں، ہمارا یہ شیوہ نہیں ہے کہ بچے کو قتل کریں۔ چند روز کے بعد حارث کے لڑکوں نے قتل کرنا چاہا تو دو رکعت نفل اجازت لے کر پڑھے۔ پھر کہنے لگے، اور بھی پڑھتا مگر تم کہو گے کہ شاید موت سے ڈرتا ہے۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے۔ جن کا مطلب ہوتا تھا کہ اسلام کے نام پر کسی بھی پہلو پر قتل کیا جاؤں کوئی غم نہیں ہے، میں خدا کے لئے جان

دیر رہا ہوں وہ میرے گرشتہ کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔ یہ دس حضرات جو بھیجے گئے تھے ان کے سردار حضرت عاصمؓ بن ثابت تھے۔ اس حادثہ کو تاریخ میں واقعہ رجیع کے نام سے بیان کیا گیا ہے (طبری، ابن سعد، بخاری)

واقعہ بنی نضیر۔ بیر معونہ کے واقعہ میں جن ستر قاریوں کو قتل کیا گیا تھا ان میں سے صرف ایک صحابی حضرت عمیر بن امیہ ضمری زندہ بچے تھے۔ جن کو چند روز عامر بن طفیل کی قید میں رکھ کر چھوڑ دیا گیا تھا، یہ مدینہ آرہے تھے کہ راستے میں دو عرب مشرک مل گئے۔ حضرت ضمری سے ضبط نہ ہو سکا۔ دونوں کو قتل کر دیا مگر ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ نے ان کو پناہ دیدی ہے، مارنے کے بعد مدینہ آئے اور معلوم ہوا تو سخت افسوس ہوا۔ چند دن کے بعد بنی عامر نے اپنے دونوں آدمیوں کے قتل کی دیت کا آنحضرتؐ سے مطالبہ کیا آپ نے خون بہا دینا منظور فرما لیا مگر اتنی بڑی رقم تنہا کس طرح ادا کی جا سکتی تھی آخر آپ یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہمارا تمہارا چونکہ معاہدہ ہے اس لیے اس رقم میں تم کو بھی کچھ اپنے ذمہ لینا چاہیے۔ بنو نضیر نے یہ بات تو منظور کر لی مگر آپس میں مشورہ کیا کہ جس مکان کی دیوار کے نیچے آنحضرتؐ بیٹھے ہوئے ہیں ایک شخص اس کی چھت پر چڑھے اور ایک بڑا سا پتھر اوپر سے نیچے گرا دے تاکہ آنحضرتؐ شہید ہو جائیں عمرو بن جحاش اس ناپاک ارادے سے اوپر چڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا اور آپ وہاں سے فوراً اٹھ کر مدینہ آگئے صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے چند حضرات ساتھ تھے۔

آنحضرتؐ نے مدینہ آکر بنو نضیر کے نام حکم نامہ بھیجا کہ یا تو اسلام لے آؤ یا مدینہ

چھوڑ دو۔ انھوں نے اس پیغام کو کوئی اہمیت نہیں دی اور سخت جواب دے کر قاصد کو ٹال دیا۔ رسول اکرم ؐ ان کے گستاخانہ جواب اور بدعہدی کو دیکھ کر صحابہؓ کی ایک جماعت لے کر بنو نضیر پہنچے اور پورے گاؤں کو گھیر لیا۔ یہودی قلعہ میں محصور ہو گئے، آپ نے محاصرہ کو باقی رکھا اور قریب جوار کے باغات وغیرہ میں سے کچھ درختوں کو کٹوا دیا۔ محاصرہ کو پندرہ دن گذر گئے تو یہود نے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے پر رضامندی ظاہر کی آپ نے فرمایا جس قدر تم اونٹوں پر سامان لے جاسکتے ہو لے جاؤ مگر ہتھیار چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ یہود بنی نضیر اپنا تمام سامان اونٹوں پر لاد کر چل دیئے۔ عداوت سے گھروں کو مسمار کر گئے اور بہت سادہ سامان جو نہیں لیجا سکتے تھے ضائع کر گئے۔ یہ لوگ یہاں سے خیبر پہونچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اہل خیبر نے ان کا خیر مقدم کیا اور بنو نضیر کے تین سرداروں کو جن کے نام سلام بن الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حی بن اخطب تھے، اپنا سردار اور رئیس بنا لیا، اس واقعہ کو غزوۂ خیبر کا مقدمہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ سب لوگ بڑی شان سے خیبر میں داخل ہوتے۔ عورتیں گا اور بجا رہی تھیں اور دیکھنے والوں کو جشن کا دھوکہ ہو رہا تھا۔ بنو نضیر نے جو ہتھیار چھوڑے تھے ان میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور ساڑھے تین سو تلواریں تھیں۔ مدینہ کے مسلمانوں نے ان انصاری خاندانوں کو روکنا چاہا جو کسی وقت یہودی ہو گئے تھے، اس پر نزاع پیدا ہوا جس کو قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے ختم فرما دیا۔ لا اکراہ فی الدین۔ مذہب میں زبردستی نہیں ہے محاصرہ کے زمانہ میں جس جگہ آنحضرت ؐ نماز ادا فرماتے رہے وہاں بعد میں ایک مسجد بنا دی

گئی جو مسجد شمس کے نام سے مشہور ہے وجہ تسمیہ کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت سب سے پہلے دھوپ اسی حصہ زمین پر آتی تھی۔ یہود کا چھوڑا ہوا سامان انصار مدینہ کے مشورہ سے مہاجرین میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ ان کی ناداری دور ہو اور وہ زیادہ عرصہ تک انصار کے لئے بوجھ نہ بنے رہیں۔

(طبری، ابوداؤد، روض الانف)

ناظرین کو یاد ہو گا کہ جنگ احد میں ابوسفیان یہ کہہ کر واپس ہوا تھا کہ آئندہ سال بدر کے میدان میں مقابلہ ہو گا۔ چنانچہ سال بھر بعد جب یہ دن آئے تو ابوسفیان جس میں مقابلہ کی تاب نہیں تھی گھبرایا اور سوچنے لگا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ بدر میں جانا نہ پڑے۔ آخر اس نے نعیم بن مسعود کو مدینہ بھیجا کہ تم جا کر مسلمانوں کو ڈراؤ کہ وہ بدر میں نہ آئیں۔ قریش نے عظیم لشکر کو جمع کیا ہے۔ نعیم مدینہ آیا اور مسلمانوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنا چاہا مگر مسلمان مرعوب نہیں ہوئے نعیم واپس آیا آنحضرت ﷺ نے ڈیڑھ ہزار اصحاب کے ہمراہ بدر میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے مگر ابوسفیان میں کہاں ہمت تھی کہ وہ بدر کا رخ کرتا۔ آنحضرت ﷺ چند روز قیام فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا آنحضرت ﷺ کو بہت غم ہوا چونکہ ان حضرات کی شہادت میں ایک شخص سفیان بن خالد کا ہاتھ تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس انصاریؓ کو مقرر فرمایا کہ وہ جس طرح ہو سفیان کا کام تمام کریں حضرت عبداللہ سفیان کو پہچانتے نہیں تھے۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے اس کو کبھی دیکھا نہیں ہے، آپ نے حلیہ بتایا اور فرمایا ایک علامت یہ بھی ہے کہ

جب تم اس کو دیکھو گے تو تمہارے دل میں خوف پیدا ہو جائے گا۔ بس جاؤ اور اپنا کام کرو۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا جاتا ہوں مگر یہ اور فرما دیجئے کہ کام کرنے میں اگر بطور مصلحت کچھ باتیں کرنا پڑیں اور ترکیب سے کام لینا پڑے تو کوئی گناہ تو نہیں ہے آنحضرتؐ نے اجازت دی اور عبداللہؓ اپنی تلوار لے کر روانہ ہوئے۔

تلاش و جستجو میں چلتے چلتے عرفات کے قریب بطن عرفہ میں پہونچے تو سفیان مل گیا، فوراً پہچان لیا۔ پاس کھڑے ہو گئے، سفیان نے پوچھا، کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے میں مسافر ہوں۔ قوم خزاعہ سے تعلق ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ محمد بن عبداللہ سے جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں چونکہ ہم کو بھی ان سے اختلاف ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس جنگ میں میں بھی شریک ہو کر اپنی بہادری اور تجربہ کا ثبوت پیش کروں۔ سفیان بہت خوش ہوا اور اس مسافر کو اپنا مہمان خاص جان کر خیمہ میں لے گیا۔ خاطر تواضع کی، دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، آخر موقعہ مل گیا اور نہایت ہوشیاری سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جلدی سے سر کاٹا، تھیلے میں ڈالا اور مدینہ کی طرف چل دیئے۔ کچھ دور چلے تھے کہ سفیان کے آدمیوں کو آتے دیکھا جو عبداللہ کو دیوانہ وار تلاش کرنے کے لئے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ آپ ایک غار میں روپوش ہو گئے۔ جب اطمینان ہو گیا تو نکل کر مدینہ آئے۔ سفیان کے سر کو آنحضرتؐ کے سامنے پیش کر دیا، آپ اس ظالم کے مارے جانے سے بہت خوش ہوئے اور عبداللہؓ کو ایک عصا انعام میں عطا فرمایا۔ حضرت عبداللہؓ کو یہ عصائے رسولؐ اتنا عزیز تھا کہ مرتے وقت وصیت کی کہ یہ عصا میری قبر میں رکھ دینا۔ جب پہاڑی ٹیلے پر یہ مسلمان چڑھ گئے تھے اور کافروں کے

تیر کھا کر شہید ہوئے اس کا نام فدفد تھا۔ تاریخ میں یہ واقعہ سریۂ ابلیس کے نام سے مشہور ہے۔ سفیان قبیلہ لحیان کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ عرفات کے قریب بطن عرفہ میں آباد تھا۔ (ابن سعد)

جس وقت کافر تنعیم کے میدان میں حضرت خبیبؓ کو پھانسی پر لٹکا رہے تھے آنحضرتؐ کے پاس مدینہ میں وحی آرہی تھی آپ نے غائب شخص کے سلام کا جواب دیتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ یہ جبریل کھڑے ہیں اور خبیبؓ کا سلام لے کر آئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت زبیرؓ بن عوام اور مقداد بن الاسودؓ کو بھیجا کہ خبیبؓ کی نعش مدینہ لے کر آئیں۔ یہ دونوں حضرات تنعیم میں پہنچے اور لاش کو قبضہ میں کر لیا۔ مگر چند کافر آگئے اور وہ مزاحم ہوئے تو لاش کو زمین پر رکھ دیا اور کمانیں سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ نے کافروں سے کہا میں عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ کا بہادر فرزند ہوں اور یہ میرے دوست مقدادؓ ہیں جس طرح دل چاہے مقابلہ کر لو۔ کافر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور فرار ہو گئے مگر حضرت خبیبؓ کی نعش غائب ہو چکی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین ان کی نعش کو نگل گئی۔ یہ حضرات خدمت رسولؐ میں واپس آئے۔ واقعہ عرض کیا تو آپ نے حضرت خبیبؓ کو بلیغ الارض کا خطاب عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ فرشتوں میں اس واقعہ کی تعریف ہو رہی ہے۔ جن ستر قاریوں کو بیر معونہ میں شہید کیا گیا تھا ان میں ایک شہید حضرت ابو بکرؓ کے وفادار غلام عامر بن فہیرہؓ بھی تھے جن کا تذکرہ ہجرت میں گذر چکا ہے۔

دوسرے واقعات ۔اسی سال ۳ شعبان ۴ھ میں حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ اسی سال رسول اکرمؐ کی ایک بیوی صاحبہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے

وفات پائی۔ وہ اسی سال آپ کے نکاح میں آئی تھیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی سال آنحضرتؐ کے حکم سے عبرانی زبان سیکھی اور پندرہ دن میں وہ اس زبان سے پورے طور پر واقف ہو گئے۔ چونکہ یہود مدینہ پر اعتماد باقی نہیں رہا تھا اس لئے یہ زبان سیکھنے کا حکم دیا گیا۔

اسی سال ماہ شوال میں آنحضرتؐ نے ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا پہلے شوہر کا نام عبدالسلام مخزومی تھا۔ بہت نیک اور سعید مزاج رکھتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کو ان کی وفات کا بہت غم تھا اور بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کرتی تھیں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ آیت پڑھنے سے خدا بہتر بدل عطا فرماتا ہے آخر دین و دنیا کے سردار نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اسی سال حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسدؓ نے انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کو ان مرحومہ سے بہت محبت تھی۔ وہ زمانہ مخالفت میں ابوطالب کی طرح ان کا خیال رکھتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن سے پہلے تھوڑی دیر ان کی قبر میں لیٹے اور اس طرح آپؐ نے ان کے احسانوں کا بدلہ دیا۔

اسی سال میں یہودیوں نے آپ کے سامنے ایک مقدمہ پیش کیا جسے سننے کے بعد آنحضرتؐ نے توریت کے احکام کے مطابق فیصلہ فرمایا اور یہودی و یہودیہ دونوں سنگسار کئے گئے۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا تھا اور سب سے پہلے توبہ کرنے والے اور شراب کے برتن توڑنے والے حضرت طلحہ انصاریؓ ہیں۔

(مولانا شبلیؒ، تاریخ اسلام)

ہجرت کا پانچواں سال

اس سال کے واقعات بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں آباد یہودی قبائل کا کچھ تذکرہ کر دیا جائے تاکہ یہودیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جن مشکلات سے دو چار ہونا پڑا ان کی پوری تفصیل حیثیت سامنے آسکے اور یہود کی شرارتوں کا اندازہ ہو سکے، کیوں کہ قریش مکہ کے بعد اسلام کے دوسرے مخالف یہودی تھے جو حضرت موسیٰؑ کی پیروی کے دعویدار تھے مدینہ یہود کا قدیمی وطن تھا۔ یہ سب بڑے سرمایہ دار اور کاروباری تھے۔

اوس وخزرج جو مسلمان ہو چکے تھے اور جن کو انصار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جب مختلف سمتوں سے آکر مدینہ میں آباد ہوئے تو آہستہ آہستہ یہود کے ہم پلہ بن گئے۔ عرصہ تک بت پرستی کی زندگی خوشحالی سے گذارتے رہے مگر ان دونوں قبائل اوس وخزرج میں جو باہم جنگ ہوئی جسے جنگ بعاث کہتے ہیں اس نے ان کی طاقت کو پاش پاش کر دیا۔ یہود نے ان کی باہمی جنگ اور کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ انصار یہود کے اتنے دست نگر ہو گئے کہ ان کو پانی بھی یہود سے خریدنا پڑتا تھا۔ اس کمزوری نے اتنا اثر کیا کہ یہود کی بے شمار رسمیں انصار میں پیدا ہو گئیں، وہ خود کو کمتر اور ذلیل خیال کرنے لگے اگرچہ بت پرست تھے مگر یہودیت سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ جن لوگوں کے بچے مر جاتے تھے وہ منت مانتے تھے کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنا دیں گے ایسے بہت سے انصار تھے جو یہود میں پرورش پا رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے پہلا کام

یہ کیا کہ اوس و خزرج میں جو باہمی عداوت چلی آرہی تھی اور جس کی وجہ سے وہ دن بدن کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ آنحضرت ؐ نے اسے ختم کرادیا۔ دونوں قبیلے آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور کھوئے ہوئے اتحاد و اقتدار کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے یہودیت کے اثرات کم ہونے لگے۔ یہودیوں کے قرضہ کا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔ انصار کے گھروں میں یہودیت جو جگہ حاصل کرتی جا رہی تھی وہ مٹنے لگی۔ یہود کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی، تاہم شدہ اقتدار کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ اسلام کے خلاف تدابیر اختیار کرنے پر غور کرنے لگے۔ آنحضرت ؐ کو تکلیفیں دینے لگے۔ اسلام کے خلاف طرح طرح کی افواہیں پھیلانے لگے، اسلام کی قائم شدہ عظمت اور وقار کو مٹانے کے لئے اس قدر سرگرم نظر آنے لگے کہ مدینہ میں وہ قریش مکہ کے جانشین بن گئے۔ چونکہ تلوار کے دھنی نہیں تھے اس لئے ان کی تمام کوششیں بے ایمانی، مکاری، فریب اور جھوٹے پروپیگنڈے پر موقوف تھیں۔ بہت سے یہودیوں نے یہ کیا کہ وہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جاتے تھے تاکہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ اسلام میں کوئی سچائی نہیں ہے جو مسلمان ہو کر دوبارہ یہودی بن جاتے ہیں۔ ایک بڑی کوشش انہوں نے یہ کی کہ اوس و خزرج کے باہمی اتحاد کو جو اسلام کی بدولت حاصل ہوا تھا پارہ پارہ کر دیا جائے تاکہ بانی اسلام کو جو تقویت ان کے اتحاد سے حاصل ہوتی ہے وہ ٹوٹ جائے چنانچہ ایک موقع پر جب کہ دونوں قبائل آپس میں بیٹھے اتحاد و محبت کے گیت گا رہے تھے ایک چالاک یہودی نے کچھ اس انداز سے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑا کہ یہ دبی ہوئی آگ پھر بھڑکنے لگی۔ بعاث کا خونی منظر نگاہوں کے

سامنے آگیا۔ ایک دوسرے کو قہر بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ زبانی تو تو میں میں اتنی زیادہ بڑھی کہ فریقین نے تلواریں سونت لیں، قریب تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں کہ کسی نے جلدی سے آنحضرتؐ کو خبر کردی، آپ فوراً تشریف لائے اور حسن موعظت سے دونوں کو ٹھنڈا کردیا۔ یہودی اپنی ناپاک کوشش میں ناکامیاب ہوئے، ٹوٹتا ہوا اتحاد آنحضرتؐ کی مساعی سے بچ گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر یہود کی خفیہ تدابیر کے نقصان سے آگاہ فرمایا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران)

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔

جنگ بدر کی کامیابی نے یہود کو اور بھی زیادہ برگشتۂ اسلام کردیا تھا۔ بدر سے پہلے ان کی یہ حالت نہیں تھی۔ قریش نے بدر سے قبل جب یہود مدینہ اور بعض منافقین کو اسلام کے خلاف آمادہ کرنا چاہا تو ان کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں مگر بدر کے بعد قریش کے خطوط جب ان کے پاس آئے تو وہ ہر قسم کی عداوت پر اتر آئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے لئے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ مسلمان اس امر کا بڑا خیال رکھتے تھے کہ آنحضرتؐ کسی وقت تنہا گھر سے باہر نہ جائیں۔ حضرت طلحہ بن براءؓ نے گھر کے لوگوں سے کہا کہ اگر میں اس بیماری میں مرجاؤں اور رات کا وقت ہو تو آنحضرتؐ کو خبر مت کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ تشریف لائیں اور یہود کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے

(ابوداؤد، اصابہ)

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدینہ میں آ کر آنحضرتؐ نے یہود سے ایک معاہدہ کیا تھا مگر بدر کے بعد وہ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہے، انھوں نے علانیہ مخالفت شروع کر دی اور مسلمان عورتوں کو بھی چھیڑنا شروع کر دیا چنانچہ ایک مسلمان انصاریہ ایک یہودی کی دوکان پر کچھ خریدنے گئی تو یہودی نے اس کی سخت بے عزتی کی۔ ایک مسلمان اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکا اور اس نے یہودیوں پر حملہ کر کے ایک یہودی کو جان سے مار ڈالا۔ اور خود بھی یہ مسلمان یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ آنحضرتؐ کو علم ہوا تو آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا۔ تم کو خدا سے ڈرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تم بھی عذاب میں مبتلا کئے جاؤ، کہنے لگے ہم قریش نہیں ہیں جو میدان سے بھاگ جائیں ہم سے معاملہ پڑا تو ہم بتائیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ واپس آگئے اور چونکہ معاہدہ ٹوٹ چکا تھا اس لئے آپ نے صحابہ کرام کو ساتھ لے کر شوال ۲ھ میں ان پر چڑھائی فرمائی۔ یہود قلعہ میں بند ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن تک جاری رہا۔ آخر صلح پر مجبور ہوئے اور مشہور منافق عبداللہ بن ابی کی معرفت یہ طے ہوا کہ یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ چنانچہ یہ کل سات سو آدمی تھے جو مدینہ چھوڑ کر ملک شام کی طرف چلے گئے۔ اس واقعہ کو غزوہ بنی قینقاع کہا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

قریش نے یہود کے علاوہ عیسائیوں کو بھی اسلام کے خلاف ابھارا اور وہ بھی مخالفانہ سرگرمیاں دکھانے لگے۔ گویا مسلمانوں کے استیصال کے لئے کفار مکہ، یہود اور عیسائی سب ایک ہو چکے تھے اور ان تینوں نے مل کر ایک ایسا محاذ قائم

کرلیا تھا کہ اگر مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری بڑی طاقت بھی ہوتی تو اس کے قدم بھی میدان سے اکھڑ جاتے مگر رسالت مآب کے پروانے، خدائی فوج کے علمبردار کچھ اس طرح نشۂ توحید میں ڈوب چکے تھے کہ جس قدر مخالفت بڑھتی جاتی تھی ان کا نشہ تیز ہوتا جاتا تھا اور پائے ثبات جمتے جاتے تھے۔ پانچویں سال میں متحدہ سازش سے جو عظیم معرکے پیش آئے ہم سلسلہ وار قلم بند کر رہے ہیں، تاکہ تاریخ کے اس نازک دور میں آنحضرتؐ کے استقلال اور سیاسی و ملکی کارناموں کے ساتھ مسلمانوں کی فداکاریوں کے مناظر پورے طور پر سامنے آجائیں۔

غزوہ ذات الرقاع

قریش اور یہود نے مل کر قبائل انمار اور ثعلبہ کو اسلام کے خلاف اس قدر مشتعل کیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ رسول اکرمؐ کو جب ان کے فاسد ارادوں کا علم ہوا تو آپ دس محرم ۵ھ کو چار سو صحابہ کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، مقام ذات الرقاع تک تشریف لے گئے مگر سرکش قبائل مقابلہ کی ہمت نہ کر سکے اور بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ آنحضرتؐ واپس مدینہ آگئے۔ بعض مورخین نے اس غزوہ کا ذکر ۳ھ میں اور خیبر کے بعد بھی کیا ہے مگر ابن سعد کی روایت ۵ھ کے متعلق زیادہ صحیح مانی جاتی ہے پچھلے اوراق میں دعشور کے جس واقعہ کو درج کیا گیا ہے وہ بعض نے اس میں بیان کیا ہے مگر صحیح روایت وہی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ اس غزوہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق مورخین کے مختلف بیان ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں اکثر صحابہ پیدل چل رہے تھے اور برہنہ پا تھے۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے اور ان پر پرانے کپڑوں کے ٹکڑے لپیٹے

لئے تھے جو رنگ برنگ کے تھے اور رقاع مختلف رنگوں کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ذات الرقاع ایک مقام کا نام ہے جہاں کی ریت مختلف رنگ کی تھی اور جسے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ریت کے مختلف رنگوں کے ٹکڑے قرینہ سے بچھائے گئے ہیں۔ یہ روایت زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ آنحضرتؐ اصحابہ کو ننگے پیر چلنے سے ہمیشہ منع فرمایا کرتے تھے خصوصاً دوران جہاد میں، آپ فرماتے تھے کہ جہاد پر جانے لگو تو بہت سے جوتے ساتھ لے لیا کرو کیونکہ جوتا پہننے والا سوار کے مانند ہے۔ (ابن سعد، مسلم)

دومۃ الجندل

یہ غزوہ ربیع الاول ۵ھ میں واقع ہوا۔ یہ شرارت عیسائیوں کی طرف اٹھائی گئی تھی ایک عیسائی سردار اکیدر بن الملک نے قریش اور یہود کے بہکانے سے ایک ہزار کا لشکر جمع کیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں، یہ شخص دومۃ الجندل کا حاکم اور سردار تھا۔ حملہ سے پہلے یہ شرارت کی کہ مسلمانوں کے جو قافلے تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے ان کو لوٹنا شروع کر دیا، یہ جگہ مدینہ اور دمشق کے درمیان شام کی سرحد پر واقع تھی، رسول اکرمؐ کو معلوم ہوا تو آپ ایک ہزار صحابہ کو ہمراہ لیا اور دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کا خیال تھا کہ اس فتنہ کو زیادہ سر اٹھانے سے پہلے ہی دبا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عیسائی سردار نے جب آنحضرتؐ کے آنے کی خبر سنی تو وہ منتشر ہو گئے اور اسلامی لشکر فتنہ پردازوں کو بھگا کر مدینہ واپس آگیا۔

غزوہ بنی مصطلق

اسلام کے خلاف کفار مکہ کی کوششیں برابر جاری تھیں، یہ غزوہ بھی اسی کوشش کا نتیجہ تھا۔ قریش اب خود مقابلہ پر نہیں آتے تھے، دوسروں کو آگے بڑھانا اور دل کی بھڑاس نکالنا ان کا معمول بن گیا تھا چنانچہ انھوں نے قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور وہ تیار ہو گیا۔ اس نے بہت سے قبائل اپنے ساتھ ملا لئے اور حملہ کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو پورے عرب کی مخالفانہ سرگرمیوں کا غور سے مطالعہ فرماتے رہتے تھے جب بنو مصطلق کے ارادوں سے واقف ہوتے تو مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر ۲ر شعبان ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور نویں منزل ختم ہوتے ہی حارث کے علاقہ میں پہونچ گئے۔ مجاہدین کے لشکر میں عبداللہ بن ابی بھی شامل ہو گیا تھا۔ یہ رئیس المنافقین تھا۔ فائدہ کے وقت پیش پیش رہتا اور خطرہ کے وقت دم دبا لیتا تھا۔ احد میں آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگنا سب جانتے ہیں۔

حارث مریسیع چشمے کے کنارے اپنے لشکر کو لئے کھڑا تھا۔ اسلامی فوج کو دیکھ کر سخت گھبرایا۔ کچھ دیر مقابلہ کیا مگر جم نہیں سکا اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے سخت حملہ کیا، دشمن کے دس آدمی مارے گئے اور چھ سو قیدی بنائے گئے۔ مال غنیمت میں دوسرے ساز و سامان کے علاوہ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ قیدیوں میں حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ جو آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔ مورخین نے حضرت جویریہ کے نکاح کو

مختلف طریق سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب قیدیوں کو تقسیم کیا گیا تو جویریہ ثابتؓ کے حصہ میں آئیں مگر سردار کی بیٹی اور ثابتؓ کا نباہ نہیں ہو سکا اور کچھ روپیہ دے کر رہائی حاصل کر لی۔ مولانا شبلیؒ نے اپنی سیرت میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ "ابن اسحٰق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے، چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں میں نے ان کو آنحضرتؐ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرتؐ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا غرض وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں۔ (تاکہ ثابتؓ کو ادا کرنے کے لئے رقم آپ سے طلب کریں) آپ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جائے تو اسے قبول کرو گی، انھوں نے پوچھا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے کہا میں نے منظور کیا۔ آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔"

اس روایت کو اگرچہ ابو داؤد اور ابن ہشام نے بھی بیان کیا ہے مگر ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو آنحضرتؐ اور حضرت عائشہؓ دونوں کے لئے بدگمانی کا ایک پہلو پیدا ہوتا ہے اور اس خیال کا پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کو دوسری عورتوں کے معاملہ میں اور بالخصوص حسین عورتوں کے سلسلہ میں شبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں اور اسی طرح آنحضرتؐ کے لئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ حسین عورتوں سے دل چسپی رکھتے تھے۔ اس لئے ابن سعد نے طبقات میں اور ابن حجر نے اصابہ میں جو روایت درج کی ہے وہ

یقیناً صحیح اور قابل قبول ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حارث کو بیٹی کے گرفتار ہونے کا علم ہوا تو وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میری بیٹی لونڈی نہیں بن سکتی ہے، یہ میری شان کے خلاف ہے، آپ اسے آزاد کر دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس معاملہ کو جویریہؓ پر چھوڑ دو۔ حارث نے راضی ہوتے ہوئے جویریہؓ سے کہا کہ معاملہ تمہاری مرضی پر چھوڑا گیا ہے دیکھو میری شان میں بٹہ نہ لگنے پائے۔ مگر حضرت جویریہؓ پر اسلام کا گہرا اثر ہو چکا تھا، باپ سے کہنے لگیں۔ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کر لیا اور حارث واپس چلا گیا۔

صحابہ کرامؓ پر اس نکاح کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے تمام وہ قیدی جو تقسیم کئے جا چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیئے کہ "وہ خاندان جس میں حضورؐ نے شادی کی ہو غلام نہیں رہ سکتا ہے" (ابن سعد، ابو داؤد)

اس غزوہ کے سلسلہ میں عبداللہ بن ابی کی شرارت کا مورخین نے نمایاں طور پر ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ اس منافق کی عادت خاص تھی کہ وہ معمولی باتوں کو اہمیت دے کر نئے نئے فتنے پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا چنانچہ ایک دن مریسیع چشمے سے پانی لیتے ہوئے انصار و مہاجرین میں معمولی سی جھڑپ ہو گئی۔ عبداللہ نے کچھ اس طرح دونوں کی طرف دیکھا کہ یہ معمولی چنگاری بھڑکنے لگی۔ انصار و مہاجرین نے اپنے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ قریب تھا کہ تلواریں کھینچ کر ایک دوسرے پر پل پڑیں مگر کچھ لوگوں نے فوراً مداخلت کی اور معاملہ ٹھنڈا کر دیا۔

عبداللہ بن ابی نے صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ معاملہ ٹھنڈا ہونے کے بعد بھی اس نے

انصار کو ابھارنے اور ورغلانے کی کوشش کی اور انصار سے مخاطب ہو کر کہا یہ سب کچھ خود تمہاری غلطی کا نتیجہ ہے۔ نہ تم مہاجرین کی سرپرستی کرتے اور نہ یہ تمہارے مقابلہ پر آتے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، ذرا اگر منہ پھیر لو تو یہ مدینہ میں ٹک نہ سکیں گے۔

کچھ لوگوں نے عبداللہ کی منافقانہ گفتگو آنحضرت صلعم سے بیان کر دی۔ حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور کہنے لگے۔ اجازت دیجئے کہ اس منافق کا کام تمام کر دیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد صلعم اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔ اسلام کے خلاف عبداللہ کی ریشہ دوانیاں قطعی اس قابل نہیں تھیں کہ ان کو نظر انداز کیا جاتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانیوں سے ایسے لوگ بھی محروم نہیں رہے تھے، اس سے زیادہ حسن سلوک اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود اس منافق کے بیٹے ابن عبداللہ جو اسلام لا چکے تھے آنحضرت صلعم سے عرض کرنے لگے کہ اگر حضور والا مجھے اجازت دیں تو میں خود منافق باپ کے سر کو کاٹ کر حاضر خدمت کر دوں مگر رحمت اللعالمین صلعم نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا ہیں تو ان کے ساتھ اچھا ہی سلوک کروں گا چنانچہ عبداللہ ابن ابی کے مرنے کے بعد آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ بھی پڑھائی اور اپنا پیرہن کفن پر ڈالنے کے لئے مرحمت فرمایا۔ (بخاری، ابن سعد، طبری)

قصہ حضرت عائشہؓ

یہ مشہور واقعہ تاریخ میں قصہ افک کے نام سے بیان کیا گیا ہے یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔ افک کے معنی جھوٹ

تہمت لگانے کے ہیں۔ یہ تہمت حضرت عائشہؓ پر لگائی گئی تھی جو کہ اس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ گئیں تھیں۔ آنحضرتؐ کی عادت تھی کہ جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو قرعہ اندازی کے بعد جس کا نام نکلتا اس بیوی کو ہمراہ لے جایا کرتے تھے چنانچہ اس مرتبہ حضرت عائشہؓ ساتھ میں تھیں۔ اسلامی لشکر حارث کی فوج کو شکست دے کر واپس آرہا تھا کہ رات کو راستہ میں ایک جگہ قیام کیا۔ صبح اندھیرے حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے گئیں، واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ جلدی سے واپس گئیں۔ ہار تو مل گیا مگر واپس آئیں تو دیکھ کر سخت حیران ہوئیں کہ قافلہ کوچ کر چکا ہے۔ نظر بھی نہیں آرہا تھا جو بھاگ کر شامل ہو جاتیں، اسی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں کہ آگے جا کر جب میرے رہ جانے کا علم ہوگا تو تلاش کرتے ہوئے اسی جگہ آجائیں گے۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حضرت صفوانؓ جو آخر میں چلنے اور قافلہ کی گری پڑی چیزیں اٹھا کر لانے پر مامور تھے۔ لشکر گاہ میں گھومتے پھرتے اپنی اونٹنی پر سوار اس جگہ پہنچے تو سمجھے کہ سامان رہ گیا ہے۔ قریب آئے تو ام المومنین کو دیکھا اور زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ حضرت عائشہؓ کھڑی ہو گئیں۔ صفوان نے اونٹنی کو زمین پر بٹھایا اور کہا۔ آپ بیٹھ جائیں تاکہ میں جلدی سے قافلہ تک آپ کو پہنچا دوں۔ حضرت عائشہؓ بیٹھ گئیں اور صفوانؓ اونٹنی کی مہار پکڑے بڑی تیزی سے چلنے لگے، سورج بلند ہو چکا تھا کہ صفوان قافلہ میں پہنچ گئے۔

اسلامی لشکر میں جو منافق شامل تھے وہ اس صورت حال کو ہوا دینے لگے اور

حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ کے متعلق اتہام طرازی کرنے لگے۔ یہ خبر مدینہ میں بھی مشہور کر دی گئی، ہر جگہ اسی بات کا چرچا ہونے لگا۔ یہ بات کچھ ایسی پھیلی کہ مسلمانوں میں سے حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحش بھی منافقین کی ہمنوائی کرنے لگے۔ حضرت عائشہؓ آتے ہی بیمار ہو گئیں اور ان کو اس اتہام کا کوئی علم نہیں تھا۔ آنحضرتؐ کے کانوں تک یہ افواہیں آئیں تو آپ کو سخت صدمہ ہوا، صحابہ کرامؓ نے ہر چند ام المومنین کی بے گناہی اور پاک دامنی کے سلسلہ میں آنحضرتؐ کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کیے مگر طبع حضورؐ کا تکدر دور نہ ہو سکا محبت کے رشتے ٹوٹ گئے اور مزاج رسالتؐ اس قدر کھنچا کہ کبھی کبھی گھر میں جا کر حضرت عائشہؓ کی تیمار دار بریرہؓ سے صرف اتنا پوچھتے کہ ان کا حال کیسا ہے؟" حضرت بریرہؓ نے بھی جناب عائشہؓ کی نسبت آنحضرتؐ سے بہت کچھ کہا اور قسم کھا کر کہا کہ بڑی بھولی اور ناتجربہ کار ہیں۔ ہر عیب سے پاک اور بہت عفت مآب ہیں البتہ مزاج میں لاپرواہی ہے۔ اس کے باوجود بھی دل صاف نہیں ہوا اور آپ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار فرمانے لگے۔

حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کا علم اس وقت ہوا جب کہ ایک دن مسطح کی ماں کے ہمراہ رفع حاجت سے واپس آ رہی تھیں اور مسطح کی ماں چادر میں الجھ کر گر گئیں اور زبان سے کہا "خدا اس مسطح کو ہلاک کرے"۔

حضرت عائشہؓ نے اس بددعا کا سبب پوچھا اور کہا کہ "تم مسطح کو کوس رہی ہو حالانکہ وہ بدر میں موجود تھا" تو مسطح کی ماں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ زمین سنتے ہی پیروں تلے سے نکل گئی۔ قدم لڑکھڑانے لگے گھر پہنچنا دوبھر ہو گیا تھا

آئیں تو آنسوؤں کا تار تھمنے میں نہیں آتا تھا۔ کئی راتیں پہلو بدل بدل کر گزار دیں آنحضرتؐ حسب دستور دیکھنے آئے اور دور ہی سے پوچھا کہ "ان کا حال کیسا ہے"۔

حضرت عائشہؓ بول اٹھیں کہ مجھے گھر جانے کی اجازت دیدیجیئے۔ آپ نے اجازت دیدی اور وہ ماں باپ کے گھر چلی گئیں۔ تیسرے دن آنحضرتؐ ان کے گھر پر مزاج پرسی کو گئے اور فرمایا "اے عائشہ! اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری بے گناہی ظاہر فرمادے گا، اور اگر قصور ہو گیا ہے تو توبہ کرو، اللہ تعالیٰ سے معافی چاہو اسے اپنے بندوں کا بخش دینا اور ان کی توبہ قبول کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے"۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی باتیں سنیں اور اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور والدہ سے کہا کہ تم جواب دو مگر وہ ہمت نہیں کرسکے تو خود کہنا شروع کیا۔ خدا خوب واقف ہے کہ میں بے گناہ ہوں اور پاک دامن ہوں۔ میں ایک ایسے گناہ کا اقرار کیونکر کرلوں جس کا میں نے ارتکاب نہیں کیا ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ تم کوئی یقین نہیں کروگے۔ اس لئے میں یوسف کے باپ کی طرح یہی کہوں گی کہ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۔ حضرت عائشہؓ نے یہ کلمات اتنے جوش سے کہے کہ نقاہت کی وجہ سے بستر پر گر پڑیں آنحضرتؐ اور حاضرین موجود تھے اور ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی آخر اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی۔ رسالت مآبؐ پر آثار وحی نمودار ہونے لگے۔ پیشانی عرق عرق ہو گئی اور حضرت جبریلؑ سورہ نور کی چند آیات لے کر آئے جن میں حضرت عائشہؓ کے بے گناہ ہونے کا ذکر کیا اور اتہام طرازوں کو سزا کی وعید سنائی گئی۔

حضرت جبریلؑ چلے گئے۔ آنحضرتؐ نے حالت وحی کے رفع ہوتے ہی مسکرا کر

فرمایا۔اے عائشہؓ! مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری بے گناہی کا اعلان فرمادیا گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضور اکرمؐ مسجد میں گئے اور ممبر پر رونق افروز ہوئے۔ سورۂ نور کی آیات تلاوت فرمائیں اور بہتان باندھنے والوں کو طلب فرما کر حد قذف جاری فرمائی یعنی اسی اسی درے لگائے گئے۔

غزوہ احزاب

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا تھا اور وہ خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ بنو قریظہ جو بنو نضیر ہی کے قریب آباد تھے انھوں نے پرامن رہنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے ان کو معاف کر دیا تھا اور وہ بدستور مدینہ میں رہ رہے تھے۔ بنو نضیر اگرچہ خیبر چلے گئے تھے مگر اسلام کے خلاف ایک آگ تھی جو سینے میں دبی تھی اور وہ موقعہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دن تو خاموش رہے اور اس کے بعد مسلمانوں کے خلاف قریش سے سازباز شروع کر دیا۔ قریش تو چاہتے ہی تھے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے اور ان قبائل کو اسلام سے ٹکرا کر ندامت سے جھکے ہوئے...... سر کو بلند کر سکیں۔ یہود کے تین نامور سردار سلام بن الحقیق، حی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع خیبر سے مکہ گئے اور ابو سفیان سے مدینہ پر حملہ کے لئے بات چیت کی۔ یہود کا خیال تھا کہ حملہ اتنا عظیم ہو کہ مسلمان مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں اور اسلام ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے۔ ابوسفیان نے یہود کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ ہو کر قبائل کا دورہ کیا تاکہ متحدہ حملہ کی صورت کو زیادہ طاقتور بنایا جائے۔ چنانچہ قبیلہ غطفان، قبیلہ بنو اسد، قبیلہ بنو سلیم اور قبیلہ بنو سعد سب سے ملاقات کی اور سب کو اسلام کے خلاف شریک جنگ ہو

پر راضی کر لیا۔ غرض قبائل عرب کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر جس میں ۲۴ ہزار آدمی شریک تھے اور چار ہزار مکہ والے تھے۔ ابو سفیان کی زیر کمان مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تمام سردار پہلے کعبہ میں گئے اور قسمیں کھائیں کہ اس وقت تک میدان سے نہیں ہٹیں گے جب تک مسلمانوں کا خاتمہ نہیں کر لیں گے۔ سامان جنگ اور اشیائے خورد ونوش کی اتنی فراوانی تھی کہ اگر مہینوں مسلمانوں کے خلاف لڑنا پڑتا تب بھی کمی نہیں آتی۔ اگرچہ مخالفین نے حملے کی اسکیم کو راز میں رکھنے کی سخت تدابیر اختیار کر رکھی تھیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو اس عظیم خطرہ سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ اطلاع ملتے ہی آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ چونکہ مدینہ کی تین سمتیں مکانات، پہاڑوں اور نخلستان سے محفوظ تھیں صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا اس لئے حضرت سلمان فارسی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس کھلے ہوئے رُخ پر ایک عظیم خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے خندق کے نشانات قائم کئے اور مسلمانوں کی ٹولیاں بنا دیں۔ ۳ ہزار مسلمان آنحضرتؐ کی معیت میں یہ عظیم خندق کھودنے میں اس طرح منہمک تھے کہ نہ سردی کی شدت کا احساس تھا اور نہ کھانے اور پینے کی فکر تھی۔ سرکار دو عالم خود مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے جسم مبارکؐ مٹی سے اٹا ہوا تھا اور آپ اللہ کی تعریف اور مسلمانوں کے لئے دعائے خیر فرما رہے تھے۔ کھانے پینے کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے، ایک صحابیؓ نے بھوک کا ذکر کیا اور اپنا پیٹ دکھایا کہ دیکھئے پتھر باندھ لیا ہے تو آپؐ نے اپنا کرتہ اٹھا کر دکھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے

تھے۔ نشۂ اسلام سے مخمور مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ گھر والے کیا کر رہے ہوں گے اور بچوں کو کیا تکلیف پہونچ رہی ہوگی۔
بیس دن کی شدید محنت کے بعد ۳ ہزار صحابۂ کرامؓ جب پانچ گز گہری اور چوڑی خندق کھود کر فارغ ہوئے تو ذیقعدہ کی ۲۱ تاریخ تھی۔ عورتوں کو محفوظ مکانوں اور قلعوں میں محصور کر دیا گیا، اور دو سو مسلمان متعین کر دیئے گئے کہ وہ نگرانی کریں آنحضرتؐ نے سلع کی پہاڑی کو پشت پر لے کر صف آرائی فرمائی، یہ ۵ھ کے ذیقعدہ کی ۲۲ تاریخ تھی اور دشمنوں کا ۲۴ ہزار لشکر مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ بنو قریظہ جن کو امن دی گئی تھی وہ بھی دشمنوں کے ٹڈی دل کو دیکھ کر انھیں کے ساتھ ہو گیا تھا آنحضرتؐ نے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بھیجا کہ وہ جاکر پتہ لگائیں کہ کیا واقعی بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ یہ دونوں حضرات گئے اور معاہدہ کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہیں اور معاہدہ کس بلا کا نام ہے۔ قبائل عرب کی یہ جنگجو فوج مسلمانوں کے سامنے موجود تھی مگر ان کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اسلامی فوج میں جو منافق شامل تھے وہ بھی بہانہ بنانے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ فاقہ کی مصیبت اور سردی کی شدت نے ہم کو بیکار کر دیا ہے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے گھروں کو چلے جائیں، یہ سب کچھ تھا مگر مسلمان دشمنوں کے سامنے ایک نہ ٹوٹنے والی چٹان معلوم ہوتے تھے، ان کو یقین تھا کہ ہم حق کے لئے لڑ رہے ہیں اور ہمارے قدم جادۂ حق سے کبھی ہٹیں گے نہیں۔ دشمنوں کی فوج نے تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کو گھیرے رکھا۔ ان کے پاس ہر قسم کی سہولتیں موجود تھیں مگر مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ

فاقے پر فاقے ہو رہے تھے اور شکم پر پتھر بندھے ہوئے تھے مگر جیسے جیسے مصائب و شدائد بڑھتے جاتے تھے ان کے عزم و استقلال میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

دشمن خندق عبور کرنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں ہوتی تھی، دور ہی سے تیر برسا رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے ہر حصہ خندق پر پہرہ لگا دیا تھا اور خود بھی ایک دستہ فوج لئے حملوں کو ناکام بنانے میں مصروف تھے، ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور ضرار بن الخطاب سب نے فوج کو اپنی کمان میں لے کر خندق عبور کرنا چاہی مگر ناکام رہے۔ آخر تمام سرداروں نے مل کر کوشش کی، ضرار، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود آگے بڑھے، عمرو جو ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اور جو بدر سے زخمی ہو کر بھاگا تھا اور جس نے قسم کھائی تھی کہ مسلمانوں سے بدلہ لئے بغیر سر میں تیل نہیں ڈالوں گا۔ عالم طیش میں گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق میں کود پڑا اور گرج کر آواز دی کہ ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے۔" حضرت علیؓ آگے بڑھے اور فرمایا "میں ہوں"۔ آنحضرتؐ نے روکا تو ٹھہر گئے مگر عمرو نے دوبارہ آواز دی تو پھر بڑھے، آنحضرتؐ نے فرمایا "علیؓ! یہ عمرو بن عبدود ہے"۔ عرض کیا "ٹھیک ہے مگر میں بھی علیؓ ہوں"۔ رسول اکرمؐ نے تلوار عنایت کی اور اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا، دعائے نصرت فرمائی اور رخصت کیا۔ حضرت علیؓ عمرو کے مقابلہ پر پہنچے تو وہ خدا اور رسولؐ کے نوجوان شیر کو سامنے دیکھ کر حقارت سے مسکرایا اور کہنے لگا۔ علیؓ! ابوطالب میرے محسن تھے میں نہیں چاہتا کہ اپنے محسن کے بچہ کو قتل کروں، مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ بچے پر ہاتھ اٹھاؤں اور اس کے خون سے زمین کو لالہ زار بناؤں۔" عمرو نے کہا مجھے امید نہیں تھی کہ اس آسمان کے تلے میرے مقابلہ پر کوئی آنے کی جرأت کرے گا۔" حضرت علیؓ بے ضبط

نہ ہو سکا، چند قدم آگے بڑھے اور فرمایا "فضول باتیں بنانے کا وقت نہیں ہے میں اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے سامنے آیا ہوں اور تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں" عمرو بیتاب ہو گیا۔ تلوار سونت لی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر آگے کر دی تو اور جھلایا اور پے در پے کئی وار کر ڈالے۔ حیران تھا کہ کتنا پھرتیلا جوان ہے جو کسی پہلو مغلوب نہیں ہوتا ہے۔ عمرو نے دانت پیس پیس کر کئی حملے کئے مگر ہر دفعہ شرمندہ ہونا پڑا۔ حضرت علیؓ اب وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ تلوار تولی اور ایک ایسا وار کیا کہ شانہ کاٹتی ہوئی نیچے تک چلی گئی۔ عمرو گرا اور علیؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ضرار اور جبیر عمرو کی موت کو دیکھ کر آگے بڑھے مگر حیدر کرار کی ذوالفقار کے سامنے ٹھہر نہ سکے، نوفل بھاگنے لگا تو حضرت علیؓ نے ایک ہی ہاتھ میں اس کا بھی صفایا کر دیا۔ خواتین اسلام جو ایک قلعہ میں محفوظ تھیں، یہود کی نظر ان کی طرف اٹھی ایک یہودی قلعہ کے دروازہ پر کھڑا حملہ کے لئے موقعہ تلاش کر رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ جو سب سے زیادہ چوکنا اور باخبر تھیں، اسے دیکھ کر حضرت حسانؓ سے کہنے لگیں، اسے قتل کر دو ورنہ دشمنوں کو ادھر لائے گا، حسانؓ ہمت نہیں کر سکے تو خود خیمہ کی چوب لے کر حملہ کر دیا۔ یہودی گر پڑا۔ حضرت حسانؓ سے کہا جاؤ تم سر کاٹ لو مگر وہ یہ بھی نہیں کر سکے آخر خود ہی سر کاٹ کر سامنے پھینک دیا۔ یہودی جو اس طرف آرہے تھے یہ دیکھ کر واپس چلے گئے اور خیال کرنے لگے کہ شاید قلعہ میں فوج موجود ہے اگر حملہ کیا تو جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

اسی عرصہ میں ایک مسلمان نعیم بن مسعودؓ نے دشمن کے لشکر میں اپنی سیاسی تدبیر سے پھوٹ پیدا کر دی بنی قریظہ کا قریش سے اس قدر اختلاف بڑھا کہ انھوں نے

ابو سفیان سے صاف کہدیا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتے اور یہ کہہ کر واپس گھروں کو چلے گئے۔ ادھر محاصرے کی طوالت نے ابو سفیان اور دوسرے سرداروں کے اوسان خطا کر رکھے تھے عمرو بن عبدود اور نوفل کے قتل سے مایوسی پھیل چکی تھی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ آنحضرتؐ کی مسلسل دعائیں رنگ لائیں اور اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہوا کا طوفان بھیجا کہ جس کے اثر سے خیمے اکھڑ کر گر پڑے جلتے ہوئے چولہے شعلے برسانے لگے، گھوڑے بے قابو ہو گئے، گرد و غبار نے اندھا بنا دیا۔ ابو سفیان نے میدان سے بھاگتے ہوئے کہا "اب جمنا مشکل ہے۔ بنی قریظہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سامان برباد ہو کر پھر کیا تھا بنی قریظہ تو پہلے ہی جا چکے تھے، قریش و غطفان بھی بھاگے جس کے ہاتھ جس کا گھوڑا آیا وہ اسی پر چل دیا۔ ساری رات بھر دشمن کے کیمپوں میں یہی قیامت برپا رہی۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بھاگنے والوں کے شور و غوغا سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

آنحضرتؐ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے۔ آفتاب نے افق مشرق سے منہ نکالا مسلمانوں نے دیکھا کہ جو میدان شام تک ۲۴ ہزار فوجوں سے پٹا پڑا تھا خالی ہو گیا ہے۔ سامان ہر طرف بکھرا پڑا تھا گویا بھاگنے والوں کی بدحواسی کی غمازی کر رہا تھا آندھی کی شدت، اعداء کی کثرت اور ان کے بھاگنے کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (احزاب)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجیں آ پڑی

تھیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو نظر نہیں آتی تھیں۔

پھر کافروں کے بھاگنے اور مسلمانوں کی سلامتی کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (احزاب)

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔

۲۷ دن کے بعد جبکہ ذی الحجہ کے پندرہ دن گذر چکے تھے محاصرہ ختم ہوا۔ جنگ کے جو بادل افق مدینہ پر منڈلا رہے تھے چھٹ گئے مگر مطلع دو ہفتہ تک گرد آلود رہا مسلمانوں کو بہت کم نقصان پہنچا۔ البتہ قبیلہ اوس کے نامور سردار حضرت سعد بن معاذؓ جو عورتوں کے قلعہ کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس آرہے تھے، ابن العرقہ دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ زرہ سے باہر نکلے ہوئے تھے، اس نے تاک کر تیر مارا، رگ اکحل کٹ گئی خون بہنے سے بہت کمزور ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے مجروحین کے خیمہ میں بھیجدیا اور جناب رفیدہ مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرنے لگیں، یہ خاتون مرہم پٹی کے کام سے بخوبی واقف تھیں اور ضرورت کی ادویہ اور آلات ضروری ساتھ رکھتی تھیں

لشکر اعداء کئی حصوں میں منقسم تھا۔ مشہور عرب سردار عیینہ بن حصن فزاری غطفان کی کمان کر رہا تھا۔ بنو اسد کی کمان طلیحہ کے ہاتھ میں تھی۔ بنو سلیم بن سفیان بن عبد شمس کے زیر علم تھے۔ اشجع کا سردار مسعود بن رُخیلہ تھا بنو مرہ حارث بن عوف کے ماتحت تھے، مکہ کا مشہور سردار اور دشمن اسلام ابو سفیان بن حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم تھا۔ تمام سردار اس کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے۔

تمام مسلمان آنحضرتؐ کے اشارہ پر چل رہے تھے، خندق کھودنے میں خود ہادی اعظمؐ بھی شامل تھے، جب کوئی سخت چٹان آتی تو حضور اکرمؐ سے عرض کیا جاتا۔ آپ تشریف لاتے اور ایک ہی ضرب سے پاش پاش فرما دیتے۔ اس جنگ میں آنحضرتؐ کو مہاجرین سے زیادہ انصار کا خیال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محاصرہ کی طوالت اور شدت سے دل اکتا جائیں۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ اب تک تمام جنگیں مدینہ سے باہر ہوئیں تھیں، مدمقابل بھی تھوڑے تھے اور فیصلہ بھی جلدی ہو جاتا تھا مگر یہ جنگ خاص انصار کے گھروں میں آگئی تھی، دشمن اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ اس خیال کے ساتھ ساتھ آپ انصار کے لئے دعائے برکت واستقامت بھی فرمانے لگے تھے۔ آپ نے سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ سے مشورہ کیا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی دے کر غطفان سے معاہدہ کر لیا جائے، اس سے آپ کی غرض غطفان جیسی بڑی طاقت کو مقابلہ سے ہٹانا اور ابوسفیان کی ہمت کو پست کرنا تھی۔ اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ انصار کے خیالات معلوم کرنا چاہتے ہوں مگر یہ دونوں انصاری سردار اس رائے سے متفق نہیں ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم تو زمانہ کفر میں کبھی مغلوب نہیں ہوئے اور ہم سے کسی کو خراج مانگنے کی ہمت نہ ہوتی اب تو اسلام نے ہمارا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ آنحضرتؐ دونوں سعدؓ کے استقلال کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مطمئن ہو گئے۔ جو لوگ اس روایت سے آنحضرتؐ میں کمزوری کا شبہ کرتے ہیں در حقیقت ان کو آنحضرتؐ کی دور اندیشانہ طبیعت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا ہے۔

غزوات اسلام میں یہی وہ غزوہ ہے جس میں تیروں کی بارش اور دشمنوں کی کثرت

کے باعث آنحضرت ﷺ اور مسلمان ایک قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے۔ دن بھر حملے ہوتے رہے یہاں تک کہ چار وقت کی نمازیں قضا ہو گئیں۔

(بخاری، ابن سعد، طبری، تاریخ الخمیس، ابن ہشام، اصابہ)

جنگ خندق کے دوران میں آپ نے کئی مقامات پر نمازیں ادا کیں اور دعائیں مانگیں آپ کی دعاؤں میں عاجزی و انکساری کا عالم یہ ہوتا تھا کہ صحابہ کرامؓ اسے سن کر بیتاب ہو جاتے تھے۔ ایک جگہ بڑے درد بھرے لہجہ میں عرض کر رہے تھے "اے غمزدوں کے غم دور کرنے والے فریاد رس! اور اپنے لاچار بندوں کی دعا قبول کرنے والے رب! ہمارے رنج و غم اور مصائب کو دور فرما اور ہم بیکسوں کی امداد فرما تو عزت و ذلت کا مالک ہے جسے چاہے عزت عطا کرے اور جسے چاہے ذلیل و خوار کرے، جسے تو شکست دے اسے کوئی کامیاب نہیں کر سکتا اور جسے تو کامیاب فرمائے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔"

کئی دن برابر دعا کا سلسلہ جاری رہا۔ تیسرے روز حضرت جبریلؑ فتح کا مژدہ لے کر آئے، آپ نے بڑے جوش سے اپنے مالک کا شکریہ ادا کیا اور زبان مبارک سے فرمایا شُكْراً لِمَا رَحِمْتَنِي وَاَصْحَابِيْ۔ اے اللہ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھ پر اور میرے اصحاب پر اپنا رحم فرمایا۔"

مورخین کا بیان ہے کہ جس جگہ دعائیں مانگی تھیں اور فتح کا مژدہ ملا تھا اسی جگہ آپ نے قضا نمازیں بھی ادا فرمائی تھیں۔ بعد میں یہاں ایک مسجد، مسجد فتح کے نام سے بنا دی گئی جو آج بھی موجود ہے اور راقم السطور کو اس میں حاضری کا شرف حاصل ہے مسجد فتح کے متصل مسجد سلمانؓ، مسجد علیؓ اور مسجد ابو بکرؓ کے نام سے بھی مسجدیں موجود

ہیں، یہ سب وہ مقامات ہیں جہاں غزوۂ احزاب (خندق) کے دوران آنحضرتؐ نے نمازیں پڑھیں، قیام کیا اور دعا میں مصروف رہے۔

بنی قریظہ کو سزا

مذکورہ بالا واقعات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنو قریظہ جن سے پرامن رہنے کا معاہدہ کر لیا گیا تھا۔ انھوں نے قریش و غطفان کی کثرت کو دیکھ کر معاہدہ توڑ دیا تھا اور جنگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اگرچہ بر بنائے اختلاف واپس چلے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو ان کی بدعہدی پسند نہیں آئی اور آنحضرتؐ خندق سے یہ فرماتے ہوئے مدینہ میں واپس آئے کہ اب آئندہ کوئی ہم پر چڑھ کر نہیں آئے گا۔

آنحضرتؐ لباس جنگ اتارنا ہی چاہتے تھے کہ حکم الٰہی آیا کہ عہد شکن اور بد باطن بنی قریظہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ رسول اکرمؐ نے ۳ ہزار مسلمانوں کو فوراً حکم صادر فرمایا کہ نماز عصر بنو قریظہ میں ادا کی جائے گی۔ علم اسلام حضرت علیؑ کو دیا گیا اور آپ مقدمۃ الجیش کے فرائض انجام دیتے ہوئے بنی قریظہ کے قریب پہنچے اور چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا، بنو قریظہ جن کو اپنی بدعہدی پر نادم ہونا چاہیے تھا آمادۂ پیکار ہو گئے۔ حضرت علیؑ کو جب قلعہ کے پاس دیکھا تو مشتعل ہو کر آنحضرتؐ کی شان میں گستاخیاں کرنے اور گالیاں بکنے لگے۔ مسلمانوں نے تقریباً ۲۵ دن ان کو گھیرے رکھا۔ عاجز آ گئے تو کہنے لگے کہ سعد بن معاذؓ جو قبیلہ اوس کے نامور سردار تھے جو فیصلہ کر دیں گے ہم کو منظور ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے حضرت سعدؓ کو بلوایا وہ اگرچہ زخم سے نڈھال ہو رہے تھے فوراً آئے۔ حضرت سعدؓ کا قبیلہ اگرچہ بنو قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا اور یہ معاہدہ برادرانہ حیثیت رکھتا

تھا مگر بنی قریظہ نے چونکہ اللہ اور رسول اور اسلام سے سخت بدعہدی اور دشمنی کی تھی کسی طرح بھی رعایت کے مستحق نہیں تھے۔ اوس کے بعض افراد خیال کر رہے تھے کہ شاید سعدؓ نرمی برتیں گے مگر انھوں نے جو فیصلہ کیا وہ بنو قریظہ کی بے ایمانی و بدعہدی کے اعتبار سے بالکل صحیح تھا۔ بنو قریظہ جن کو خیال تھا کہ جس طرح قبیلہ خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی منافق نے بنو نضیر کو بچا لیا تھا۔ سعدؓ بھی ہم کو بچا لیں گے، مگر سعدؓ کا فیصلہ ان کی قسمت کا آخری فیصلہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے فرمایا۔

"تمام وہ مرد جو لڑنے کی قابلیت رکھتے ہیں قتل کر دیئے جائیں، بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور مال و اسباب کو غنیمت میں داخل کیا جائے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سن کر فرمایا "یہ آسمانی فیصلہ ہے"۔ مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا آنحضرتؐ فیصلوں میں توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر مسائل میں مثلاً قصاص، قبلہ نماز، رجم وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرتؐ نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا وہ توراۃ کے مطابق تھا"۔

بنی نضیر کا رئیس حیی بن اخطب بھی بنو قریظہ میں موجود تھا۔ یہ اس کو خندق سے لوٹتے ہوئے ایک معاہدہ کی بنا پر ساتھ لائے تھے چونکہ بنو قریظہ کو جنگ میں شامل کرنے اور معاہدہ کو توڑنے کا یہی بانی و محرک تھا۔ لہٰذا بہت سے یہودیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کو جب مقتل میں لایا گیا تو اس نے آنحضرتؐ کو دیکھ کر کہا۔

اَمَا وَاللّٰهِ مَا لُمْتُ نَفْسِيْ فِيْ عَدَاوَتِكَ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلِ اللّٰهُ يُخْذَلُ۔

ہاں خدا کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں ہے کہ میں نے کیوں تم سے عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ (ابن ہشام)

اس کے بعد ابن اخطب نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر کہا۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ لَا بَاسَ بِاَمْرِ اللّٰهِ كِتَابٌ وَقَدَرٌ وَمَلْحَمَةٌ كَتَبَهَا اللّٰهُ عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ

اے لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ ایک حکم الٰہی تھا جو لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی جو بنی اسرائیل پر خدا نے لکھی تھی۔ (ابن ہشام)

مورخین نے مقتولین کی تعداد چھ سو سے زائد بیان کی ہے مگر صحاح میں چار سو ہے۔ مقتولین میں ایک عورت بھی شامل تھی، جس کو اس بنا پر قتل کیا گیا تھا کہ اس نے قلعہ کی دیوار سے ایک بڑا پتھر گرا کر حضرت خلادؓ کو شہید کر دیا تھا۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ اس مقتولہ نے بڑے سکون سے جان دی۔ اس کے سامنے لوگ قتل ہو رہے تھے مگر وہ بڑے اطمینان سے بیٹھی ہوئی حضرت عائشہؓ سے باتیں کر رہی تھی جب اس کا نام پکارا گیا تو جلدی سے اٹھ کر جانے لگی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہاں جا رہی ہو؟ کہنے لگی "اپنی خطا کی سزا بھگتنے"

بعض مورخین ایک یہودی عورت ریحانہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کو آنحضرتؐ نے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ معاندین اسلام نے اس واقعہ کو بہت ہوا دی ہے مگر حقیقت کے خلاف ہے اور اہل نظر مورخین نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی ہے

حضرت سعد بن معاذؓ جب اس قصہ سے فارغ ہو کر اپنے بستر علالت پر پہنچے

تو زخم کا منہ کھل گیا اور خون بکثرت بہنے لگا۔ آخر اسی حال میں اوس کے نامور سردار اور اسلام کے مخلص فدائی کی روح پرواز کر گئی۔ آنحضرت ؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقداد بن اسود کے احاطہ کے قریب جو آج کل بقیع کا ایک حصہ ہے سپرد خاک کر دیا۔ (ابن ہشام۔ اصابہ)

بنو قریظہ کے قصہ میں مورخین نے ابو لبابہؓ کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ صحابی اوس کے با اثر آدمی تھے۔ ایک دن یہود نے اون سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے رسولؐ سے ہماری سفارش کر دو۔ ہم قلعے سے باہر آئے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ جان بخشی کر دیں۔ یہودی عورتوں اور بچوں نے ابو لبابہؓ سے کچھ اس طرح فریاد کی کہ ان کا دل بھر آیا اور قدیمی تعلقات نے اتنا بے قابو کر دیا کہ وہ اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے کہنے لگے کہ آنا نہیں ورنہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ حضرت سعدؓ کے فیصلہ کے بعد جب یہود کا قصہ تمام ہوا تو ابو لبابہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس حرکت کو خیانت اسلام سمجھ کر کانپ گئے۔ فوراً خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے۔ اپنی غلطی پر ندامت ظاہر کی اور خود کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور عہد کیا کہ اس وقت تک نہیں کھلونگا جب تک توبہ قبول ہونے کی خوش خبری نہیں سنونگا۔ دس دن گذر گئے، بھوک، پیاس اور رونے دھونے نے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ غشی طاری ہونے لگی تھی، آخر رحمتِ الٰہی متوجہ ہوئی اور حضرت جبریلؑ بارگاہِ رسالتؐ میں یہ آیت لے کر آئے۔ یاایھا الذین امنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول۔ اس وقت آنحضرتؐ جناب ام سلمہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ فوراً آپ نے مسجد نبوی میں اعلان کرا دیا۔ سب خوش ہو گئے مگر ابو لبابہؓ انتظار کر رہے تھے کہ حضورؐ آئیں

اور اپنے ہاتھ سے کھولیں چنانچہ حضور اکرمؐ تشریف لائے اور ابولبابہؓ کو کھولا اور قبولیت توبہ پر مبارکباد دی۔ یہ ستون جس سے ابولبابہؓ نے خود کو باندھا تھا منبر نبویؐ سے چوتھا اور قبر شریف سے تیسرا ستون ہے، باوجود بہت سی تبدیلیوں کے آج بھی یہ ستون باقی رکھا گیا ہے اور اس پر سنہرے حروف میں "اسطوانہ ابولبابہؓ" لکھا ہوا ہے۔ راقم الحروف نے بچشم خود دیکھا ہے۔

متفرقات

اسی سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا یہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کر دیا تھا اور زیدؓ کو آپ نے متبنیٰ بنا لیا تھا۔ مگر حضرت زینبؓ کو یہ نکاح پسند نہیں تھا وہ حضرت زیدؓ کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتی تھیں۔ چنانچہ زیادہ دن نبھ نہیں سکی۔ حضرت زیدؓ نے آنحضرتؐ سے شکایت کی، آپ نے کئی دفعہ سمجھا کر خاموش کر دیا آخر حضرت زیدؓ نے مجبور ہو کر ان کو طلاق دے دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے حضرت زینبؓ کے رنج کا بہت غم ہوا اور پھر ان کی دلجوئی کے لئے آپ نے خود نکاح کر لیا عرب میں متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا تھا، کچھ لوگوں نے جو یقیناً منافق تھے چہ میگوئیاں شروع کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم جاہلیت کو مٹانے کے لئے آیات نازل فرمائیں اور آنحضرتؐ اور حضرت زینبؓ کے نکاح کو پسند فرمایا۔ (سورۂ احزاب)

مولانا شبلیؒ اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، زید نہ تھے حضر

زینبؓ کپڑے پہن رہی تھیں۔ اسی حالت میں آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔ سبحان اللہ مصرف القلوب۔ پاک ہے خدائے برتر پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیر دیتا ہے" حضرت زیدؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آگئی ہوں تو میں ان کو طلاق دیدوں" مولانا لکھتے ہیں کہ "میں نے یہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہے" "نقل کفر کفر نہ باشد" یہی روایت ہے جو عیسائی مورخوں کا مایۂ استناد ہے۔ لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے۔ مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو تھا اور جس کا مقصد اس قسم کی روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے"

طبری و واقدی یا اور دوسرے مورخین کی اس روایت کو محدثین نے قطعاً ناقابل اعتنا سمجھا ہے، یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم اس تذکرے سے خالی نظر آتی ہیں، نیز فتح الباری اور ابن کثیر نے بھی مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ اس قسم کی روایات کو قطعاً نظر انداز کر دینا چاہیے۔ حضرت زینبؓ کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا اسی سال مسلمان عورتوں کے لئے پردہ کا حکم نازل ہوا، ابھی تک عورتیں آزادانہ باہر نکلا کرتی تھیں۔ اب حکم دیا گیا کہ چادر اوڑھ کر، سینہ چھپا کر، چہرہ پر گھونگھٹ نکال کر اور راستہ میں آہستہ قدم رکھ کر چلیں، زیور کی آواز نہ ہو، پردہ کی آڑ سے گفتگو کریں اور راستہ میں بناؤ سنگھار سے احتیاط کریں۔ ازواج مطہراتؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر مردوں کے سامنے نہ آئیں۔ گھروں میں بیٹھیں۔ یہ احکام تمام عورتوں

کر لئے ہیں۔

اسی سال زنا کی سزا اسی درے مقرر کی گئی اور جھوٹی تہمت لگانے والوں کو اسی درے مارنے کا حکم دیا گیا جسے حد قذف کہتے ہیں اسی کے ساتھ لعان کا طریقہ بتایا گیا۔ طلاق ظہار کو لغو قرار دیا گیا اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا۔ تیمم کے احکامات نازل ہوئے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ نیز نماز خوف کا حکم بھی اس سال نازل ہوا۔ اسی سال حضرت رقیہ کے صاحبزادے عبداللہ بن عثمانؓ فوت ہوئے اور شوال کی آخری تاریخ میں حضرت عائشہؓ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ اس سال مدینہ میں سخت زلزلہ آیا اور چاند گرہن ہوا۔

(سورۂ نور، بخاری، فتح الباری، سیرت مغلطائی۔ ابن ہشام)

ہجرت کا چھٹا سال

اس سال کو قرآن کریم نے فتح مبین کا سال کہا ہے، بہت سے اہم واقعات پیش آئے جس میں بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ واقعات جن کو مورخین بوجہ اختصار نظر انداز کر دیا کرتے ہیں ہم ان کو بھی سلسلہ وار بیان کر رہے ہیں تاکہ قارئین تاریخ اسلام کے تمام گوشوں سے واقف ہو سکیں اگرچہ خندق کی کامیابی اور بنی قریظہ کے خاتمہ سے مدینہ کو یہودیوں کی شرارتوں سے نجات مل گئی تھی مگر پھر بھی دشمنان اسلام کی ٹولیاں مدینہ کے قرب و جوار میں تخریبی سرگرمیوں میں لگی رہتی تھی، جن کا کام اب صرف یہ رہ گیا تھا کہ وہ اکا دکا مسلمانوں کو پریشان کریں اور مسلمانوں کے جانوروں کو چراگاہوں سے پکڑ پکڑ کے لے جائیں۔ اگرچہ یہ انفرادی حربے کوئی زیادہ وقعت نہیں

رکھتے تھے مگر ہر روز کب تک برداشت کئے جا سکتے تھے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی اور سب سے پہلے آپ نے رجیع سے میدان میں حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کی بے رحمانہ شہادت کا بدلہ لینے کی تیاریاں شروع کردیں۔

بنی لحیان

فدفد کے ٹیلے پر جن مسلمانوں کو شہید کیا گیا تھا وہ بنی لحیان کی ناپاک حرکت تھی چونکہ آنحضرتؐ کو ان مظلوم شہداء کا بے حد غم تھا اور آپ ظالموں کو سزا دینا چاہتے تھے اس لئے دو سو مسلمانوں کو ہمراہ لے کر بنی لحیان کی سرکوبی کے لئے آپ روانہ ہوئے غطفان کی وادی کے قریب پہونچے تو دغابازوں کو پتہ چل گیا اور وہ سب بھاگ کر پہاڑوں میں گھس گئے۔ آنحضرتؐ نے کچھ عرصہ وادی غطفان میں قیام فرمایا اور جب اطمینان ہو گیا کہ یہ سرکش گروہ پورے طور پر منتشر ہو چکا ہے اور آئندہ کسی شرارت کی جرأت نہیں کرسکے گا تو آپ مدینہ واپس تشریف لائے اسی سفر میں آپ اپنی والدہ کی قبر شریف پر تشریف لے گئے، دیر تک بیٹھے ماں کی شفقتیں یاد فرما کر روتے رہے صحابہ کرامؓ پر رقت طاری ہو گئی اور سب آنسو بہانے لگے۔ حضرت آمنہ خاتون کے کفر و اسلام کے معاملہ میں بھی وہی اختلاف پایا جاتا ہے جو عبد المطلب اور ابوطالب کے معاملہ میں چلا آرہا ہے مگر یہ حقیقت پیش نظر رکھنا چاہئیے کہ اگر رسول اکرمؐ کے والدین اور آباؤ اجداد کو کفر و شرک سے ملوث کر دیا جائے تو رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد کہ مجھے پاکیزہ صلبوں سے پیدا کیا گیا ہے، غلط ہو جاتا ہے۔

ذات القرد

واقعہ بنی لحیان کے تھوڑے دن بعد ذات القرد کا واقعہ پیش آیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ ذات القرد میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے جو اونٹ چر رہے تھے ان پر غطفانی ٹوٹ پڑے ہیں اور جانوروں کو لئے جا رہے ہیں۔ آپ فوراً مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر روانہ ہو گئے راستہ میں سلمہ بن اکوع ملے جو اونٹوں کی نگرانی پر مامور تھے انھوں نے بتایا کہ ڈاکو ہماری مزاحمت سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جانور سب محفوظ ہیں اور وہ اپنے سامان سے تیس چادریں بھی چھوڑ گئے ہیں۔ آنحضرتؐ سلمہؓ کی دلیری سے بہت خوش ہوئے اور ان کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کو ذات القرد اس لئے کہتے ہیں کہ جہاں اونٹ چر رہے تھے اس جگہ کا نام ذات القرد تھا۔ اس واقعہ کو غزوہ ذی قرد اور غزوہ غابہ بھی کہتے ہیں۔

قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگوں کی سرکشی بھی اسی زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جب کہ اس قبیلہ کے کچھ آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور مسلمان ہو گئے۔ چند روز مدینہ میں رہے اور پھر شکایت کرنے لگے کہ ہم کو یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں ہے آنحضرتؐ نے ان کو شہر سے باہر اس جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی جہاں صدقہ کے جانور چرا کرتے تھے۔ یہ لوگ جنگل کی رہائش اور اونٹوں کے دودھ پی کر خوب تندرست ہو گئے اور پھر ایک روز موقعہ پا کر جانوروں کو لے کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت یسارؓ جو نگرانی پر مامور تھے یہ دیکھ کر روکنے کی کوشش کرنے لگے تو ظالموں نے ان کو اس بیدردی سے مارا اور کاٹا کہ بیان سے

رو رہے تھے کھڑے ہوتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے مسلمانوں کے ایک دستہ کو گرفتاری کے لئے بھیجا مسلمان گئے اور پوری کوشش سے ان احسان فراموش ظالموں کو گرفتار کر کے لائے۔ آنحضرتؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپ نے حضرت یسارؓ کو بے رحمی سے ذبح کرنے اور مثلہ کرنے کی پاداش میں سب کو قتل کرا دیا۔

اسی زمانہ میں بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ ابن اثال کو خلاف اسلام سرگرمیوں کے الزام میں مسلمانوں نے گرفتار کر کے آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا جائے۔ ثمامہ کئی دن ستون سے بندھا رہا آنحضرتؐ جب اس کی طرف سے گزرتے تو فرماتے۔ کہو تمہاری کیا حالت ہے؟ آنحضرت کے مسکرا کر حال پوچھنے سے ثمامہ کے دل پر پیغمبر اسلام کے اخلاق کا بہت اثر ہوا۔ آنحضرتؐ برابر تاکید فرماتے کہ انکے ساتھ کوئی سختی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ چنانچہ کھانے پینے کا مسلمان برابر خیال رکھتے تھے۔ چند روز کے بعد آپ نے حکم دیا کہ ان کی رسیاں کھول دی جائیں گویا آزاد کر دیا جائے مگر یہ آزادی کفر سے آزادی ثابت ہوئی۔ ثمامہ کھل کر قریب کے کنوئیں پر گئے غسل کیا اور پھر مسجد نبوی میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے اجازت دی کہ اپنے قبیلہ میں واپس جاؤ اور اسلام کی خدمت کرو۔ ثمامہ واپس بنو حنیفہ میں آئے اور پہلا حکم یہ دیا جو اناج فروخت کرنے کے لئے مکہ جاتا ہے اب مدینہ جایا کرے گا۔ ہم رسول اللہ کے دشمنوں کو اپنا غلہ دینا نہیں چاہتے۔

مکہ والوں کو ثمامہ کے اس حکم سے سخت تکلیف ہوئی اور مکہ میں اناج کی قلت محسوس ہونے لگی، اہل مکہ نے بنو حنیفہ کو راضی کرنا چاہا مگر وہ راضی نہیں ہوتے، آخر

مکہ والوں نے ایک قاصد کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا اور اناج کی قلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بنو حنیفہ کے اناج نہ ملنے سے قحط کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ قریش جو آپ ہی کے رشتہ دار ہیں سخت پریشان ہیں لہٰذا ثمامہ کو حکم دیا جائے کہ وہ بدستور سابق مکہ میں اناج بھیجنے لگے۔ آنحضرتؐ کو مکہ والوں کی تکلیف کا معلوم ہو کر بہت دکھ ہوا اور آپ نے حکم دیا کہ بنو حنیفہ اپنے اناج کو مکہ ہی لے جایا کریں۔ باوجود اس اخلاق اور رحم دلی کے بھی اہل مکہ کو اسلام لانے کی توفیق نہیں ہوئی اور وہ بدستور مخالفت پر اڑے رہے۔

عمرہ کا خواب

مکہ چھوڑے ہوتے چھ سال پورے ہو رہے تھے۔ وطن کی سرزمین اور خانہ خدا کے دیدار کو آنکھیں ترس رہی تھیں۔ ہر مسلمان چاہتا تھا کہ مکہ جانے کا موقع ملے مگر حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ خود آنحضرتؐ کا یہی حال تھا کہ طواف کعبہ کا خیال دل کو بےچین کر دیتا تھا کہ اسی دوران میں آپ نے شوال کے مہینے میں خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ طواف کر رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو جب اس خواب کا حال معلوم ہوا تو وہ اور بھی بےچین ہو گئے، چونکہ یہ خواب سچا اور منشائے الٰہی کے مطابق تھا اس لئے آپ نے عمرہ کی نیت کر لی اور مسلمانوں کو تیار ہو کر ساتھ چلنے کا حکم دے دیا۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی، خدا کے گھر کا طواف اور کعبہ کی زیارت ایک دیرینہ دلی حسرت تھی جسے پورا ہوتا دیکھ کر مسلمانوں کے چہرے مسرت سے چمکنے لگے۔

ذیقعدہ ۶ھ میں آپ چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ

طیبہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے چونکہ نیت عمرہ کی تھی اس لئے قربانی کے جانور ہمراہ لئے مسلمانوں سے فرمایا کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ ہو اور وہ بھی نیام میں رہے۔ رسول اکرمؐ اور تمام مسلمان عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے۔ مقام ذوالحلیفہ میں پہونچ کر قربانی کے جانوروں کے گلے میں علامات قربانی ڈالی گئیں تاکہ مکہ والوں کو یہ یقین ہو جائے کہ مسلمان صرف عمرہ کی غرض سے آرہے ہیں۔ اسی جگہ سے آنحضرتؐ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو مکہ بھیجا کہ وہ یہ معلوم کر کے آئیں کہ مکہ والے ہماری آمد کے متعلق کیا خیال قائم کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ جب وادی عسفان کے قریب پہونچے تو قاصد نے آکر بتایا کہ مکہ والے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل دو سو سواروں کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔ آنحضرتؐ اصحابہ کرامؓ کو لیتے ہوئے بڑھے جارہے تھے کہ خالد بن ولید جو غمیم تک آگئے تھے مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی گرد کو دیکھ کر واپس گئے اور اہل مکہ کو بتایا کہ مسلمان جحفہ اور رابغ تک آگئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غمیم سے آگے بڑھ کر حدیبیہ میں سواری روک دی مسلمان بھی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور آنحضرتؐ کے حکم سے اسی جگہ قیام کا انتظام کرنے لگے۔ حدیبیہ جو ایک کنوئیں کا نام ہے اور جس کی نسبت سے اس تمام علاقہ کو حدیبیہ کہا جاتا تھا۔ اسلامی لشکر نے اسی کنوئیں سے پانی بھر کر اپنی ضرورتوں کو پورا کیا مگر یہ کنواں بہت جلدی سوکھ گیا اور مسلمانوں کو پانی کی قلت کا سامنا ہونے لگا۔ آنحضرتؐ نے اس کیفیت کو دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی اور کنواں پانی سے لبریز ہو گیا۔

تاریخ مصطفیٰؐ

مکہ والوں کو خیال تھا کہ آنحضرتؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ پر قبضہ کرنے آرہے ہیں اسی لئے انھوں نے باہمی مشورہ کے بعد قرب وجوار کے قبائل کو اطلاع دی اور وہ سب کے سب مکہ میں مقابلہ کے خیال سے جمع ہو گئے اس کے ساتھ ہی انھوں نے طے کیا کہ آنحضرتؐ کو مکہ میں کسی طرح بھی داخل نہ ہونے دیا جائے۔

اسی دوران میں قبیلہ خزاعہ کے سردار بُدیل بن ورقا نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا کہ قریش کی فوجوں میں آپ کے خلاف جوش اُمنڈ رہا ہے اور وہ آپ کو کسی طرح کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم ان سے کہدو کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ وہ ہم سے صلح کا معاہدہ کر لیں اور ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور اگر وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوتے ہیں اور ہمارے راستہ میں حائل ہوتے رہیں گے تو خدا کی قسم! میں اس وقت تک لڑوں گا کہ میری جان باقی ہے اور خدا کا فیصلہ پورا ہو جائے بُدیل نے آنحضرتؐ کا پیغام قریش کو سُنایا تو بہت بگڑے اور آپے سے باہر ہوگئے مگر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا۔ اے گروہ قریش! تم مجھے اپنا بڑا اور بزرگ سمجھتے ہو اور میری نسبت کوئی بدگمانی نہیں رکھتے ہو، اس لئے مجھے اجازت دو کہ میں خود جاکر محمدؐ سے بات چیت کر لوں کیونکہ مجھے ان کی شرطیں معقول نظر آتی ہیں۔

عروہ قریش کے قاصد کی حیثیت سے خدمت رسولؐ میں آئے اور کہنے لگے "یا محمدؐ! یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی کہ تم اپنی قوم ہی سے لڑو اور اسے تباہ کرو۔ کوئی ایسی مثال نہیں ملتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو اپنے ہی ہاتھوں تباہ و برباد کیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑائی کا نقشہ بدل جائے اور یہ تمہارے مددگار

تم کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائیں، کیوں ایسا خطرہ مول لیتے ہو"۔
حضرت ابوبکرؓ کو عروہ کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور کہنے لگے "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم اپنے رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ عروہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بولنے والے ابوبکرؓ ہیں تو کہنے لگا۔ جواب دیتا مگر میری گردن ان کے احسان سے جھکی ہوئی ہے۔ اسی دوران میں عشق رسولؐ کا یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ عروہ جب آنحضرتؐ سے باتیں کر رہا تھا تو کبھی کبھی حسب عادت داڑھی میں ہاتھ لگا تا جاتا تھا اور یہ مکہ والوں کا طریقہ تھا کوئی معیوب بات نہیں تھی مگر جاں نثار اس کو برداشت نہیں کر سکے، چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ سے ضبط نہیں ہو سکا اور نگاہ بدل کر عروہ سے کہنے لگے "اب ہاتھ داڑھی کی طرف نہ آئے ورنہ قلم کر دیا جائے گا"۔
عروہ نے کہا کیا میرے احسان کو بھول گئے جب خون بہا دے کر جان بچائی تھی۔ بہرحال عروہ کچھ طے نہیں کر سکا۔ مکہ گیا اور قریش سے کہنے لگا میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر عقیدت و ادب کی یہ صورت کہیں نہیں دیکھی کہ محمدؐ جب بات کرتے ہیں تو مسلمانوں میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جیسے کسی نے ان کی جان کھینچ لی ہو، وضو کرتے ہیں تو پانی کے ایک ایک قطرے کو عطر سے زیادہ عزیز جان کر ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ یہاں تک تھوک بھی ان کا زمین پر نہیں گرنے پاتا۔ ہاتھوں ہاتھ چہروں کا غازہ بن جاتا ہے (بخاری ابن ہشام)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دل بے چین تھے کہ کب کعبہ کا دیدار کریں اور وطن کی گلیوں کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ عروہ کی واپسی کے بعد آنحضرتؐ نے خراشؓ بن امیہ کو مکہ بھیجا تاکہ ٹوٹی ہوئی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھ سکے

مگر قریش نے خراش ؓ کے اونٹ کو قتل کر ڈالا، قریب تھا کہ خراش ؓ کا بھی کام تمام کر دیں مگر وہ جان بچا کر واپس آ گئے۔ خراش ؓ کے پیچھے ہی قریش نے ایک جماعت بھیجی کہ فوراً مسلمانوں پر حملہ کر دو تاکہ حوصلے پست ہو جائیں مگر مسلمانوں نے بڑی بہادری سے سب کو گرفتار کر کے خدمت رسول ؐ میں پیش کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سب کی گردن مار دی جاتی مگر رحمت تمام اور بخشش عام ؐ نے اس کو پسند نہیں کیا اور قیدیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "جاؤ میں نے تم کو معاف کر دیا"۔

اس کے بعد آنحضرت ؐ نے حضرت عمر ؓ کو مکہ بھیجنا چاہا مگر وہ قریش کی قدیم عداوت کے خوف سے جانے پر تیار نہ ہوئے۔ آپ نے حضرت عثمان ؓ سے فرمایا۔ تم جاؤ وہ اپنے ایک رشتہ دار ابان بن سعید کی حمایت میں مکہ گئے۔ آنحضرت ؐ کے پیغام صلح کو بیان کیا مگر قریش نے بجوش عداوت میں ان کو ایک مکان میں بند کر دیا۔

بیعت رضوان

حضرت عثمان ؓ کو مکہ سے واپس آنے میں دیر لگی۔ درحقیقت بات یہ تھی کہ حضرت عثمان ؓ کے رشتہ دار زیادہ تر مکہ میں تھے اور اسلام سے ان کو دلی عداوت تھی حضرت عثمان ؓ چونکہ بنی تیم میں با اثر شریف اور کنبہ پرور مانے جاتے تھے اس لئے انھوں نے ان کو زیادہ دیر روکا تاکہ [illegible] میں ہموار کر لیں، خوب تواضع کی اور عمرہ بھی ادا کرانا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ اس گفتگو میں کافی دیر لگ گئی اور مسلمانوں میں یہ تشویش پیدا ہونے لگی کہ کہیں حضرت عثمان ؓ کو کوئی جانی نقصان تو نہیں پہونچایا گیا ہے۔ اسی دوران میں یہ خبر بھی پھیل گئی کہ عثمان ؓ قتل کر دیئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر نے سخت صدمہ

پہونچا یا۔ آپ بے چین ہو گئے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے فرمایا ور عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے "
یہ فرما کر ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا۔ آؤ کون ہے جو میرے ہاتھ پر لڑنے، مرنے اور میدان سے نہ بھاگنے کی بیعت کرتا ہے " پھر کیا تھا مسلمان پروانہ وار شمع رسالت پر ٹوٹنے لگے۔ ایک عام جوش و ولولہ اور وارفتگی کا عالم طاری تھا اور جاں نثار دست رسولؐ پر جان دینے اور حق کی خاطر آخر وقت تک ثابت قدم رہنے کی بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں اس بیعت پر اپنی رضامندی اور خوشنودی کا ذکر فرمایا ہے۔ بیعت رضوان اسلامی تاریخ کا وہ اہم ترین واقعہ ہے جس سے ایک طرف مسلمانوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے والہانہ عقیدت و محبت کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف فتوحات کا دروازہ کھلتا نظر آتا ہے، اور صرف مکہ و مدینہ ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام بڑے بڑے اور نامور ممالک میں اسلام کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ (قرآن کریم، بخاری، مسلم، سیر مغلطائی)

صلح حدیبیہ

آنحضرتؐ بیعت سے فارغ ہوتے تو معلوم ہوا کہ قتل عثمانؓ کی خبر غلط تھی اور یہ افواہ دشمنوں کی طرف سے اڑائی گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ مکہ سے سلامت آ گئے اور ان کے پیچھے ہی قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو سفیر بن کر آئے تاکہ آنحضرتؐ سے صلح کی بات چیت کریں۔ سہیل بڑے بولنے والے اور خطیب قریش کے لقب سے مشہور تھے، سہیل کو بھیجنے کی سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ جو بھی صلح ہو اس میں یہ شرط لازمی ہونا چاہیے کہ آنحضرتؐ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ

کے لئے آئیں۔

سہیل نے دیر تک حضور اکرمؐ سے صلح کے موضوع پر بات چیت کی اور آخر مندرجہ ذیل شرائط طے ہو گئے۔

(۱) مسلمان اس سال واپس جائیں اور آئندہ سال آئیں اگر تین روز قیام کریں۔

(۲) ہتھیار سے مسلح ہو کر نہ آئیں صرف تلوار لاسکتے ہیں اور وہ بھی نیام میں رہے۔

(۳) جو مسلمان مکہ میں ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں اور جو مسلمان مکہ میں رہنے کو پسند کرے اسے واپسی پر مجبور نہ کریں۔

(۴) قریش کا کوئی آدمی اگر مدینہ جائے تو اسے فوراً واپس بھیجا جائے لیکن کوئی مسلمان اگر مکہ آئے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۵) تمام قبائل عرب کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ فریقین میں جس کے ساتھ مناسب سمجھیں کسی معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(۶) دس سال تک لڑائی نہیں ہوگی جو شخص اس دس سالہ میعادی صلح نامہ کی پابندی نہیں کرے گا وہ بدعہد سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ بظاہر مسلمانوں کی مرضی کے خلاف تھا اور اس طرح دب کر صلح کرنے میں کچھ لوگوں کو شکست نظر آرہی تھی مگر جو کچھ ہوا وہ اللہ کی مرضی اور حکم سے ہوا اس لئے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت بھی کی مگر انھوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔

غرض جب شرائط طے ہو چکیں، تو سرکار دو عالمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا صلح نامہ

تحریر کرو۔"

"حضرت علیؓ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتداء میں باسمک اللھم لکھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے وہ آشنا نہ تھے، اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا، آگے کا فقرہ تھا ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا، سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے، تو پھر جنگ کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں، آنحضرتؐ نے فرمایا۔ گو تم تکذیب کرتے ہو، لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں"۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو۔ حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرمان گزار ہو سکتا تھا۔ لیکن عالمِ محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں جہاں فرمانبرداری سے انکار کرنا پڑتا ہے حضرت علیؓ نے کہا۔ میں ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا، آپ نے فرمایا اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھدی آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا"۔ (سیرت النبیؐ)

ابو جندل کی آمد

صلح نامہ کی تحریر آخری مراحل میں تھی کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور کافروں کی قید میں پڑے ہوئے تھے مکہ سے بھاگ کر

مسلمانوں کے پاس حدیبیہ میں آگئے، جسم پر چوٹیں لگی ہوئی تھیں اور رسیاں ہاتھوں اور پیروں میں لٹک رہی تھیں۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو فوراً کہا کہ شرائط صلح کے مطابق میرے بیٹے کو میرے حوالہ کیا جائے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ ابھی صلح نامہ نامکمل ہے۔ ان کو میرے پاس رہنے دو مگر راضی نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ اگر آپ یہ نہیں کرتے تو صلح نامہ بھی منسوخ کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ؐ نے مجبوراً ابوجندل ؓ کو کافر باپ کے حوالہ کر دیا۔

اس موقعہ پر حضرت عمر ؓ سے ضبط نہیں ہو سکا اور آنحضرت ؐ سے کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! کیا آپ رسول برحق نہیں ہیں؟ جو اس قدر دب کر صلح کر رہے ہیں۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا بے شک میں نبی برحق ہوں اور حق پر ہوں۔ حضرت عمر ؓ کچھ اور کہتے مگر حضرت ابوبکر ؓ نے خاموش کر دیا۔

ابوجندل کو باپ کے حوالہ کیا گیا تو کہنے لگے "افسوس! میری امیدیں خاک میں مل گئیں اور مجھے اسلام کی خاطر پھر عذاب میں جانا پڑ رہا ہے، میں بڑی کوشش سے آپ کی محبت اور شفقت کے بھروسہ پر قید کی رسیاں تڑا کر آیا تھا۔"

یہ بڑا نازک موقعہ تھا، ۱۴ سو جانباز مجاہد ابوجندل ؓ کی بے کسی اور فریاد کو دیکھ کر تلملاتے جا رہے تھے، اگر ذرا بھی اشارہ مل جاتا تو جان پر کھیل جاتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو سمجھا دیا اور ابوجندل ؓ پر محبت بھری نظریں ڈالتے ہوئے فرمایا۔

"ابا جندل! صبر اور ضبط سے کام لو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے مظلوموں کے لئے کوئی راستہ پیدا فرمائے گا۔ اب معاہدہ مکمل ہو چکا

ہے اور ہم ان سے کوئی بدعہدی کرنا نہیں چاہتے ہیں، خدا کارساز ہے۔

صلح نامہ کی تکمیل سے فارغ ہو کر سہیل بن عمرو نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور مکہ واپس گئے۔ اسلام کا عاشق کافر باپ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جھڑ رہی تھیں مگر ارشاد رسول ﷺ کا اتنا خیال تھا کہ صبر و ضبط میں فرق نہیں آنے دیا۔ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ میں تھے اور مکہ جانا بھی ملتوی ہو گیا تھا اس لئے رسول اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسی مقام پر قربانی کی اور پھر بال اتروا کر احرام اتار دیا۔ چونکہ فیصلہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف دب کر کیا گیا تھا اس لئے ان کو قربانی میں پس و پیش ہو رہا تھا مگر جب حضور ﷺ کو دیکھا تو یقین ہو گیا اور سب قربانی کرنے اور حجامت بنوانے میں مصروف ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں تین دن قیام فرمایا اور اس کے بعد مسلمانوں کو لئے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت جبریل ؑ سورۂ فتح لے کر تشریف لائے اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا سناتے ہوئے فتح کی بشارت سنائی۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک یہ فتح ہے۔ اس ارشاد کے بعد دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں جو شکوک تھے اور وہ اس معاہدہ کو اسلام کی توہین اور شکست خیال کئے ہوئے تھے وہ بھی دور ہو گئے۔

اسلامی تاریخ میں اس معاہدہ کو اس اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس معاہدہ کے بعد مدینہ اور مکہ کے درمیان جو کشیدگی پائی جاتی تھی وہ بہت حد تک دور ہو گئی۔ آمد و رفت اور تجارتی معاملات میں بڑی آسانیاں پیدا ہو گئیں،

اہل مکہ تجارت کی غرض سے مدینہ آنے لگے اور اس طرح مسلمانوں کے میل جول اور بات چیت سے قدرتی طور پر اسلام کی حقانیت ان کے دلوں پر اثر انداز ہونے لگی۔ کثرت سے لوگ اسلام قبول کرنے لگے، یہاں تک کہ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

قریش کی نئی پریشانی

معاہدہ تو ہو گیا اور قریش اپنے خیال میں خوش بھی تھے کہ اس معاہدہ میں ہم نے مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح کرنے پر مجبور کر دیا ہے، مگر یہ خوشی زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکی اور بہت جلدی ایک نئی پریشانی کا سبب بن گئی۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کئی ایسے مسلمان تھے جن کو قریش نے جبریہ روک رکھا تھا اور وہ مکہ میں قید و بند کی تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد ان کو یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ شاید اب ہم کبھی اس مصیبت سے نجات حاصل نہیں کر سکیں گے چنانچہ پریشان ہو کر بھاگ نکلنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ سب سے پہلے عتبہ بن اسید نے جو ابوبصیر کی کنیت سے مشہور تھے اس تدبیر پر عمل کیا اور قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ آگئے۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے دو آدمیوں کو گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ دونوں شخص اخنس بن شریق کا خط لے کر مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کو خط دیا۔ خط میں ابن شریق نے ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہم کو امید ہے کہ حسب معاہدہ ابوبصیر کو ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ابوبصیر سے فرمایا جاؤ کیونکہ ہم معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہتے ہیں۔ ابوبصیر رضؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! تعمیل حکم سر آنکھوں پر مگر اب میں کفر پر

مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال! ابو بصیر دونوں سپاہیوں کے ساتھ مدینہ سے نکلے ذوالحلیفہ میں آئے اور بڑی ہوشیاری سے ایک سپاہی کی تلوار پر قبضہ کر لیا اور باتوں باتوں میں کچھ ایسے ہاتھ چلائے کہ ایک سپاہی کو موت کی نیند سلا دیا اور دوسرا مدینہ کی طرف بھاگا ابو بصیر بھی اس کے پیچھے دوڑے؛ دونوں مدینہ آ گئے۔ سپاہی نے آنحضرت ؐ سے ساتھی کے قتل کا حال اور ابو بصیرؓ کی زیادتی بیان کی تو ابو بصیرؓ نے خدمتِ رسول ؐ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ؐ! آپ نے تو مجھے معاہدہ کے مطابق ان کے حوالہ کر دیا تھا اور میں مدینہ سے چلا بھی گیا تھا اور اب آپ کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا ”تم لڑائی کو بھڑکانے والے ہو اور اگر کوئی معاون ہوتا تو خدا معلوم کیا کرتے“۔ ابو بصیرؓ نے کلمات رسول ؐ کو سنا اور سلام کر کے مدینہ سے چل دیئے“۔ دور دراز ایک جگہ سمندر کے کنارے مقام عیص میں پہنچ کر ٹھہر گئے۔ یہ جگہ قریش کے تجارتی راستہ میں واقع تھی اور مکہ کے تجارتی کارواں اسی راستے سے ملک شام وغیرہ جایا کرتے تھے۔ ابو بصیرؓ نے اس جگہ کچھ ایسے قدم جمائے کہ قریش کی قید میں پڑے ہوئے لوگوں کے بھاگ کر آنے کا ایک ٹھکانہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی دن بعد ابوجندل ؓ بھی مکہ سے بیڑیاں تڑا کر بھاگے اور ابو بصیرؓ سے آ کر مل گئے آخر قریش کی قید میں پڑے ہوئے مسلمانوں اور نئے اسلام لانے والوں کے بھاگنے کا سلسلہ کچھ ایسا بڑھا کہ تھوڑے ہی دن میں ابو بصیرؓ کی جماعت میں ستر کے قریب آدمی ہو گئے اور آزاد نو مسلموں کی ایک اچھی خاصی بستی بس گئی۔ ذریعہ معاش کے لئے اس جماعت کو کچھ زیادہ پریشانیاں نہیں ہوئیں کیونکہ قریش کا جو بھی قافلہ اس راستے سے گذرتا یہ اس کو روک لیتے۔ سامان و اسباب چھین لیتے

اور قریش کے کارواں کو بھاگ کر جان بچانا پڑتی۔

قریش کے لئے یہ نئی پریشانی عذاب بن گئی اور انھوں نے مجبور ہو کر ایک شخص کو مدینہ بھیجا اور آنحضرت ؐ سے درخواست کی کہ معاہدہ کی اس شرط کو کالعدم قرار دیا جائے اور جس کا جہاں دل چاہے وہ آئے جائے، نہ کسی کو روکا جائے گا اور نہ آمد ورفت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر آباد ہونے پر کوئی پابندی ہو گی۔

رسولِ اکرم ؐ نے قریش کے قاصد سے فرمایا "میں نہیں چاہتا کہ صلح نامہ کی کسی شرط کو توڑا جائے اور خصوصاً ایسی شرط کو جو خود قریش کے زور دینے پر معاہدہ میں رکھی گئی تھی، میں نہیں چاہتا کہ کسی مفرور کو مدینہ میں پناہ دی جائے۔"

لیکن قاصد کی آہ وزاری قریش کی انتہائی پریشانی اور جانی و مالی نقصان کو دیکھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں رہا گیا۔ اور آپ نے ازراہِ ترحم ان کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے ابو بصیر ؓ کے انقلابی گروہ کو لکھ دیا کہ اپنی سرگرمیوں سے باز آؤ اور مدینہ چلے آؤ" مگر افسوس کہ جس وقت نامہ مبارک مقام عیص میں پہونچا تو ابو بصیر ؓ سخت بیمار اور نزاع کے عالم میں تھے، خطکی آواز کانوں میں پہونچی، آنکھیں کھول دیں نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگایا مگر پڑھنے نہیں پائے تھے کہ جانباز مجاہد اور اسلام کا سچا عاشق ایک آخری ہچکی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے موت کی میٹھی نیند سو گیا۔ ابو جندل ؓ بن سہیل بن عمرو نے خط کو پڑھا سب کو سنایا اور ابو بصیر ؓ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہو کر مدینہ آگئے۔

اس شرط کے اٹھنے کے بعد رئیس مکہ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم ؓ مسلمان ہو کر مدینہ چلی آئیں، ان کے پیچھے ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے اور آنحضرت

سے کہا کہ ام کلثوم کو واپس دیجئے مگر آپ نے ان کی درخواست کو نامنظور کر دیا اسی دوران میں عورتوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں کہ "اے ایمان والو جب عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لے لو۔ خدا ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے اگر وہ تم کو مسلمان معلوم ہوں تو پھر انکو کافروں کے سپرد مت کرو کیونکہ وہ عورتیں کافروں کے لائق نہیں ہیں اور نہ کافر ان عورتوں کے لائق ہیں اور جو کچھ ان مسلمان عورتوں پر کافروں کا خرچ ہوا ہو وہ ان کو دیدو اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب کہ ان کا مہر ان کو ادا کر دو اور جس طرح مسلمان عورتیں کافروں کے لائق نہیں ہیں اسی طرح کافر عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہیں کہ تم انکو اپنے قبضہ میں رکھو اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہو وہ ان سے مانگ لو یہ اللہ کا حکم ہے وہ تم میں فیصلہ کرتا ہے وہ بڑا علیم و حکیم ہے" (سورۃ ممتحنہ) ام کلثوم کا امتحان لیا گیا۔ وہ اپنے اسلام میں ثابت قدم نکلیں صحابہ کرامؓ میں بعض کی بیویاں مکہ ہی میں تھیں اور کفر پر قائم تھیں۔ ان کو مسلمانوں نے طلاق دیدی۔ بعض مورخین نے غزوہ بنی مصطلق حضرت عائشہؓ اور حضرت جویریہؓ کے واقعات کو ان چھٹے سال کے واقعات میں بیان کیا ہے مگر کثرت رائے کے خلاف ہے۔

اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک دستہ فوج کے ساتھ قبیلہ کلب کی طرف روانہ فرمایا۔ عبدالرحمٰنؓ نے قبیلہ کے سردار الاصبغ سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ الاصبغ مسلمان ہو گیا اور عبدالرحمٰن کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ الاصبغ کے اسلام سے متاثر ہو کر کئی دوسرے کلبی سردار بھی مسلمان

ہو گئے، اس واقعہ سے مسلمانوں کو مزید اطمینان حاصل ہو گیا اور مخالفین کے مقابلہ میں زیادہ طاقت حاصل ہو گئی۔

آنحضرت ﷺ نے جس قریشی دستہ کو گرفتاری کے بعد معافی دیدی تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تعریف فرمائی اور ارشاد ہوا!۔

"اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک دیا۔ بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دیدیا تھا۔"

(سورہ فتح، ابن ہشام، بخاری، الاصابہ، طبقات ابن سعد)

ہجرت کا ساتواں سال

صلح حدیبیہ کے بعد مخالفت کے بادل بہت بڑی حد تک چھٹ چکے تھے فضا اس قدر ہموار اور پر سکون ہو چکی تھی کہ اسلام کا پیغام دور دراز ممالک تک آسانی سے پہنچایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا "میں رسول برحق اور رحمتِ عالم بنا کر اللہ کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہوں، مجھے امید ہے کہ تم حضرت عیسیٰؑ کے مددگاروں کی طرح اختلاف کا شکار نہیں ہو گے جاؤ اور میری طرف سے دین حق کے پیغام کو عام کرو۔"

درحقیقت صلح حدیبیہ اسلامی سیاست کا ایک ایسا شاہکار تھا جس نے دفعتہً اسلامی تحریک کے بڑھنے اور پھیلنے کے لئے میدان ہموار کر دیا۔ اگرچہ خندق کی کامیابی اور بنی نضیر و بنی قریظہ کے استیصال کے بعد حالات بہت کچھ موافق ہو گئے تھے مگر خیبر میں یہود کا اجتماع اور مکہ والوں کی مخالفانہ سرگرمیاں متقاضی تھیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو راستہ سے ہٹایا جائے۔ چونکہ یہود کے تمام مسلمانوں

کا کوئی مضبوط معاہدہ اور معاملہ زیادہ پائیدار اور اطمینان بخش نہیں ہو سکتا تھا اور مکہ والوں سے مسلمانوں کا جو وطنی و نسبی تعلق تھا وہ البتہ اتنا گہرا تھا کہ کسی معاہدہ کی آسانی سے امید کی جا سکتی تھی اور پھر ایسی حالت میں جب کہ مکہ والے ایک بڑی حد تک مغلوب ہو چکے تھے اور ساتھ ہی ان کو یقین ہو چکا تھا کہ اب اسلامی تحریک کو روکنا اور ختم کرنا قبضہ سے باہر ہو چکا ہے مگر اس کے باوجود ان میں ایک طرح کی مغلوبانہ ضد پائی جاتی تھی آنحضرتؐ اگر چاہتے تو بڑی آسانی سے حدیبیہ کے وقت مکہ پر قبضہ کر سکتے تھے مگر آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مکہ والوں کو جانی و مالی نقصان پہنچا کر ختم کر دیا جائے، آپ کی دلی خواہش یہ تھی کہ قبائل قریش کا ہر فرد اسلام کی دولت سے سرفراز ہو اور وہی مکہ جو مخالفت میں پیش پیش ہے مرکز اسلام بنے۔

معاہدہ حدیبیہ انہی خیالات کے تحت کیا گیا اور بظاہر دب کر کیا گیا دب کے معاہدہ کرنے میں بھی مسلمانوں ہی کی کامیابی تھی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی اس کوشش کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔

باوجود مخالفت و عداوت کے مکہ والوں کا آنحضرتؐ کو اس درجہ خیال تھا کہ بنو حنفیہ کے سردار ثمامہ بن اثالؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنے علاقہ کے اناج کو مکہ جانے سے روک دیا اور مکہ والوں کو اناج کی قلت اور قحط کا سامنا کرنا پڑا تو آنحضرتؐ نے ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ تمہارا اناج حسب دستور سابق مکہ جانا چاہیئے، چنانچہ ثمامہ نے قوم کو حکم دیدیا اور مکہ والوں کی غذائی پریشانی دور ہو گئی، اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے پانچسو اشرفیاں بھی مکہ بھیجیں تاکہ قحط کی دشواریوں کو دور

کیا جاسکے، اس کے ساتھ ہی بہت سی کھجوریں بھی بطور ہدیہ کے ارسال فرمائیں اور مکہ والوں سے فرمایا کہ تم اپنے جانوروں کی کھالیں مدینہ بھیج دیا کرو۔

اسی زمانہ میں ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ حبشہ میں تھیں اور مسلمان ہو گئیں تھیں اور ان کے شوہر حبشہ میں جاکر عیسائی ہو گئے تھے، آنحضرتؐ نے نجاشی کی معرفت ان سے غائبانہ نکاح کیا تھا، غرض ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ یہود کے مقابلہ میں مکہ والوں سے میل جول اور معاہدہ صلح کو زیادہ پسند کرتے تھے۔

مکہ والوں سے کسی صلح کی بڑی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ پورے عرب میں وہ تجارتی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے تھے، تمام عرب سے ان کے تجارتی و معاشی تعلقات قائم تھے، تمام عرب میں وہ تجارتی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے تھے اور بات کا پکا سمجھا جاتا تھا۔ تمام عربی دنیا میں یہ خصوصیت صرف مکہ والوں کو حاصل تھی کہ وہ اپنی دھن کے پکے، قول کے سچے اور علم و ادب میں دوسروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ بہر حال صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہونچا کہ ایک بہت بڑے اور ہمہ گیر مخالف گروہ کی سرگرمیاں رُک گئیں اور اسلام کے پیغام کو پوری دنیا میں پہونچانے اور پھیلانے کے لئے سازگار ماحول مل گیا۔

سلاطین کو دعوت اسلام

متعدد اسلامی تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین عرب اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ۶ھ کے آخر اور ۷ھ کے شروع میں ارسال فرمائے تھے۔ خطوط کی تعداد تو سو سے زائد بیان کی جاتی ہے مگر احادیث میں صراحت سے جن خطوط کا تذکرہ ملتا ہے وہ

یہاں تحریر کیے جا رہے ہیں۔

پہلا خط

ہرقل قیصر روم کے نام لکھا گیا، اس خط کو حضرت دحیہ کلبیؓ لے کر گئے تھے عرب کا جو خاندان ملک شام میں آباد تھا وہ غسانی خاندان تھا، یہ قیصر روم کے ماتحت تھا۔ دحیہ کلبیؓ نے یہ خط بُصریٰ میں شام کے گورنر حارث غسانی کو جا کر دیا۔ اس نے یہ خط بیت المقدس میں قیصر کے پاس بھیجدیا۔ دحیہؓ خط کے ہمراہ گئے۔ قیصران دنوں حمص سے بیت المقدس آیا ہوا تھا تاکہ ایرانیوں کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کی خوشی میں اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز شکرانہ ادا کرے۔ قیصر نے خط لے لیا اور اپنے آدمیوں سے کہا جاؤ اگر محمد ابن عبداللہ کی قوم کا کوئی آدمی ملے تو اسے میرے پاس لے کر آؤ، قیصر کے آدمیوں نے تلاش شروع کردی، اتفاق سے غزہ میں ابوسفیان بن حرب جو ان دنوں ایک تجارتی کارواں لے کر آیا ہوا تھا مل گیا۔ قیصر کے آدمیوں نے ابوسفیان کو شاہی حکم سے مطلع کیا اور دربار میں لے آئے۔

قیصر نے دربار منعقد کیا، مشیران سلطنت، بطارقہ، قسیس اور رہبان سب تخت شاہی کے قریب بیٹھے اور پھر قیصر نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ آپ لوگوں میں محمدؐ کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ قیصر نے ابوسفیان سے آنحضرتؐ کے متعلق بہت سے سوالات کیے جن کا ابوسفیان نے ہر سوال کے بعد جواب دیا اور مندرجہ ذیل باتیں بیان کیں

"وہ بہت شریف خاندان کے ہیں، وہ اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتے ہیں

وہ غریبوں سے محبت کرتے ہیں۔ جھوٹ، چوری، زنا، بداخلاقی اور ظلم سے منع کرتے ہیں۔ جو شخص ان کے دین کو قبول کر لیتا ہے پھر کبھی نہیں چھوڑتا ہے، ان کی مجلس میں غریب زیادہ بیٹھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ایک مانو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ وہ اپنے سب ماننے والوں سے کہتے ہیں کہ نماز پڑھو اور آپس میں محبت کرو۔"

قیصر نے ابوسفیان کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور اس کے بعد ہر سوال و جواب کو خود بھی دہرایا اور کہا کہ "جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر وہ واقعی صحیح ہے تو وہ بلاشبہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور ایک دن ان کا قبضہ میرے قدموں تک ہو جائیگا مجھے معلوم تھا کہ ایک نبیؐ تشریف لانے والے ہیں مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ مکہ میں پیدا ہونگے اگر میں ان کے پاس ہوتا تو انکے پیر دھوتا۔"

اس کہنے کے بعد قیصر نے حکم دیا کہ آنحضرتؐ کے خط کو سب کے سامنے بلند آواز سے پڑھا جائے۔ فرمان رسالت میں حسب ذیل باتیں اس ترتیب سے تحریر کی گئیں تھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"محمدؐ کی طرف سے جو خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، یہ خط ہرقل رئیس اعظم روم کے نام ہے، اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لاؤ تو سلامت رہو گے اور اللہ تم کو دگنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے

نہیں مانا تو اہل ملک کا گناہ تمہارے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب!
ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے' وہ یہ کہ
ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ
کو چھوڑ کر کسی کو معبود نہ بنائے اور اگر تم اس کو تسلیم نہیں کرتے
ہو تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں"۔

ہرقل کی اس گفتگو اور طرز عمل نے اہل دربار کو سخت مایوس کر دیا اور وہ
ہو کر قیصر کے خیالات نئے مسلمان ہونے کا خیال کر کے شور وغوغا کرنے لگے۔ قیصر
اندیشہ پیدا ہوا، ابوسفیان کو رخصت کر کے بیت المقدس سے جلدی حمص
آیا اور ایک بند کمرے میں تمام وزیروں اور مشیروں کو بٹھا کر کہنے لگا "اگر
فلاح و ترقی چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ ملک و مال باقی رہے تو اس نبی کی
پر ایمان لے آؤ"۔ اس تقریر سے بطارقہ وغیرہ اور بھی برگشتہ ہوئے اور دربار سے
اٹھ اٹھ کر چلنے لگے۔ ہرقل نے جب درباریوں کی نفرت کی یہ کیفیت دیکھی
پھر سب کو متوجہ کر کے کہنا شروع کیا۔ دوستو! مجھے خوشی ہے کہ تم سب اپنے
پر مضبوطی سے قائم ہو۔ میں نے یہ بات صرف تمہارے امتحان کے لئے کہی
سب لوگ خوش ہو گئے اور ہرقل کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔
ابوسفیان نے ہرقل کے دربار سے باہر نکل کر ساتھیوں سے کہا "بھائی میں
ہرقل کی باتیں سن کر حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ محمد ابن عبداللہ نے چند
میں کتنی ترقی کر لی ہے کہ شاہ روم کے دل میں بھی ان کا خوف موجود ہے
دیکھو تو یہ ابوکبشہ کے بیٹے کا کس قدر رعب چھا گیا ہے کہ قیصر بھی ڈرتا ہے

ہے، بس اسی وقت سے میرے دل پر مذہب اسلام کی عظمت کا سکہ جمنے لگا یہاں تک کہ میں مسلمان ہو گیا"۔

ابو سفیان نے آنحضرتؐ کو "ابو کبشہ کے بیٹے" بطور حقارت کے کہا تھا کیونکہ ابو کبشہ حلیمہ کے شوہر کی کنیت تھی۔ ہرقل کے دل میں اسلام کی حقانیت بیٹھ چکی تھی، اس کا سر تاجدار دو عالمؐ کے قدموں میں جھکنا چاہتا تھا مگر درباریوں کی مخالفت اور ملک و مال کے لالچ نے اس نعمت عظیمہ سے محروم رکھا اور دحیہ کلبیؓ بے نیل و مرام واپس مدینہ آگئے۔

مسند امام حنبلؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر نے آنحضرتؐ کے قاصد کے ہمراہ اپنا ایک نمائندہ آنحضرتؐ کے پاس بھیجا تھا اور وہ قیصر کا خط ساتھ لایا تھا۔ قیصر کے خط کو پڑھنے کے لئے امیر معاویہؓ کو بلایا گیا اور انھوں نے قیصر کے خط کو پڑھ کر سنایا تھا مگر یہ روایت اس لئے قابل تسلیم نہیں ہے کہ امیر معاویہؓ بن ابو سفیان فتح مکہ ۸ھ میں مسلمان ہوتے تھے اور یہ واقعہ ۶ھ کے آخر یا ۷ھ کے شروع سے تعلق رکھتا ہے۔ (طبری، ابن ہشام، بخاری)

دوسرا خط

یہ خط ایران کے شہنشاہ نوشیرواں کے پوتے خسرو پرویز کو لکھا گیا تھا حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی اس خط کو لے کر گئے تھے۔ انھوں نے اس خط کو حاکم بحرین منذر بن ساوی کی معرفت خسرو پرویز تک پہونچا دیا۔ اس خط کی عبارت مندرجہ ذیل تھی — بسم اللہ الرحمن الرحیم —

"محمد رسول اللہؐ کی طرف سے رئیس فارس کسریٰ کے نام! اسلام

ہو اس پر جو ہدایت کو قبول کرے اور اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس نے محمدؐ کو تمام دنیا کے لئے آخری رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ وہ ہر زندہ آدمی کے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرے، تم اسلام قبول کرو سلامت رہو گے ورنہ تمام مجوسیوں کا وبال تمہاری گردن پر رہے گا۔"

خسرو پرویز اور اس کے دربار کو جو رعب و دبدبہ اور شان و شوکت حاصل تھی اس سے کہیں زیادہ خسرو مغرور اور متکبر تھا۔ آنحضرتؐ نے یہ خط عربی دستور کے مطابق تحریر فرمایا تھا مگر یہ عجمی طریقہ کے خلاف تھا خسرو نے خط کے شروع میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام دیکھا اور اپنا نام شروع میں دستور کے مطابق نہیں دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ خط پر نظر ڈالتے ہی پھاڑ ڈالا اور پرزے پرزے کر دیا اور بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا "اچھا میرا غلام و محکوم ہو کر مجھے اس طرح لکھتا ہے" آنحضرتؐ کو خسرو کی بدتمیزی کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ اور اس کی حکومت بھی اسی طرح پرزے پرزے کی جائے گی۔ اس کے بعد خسرو پرویز نے حکم دیا کہ یمن کے گورنر باذان کو لکھا جائے کہ وہ دو ہوشیار آدمیوں کو مدینہ بھیجے اور معلوم کرے کہ وہ مدعی نبوت کون ہے اور کیا چاہتا ہے تاکہ مدینہ پر حملہ کیا جائے اور گستاخی کا جواب دیا جائے۔ باذان نے دو آدمیوں کو جن کے نام بابویہ اور خرخسرہ تھے مدینہ بھیجا، یہ آنحضرتؐ سے ملے تو آپ نے فرمایا۔ ٹھیرو کل تم سے بات کروں گا۔ دوسرے دن آئے تو آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم جس کے پاس مجھے لے جانا چاہتے تھے یعنی خسرو پرویز۔ فلاں رات کو اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل

دونوں حیران رہ گئے۔ واپس آگئے اور باذان سے آنحضرتؐ کی خبر بیان کی اور یہ بھی کہا کہ انھوں نے کہا ہی کہ محمدؐ کا دین تمہاری انتہا تک پہنچے گا، اگر تم نے اسلام قبول کرلیا تو تمہارا ملک تم ہی کو واپس دیدیا جائے گا، ادھر یہ قاصد یہ اطلاع لے کر گئے اور اُدھر شیرویہ کے پاس سے حکم نامہ باذان کے نام آیا کہ میں اپنے باپ خسرو کے قتل کے بعد حکومت کا مالک ہوگیا ہوں۔ لہٰذا لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو اور محمدؐ کو بُرا بھلا مت کہو اور ان کو انکے حال پر چھوڑ دو۔ باذان نے شیرویہ کا حکم نامہ پڑھا اور فوراً مسلمان ہوگیا۔ بہت سے لوگ ایرانی اور یمنی باذان کے ساتھ ہی ایمان لے آئے۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد شیرویہ فوت ہوگیا، پرویز کی بیٹی بوران بخت سلطنت پر بٹھائی گئی، چونکہ شیرویہ نے آنحضرتؐ کے معاملہ میں نرمی کا برتاؤ کیا تھا اس لئے سلطنت برباد نہیں ہوئی یہاں تک یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے دوران خلافت ایران فتح ہوکر اسلام کے زیر علم آگیا۔ (ابن ہشام، رحمت دوعالمؐ، تاریخ اسلام)

تیسرا خط

اصحمہ نجاشی بادشاہ حبش کو لکھا گیا۔ یہ خط عمرو بن امیہ ضمری لے کر گئے تھے نجاشی نے خط دیکھا، آنکھوں سے لگایا۔ اور تخت سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور پھر بھرے دربار میں کہنے لگا "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور ہم اہل کتاب بہت پہلے سے ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے" یہ کہہ کر نجاشی نے آنحضرتؐ کے نامہ مبارک کا جواب لکھا جو مندرجہ ذیل تھا۔

"اے اللہ کے نبیؐ! آپ پر اللہ کا سلام ہو مجھے آپ کا خط مل گیا اور

میں آپ کے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

اس کے بعد نجاشی نے دو جہاز مدینہ کی طرف روانہ کئے۔ پہلے میں حضرت جعفر طیارؓ اور وہ مہاجرین جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں آگئے تھے مدینہ کی طرف روانہ کئے گئے۔ دوسرے جہاز میں نجاشی نے اپنے بیٹے کو اور بہت سے مصاحب و خدام کو آں حضرتؐ کی خدمت میں بہت سے تحائف پیش کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر یہ نذرانۂ عقیدت ہوائے مخالف کی وجہ سے خدمت رسولؐ میں نہیں پہنچ سکا اور راستہ ہی میں مع مسافروں کے ڈوب گیا اور نجاشی کا عریضہ آنحضرتؐ کو نہیں مل سکا۔

آنحضرتؐ کو اس سفارت کی ناکامیابی کا بہت ملال ہوا۔ اصحمہؓ نہایت نیک، عالی ہمت اور انصاف پسند بادشاہ تھے۔ اگرچہ آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کر سکے مگر غائبانہ محبت و ادب میں ممتاز تھے۔

اصحمہؓ نے ۹ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کو بذریعہ وحی مدینہ میں مطلع کیا گیا آپؐ نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ آنحضرتؐ کے ساتھ ام حبیبہؓ کا نکاح ان ہی اصحمہؓ کی معرفت غائبانہ طور پر حبشہ میں ہوا تھا۔ اصحمہؓ نے اپنی طرف سے چار سو اشرفیاں مہر میں ادا کی تھیں۔

حضرت جعفرؓ جب مدینہ تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت جعفرؓ کے آنے کی خبر سنی تو فرمایا۔ "خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہوئی یا جعفرؓ کے آنے کی"۔ ام حبیبہؓ امیر معاویہؓ کی بہن اور ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام ہندہ تھا۔ خالد بن سعید بن العاص نے آنحضرتؐ کی طرف

سے اس نکاح میں ایجاب و قبول کے فرائض انجام دیئے تھے۔

(زاد المعاد، طبری، ابن ہشام)

چوتھا خط

والیٔ مصر یعنی مقوقس کے نام لکھا گیا۔ اس خط کو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ لے کر گئے تھے۔ اسکندریہ میں یہ خط حضرت حاطبؓ نے مقوقس کو دیا۔ مقوقس نے قاصد کو احترام سے بٹھایا۔ خط کو پڑھا۔ آنکھوں سے لگایا اور احتیاط سے رکھ لیا۔ حضرت حاطبؓ جب رخصت ہونے لگے تو مقوقس نے آنحضرتؐ کو جواب میں یہ خط لکھا۔

محمدؐ ابن عبداللہ کے نام۔ مقوقس رئیس قبط کی طرف سے۔ سلام علیک کے بعد، میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں لیکن میرا خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہونگے میں آپ کو نبی برحق جانتا ہوں مگر ارکان سلطنت کی بغاوت کے خوف سے علانیہ اس کا اقرار و اعلان نہیں کر سکتا ہوں، میں نے آپ کے قاصد کی بہت عزت کی ہے دو لڑکیاں خدمت میں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بہت عزت سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ کچھ کپڑا اور سواری کے لئے ایک خچر بھی خدمت والا میں بھیج رہا ہوں والسلام علیک۔

حضرت حاطبؓ نے یہ تحائف اور مقوقس کا خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا، اور مقوقس کے حالات بھی بیان کئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس کو ملک کے لالچ نے

اسلام سے محروم رکھا حالانکہ ملک باقی نہیں رہے گا"۔

لڑکیوں کے نام ماریہ قبطیہؓ اور سیرینؓ تھے، یہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں یہ دونوں آپس میں حقیقی بہنیں تھیں اور مدینہ آتے ہوتے راستہ میں حضرت حاطبؓ کی تعلیم کے بعد مسلمان ہو گئیں تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ان دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا تو ماریہؓ فوراً مسلمان ہو گئیں اور سیرینؓ نے ذرا توقف کیا۔ چنانچہ آپؐ نے ماریہؓ کو اپنے حرم میں داخل کر لیا اور سیرینؓ حضرت حسانؓ کو عنایت کر دی گئیں۔ خچر کا نام دلدل رکھا گیا، جنگ حنین میں آپؐ اسی دلدل پر سوار تھے۔ (طبری)

پانچواں خط

رئیس یمامہ ہوذہ کو لکھا گیا۔ یہ خط حضرت سلیطؓ لے کر گئے تھے۔ ہوذہ نے خط کو پڑھا۔ ایمان لانے اور جواب دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت سلیطؓ واپس آگئے اور آنحضرتؐ کو حالات سے مطلع کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ بہت جلد ہلاک ہو گا آخر یہی ہوا کہ فتح مکہ سے آتے ہوتے جبریلؑ نے خبر سنائی کہ ہوذہ ہلاک ہو گیا

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ہوذہ نے جواب میں لکھا کہ "تمہاری باتیں تو اچھی ہیں اگر حکومت میں میرا بھی حصہ رکھا جائے تو پیروی کرنے کو تیار ہوں" آپؐ نے فرمایا "زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو نہیں دیا جائے گا"۔

چھٹا خط

حارث ابن شمر غسانی کو لکھا گیا۔ حضرت شجاع بن وہبؓ اس خط کو لے کر گئے تھے۔ حارث شاہ روم کی طرف سے شام کا گورنر تھا۔ حضرت شجاعؓ جب

دمشق پہونچے تو معلوم ہوا کہ حارث موجود نہیں ہے، یہ تین دن مہمان خانہ میں ٹھیرے۔ تیسرے دن حارث آگیا۔ حضرت شجاع رضؓ نے آنحضرتؐ کا خط دیدیا حارث نے خط کو پڑھا اور پھینک دیا اور کہا۔ کون ہے جو ہمارا ملک ہم سے چھین سکتا ہے"۔ حارث نے شاہ روم کو بیت المقدس میں اس خط کے آنے کی خبر دی۔ شاہ روم نے حارث کو لکھا "محمدؐ کے معاملہ میں خاموش رہو اور قاصد کو سو مثقال سونا دے کر واپس کر دو"۔

حضرت شجاعؓ فرماتے ہیں کہ حارث کے مہمان خانہ کا ایک دربان "میری" مجلس سے اکثر آنحضرتؐ کے حالات معلوم کیا کرتا تھا اور جب میں بیان کرتا تھا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی تھی، ایک دن مجھ سے کہا کہ "میں اس نبی برحقؐ پر ایمان لاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ حارث کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے قتل کر دے گا"۔ غرض دربان مسلمان ہو گیا اور جب میں واپس آنے لگا تو اس نے کہا "رسول اکرمؐ سے میرا اسلام کہدینا اور کہدینا کہ میں نے آپ کا دین قبول کر لیا ہے اور یہ کپڑے میری طرف سے خدمت مبارکہؐ میں بطور ہدیہ پیش کر دینا"۔ حضرت شجاع رضؓ نے مدینہ میں آں حضرتؐ کو تمام حالات سے مطلع فرمایا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "حارث ہلاک ہو گا اور دربان سچا ہے"۔

مولانا شبلیؒ بیان کرتے ہیں کہ حارث نے خط پڑھتے ہی فوج کو تیاری کا حکم دیدیا اور مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہنے لگے اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔

مندرجہ بالا خطوط کے علاوہ شاہ عمان، شاہ بحرین، شاہ یمن اور دیگر امرائے سلطنت

کے نام خطوط روانہ کئے گئے تھے، تقریباً سب نے خط پڑھتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا ایک آدھ رہ گیا مگر وہ بھی رہ نہیں سکا! ور بہت جلدی سب کو اپنی گردنیں اسلام کے سامنے جھکا دینا پڑیں اور اسلام جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا۔

عام طور پر تاریخوں میں ملتا ہے کہ سب سے پہلے جو خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا وہ نجاشی شاہ حبش کے نام تھا۔ اور یہ اس وقت لکھا گیا جب کہ قریش کے مظالم سے تنگ آکر آنحضرتؐ نے کچھ مسلمانوں کو حبش ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی مہاجر جماعت میں حضرت جعفرؓ بھی تھے اور ان ہی کو یہ خط دیا گیا تھا کہ وہ شاہ حبش کو دیدیں۔ خط کا مضمون یہ تھا مگر کس نے لکھا تھا یعنی کاتب کون تھا یہ پتہ نہیں چلتا ہے مگر یہ مسلّمہ ہے کہ بعثت نبویؐ کے بعد یہ پہلا خط ہے:۔

▪ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہؐ کی طرف سے نجاشی اصحمہ بادشاہ حبشہ کے نام۔ میں اس خدا کی تعریف تمہیں لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ مقدس سلامتی والا، امان دہندہ، اور سلامت رکھنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو پاک اور برائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا گیا تھا وہ خدا کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئی تھیں جیسا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا، میں تم کو خدائے وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں تاکہ تم میری اتباع کرو اور اس چیز پر ایمان لاؤ جو میرے اوپر نازل کی گئی ہے کیونکہ میں اللہ کا رسولؐ

ہوں، تم کو اور تمہارے لشکروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں میں
نے پیام پہونچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی ہے، میری خیر خواہانہ
نصیحت کو قبول کرو۔ اور میں تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفرؓ
کو بھیج رہا ہوں ان کے ساتھ چند اور بھی مسلمان ہیں جب وہ تمہارے
پاس آئیں تو ان کی مہمانداری اور تواضع کرنا۔ تکبر سے دور رہو۔
سلام ہو اس پر جو ہدایت کے راستہ کو اختیار کرے"۔

مورخین نے عام طور پر اس خط کو ۶ ھ کے خطوط میں شمار کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے حضرت جعفرؓ کا بھیجنا ۶ ھ میں کسی طرح درست اور صحیح نہیں ہو سکتا ہے، یہ آنحضرتؐ کا تعارفی خط تھا جس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ قبل ہجرت کے تجارتی سلسلہ میں حبشہ بھی تشریف لے گئے تھے اور شاہ حبشہ کے خیالات اور مزاج کی نیکی سے بخوبی واقف تھے۔ (ابن ہشام، طبری، ابن قیم)

مورخین کی حالیہ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دو سو سے زائد خطوط لکھوائے تھے جو مختلف بادشاہوں، حاکموں، صوبہ داروں اور رئیسوں وغیرہ کے نام تھے دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "رسول اللہؐ کی سیاسی زندگی"۔

یہ تمام خط عربی زبان میں لکھے گئے تھے۔ ہر خط اللہ کے نام سے شروع کیا گیا تھا اور مضمون میں شرک و کفر کو چھوڑ کر توحید و رسالت کے اقرار کی تاکید کی گئی تھی آخر میں دستخط اور مہر لگی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کی مہر میں ۳ لفظ تھے۔ پہلے محمدؐ پھر رسولؐ پھر اللہ۔ دستخطوں میں بھی آپ محمد رسول اللہؐ لکھا کرتے تھے۔

یہود کی شرارت اور قتل

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں یہود کو اسلام سے دلی بغض و عناد تھا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام سے ان کے اقتدار پر کاری ضرب لگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بدر کے بعد ہر موقعہ پر یہود کا ساز باز دوسرے مخالفین سے نظر آتا ہے۔ کعب بن اشرف کا قتل۔ بنو نضیر کی جلاء وطنی اور بنو قریظہ کا خاتمہ ان چیزوں نے ان کو اسلام کا سب سے بڑا مخالف اور دشمن بنا دیا تھا۔ وہ ہر طرف سے سمٹ کر خیبر میں جمع ہو گئے تھے گویا خیبر یہود کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ کا حال آپ پڑھ چکے ہیں، قبل اس کے کہ خیبر کی سرگرمیوں کا ذکر کیا جائے ایک نامور یہودی کعب بن اشرف کے قتل کا حال بیان کر دیا جائے تاکہ آگے کے واقعات سمجھنے میں آسانی ہو۔

کعب بن اشرف:۔ اہل یہود کا مشہور شاعر تھا، قبیلۂ طے سے تھا مگر ابو رافع کی لڑکی سے اس کے باپ اشرف نے شادی کی تھی اس لئے کعب کو یہود اور عرب دونوں میں عزت حاصل تھی۔ دولت اور شاعری نے اور بھی با اثر بنا دیا تھا۔ علمائے یہود کو ماہانہ وظائف دیا کرتا تھا۔ آنحضرتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو اس نے تمام علمائے یہود سے آنحضرتؐ کی مخالفت کا عہد لیا اس کے بعد وظائف دیتے۔ بدر میں قریش مارے گئے تو اسلام کے اس بدترین دشمن نے مرثیے لکھے، مکہ گیا اور مکہ والوں کو خوب رلایا اور خود بھی رویا اور پھر ان کو انتقام کے لئے آمادہ کیا اور ابھارا آنحضرتؐ کے خلاف اپنی شاعری سے ہمیشہ لوگوں کو برانگیختہ کیا کرتا تھا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتولین بدر کی تعزیت کے لئے چالیس آدمیوں کو ساتھ لے کر مکہ گیا تھا، مکہ والے اس کے مرثیوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ابوسفیان کے ساتھ کعبہ کا غلاف تھام کر مسلمانوں سے انتقام کا عہد کیا تھا۔

بدر کے بعد کعب نے ایک مرتبہ اس بات کی بھی کوشش کی تھی کہ آنحضرتؐ کو قتل کرا دے اور ایک دعوت کرنا چاہی مگر اس میں ناکام رہا۔ غرض کعب کی شرارتیں جب حد سے بڑھ گئیں تو ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے شکایت کی اور فرمایا۔ کوئی ہے جو اس دشمن اسلام کو موت کے گھاٹ اتار دے؟۔ محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے عرض کیا۔ میں حاضر ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ پہلے گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے۔ آنحضرتؐ نے ان کو اجازت دے کر رخصت کر دیا اور یہ اپنے ایک دوست ابونائلہ انصاریؓ کو جو کعب کے رضاعی بھائی بھی تھے ساتھ لے کر کعب کے گھر کی طرف چل دیئے، دروازہ پر پہنچے اور کعب کو اندر سے بلایا۔ دیر تک باتیں کرتے رہے اور کعب سے کہنے لگے جب سے مدعی نبوتؐ کو پناہ دی ہے سارا عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے، اس کے علاوہ جب بھی ہوتا ہے ہر قسم کی امداد کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ کعب نے کہا ابھی کیا دیکھا ہے آگے اس سے بھی بڑی مصیبتیں برداشت کرنا ہونگی۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ اناج کو بھی محتاج ہو گئے ہیں، آج تمہارے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ تم سے کچھ اناج وغیرہ قرض مانگوں۔ کعب نے کہا کہ جو چاہو مل سکتا ہے مگر بیوی بچوں کو رہن رکھنا ہوگا۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ عورتوں کو تمہارے پاس چھوڑنا مناسب اس لئے نہیں ہے کہ ہم کو ان کی وفاداری پر

اطمینان نہیں ہے، بچوں کو رکھتے ہیں تو آئندہ ان کو طعنے سننا پڑیں گے اگر تم پسند کرو تو ہم اپنے ہتھیار وغیرہ رہن رکھ دیں، جب قرض ادا کر دیں تو واپس کر دینا کعب نے منظور کر لیا اور یہ گھر سے ہتھیار لینے چلے اور کہا ابھی آتے ہیں۔

محمد بن مسلمہؓ گھر آئے، ہتھیار لئے اور اپنے ساتھ ابو نائلہؓ، ابو عبسؓ، حارث بن اوسؓ اور عباد بشرؓ کو لیا کعب کے گھر پہنچے تو سورج ڈوب چکا تھا اور تاریکی پھیل چکی تھی۔ ساتھیوں کو راستہ ہی میں سمجھا دیا تھا کہ میں بالوں میں پڑے خوشبو دار تیل کو سونگھنے کے بہانے پکڑ لوں گا اور تم سر قلم کر دینا۔

کعب باہر آنے لگا تو اس کی بیوی عقیلہ نے منع کیا اور کہا مجھے ان کی آواز سے خون کی بو آرہی ہے مگر کعب نے توجہ نہیں کی۔ باہر آیا تو محمد بن مسلمہؓ نے ہتھیار دیتے ہوئے سر میں پڑے ہوئے تیل کی تعریف کی تو کعب نے سر کو آگے کر دیا اور کہا ذرا اچھی طرح سونگھئے۔ محمد بن مسلمہؓ نے سونگھتے ہی سر کو مضبوط پکڑ لیا اور ساتھیوں کو اشارہ کیا تو گردن دھڑ سے الگ تھی۔ محمد بن مسلمہؓ فوراً ساتھیوں کو لے کر خدمت حضورؐ میں آئے اور کعب کے قتل کا ماجرا بیان کیا، مسلمانوں کو اس دشمن کے مارے جانے سے بڑی مسرت ہوئی۔ یہ ربیع الاول ۳ھ کا واقعہ ہے۔ (بخاری، ابن ہشام، ابن سعد، زرقانی، تاریخ الخمیس)

ابو رافع

کعب بن اشرف اور حی بن اخطب کے بعد ابو رافع یہود کا سب سے رئیس اور با اثر شخص تھا۔ یہ جس قدر با اثر اور نامور تھا اتنا ہی اسلام کا دشمن تھا۔ شروع ہی سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگا تھا اور کعب

حیی کے بعد پوری قوم نے اسی کو مسند سرداری پر بٹھا دیا تھا۔ بنی نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں پہونچے تو ابو رافع کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ اس نے آس پاس کے تمام یہودیوں کو خیبر میں بلا لیا تھا۔ عربی قبائل سے رشتہ داری اور تعلقات کی وجہ سے اس نے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ قبیلہ غطفان اور قبیلہ طے اور دیگر قبائل سب ہی اس کے اشاروں پر چل رہے تھے، مالی اعتبار سے نہ صرف تاجر کبیر بلکہ بہت بڑا رئیس تھا۔ معرکہ خیبر سے کچھ پہلے ایک بڑی فوج مرتب کر لی تھی اور چاہتا تھا کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اتحاد اور قوت کو پاش پاش کر دے مگر آنحضرتؐ اس کی شرارتوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ آخر ۶ھ کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عتیکؓ انصاری کو اس شریر کی سرکوبی اور قتل کے لئے متعین فرمایا۔ عبد اللہؓ اس خدمت پر فوراً چند ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

خیبر کے قریب پہونچے تو شام ہو چکی تھی۔ جانوروں کے ریوڑ قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔ عبد اللہؓ ساتھیوں کو باہر چھوڑ کر ریوڑ میں چھپتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور روپوش ہو گئے۔ چرواہے نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے چابیاں لٹکا دیں۔ عبد اللہ دیکھ رہے تھے۔ رات کا ایک حصہ گذر چکا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سب سو چکے تھے۔ ہر طرف تاریکی تھی صرف ابو رافع کی آرام گاہ میں معمولی روشنی ہو رہی تھی۔ عبد اللہؓ باہر نکلے اور ابو رافع کے کمرہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ بیوی بچوں میں لیٹا خراٹے لے رہا ہے۔ پہچان نہیں سکے تو آواز دی ابو رافع! اس نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا کون ہے؟ عبد اللہؓ نے بڑھ کر ہتھیار مارا مگر وار خالی گیا

گھبرائے کہ کیا کریں فوراً آپ نے روشنی ٹھنڈی کر دی اور ہمدردی کے لہجہ میں آواز بدل کر پوچھا کیا بات ہے؟ وہ مددگار خیال کر کے کہنے لگا اے کمبخت تیری ماں تجھے روئے کوئی اندر گھس آیا ہے۔ عبداللہؓ پھر آگے بڑھے اور اندھیرے میں آواز پر اس زور سے تلوار ماری کہ دشمن اسلام چکرا کر گر پڑا۔ عبداللہؓ نے چھوڑا نہیں بلکہ پیٹ پر تلوار کی نوک رکھ کر اتنی دبائی کہ کمر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پار ہو گئی اور ابورافع ٹھنڈا ہو گیا۔

حضرت عبداللہؓ تعمیل رسولؐ کی خوشی میں جھومتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے اور سیڑھیوں سے اترنے لگے مگر آخری سیڑھی باقی تھی کہ پیر اُلجھا اور گرے۔ پنڈلی پر اتنی سخت چوٹ آئی کہ اٹھنا مشکل ہو گیا۔ مگر اٹھے اور جلدی سے قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے ساتھیوں کو مژدۂ مسرت سنایا اور عمامہ کو کس کر پنڈلی پر باندھ لیا۔ قلعہ سے دور جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ یہ معلوم کریں کہ کیا واقعی ابورافع مر گیا ہے صبح کے قریب ایک شخص نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کیا کہ۔ "لوگو! ابورافع کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا ہے" حضرت عبداللہؓ خوشی سے اچھل پڑے۔ تکلیف کا احساس جاتا رہا۔ جھاڑیوں سے نکل کر ساتھیوں کے ہمراہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہو گئے۔ ابورافع کے مرنے کی خبر سنائی۔ سرکار دو عالمؐ نے کامیابی پر مبارک باد دی اور ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، دعائے صحت فرمائی۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ دست رسولؐ نے وہ اثر دکھایا کہ ہاتھ لگتے ہی تکلیف دور ہو گئی اور پھر کبھی نہیں ہوئی۔

ابن سعد کا بیان ہے۔ کان ابورافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان ومن حولہ

ن مشرک العرب وجعل لهم الجعل العظيم ليحاربوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ابورافع نے غطفان اور ملحقات کے مشرکین کو آمادہ کیا تھا کہ بھاری فوج کے ساتھ رسول اللہ سے جنگ کرے۔"

آنحضرتؐ سے ابورافع کی دشمنی کو بخاری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وكان رافع يوذى رسول الله صلى الله عليه وسلم ويعين عليه۔ ابورافع آنحضرتؐ کو تکلیف پہونچاتا تھا اور مقابلہ کے لئے دشمنوں کو مدد دیتا تھا۔ فتح الباری میں اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اُسیر بن رزام

ابورافع سلام کے قتل ہونے کے بعد یہود نے اُسیر کو اس کا جانشین بنایا۔ دشمنی و عداوت میں یہ بھی سلف سے کم نہیں تھا۔ جانشین بنتے ہی تقریروں سے پوری قوم میں آگ لگادی۔ غطفان اور دوسرے قبائل میں گیا اور سب کو اسلام کے خلاف خوب مشتعل کیا۔ لشکر عظیم جمع کرکے ابورافع کی اسکیم کے مطابق مدینہ پر دھاوا بولنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو تیس مسلمانوں کی معیت میں خیبر بھیجا تاکہ وہ کسی تدبیر سے اُسیر کی کوششیں معلوم کریں اور اس کے استیصال کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھائیں۔ حضرت عبداللہؓ خیبر گئے اور اُسیر سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ان کا یہ پیغام لائے ہیں کہ اگر تم پسند کرو تو خیبر کی حکومت کا تم کو سب سے بڑا سربراہ تسلیم کرلیا جائے اور تم آزادی واطمینان سے اپنی حکومت کو چلاؤ۔ اُسیر نے اس کو غنیمت سمجھا اور تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر خیبر سے مدینہ کے لئے روانہ ہوا۔

تاکہ آنحضرتؐ سے تفصیل کے ساتھ اپنی حکومت بنانے کے معاملہ میں بات چیت کرے۔ راستہ میں اُسیر کا خیال بدلا اور اس نے چاہا کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے ختم کر دیا جائے چنانچہ اس نے اپنے برابر والے ایک مسلمان عبداللہ بن انیسؓ کی تلوار چھیننی چاہی۔ عبداللہؓ نے تلوار نہیں دی اور یہ کہتے ہوئے کہ تو بد عہدی اور بد دیانتی پر تلا ہے؛ ایک ہاتھ مارا کہ اُسیر کی ران کٹی اور گھوڑے سے نیچے آ گیا۔ یہود نے یہ دیکھا تو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے مگر مسلمانوں نے پوری قوت سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ صرف ایک یہودی بھاگنے میں کامیاب ہو سکا باقی سب کو مسلمانوں نے موت کی نیند سلا دیا۔ یہ شروع محرم ۷ھ کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ نے یہود کو آپے سے باہر کر دیا اور وہ دیوانہ وار مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے (ابن سعد)

غزوۂ خیبر

کعب، حیی، ابورافع اور اُسیر کے قتل سے جو آگ لگی وہ برابر بھڑکتی رہی۔ اب ابورافع کا بھتیجہ کنانہ بن ربیع یہود کا سب سے بڑا سردار تھا۔ کنانہ بڑا ہوشیار اور سازباز کا ماہر تھا۔ اس نے ایک طرف تو مدینہ کے منافقین خصوصاً عبداللہ بن ابی سے گٹھ جوڑا اور دوسری طرف مکہ کے قریش کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ابوسفیان سے سازباز کیا۔ غطفان، بنو فزارہ، قریش اور آس پاس کے قبائل سب ہی ہموار اور ہم خیال ہو چکے تھے۔ رسول اکرمؐ نے بنو فزارہ کو لکھا کہ تم خیبر والوں سے الگ رہو۔ خیبر کی فتح میں تم کو بھی شریک کیا جائے گا مگر غطفانیوں کی رشتہ کی بنا پر بنو فزارہ نے آپؐ کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ یہود سے صلح ہو جائے اور باہم

علیحدہ سے جنگ کے جو بادل منڈلا رہے ہیں چھٹ جائیں، اسی غرض کے لئے آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا تھا مگر یہود کا بغض وعناد جب کسی طرح دب نہ سکا تو آپ کو معلوم ہوا کہ اگر پیش قدمی نہ کی گئی تو مدینہ پر حملہ کا شدید خطرہ ہے تو آپؐ نے پیش قدمی کر کے مخالفین کے حملہ کی مدافعت کے لئے خیبر جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ لسان رسالتؐ نے اعلان کر دیا کہ لَا یَخْرُجَنَّ مَعَنَا اِلَّا رَاغِبٌ فِی الْجِہَادِ "صرف وہ لوگ ہمارے ساتھ چلیں جو جذبہ جہاد رکھتے ہیں"۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ پہلے سے تیار تھے مگر اس اعلان کے بعد ہر طرف شوق جہاد کے مظاہرے ہونے لگے۔ محرم کا مہینہ آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا باختلاف روایت ۲۰ یا ۲۱ تاریخ تھی ہر کلر دو عالمؐ ۱۴ یا ۱۶ سو مجاہدین کی جماعت کے ساتھ خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔ مدینہ میں افسر نگراں کی حیثیت سے حضرت سباع غفاریؓ کو مقرر فرمایا۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ مجاہدین اسلام میں دو سو سوار تھے اور باقی فوج پیدل تھی۔ آنحضرتؐ نے تین علم تیار کرائے۔ ایک خباب بن منذرؓ کو دیا۔ دوسرا اسعد بن عبادہؓ کو اور تیسرا بڑا "علم نبویؐ" جناب علی ابن ابی طالبؓ کو مرحمت فرمایا گیا۔ مجاہدین اسلام جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو "علم نبویؐ" لہرا رہا تھا اور اس کے سایہ میں حضرت عامر بن الاکوعؓ رجز پڑھتے جا رہے تھے راستہ میں صحابہ کرامؓ بلند آواز سے نعرہ لگا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ آہستہ کیونکہ تم جسے پکار رہے ہو وہ تم سے قریب ہے۔

حضرت عامرؓ بڑے جوشیلے انداز میں رجز پڑھ رہے تھے جس میں وہ کہہ رہے تھے
"اے اللہ اگر تو ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ خیرات کرتے نہ روزہ

رکھتے، ہم تیرے اوپر قربان ہوتے ہیں جن احکام کی ہم تعمیل نہیں کر سکے ہیں تو ان کو معاف فرمادے، تو ہم کو سکون عطا فرما، ہم فریاد کے وقت پہونچتے ہیں، تو ہم کو مقابلہ کے وقت ثابت قدم رکھنا۔"

اسلامی لشکر میں چند خواتین بھی تھیں جن کے پاس دوائیں تھیں اور جو زخمیوں کی خدمت اور علاج سے واقف تھیں۔ آنحضرتؐ کو یہ بات معلوم تھی کہ غطفان خیبر والوں کے ساتھ ہیں اور وہ ضرور ان کی امداد کو آئیں گے اس لئے جب آپ مقام رجیع میں پہونچے تو اسلامی لشکر کو ٹھہرنے کا حکم صادر فرمایا، یہ جگہ خیبر اور غطفان کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے فرمایا۔ غیر ضروری سامان اور خواتین اسی جگہ ٹھیریں، صرف مجاہدین آگے جائیں گے۔ اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں تو غطفانیوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا، وہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر خیبر والوں کی امداد کو نکلے مگر یہ دیکھ کر گھر کے قریب رجیع میں مسلمانوں کے خیمے لگے ہیں اور ساز و سامان پڑا ہے تو ہمت ٹوٹ گئی اور گھر کو خطرہ میں دیکھ کر لوٹ گئے۔

اسلامی فوج آنحضرتؐ کی معیت میں بڑھتی ہوئی صہبا میں پہونچی۔ نماز عصر سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا۔ کھانا لاؤ ستو خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپ نے ان کو پانی میں گھولا اور نوش فرمائے۔ آگے بڑھے اور رات کی تاریکی پھیلنے سے قبل خیبر کے قریب پہونچ گئے۔ عمارتیں نظر آرہی تھیں، صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ بس اسی جگہ ٹھہر جاؤ۔ پھر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کلمات دعائیہ زبان سے ادا فرمائے۔

اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا ونعوذ بک

من شرھا و شرِ اھلہا و شرما فیہا ۔" اے اللہ! ہم تجھ سے اس قریہ کی اور قریہ والوں کی اور قریہ کی تمام چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں "۔

رات ہو چکی تھی ۔ سامنے خیبر کی عمارتیں نظر آرہی تھیں ۔ یہود قطعاً غافل تھے حملہ کے لئے اس سے بہتر وقت اور کون سا ہو سکتا تھا ۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہیں تھی کہ وہ رات کی تاریکی میں سوتے ہوئے لوگوں پر اچانک حملہ کریں جیسا کہ بخاری غزوہ خیبر میں ہے ۔ اذا اتی قوما بلیل لم یغز بھم حتی یصبح ۔ آخر صحابہ کرامؓ نے اسی جگہ رات بسر کی ۔ رات بھر مسلمان اپنے رب کی یاد اور ذکر میں مصروف رہے صبح کو فجر کی نماز سے فارغ ہوئے جیسے جیسے روشنی بڑھتی جاتی تھی خیبر کے قلعے عمارتیں اور راستے نظر آتے جاتے تھے خیبر والوں کو نہیں معلوم تھا کہ اسلامی فوج ہمارے دروازوں تک آچکی ہے غطفانیوں کا راستہ بھی مسدود ہو چکا تھا اور وہ بھی کوئی خبر نہیں پہونچا سکتے تھے ۔

آفتاب فتح و کامرانی کا پیغام لئے نمودار ہوا ۔ ہادی عالمؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا " اب آگے بڑھو "۔ اسلامی لشکر نے قدم اٹھائے ہی تھے کہ چند یہودی جو کھیتوں پر جانے کے لئے آبادی سے باہر نکلے تھے ۔ اسلامی لشکر کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں چلا چلا کر کہنے لگے " محمدؐ والخمیس "۔ اے لوگو! خبردار ہو جاؤ محمدؐ اپنا لشکر لے کر ہمارے سروں پر آپہونچے ہیں "۔

آنحضرتؐ نے یہود کی آواز کو سنا تو فرمایا ۔" آج خیبر کے برباد ہونے کا دن آگیا کہ ہم جس میدان میں اترتے ہیں وہاں کی صبح کافروں کے لئے تباہی کا پیغام لاتی ہے "۔

خیبر یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ جو مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر تھا۔ بعض تذکروں میں ۱۹۶ اور سو میل کہا گیا ہے مگر یورپین سیاح ڈاؤٹی جو ۱۸۷۷ء میں کئی ماہ خیبر میں مقیم رہا تھا اس نے دو سو میل لکھے ہیں۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اور یہودیوں نے اپنی حفاظت کے لئے اندرون شہر کئی قلعے بنا رکھے تھے، قلعوں کے نام تاریخوں میں مذکور ہیں۔ سالم، قموص، نطاۃ، ناعم، قصارہ شق اور مرابطہ۔ قموص سب سے بڑا، مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ تمام قلعوں میں بیس ہزار فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار رہا کرتی تھی۔ مشہور یہودی پہلوان مرحب جو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا وہ قموص کا رئیس تھا۔ ابو رافع سلام کا خاندان اسی قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ یہی وہ قلعہ ہے جس کے اندر ایک کمرہ میں گھس کر عبداللہ بن عتیک رضؓ نے ابو رافع کو ہلاک کیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کی جائے۔ آپ صلح کے حامی تھے آپ کا خیال تھا کہ معاہدہ کے ذریعہ اگر جنگ ٹل جائے تو زیادہ بہتر ہے مگر آپ نے دیکھا کہ یہودیوں کی پکار نے سب کو ہوشیار کر دیا ہے اور وہ جھکنے اور صلح کرنے کے بجائے جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ سلام بن مشکم نضیری قلعوں میں فوج کی ترتیب پر پوری توجہ دے رہا ہے، صلح کے آثار مفقود ہیں اور معاہدہ کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی ہے۔ تو آپ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے جہاد کے عنوان پر تقریر فرمائی اور ان کو جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔

یہودیوں کے پاس اگرچہ بیس ہزار کا لشکر ساز و سامان سے آراستہ موجود تھا مگر مسلمانوں کی ہیبت کچھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ کھلے میدان میں مقابلہ کی تاب

نہ لا سکے۔ اسلامی لشکر نے آبادی میں داخل ہو کر تلواریں سونت لیں اور دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ کس کی ہمت تھی جو اللہ والوں کے مقابلہ پر جمتا سب نے بھاگنا شروع کر دیا اور بہت جلدی قلعوں میں بند ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان فولادی قلعوں کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور محاصرہ سے تنگ آ کر خود ہی فرار ہو جائیں گے مگر مسلمانوں نے بہت کم مدت میں کئی قلعے فتح کر لئے۔

سب سے پہلے اسلامی لشکر ناعم کی طرف بڑھا۔ کیونکہ خورد و نوش کا زیادہ تر سامان اسی قلعہ میں جمع کیا گیا تھا۔ مشہور صحابی ابن مسلمہؓ دیر تک بڑی دلیری سے اس قلعہ کو گھیرنے اور لڑتے رہے۔ گرمی کی شدت سے تھک کر قلعہ کی دیوار کے سایہ تلے دم لینے بیٹھے تھے کہ ایک یہودی کنانہ بن ربیع نے اوپر سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا۔ ابن مسلمہؓ کی شہادت نے مسلمانوں کے جوش میں اور اضافہ کر دیا شدت سے حملہ کیا اور بہت جلدی قلعہ فتح کر لیا۔

ناعم کی فتح نے یہودیوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ آس پاس کے قبائل مدد کو آئیں گے اور ہم آسانی سے مسلمانوں کو نیچا دکھا سکیں گے مگر آنحضرتؐ نے کچھ اس طرح ناکہ بندی کی تھی کہ غطفان و فزارہ سب کے راستے بند ہو چکے تھے ایہود نے پیغام بھی بھیجا لیکن کوئی بھی مدد کو نہ آسکا۔ ناعم کے بعد مسلمانوں نے دوسرے قلعوں کی طرف توجہ کی اور جدھر بھی بڑھے کامیابی قدم چومتی رہی۔ آخری قلعہ قموص تھا۔ یہ سب سے بڑا مضبوط اور بہت بڑی فوج اپنے اندر چھپائے ہوئے تھا مسلمانوں نے اس آخری مرحلہ پر بھی صلح

کی پیش کش کی مگر مغرور یہودیوں کو اپنی قوت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ انھوں نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ یہ قلعہ مرحب کی نگرانی میں تھا۔ مرحب کی بہادری ضرب المثل تھی، یہ پوری قوم کا سہارا تھا۔ سب اس کی بہادری پر نازاں تھے۔ اب اسی کے قلعہ کی باری تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قموص کی طرف بڑھو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق؄ بڑھے مگر باوجود کوشش کے ناکام واپس آئے۔ ان کے بعد حضرت عمر ابن خطاب؄ بڑھے مگر ان کے پاؤں بھی نہیں جم سکے واپس آئے اور آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ فوج نے ہمت سے کام نہیں لیا۔ فوج نے بھی آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ عمر؄ نے بزدلی دکھائی ورنہ قلعہ فتح ہو جاتا۔ غرض بڑے بڑے صحابہ؄ نے قوت آزمائی کی مگر کوئی بھی قموص کو فتح نہ کر سکا۔ یہود بھی اب جان پر کھیلنے اور مرنے کا عہد کر چکے تھے۔ ان کی طرف سے صلح کے جواب میں کہا گیا تھا کہ "سوائے تلوار کے اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا ہے" آخر اسی جدوجہد میں شام ہو گئی، وہ آفتاب جو فتح کا پیغام لایا تھا روپوش ہو کر دوسری صبح کا انتظار کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد مسلمانوں سے فرمایا "کل علم اس شخص کو دیا جائے گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں"

یہ رات حصول سعادت کے شوق میں بڑی بے چینی کی رات تھی۔ ہر مسلمان رات بھی یہی سوچتا رہا کہ دیکھو صبح کو یہ اعزاز کسے حاصل ہوتا ہے، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم کے مریض تھے میدان میں ان کا آنا ناممکن تھا اس لئے اکثر لوگوں کی نظریں جناب صدیق؄ اور حضرت عمر؄ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ حضرت عمر؄ خود کہ

فرماتے ہیں کہ یہ موقع ایسا تھا کہ میں بھی اپنی خودداری قائم نہ رکھ سکا اور تمنا کر رہا تھا کہ کاش! علم اسلام مجھے عطا کیا جاتا۔

علی کہاں ہیں؟

مسلمانوں کی رات اسی آرزو میں کٹ گئی۔ صبح ہوئی آنحضرتؐ نے نماز فجر سے فارغ ہو کر فرمایا "علی کہاں ہیں؟"

کسی کو خیال بھی نہیں تھا کہ علیؓ علم کے لئے بلائے جائیں گے۔ علیؓ کا نام غیر متوقع طور پر آنحضرتؐ کی زبان سے سن کر ہر شخص چونک پڑا۔ عرض کیا گیا۔ طبیعت ناساز ہے اور آشوب چشم کی شکایت میں مبتلا ہیں' فرمایا بلاؤ، ایک صاحب گئے لے کر آئے۔ آنکھوں پر کپڑا پڑا تھا۔ چلنے میں تکلف ہو رہا تھا۔ ورم اور درد نے اس قابل نہیں رکھا تھا کہ آنکھ اوپر اٹھا سکیں' حاضر خدمت ہوئے آنحضرتؐ نے کپڑا ہٹایا اور اپنا لعاب دہن آنکھوں میں لگایا۔ دعائے صحت فرمائی اور علیؓ فوراً اچھے ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے علم اسلام ہاتھوں میں دیدیا۔ سر پہ عمامہ باندھا اور ذوالفقار کمر سے لٹکا دی۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! کیا ان کو مسلمان بنا لوں؟ فرمایا۔ بناؤ مگر نرمی اور محبت سے اسلام کو پیش کرنا، اگر ایک بھی تمہاری ہدایت سے مسلمان ہو گیا تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔

حضرت علیؓ اسلامی لشکر کو لئے ہوئے آگے بڑھے، نہ تکبر نہ غرور خدا کی مدد پر بھروسہ اور رسول اکرمؐ کی دعائے فتح و ظفر کی قبولیت پر پورا یقین۔ قموص کے قریب پہنچے۔ مرحب نہیں جانتا تھا کہ "اسد اللہ" آ رہے ہیں' اس کا خیال تھا کہ مسلمان تھک گئے تھے اب دم لے کر پھر آ رہے ہیں۔ اسے اپنی قوت اور تلوار پر

بھر وسہ تھا یمنی خود سے سر چھپائے۔ غرور و تکبر سے چور جھومتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے نکلا۔ مسلمانوں کو حقارت سے دیکھا اور کہنے لگا۔ "قد علمت خیبر انی مرحب۔ شاکی السلاح بطل مجرب۔ خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں دلیر ہوں۔ تجربہ کار اور سلاح پوش ہوں" حضرت علیؓ نے سنا تو فرمایا۔ انا الذی سمتنی امی حیدرہ، کلیث غابات کریہ المنظرہ۔ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا تھا۔ میں شیر نیستان کی طرح مہیب اور بد منظر ہوں۔ مرحب قریب آچکا تھا، چاہتا تھا کہ ہاتھ چھوڑ دے مگر حضرت علیؓ نے ایسی تلوار ماری کہ سپر اور خود سے گذر کر سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ علیؓ کا وار تھا۔ ضربت کی آواز گونج کر رہ گئی۔ مرحب گرا اور تڑپنے لگا۔ دوسرا بہادر حارث اپنے سردار کو گرتا دیکھ کر لپکا مگر شیر خدا نے اسے بھی ایک ہی وار میں ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے بعد کئی بہادر بزعم باطل آگے بڑھے مگر کوئی زندہ واپس نہیں جا سکا۔ اب یہود نے عام حملہ کر دیا۔ ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمان حضرت علیؓ کی معیت میں جان کی بازی لگا رہے تھے، دوپہر ڈھل چکی تھی۔ حضرت علیؓ کی تلوار کو قرار نہیں تھا۔ لڑتے لڑتے سپر ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ قلعہ کا دروازہ سامنے تھا۔ عالم جوش میں بڑھے اور دروازہ کو پکڑ کر کھینچا تو ہاتھ میں آگیا۔ اب یہی سپر کا کام دے رہا تھا گھنٹوں اٹھائے رہے قلعہ فتح ہو گیا۔ یہود نے ہار کر ہتھیار ڈال دیئے حضرت علیؓ نے در خیبر کو ہاتھ سے پھینکا تو اسی بالشت دور جا کر گرا۔

یہود کا زعم خاک میں مل گیا۔ ان کی بھاری اکثریت بے پناہ سامان رسد و خوراک

اور قبائل سے ساز باز کچھ بھی کام نہ آسکا۔ حضرت علیؓ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے
اور فاتح خیبر کا لقب پایا۔ خیبر کی جنگ اور محاصرہ کا سلسلہ بیس دن جاری رہا۔
جس قموص کے لئے کئی دن قوت آزمائی ہوتی رہی تھی وہ چند گھنٹوں میں فتح ہو گیا
ترانوے یہودی مارے گئے، مرحب، حارث، یاسر، اُسیر اور معاصر کوئی بھی
نہ بچ سکا۔ پندرہ مسلمان شہید ہوئے۔

مال و دولت، ساز و سامان اور تمام زمینوں پر قبضہ کر لیا گیا قلعوں پر اسلامی
جھنڈا لہرا دیا گیا۔ یہود کے لئے اب کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا آخر بارگاہِ رسالت
میں درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف
دیتے رہیں گے۔ رحمت عالمؐ نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اور یہود کو ہر
طرح امن دے دی گئی اور وہ بدستور خیبر میں رہتے رہے مگر اس کے باوجود ان کے
دل سے عداوت کا جذبہ گیا نہیں اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو نقصان
پہونچے اور اسلام کو بربادی کا منہ دیکھنا پڑے۔

کھانے میں زہر

فتح کے بعد آنحضرتؐ پندرہ دن کے قریب خیبر میں قیام فرما رہے۔ اگرچہ
یہود کو امن دی گئی تھی اور ان کے ساتھ غیر معمولی مراعات کی گئیں تھیں مگر پھر بھی
وہ شرارت سے باز نہ آئے چنانچہ اسی زمانۂ قیام میں ایک عورت زینب بنت
حارث نے آنحضرتؐ اور صحابہ کی دعوت کی آپ نے منظور فرمالی مگر شام کو
جب کھانا سامنے آیا۔ آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کھانے بیٹھے لقمہ اٹھانا ہی چاہتے
تھے کہ ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کھانے میں زہر ملایا گیا ہے۔ عورت سے پوچھا گیا

تو اس نے اقرار کیا اور یہود کی سازش بتائی۔ یہود نے کہا ہم نے زہر اس لئے ملایا تھا کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو زہر کوئی اثر نہیں کرے گا اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ حضرت بشر بن براءؓ اس کھانے کے کئی لقمہ کھا چکے تھے۔ آپ نے عورت کو معاف کرتے ہوئے فرمایا اگر بشرؓ کو کوئی نقصان پہونچا تو معاف نہیں کی جاؤ گی۔ آخر تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ اللہ کے رسولؐ اپنی ذات کے لئے کسی انتقام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ ہمیشہ رحم و کرم اور درگذر سے کام لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن سہیلؓ اور حضرت محیصہؓ خیبر گئے تو یہود نے عبداللہؓ کو دھوکہ سے قتل کر دیا محیصہؓ نے آکر اطلاع دی تو آپ نے فرمایا۔ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو؟ مگر اس کے باوجود آپ نے یہود کو معاف کر دیا اور خون بہا کی رقم بیت المال سے ادا کر دی۔

متفرقات خیبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی درخواست پر وعدہ فرمایا تھا کہ پیداوار کا نصف تم کو دیا جائے گا، لیکن زمین کا کوئی حصہ کسی وقت تمہاری ذاتی ملکیت نہیں ہو سکے گا۔ مسلمانوں کو اختیار ہوگا کہ وہ جب بھی تمہاری طرف سے بے اطمینانی محسوس کریں بیدخل کر دیں اور تم کو خیبر سے نکال دیں۔ چنانچہ کئی سال برابر یہ سلسلہ جاری رہا اور جب تقسیم اناج کا وقت آتا تو اللہ کے رسولؐ عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر روانہ فرماتے، وہ تمام اناج اور پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کرتے اور یہود سے فرماتے کہ جو حصہ تم پسند کرو وہ لے لو۔ یہود اس طرز اخلاق پر کہا کرتے

تھے کہ یہی وہ عدل ہے جو زمین و آسمان کو قائم کئے ہوئے ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہود کی شرارتیں پھر بڑھنے لگیں تو آپ نے اس معاہدہ کی رُو سے ان کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے سواد بن عشرہ کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا تھا۔

ازواج مطہرات میں حضرت صفیہؓ اسی خیبر سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہؓ نے عرض کی کہ ایک لونڈی مجھے عنایت کر دیجئے۔ فرمایا جو تم پسند کرو وہ لے لو۔ حضرت دحیہؓ نے جناب صفیہؓ کو انتخاب کیا مگر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! صفیہؓ دحیہؓ کے لئے مناسب نہیں معلوم ہوتی ہیں وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہیں وہ آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے ان کو آزاد فرما کر خود اپنے نکاح میں لے لیا

مسند ابن حنبل کی روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ کے باپ اور شوہر دونوں مارے جا چکے تھے، وہ انتہائی رنجیدہ اور ملول تھیں۔ کنیز بن کر رہنا ان کی شان اور مرتبہ کے خلاف تھا۔ لہٰذا حضور اکرمؐ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائیں یا آنحضرتؐ سے نکاح پسند کر لیں چنانچہ انھوں نے آنحضرتؐ سے نکاح کرنا اور خدمت میں رہنا پسند کیا۔

مولانا شبلیؒ فرماتے ہیں کہ "حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزوں اور بجا تھی۔ اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثا کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔"

تاریخ مصطفیٰ ۲۱

اختتام جنگ کے بعد آنحضرتؐ نے کنانہ بن ربیع کو محمود بن مسلمہؓ پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کرنے کے جرم میں قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ بعض مورخین نے یہ جو لکھا ہے کہ کنانہ کو خزانہ چھپانے اور بتانے کے جرم میں قتل کیا گیا یہ غلط ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ کنانہ کو آنحضرتؐ نے محمد ابن مسلمہؓ کے حوالہ کر دیا تھا، انھوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہؓ کے قصاص میں قتل کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ہی میں تھے کہ مہاجرین مکہ جو حبش میں مقیم تھے حبشہ سے مدینہ آگئے۔ ان حضرات میں آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی جعفر ابن ابی طالب بھی تھے۔ چونکہ ایک طویل مدت کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو دیکھا تھا۔ فرط محبت سے سینہ سے لگا لیا اور فرمایا "خدا خوب جانتا ہے کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہوئی یا جعفرؓ کے آنے کی" آپ نے سب آنے والوں سے فرمایا "سب نے ایک ہجرت کی ہے مگر تمہاری دو ہجرتیں ہیں، ایک مکہ سے حبشہ دوسری حبشہ سے مدینہ" آپ نے ان سب حضرات کو از راہ کرم غنیمت کی تقسیم میں بھی شریک فرمایا۔

اسی غزوہ میں حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کا سر مبارک ان کی ران پر رکھا تھا اور وحی نازل ہو رہی تھی۔ نزول وحی کا سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ حضرت علیؓ ادباً خاموش رہے۔ آنحضرتؐ کو علم ہوا تو آپ نے دعا فرمائی آفتاب لوٹ آیا اور حضرت علیؓ نے نماز ادا کر لی۔

خیبر کی زمین اور مال غنیمت جو مجاہدین میں تقسیم کیا گیا اسی میں آنحضرتؐ کا خمس بھی شامل تھا، اس کے علاوہ ایک حصہ اور حضورؐ کے لئے مخصوص کیا گیا جس کو صفی

کہتے ہیں۔"

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہؓ کا پہلا نام زینب تھا۔ یہ کنانہ بن ربیع مقتول کی بیوی تھیں باپ کا نام حیّ بن اخطب تھا۔ جب مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے لیے منتخب کیا تو ان کا نام زینب سے صفیہؓ (چنی ہوئی) ہو گیا۔ فتح قموص کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صفیہؓ بیان فرماتی تھیں کہ میں قلعہ میں ایک تخت پر بیٹھی تھی۔ جب حضرت علیؓ نے دروازہ قموص کو اکھاڑا تو میں ہیبت سے تخت کے نیچے گر پڑی۔

خیبر کی آبادی تقریباً ۲۵ مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سے تالاب اور باغات موجود تھے، آج بھی قلعہ کھنڈرات اور تالاب کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

فتح خیبر کے بعد غطفان وغیرہ قبائل آئے اور انعام لینا چاہا۔ آنحضرتؐ نے دینے سے انکار کر دیا۔ خیبر کے آس پاس جو قبائل تھے سب نے اطاعت قبول کر لی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں نے خیبر کے بعد طائف وغیرہ میں دشمن کے خلاف جو منجنیق استعمال کئے تھے وہ خیبر کے مال غنیمت میں ہاتھ آئے تھے۔ اس سے قبل مسلمان منجنیق کے استعمال سے ناواقف تھے۔

وادی القریٰ اور فدک

خیبر سے واپسی میں مقام فدک آیا۔ یہود نے آنحضرتؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم اپنی جانوں کی امان چاہتے ہیں مال واسباب ہمیں درکار نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ نے ان کی درخواست کو منظور فرما لیا۔ چنانچہ اس طرح فدک کا علاقہ بغیر لڑے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ چونکہ یہ بغیر جنگ کے ہاتھ آیا تھا اس لئے حکم خدا کے مطابق

یہ تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ آنحضرتؐ کے حصہ میں آیا۔ لہٰذا آپ نے اس علاقہ کو اپنے متعلقین کی ضروریات اور اخراجات کے لئے وقف کر دیا۔

فدک سے فارغ ہو کر وادی القریٰ میں پہنچے۔ یہود پہلے سے تیار تھے مسلمان لڑنا نہیں چاہتے تھے مگر یہود نے تیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرتؐ کے غلام آپ کا محمل اتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ شہید ہو گئے۔ اب مسلمانوں کے لئے صبر کرنا ناممکن ہو گیا، دونوں طرف سے تیر برسنے لگے مگر یہودی جلد ہی سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھوڑی دیر میں یہود نے رحم کی درخواست کی اور آدھی آمدنی دینے کا اقرار کیا۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ یہود نے وعدہ کیا کہ ہم اطاعت گذار رہیں گے۔

ان علاقوں کی فتوحات نے مسلمانوں کو مالی اعتبار سے بہت فارغ البال کر دیا مہاجرین و انصار سبھی نے فائدہ اٹھایا۔ اور وہ مہاجرین جو انصار کی مالی امداد سے فائدہ اٹھا رہے تھے اس واقعہ کے بعد خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے۔

خیبر سے مدینہ تک راستہ میں کئی قبائل ایسے تھے جو مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ اور یہود سے ساز باز کرتے رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ تک پہنچتے پہنچتے سب کو زیر کر لیا۔ سب نے اطاعت کا وعدہ کیا اور سرکشی سے باز رہنے کا یقین دلایا۔ کفار مکہ کے لئے قبائل کی پسپائی اور اطاعت بہت بڑا حادثہ تھا۔ اب ان کو پوری طور پر یقین ہو گیا تھا کہ اسلام کے سیلاب کو روکنا انکے اختیار اور قوت سے باہر ہے۔

عمرہ کی ادائیگی

خیبر کے بعد ۷ھ کا اہم واقعہ ہے۔ چونکہ قریش سے حدیبیہ میں معاہدہ

ہو تھا کہ اس سال واپس جاؤ اور آئندہ سال آکر عمرہ کرو چنانچہ خیبر کی فتح اور دوسرے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ جو لوگ گزشتہ سال عمرہ کے لئے گئے تھے چلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس حکم کو سنتے ہی صحابہؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، دیرینہ آرزو تھی جو گزشتہ سال روکے جانے کی وجہ سے اور بھی بڑھ گئی تھی۔ جو حضرات وفات پاچکے تھے ان کے علاوہ سبھی نے تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ ۲ ذیقعدہ ۷ھ کو مدینہ سے تقریباً ۲۱سو جان نثاروں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ چونکہ معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مسلمان ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ اس لئے مسلمانوں کا قافلہ جب مکہ سے آٹھ میل ادھر رہ گیا تو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ تمام اسلحہ اسی جگہ چھوڑ دیئے جائیں۔ سب نے حکم کی تعمیل کی اور مجاہدین کا ایک دستہ متعین کر دیا گیا کہ وہ سامان و اسلحہ کی حفاظت کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے جھرمٹ میں مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے پروانے شمع رسالتؐ پر نثار ہونے کے لئے بیقرار نظر آرہے تھے۔ مکہ کی عمارتیں نظر آئیں تو مہاجرین کے دلوں کو وطن کی محبت نے بے چین کر دیا۔ برسوں کے بعد وطن کی صورت دیکھی تھی۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ ہر طرف لبیک کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں عبداللہ بن رواحہؓ رسول اکرمؐ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور آپ کی زبان لبیک کی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ حرم محترم میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کا بوسہ لیا اور طواف شروع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ طواف کے پہلے تین پھیروں میں ذرا سینہ اٹھا کر اور تیز چلیں تاکہ

کفار مکہ کو مسلمانوں کی مستعدی اور قوت کا اندازہ ہو اور ان کے دل سے یہ خیال نکل جائے کہ مدینہ کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ احکاماتِ حج میں اسی طریقہ کو "رمل" کہتے ہیں، یہ سنتِ نبویؐ آج تک جاری ہے۔

کفار مکہ کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان مکہ آئیں مگر معاہدہ نے مجبور کر دیا تھا لیکن عناد و عداوت کا یہ عالم تھا کہ بہت سے مخالفینِ اسلام مسلمانوں کی کامیابی اور رسول اکرمؐ سے ان کی والہانہ عقیدت کے منظر کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے وہ حرم اور آبادی کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے اور چھپ چھپ کر نظر ڈال رہے تھے۔ آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے تین دن مکہ میں قیام کیا۔ خوب دل بھر کر اللہ کے گھر کا دیدار اور طواف کی سعادت حاصل کی۔ مکہ والوں کے لئے ایک ایک ساعت پہاڑ ہو رہی تھی، تین دن جیسے ہی پورے ہوئے چند آدمی پہاڑوں سے اتر کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ جاؤ محمدؐ سے کہدو کہ معاہدہ کے مطابق ۳ دن ہو گئے ہیں۔ مکہ سے واپس چلے جائیں حضرت علیؓ نے مکہ والوں کے پیغام کو خدمتِ اقدسؐ میں پہونچایا اور آنحضرتؐ نے فوراً مسلمانوں کو واپسی کا حکم دیدیا۔ یہ وقت ایسا تھا کہ کفار مکہ ہر طرح مجبور اور لاچار ہو چکے تھے ان میں لڑنے اور مقابلہ کرنے کی تاب و طاقت نام کو باقی نہیں رہی تھی، نامی سردار اور بہادر پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں موت کی نیند سو چکے تھے، اگر مسلمان چاہتے تو معاہدہ توڑ کر مکہ پر قبضہ کر لینا کوئی مشکل بات نہیں تھی مگر اسلام کی غرض اولین یہی تھی کہ جو زبان سے کہدیا جائے اس پر آخر وقت تک قائم رہا جائے۔ کمزوری سے فائدہ اٹھانا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے اگر

ایفائے عہد پر قائم رہتے ہوئے آنحضرتؐ کے ایک اشارہ کے ساتھ مکہ خالی ہونے لگا۔ آنحضرتؐ کے اس طرز اخلاق نے بہت سے اہل مکہ کو متاثر کیا۔ اب تک جو لوگ مخالفت کر رہے تھے ان کے دلوں میں بھی اسلام کی حقانیت بیٹھنے لگی اور قبول اسلام کے لئے وقت اور موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔

چند اہم واقعات

۷ھ کے مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ چند چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ خالد ابن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ جو اب تک کفار مکہ کے ہمنوا اور ان کے آخری سہارا بنے ہوئے تھے اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ اسی سال ایک دن خاموشی کے ساتھ مکہ سے نکلے اور مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں عمرو بن عاصؓ کو بھی جاتا ہوا دیکھا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے "مسلمان ہونے جا رہا ہوں" کہنے لگے بس تو میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں مدینہ آئے۔ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عثمان بن طلحہؓ بھی ان ہی کے ساتھ آئے تھے اور تینوں نے ایک ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا۔ یہ وہی خالد تھے جو احد میں آنحضرتؐ پر تیر برسا رہے تھے جن کی تلوار کفر کی حمایت میں ہمیشہ بے نیام رہتی تھی۔ آگے چل کر دنیا بدل گئی اور سیف اللہ کے لقب سے ممتاز کئے گئے۔

اس سال آنحضرتؐ پر کئی احکامات نازل کئے گئے جن سے آپ نے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا اور ان پر عمل کا حکم دیا۔ اس سے قبل عرب میں پنجہ سے کھانے والے پرندوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا تھا اس سال سے ایسے پرندے کھانا حرام کئے گئے

وہ جانور بھی حرام قرار دیئے گئے جو درندے کہلاتے ہیں اور شکار کو چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ اسی سال سے گدھا اور خچر کا کھانا بھی حرام کیا گیا۔

چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانے اور پینے کی ممانعت کی گئی۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے حرمت متعہ کا بھی یہی سال ہے اور جس کا حکم غزوۂ خیبر کے بعد کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ سے فارغ ہوکر مدینہ آنے لگے تو حضرت حمزہؓ رضی اللہ عنہ کی نوعمر صاحبزادی امامہ رضی اللہ عنہا جو مکہ ہی میں رہ گئی تھیں دوڑ کر آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گود میں اٹھا لیا مدینہ لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں دے دیا۔

اسی سال عمرہ کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہؓ بنت حارث سے نکاح فرمایا اور راستہ میں مقام سرف پہونچے تو دعوت ولیمہ کی ازواج مطہرؓ میں یہ خاتون سب کے بعد میں دنیا سے رخصت ہوئی ہیں چنانچہ ۶۳ھ میں انتقال بھی مقام سرف میں ہوا اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔ آپ کی قبر زیارت گاہ حجاج ہے۔ (بخاری، ترمذی، ابن سعد، ابن ہشام)

غزوۂ موتہ ۸ھ

خیبر کی فتح اور ۷ھ کے اختتام کے بعد مسلمان عرب کی بہت بڑی طاقت بن چکے تھے۔ مکہ کے کفار، خیبر کے یہود، قرب وجوار کے قبائل اور مدینے کے منافق سبھی مغلوب ہو چکے تھے اسلام کے سیلاب کو روکنا اب کسی کے بس کا

بات نہیں تھی، مگر اس کے باوجود مغلوب و مقہور قوم کے دلوں میں اسلام کی عداوت کی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں' ان کی دلی خواہش اور در پردہ کوشش یہی تھی کہ کسی طرح اسلام کا خاتمہ ہو اور مسلمانوں کو ذلت و خسارہ کا منہ دیکھنا پڑے، چنانچہ یہ سب جب اپنی طاقتیں کھو بیٹھے تو ان کی نظروں میں سوائے روم و ایران کے کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی جسے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ابھاریں اور صف آرا کریں۔ ان کی نظریں اب روم و ایران کی طرف اٹھنے لگیں اور وہ ان ملکوں کے سربراہوں کو مشتعل کرنے اور مسلمانوں کے مقابلہ پر لانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ آنحضرتؐ کو پہلے ہی یہ خیال تھا کہ یہود و قریش ہمسایہ ممالک کو مقابلہ پر لانے کی کوشش کریں گے۔ اسی دور اندیشی کی بناء پر آپ نے سنہ ۶ھ کے آخر اور سنہ ۷ھ کی ابتداء میں بہت سے ملکوں کے بادشاہوں اور حاکموں کو خطوط لکھے تھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک خط آنحضرتؐ نے قیصر روم کے نام بھی لکھا تھا جس کو حارث بن عمر ازدیؓ لے کر گئے تھے۔ حضرت حارثؓ بصرہ پہونچے تو موتہ کے حاکم شرجیل غسانی نے حضرت حارثؓ کو قیصر کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کر کے قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا قتل تھا معمولی بات نہیں تھی مسلمانوں میں اس خبر نے عام اشتعال پیدا کر دیا۔ آنحضرتؐ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے حارثؓ کے قتل کا قصاص لینے کے لئے ۳ ہزار مسلمانوں کی ایک فوج زید بن حارثہؓ کی سپہ سالاری میں شام کی طرف روانہ فرمائی۔ حضرت زیدؓ آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اگرچہ دوسرے نامور اور عالی خاندان حضرات بھی موجود تھے مگر زیدؓ کی سرداری سے آپ کی غرض یہ تھی کہ رنگ و نسل کے امتیاز کو مٹا دیا جائے اور مسلمانوں

میں کوئی نسلی امتیاز اور فرق باقی نہ رہے۔

اسلامی فوج میں حضرت جعفر طیارؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور خالد بن ولیدؓ بھی شامل تھے۔ اسلامی لشکر روانہ ہوا تو آنحضرتؐ اسے رخصت کرنے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے۔ رخصت ہوتے وقت فرمایا اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفر طیارؓ علم سنبھالیں، وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ علم بردار ہوں پھر فرمایا اگر دشمن اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں ہے، پھر فرمایا مسلمانوں کو اس مقام تک جانا چاہیے جہاں حارثؓ شہید کیے گئے ہیں۔ اسلامی فوج مدینے سے روانہ ہوئی تو کسی دشمن نے شرجیل کو خبر کر دی کہ اسلامی لشکر حارثؓ کے قتل کا بدلہ لینے آرہا ہے۔ شرجیل نے اس خبر کے سنتے ہی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ایک لاکھ کا لشکر جرار تیار کر لیا۔ اس کے ساتھ قیصر روم کو لکھا تو وہ بے شمار فوج لے کر موتہ کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔

تین ہزار مسلمانوں کا اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، یہ ایک تاریخی جنگ تھی جس میں بے شمار عیسائیوں کے لشکر سے مسلمانوں کو لڑنا پڑا۔ وہ عیسائی جن کی سلطنت مشرق و مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور سامان جنگ کی اتنی کثرت تھی کہ اس سے قبل کسی مقابلہ میں مسلمانوں نے نہیں دیکھی تھی۔

حضرت زیدؓ چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو حالات سے مطلع کیا جائے مگر عبداللہ بن رواحہؓ کے جذبۂ شہادت کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ آخر اسلامی لشکر عیسائیوں کے جم غفیر سے ٹکرا گیا۔ مسلمان باوجود قلت تعداد اور سامان جنگ کے بڑھتے اور گھستے جا رہے تھے۔ جذبۂ شہادت سے سرشار نہ کچھ سوچنے کا احساس نہ سمجھنے

ہٹنے کا خیال مسلمانوں کے عزم اور بے پناہ جذبۂ شہادت نے عیسائیوں کے چھکے چھڑا دیئے مگر تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ تھا۔ جان توڑ کر لڑے مگر کب تک؟ آخر حضرت زیدؓ برچھیوں کا نشانہ بن کر زمین پر گرے اور شہید ہو گئے حضرت جعفرؓ نے عقب سے بڑھ کر اسلامی علم سنبھالا۔ سینہ پر نوے سے زیادہ برچھیاں کھائیں مگر منہ نہیں موڑا شربت شہادت نوش کیا تھا کہ عبداللہ بن رواحہؓ نے علم اٹھا لیا، آگے بڑھے اور قلب لشکر کفار میں گھس گئے نہ خوف نہ ہراس عیسائی حیران تھے کہ مسلمان کتنے دل گردہ کے لوگ ہیں کہ پشت دکھانا ہی نہیں جانتے ہیں۔

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرما دیا تھا اور تینوں سرداروں کے نام لئے تھے اس لئے یہ جو کچھ بھی ہوا سے ہونا ہی تھا۔ کچھ دیر جناب عبداللہؓ نے داد شجاعت دی اور پھر وہ بھی سابقہ دونوں سرداروں سے جا ملے۔

خالد بن ولیدؓ جو مسلمان ہونے کے بعد ابھی تک کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ آج ان کو پہلی مرتبہ اسلام کے نام پر تلوار اٹھانا پڑی۔ تیسرے سردار کی شہادت کے بعد گرتے ہوئے علم کو سنبھالا، بہادری مسلمہ تھی۔ دل کھول کر لڑے رومی لشکر میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ آٹھ تلواریں پے در پے ہاتھ میں ٹوٹیں کشتوں کے پشتے لگا دیئے مگر بے پناہ لشکر کا مقابلہ تھا۔ سو پچاس کے مرنے سے کیا فرق آسکتا تھا۔ آخر بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں کو میدان سے بچا کر دشمن کی زد سے باہر لے آئے۔ دیر تک لڑنے اور کٹ کٹ کر گرنے کی وجہ سے رومی لشکر کے حوصلے پست ہو چکے تھے اور ان میں انتشار اور فرار کے آثار پائے جاتے تھے حضرت خالدؓ نے جب یہ صورت دیکھی تو اسلامی لشکر کو واپس مدینہ لے آئے۔

مسلمانوں اور عیسائی فوجوں میں یہ تاریخی جنگ موتہ کے میدان میں لڑی گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کے حالات سے حضرت جبرئیل ؑ نے مدینہ میں مطلع فرمایا، چنانچہ آپ ؐ مسجد نبوی میں مسلمانوں سے فرما رہے تھے کہ زید ؓ شہید ہوگئے اور جعفر ؓ نے علم اسلام اٹھا لیا۔ وہ بھی شہید ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ ؓ سردار بنے اور ان کی شہادت کے بعد خالد ؓ لڑ رہے ہیں۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت جعفر ؓ فرشتوں کے ساتھ بہشت میں اڑ رہے ہیں۔ چونکہ حضرت جعفر ؓ کے دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بازوؤں کی جگہ پر عطا فرمائے۔ اس ارشاد کے بعد حضرت جعفر ؓ کے نام کے ساتھ طیار کا لفظ بھی بولا جانے لگا یعنی اڑنے والا۔ جنگ کے حالات سے مسلمانوں کو مطلع فرمایا اور مسجد سے اٹھ کر حضرت جعفر ؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کی بیوی بچوں کو نہلا رہی تھیں۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر بچوں کے سروں پر ہاتھ پھرایا۔ بیوی صاحبہ سمجھ گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ؐ! آج تو کوئی خاص بات ہے۔ فرمایا۔ ہاں! ابھی جبرئیل ؑ آئے تھے اور کہتے ہیں کہ حضرت جعفر ؓ موتہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محبوب ؐ! ان کے گھر جاؤ اور ان کے یتیم بچوں کے سر پر محبت سے ہاتھ پھراؤ" اس کے بعد آپ ؐ نے گھر سے کھانا پکوا کر ان کے گھر بھجوایا اور تین دن تک مسجد نبوی ؐ میں بیٹھ کر تعزیت کی اور لوگوں کے پیغامات تعزیت کا شکریہ ادا کیا۔

آنحضرت ؐ کو جناب جعفر ؓ سے جو تعلق اور محبت تھی اس کا اندازہ آپ اس ارشاد سے لگا سکتے ہیں، جو خیبر کے وقت آپ کی زبان سے ہوا تھا یعنی "خدا خوب جانتا ہے کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہوتی ہے یا جعفر ؓ کے حبشہ سے آنے کی"۔ (بخاری)

ابن اسحاق کی اس روایت کو بعض مورخین نے سپرد قلم کیا ہے کہ خالد بن ولیدؓ جب فوج کو میدان جنگ سے مدینہ میں واپس لائے تو اہل مدینہ نے ان کے چہروں پر خاک پھینکی اور ان کو فراری اور بھاگا ہوا کہہ کر مخاطب کیا لیکن بخاری کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اس فوج کو فراری نہیں سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے انکے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا۔ نیز یہ کہ لوگ جب فوج کو فراری کہہ رہے تھے اس کو ان کلمات سے بہت رنج ہوا۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ تم فراری نہیں ہو بلکہ دوبارہ حملہ کی غرض سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو۔ بہرحال اس مسئلہ میں مورخین کی مختلف رائیں ہیں اگرچہ صحیح یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ فوج بھاگنے والی نہیں تھی (فتح الباری)

مکہ میں فاتحانہ داخلہ

حدیبیہ کی صلح کو دو برس ہو رہے تھے۔ یہ زمانہ قدرے امن سے گذرا۔ مسلمانوں کے خلاف مکہ والوں کی مخالفت تھوڑی بہت دب گئی تھی۔ کفار کے دل میں کچھ بھی ہو مگر مسلمانوں کے نزدیک یہ صورت حال اطمینان بخش تھی کیونکہ ان کے دل مکر و فریب سے پاک تھے مگر قریش معاہدہ پر قائم نہ رہ سکے، قبیلہ خزاعہ اور قبیلہ بنو بکر میں ایک زمانہ سے باہمی عداوت چلی آ رہی تھی صلح حدیبیہ کے بعد خزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف ہو گئے۔ بنو بکر کو یہ بات ناگوار ہوئی اور وہ اپنے دشمن خزاعہ پر حملہ کے لئے وقت کا انتظار کرنے لگے۔ چونکہ صلح حدیبیہ نے فضا کو سازگار کر دیا تھا لہٰذا بنو بکر جو منتظر تھے قبیلہ خزاعہ پر ٹوٹ پڑے۔ قریش جو بنو بکر کے ہمنوا تھے ان کی مدد کرنے لگے۔ خوب تلواریں چلائیں، خزاعہ نے بھاگ

کر حرم میں پناہ لی لیکن وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملی اور قریش کے ایک رئیس نوفل کے کہنے پر عین حرم میں خزاعہ کا قتل عام کیا گیا۔ آخر خزاعہ کے کچھ لوگ عمرو بن سالم کی سرکردگی میں بھاگ کر مدینہ آئے تاکہ آنحضرتؐ سے فریاد کریں۔ چونکہ معاہدہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین میں سے کوئی کسی کے حلیف پر حملہ آور کی مدد نہیں کرے گا۔ قریش نے اس شرط کی علانیہ خلاف ورزی کی اور بنو بکر کو خزاعہ پر حملہ کرنے میں مدد دی اس لئے خزاعہ کے چند آدمیوں نے مدینہ آکر فریاد کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ میں رونق افروز تھے۔ خزاعہ کے فریادی مسجد کے باہر بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔

"اے اللہ! ہم محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاتے ہیں جو ہمارے اور ان کے درمیان ہوا تھا۔ اے اللہ کے رسولؐ! ہماری مدد فرمایئے اور اللہ کے بندوں کو ہماری امداد و اعانت کے لئے بلایئے"۔

آنحضرتؐ نے سب کو مسجد میں بلا لیا اور تمام واقعات کی سماعت فرمائی اور اپنے رنج و غم کا اظہار فرمایا اور ان سے فرمایا۔ تم صبر کرو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور مکہ پہنچ کر قاتلوں سے باز پرس کریں گے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے ایک قاصد کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعہ مکہ والوں کے پاس مندرجہ ذیل شرائط بھیجیں اور مطالبہ کیا کہ:۔

"۱:۔ قبیلہ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے (۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے فوراً دستبردار ہو جائیں۔ (۳) اس بات کا فوراً اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا"۔

تاریخ مصطفےٰؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے مکہ پہونچ کر قریش کے سامنے شرائط پیش کیں تو قرطہ بن عمر و نے قریش کی طرف سے جواب دیا کہ ہم کو تیسری شرط منظور ہے۔ قرطہ نے یہ تلخ جواب تو دیدیا مگر قاصد کے چلے جانے کے بعد ان کو اپنے جواب پر سخت ندامت ہوئی اور وہ خود کو ایک بڑی مصیبت میں محصور دیکھنے لگے۔ اس جواب کے بعد انکے سامنے صرف ایک ہی بات تھی کہ اب مسلمان مکہ پر چڑھائی کردیں گے۔ چنانچہ شدت ندامت اور عاقبت کی فکر نے ان کو مجبور کردیا کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں جو اس جواب کے برے نتائج کو سامنے آنے سے روک سکے، آخر ابوسفیان کو سفیر بناکر آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ بھیجا تاکہ معاہدہ کی تجدید ہوسکے اور مسلمانوں کا غصہ ٹھنڈا ہو۔

ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ معاہدہ کی تجدید فرمائی جائے مگر بارگاہِ رسالتؐ سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ابوسفیان نے حضرت فاطمہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا اور سب سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں آنحضرتؐ سے بات چیت کریں مگر کسی نے کوئی بات نہیں سنی اور ہر جگہ سے ابوسفیان کو مایوس جانا پڑا۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ حضرت میمونہؓ کے گھر میں آرام فرمارہے تھے کہ اچانک زبان مبارک سے لبیک لبیک فرمانے لگے۔ حضرت میمونہؓ نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ بنی خزاعہ قریش اور بنو بکر کے ظلم سے تنگ آکر مجھ سے فریاد کررہے ہیں۔ اس کے تین چار دن کے بعد خزاعہ کے فریادیوں کے نمائندہ عمرو بن سلام خزاعی نے مدینہ میں حاضر ہوکر تمام واقعہ بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا۔

بات قابل ذکر ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل ہو چکی تھیں چونکہ وہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں اس لئے ابوسفیان نے تجدید معاہدہ کے لئے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ سے بھی ملاقات کی اور گھر میں پہونچ کر ابوسفیان نے آنحضرتؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہا مگر حضرت ام حبیبہؓ نے بستر سمیٹ دیا۔ ابوسفیان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ مگر ام المومنین نے فرمایا کہ مشرک رسول اللہؐ کے پاک بستر پر نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ ابوسفیان کو اور بھی رنج ہوا اور وہ سخت مایوس ہو کر واپس مکہ چلا گیا۔

بعض مورخین نے زرقانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان کی مایوسی کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم مسجد نبویؐ میں جاؤ اور آنحضرتؐ کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہہ دو کہ "میں نے قریش کو امان دی اور معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کی"۔ یہ روایت کس طرح قبول کر لی جائے جب کہ خود آنحضرتؐ جناب فاطمہؓ اور حضرت اُم حبیبہؓ سب ہی اس کی درخواست کو ٹھکرا چکے ہوں۔ حضرت علیؓ کسی طرح ایسا مشورہ جو مزاج رسالت کے خلاف ہو نہیں دے سکتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوسفیان سے مذاقاً کہا تھا مگر ہم اس موقعہ پر اس قسم کے مذاق کی بھی حضرت علیؓ سے اُمید نہیں کر سکتے ہیں۔

بہرحال ابوسفیان ناکام واپس گیا اور آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دیدیا اور ان قبائل کو اس مہم میں شریک ہونے کی اطلاع بھیجی جن کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ یہ احکام خاص طور پر پردۂ راز میں رکھے گئے تھے اور حکم دیا گیا تھا کہ مکہ والوں کو اس کارروائی کا کوئی علم نہ ہونا چاہیئے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ جن کے بیوی بچے ہنوز مکہ میں تھے ان کو یہ خیال پیدا ہوا

کہ اگر میں مکہ پر حملہ کی خبر قریش کو کر دوں تو وہ میرے گھر والوں سے اچھا سلوک کریں گے، یہ ایک فطری جذبہ تھا جس سے متاثر ہو کر حضرت حاطبؓ نے ایک خط لکھا اور ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کر دیا۔ آنحضرتؐ کو علم ہو گیا، آپ نے فوراً حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو بھیجا کہ وہ خط واپس لائیں اور قاصد کو گرفتار کر کے پیش کریں۔ یہ تینوں حضرات گئے اور ایک منزل سے کم فاصلہ پر عورت کو حراست میں لے لیا۔ خط تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ جب مایوسی ہوئی تو حضرت علیؓ نے تلوار کھینچ لی عورت لرز گئی اور خط چوٹی کے بالوں سے نکال کر حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیدیا۔ آپ نے فرمایا "رسول اللہؐ کی دی ہوئی خبر غلط نہیں ہو سکتی ہے" خط اور قاصد دونوں بارگاہ رسالتؐ میں پیش کئے گئے۔ حاطبؓ شرمندہ تھے۔ آنحضرتؐ نے وجہ دریافت کی تو سچی بات کہدی کہ گھر والوں کی محبت میں یہ غلطی اس خیال سے ہوئی کہ قریش ان کے ساتھ میرے اس احسان کی وجہ سے اچھا سلوک کریں گے۔

صحابہؓ میں حضرت حاطبؓ کے لئے غصہ کی لہر دوڑ گئی مگر رحمت عالمؐ نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ "اللہ تعالیٰ اہل بدر کو مواخذہ سے معاف فرما چکا ہے"۔

اسلامی فوج تیار کھڑی تھی۔ اذن رسولؐ کا انتظار تھا۔ ۱۰ رمضان المبارک کو ارشاد ہوا "سواریاں بڑھاؤ"۔ دس ہزار مسلمانوں کا لشکر آنحضرتؐ کے زیر سایہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں دو ہزار کے قریب لشکر مختلف قبائل عرب کا اور شامل ہو گیا جن میں قبائل اسلم، غفار، مزینہ، سلیم اور جہینہ وغیرہ کے لوگ شریک تھے۔ لشکر اسلام مقام جحفہ میں پہونچا تو حضرت عباس ابن عبد المطلبؓ

مع اہل و عیال کے مکہ سے آتے ہوئے ملے، آنحضرتؐ نے مہربان چچا کو دیکھا تو جوشِ مسرت میں ارشاد فرمایا "میں آخری نبیؐ ہوں اور یہ آخری مہاجر ہیں"۔ آپؐ نے ان کے بچوں کو مدینہ بھیج دیا اور چچا کو ساتھ لے لیا۔ آخری پڑاؤ مرالظہران تھا، حکم ہوا خیمے نصب کرو۔ جانور چھوڑ دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسلامی فوج تھکان کی غرض سے ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر واقع تھی، بہت حضرات نگرانی کے فرائض انجام دینے پر لگ گئے۔ رات آئی تو آنحضرتؐ نے حکم صادر فرمایا کہ خیموں کے سامنے آگ روشن کی جائے۔ تھوڑی دیر میں آگ کے صدہا شعلے بلند ہونے لگے اور یہ لق و دق صحرا بقعۂ نور بن گیا۔

قریش اپنی غلطی کا انجام دیکھنے کا انتظار کر رہے تھے کہ آگ کی روشنی نے چونکا دیا۔ ابوسفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کو مکہ والوں نے بھیجا کہ وہ پتہ لگائیں کہ یہ روشنی کیسی ہے؟ دو آدمی تو دور ہی سے دیکھ کر واپس ہو گئے۔ ابوسفیان آگے بڑھا تو ایک اسلامی دستہ نے پہچان لیا اور گرفتار کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کر دیا۔ ابوسفیان نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچا سے فرمایا کہ آپ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں رکھئے۔ ابوسفیان کے گزشتہ کارناموں میں وہ کونسی حرکت تھی جو اس کے قتل کی تائید نہ کرتی ہو؟ مگر رحمتِ تمامؐ سے حضرت عمرؓ نے جب درخواست کی کہ "یا رسول اللہؐ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابوسفیان بے ایمان کی گردن اڑا دوں"۔ تو آپ نے اجازت نہیں دی۔ درحقیقت حضرت عباسؓ کے حوالہ کرنے کی غرض یہ تھی کہ کوئی مسلمان جذبۂ انتقام سے سرشار ہو کر ہاتھ نہ اٹھانے پائے اور اس کو آنحضرتؐ کے چچا کی نگرانی میں دیکھ کر خاموش

لئے۔ اس کے علاوہ سیاسی اعتبار سے مکہ والوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اب ان میں
لام کے مقابلہ پر آنے کی جرأت باقی نہیں رہی تھی۔
ختم ہوئی آنحضرتؐ نے فجر کی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ چچا جان! ابوسفیان کو
منے پہاڑی پر کھڑا کر دیجئے تاکہ مکہ کی طرف بڑھنے والی افواج الٰہی کو اپنی آنکھوں سے
یکھ سکیں، ابوسفیان پہاڑی پر چڑھے اسلامی فوجیں حرکت میں آئیں، مختلف عربی
ائل اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں علم اسلام لئے ہوئے گذرنے لگے، ابوسفیان
دستہ فوج کو غور سے دیکھ رہے تھے اور حیران تھے۔
نصار کا قبیلہ سب سے بڑا اور ساز و سامان سے آراستہ سامنے آیا تو ابوسفیان نے
چچا عباسؓ یہ لشکر کس کا ہے؟ فرمایا انصار مدینہ ہیں۔ سردار فوج حضرت سعد
ن عبادہؓ علم اسلام ہاتھ میں لئے مقابل آئے اور ابوسفیان پر نظر ڈالی اور کہا آج
مسان کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائیگا" ابوسفیان خاموشی سے دیکھتے رہے۔
فعتہً آنحضرتؐ جان نثاروں کے ساتھ نمودار ہوئے تو ابوسفیان نے بارگاہِ
نبوت میں عرض کیا" یا رسول اللہؐ! آپ نے سُنا، سعد بن عبادہؓ کیا کہتے ہوئے
لئے ہیں؟" ارشاد ہوا" وہ غلط کہتے ہیں۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے آج کعبہ کو
لباس پہنایا جائے گا"
اس کے بعد ارشاد ہوا کہ" فوج کا جھنڈا سعدؓ سے لے کر ان کے بیٹے کو دیدیا جائے"

بتوں کا صفایا اور معافی

یہ منظر بڑا پُر شکوہ تھا کہ مہاجرین و انصار اور مسلمانوں کے دوسرے قبائل
اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں علم اسلام بلند کئے ہوئے تھے مکہ میں داخلہ کے

لئے بڑھے جا رہے تھے، اطراف کی پہاڑیاں مسلمانوں کے نعروں سے گونج رہی تھیں۔ سرکارِ دو عالم ؐ کی سواری وسط میں تھی۔ آج مسلمانوں کو وہ دن یاد آرہا تھا جب کہ آٹھ سال قبل قریش کے مظالم سے تنگ آکر آنحضرت ؐ اور مسلمانوں کو بے سر و سامان وطن کی سرزمین کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔ آج وہی مظلوم مسلمان اپنے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں انتہائی شان و شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے تھے آنحضرت ؐ کی زبان مبارک پر اپنے رب کی حمد و ثنا کے کلمات جاری تھے اور مسلمانوں کی آنکھیں خوشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔

آنحضرت ؐ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ کوئی شخص کسی پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ سب کو صبر و ضبط کے ساتھ داخل ہونا چاہیے۔ اس موقعہ پر سرکارِ دو عالم ؐ کی شان یہ تھی کہ سر پر سیاہ عمامہ اور سواری پر رونق افروز گردن جھکائے کعبہ کی سمت تشریف لئے جا رہے تھے۔ مقام حجون میں پہونچ کر علم نبوی ؐ نصب کر دیا گیا، خالد ابن ولید ؓ سے فرمایا کہ تم فوجوں کو لے کر بالائی منزل کے حصہ کے پاس آؤ۔ مگر کسی پر ہاتھ مت اٹھانا۔ اس کے ساتھ ہی اعلان ہوا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو امن دیا جائے گا۔ اسلام کی غرض اعلائے کلمۃ اللہ ہے، جو لوگ ہم پر ہتھیار اٹھائیں گے ان کو قتل کیا جائے گا اور جو پُر امن رہیں گے ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جائے گا۔

اس کے بعد آنحضرت ؐ اسلامی فوج کے ایک حصہ کو لئے ہوئے جانب اعلیٰ سے گذرتے ہوئے کعبہ کے دروازہ پر تشریف لائے اور زبان سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اسلامی فوج

اپنے رسولؐ کی پیروی کی اور اس زور سے نعرہ توحید بلند کیا کہ تمام مکہ گونج اٹھا
لد بن ولیدؓ جب بالائی حصہ سے گذرتے ہوئے صفا کی طرف آرہے تھے کہ عکرمہ بن
جہل اور صفوان بن امیہ نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ خالد ابن ولید تھوڑی
یر سوچتے رہے کہ ہاتھ اٹھائیں یا نہیں مگر مجبور ہوئے تو تلوار کھینچ لی، دشمنوں
نے تھوڑی دیر مقابلہ کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ تین مسلمان شہید ہوئے یعنی
ز بن جابر فہریؓ حبیش بن اشعرؓ اور سلمہ بن المیلاءؓ۔ کافر ۱۳ سے ۲۴ تک لاشیں
چھوڑ کر فرار ہوتے تھے آنحضرتؐ نے یہ صورت حال دیکھی تو خالد ابن ولیدؓ سے
وجہ پوچھی۔ عرض کیا ابتداء کافروں کی طرف سے ہوئی تھی میں نے بہت مجبور ہو کر
ہاتھ اٹھایا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قضائے الٰہی اسی طرح تھی۔

صحابہ کرامؓ نے کعبہ کے قریب حضرتؐ کے لئے ایک خیمہ نصب کیا جس میں آپ نے تھوڑی
دیر آرام فرمایا پھر غسل کیا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور اپنے پیچھے اسامہ بن زیدؓ کو بٹھا لیا سواری
آگے بڑھی صحابہ جلو میں داہنے اور بائیں پروانہ وار نظر آرہے تھے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا اور پھر سواری
ہی پر کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد جو تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔
ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے ہر بت کی طرف اشارہ فرماتے جاتے تھے اور زبان مبارک پر
یہ آیت جاری تھی۔ قل جاء الحق وزھق الباطل۔ انّ الباطل کان زھوقا۔ حق آگیا اور
باطل چلا گیا اور باطل جانے ہی کی چیز ہے۔

جس بت کی طرف آپ لکڑی سے اشارہ کرتے جاتے تھے وہ گرتا جاتا تھا علین کعبہ
کے اندر بہت سے بت رکھے ہوئے تھے آپ نے داخل ہونے سے قبل ان کو
ہٹوا دیا عثمان بن طلحہؓ سے کعبہ کی کنجی طلب فرمائی، اندر داخل ہوتے حضرت علیؓ

اسامہ بن زیدؓ۔ حضرت بلالؓ اور عثمان بن طلحہؓ آپ کے ساتھ تھے۔ اندر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں اور حضرت علیؓ سے فرمایا ان کو مٹا دو۔ کچھ دیر اللہ کے گھر میں رہے، نفل ادا فرماتے اور ہر طرف تکبیریں کہیں۔ پھر دروازہ کو بند کر کے کنجی عثمان بن طلحہؓ کو دیدی اور فرمایا۔ یہ کے ہی پاس رہے گی۔ سوائے ظالم کے کوئی ان سے نہیں چھینے گا۔

اس سے فارغ ہو کر آپ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے۔ چوکھٹ کا بازو تھام کر قریش کے سامنے جن سے مسجد بھری ہوئی تھی تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے:

"خدائے واحد کے سوا کوئی خدا نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں آج اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی اس نے مدد فرمائی۔ تمام گروہوں کو اس کے مقابلہ میں شکست دی۔ میں نے زمانۂ جاہلیت کی تمام رسموں کو اپنے پیروں تلے مسل دیا ہے، صرف بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانے کی رسم کو باقی رکھا ہے اے گروہ قریش تم کو اللہ نے زمانہ جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کرنے سے منع کر دیا ہے۔ کل آدمی آدم سے پیدا ہوتے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو مگر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے"۔

قریش کی ایک بڑی تعداد حرم میں موجود تھی۔ سب خاموش اور گردن جھکائے کھڑے تھے۔ خوف و ہراس کے عالم میں ڈوبے ہوئے قریش سوچ رہے تھے کہ دیکھئے آج ہمارے مظالم کا کیا جواب دیا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے تقریر ختم فرمائی اور قریش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "تم لوگ میرے متعلق کیا خیال کرتے ہو، آج تم کو میری ذات سے کس قسم کے سلوک کی امید ہے" کفار قریش جو اپنی تمام زیادتیوں کو یاد کر کے لرز رہے تھے، بڑی دبی ہوئی اور خوشامدانہ آواز میں کہنے لگے "اے صادق اے امین! ہم نے آپ کو ہمیشہ سے رحم دل اور با اخلاق پایا ہے۔ آج بھی ہم آپ جیسے شریف ابن شریف سے اسی قسم کی امید رکھتے ہیں۔

یہ کلمات ان لوگوں کی زبان سے نکل رہے تھے جن کی زبانیں گالیوں کی بوچھار کیا کرتی تھیں۔ جو اپنی تیغ و سنان سے پیکر قدسی کو مٹانے کے درپے تھے۔ جو آج مدت تک راستے میں کانٹے بچھاتے رہے تھے۔ جو ہر وعظ اور تقریر کے جواب میں پتھروں کی بارش سے جسم کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔ جن کی ایک ایک معاندانہ حرکت سے ثابت ہوتا تھا کہ ان کی پیاس خون نبوت کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی ہے جلتی ہوئی ریت پر مسلمانوں کو برہنہ لٹا کر دلوں کو خوش کرنے والے قریش! گرم لوہے سے جسم مسلمان کو داغ دے کر دشمنی کی آگ کو بجھانے والے قریش! گندگی اور غلیظ مٹی آنحضرتؐ کے بالوں میں ڈالنے والے قریش! گلے میں چادر کا پھندا اور پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ ڈالنے والے قریش!

جرم و خطا کے مجسمے اور سراپا مجرم قریش کی گردنیں شرم و ندامت سے جھک گئیں آنحضرتؐ نے رحم آمیز نگاہ ڈالی اور فرمایا "لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم

الطلقاء ۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔" آنحضرتؐ کی آنکھوں میں پچھلے ۲۱ سال کے تلخ ایام کا نقشہ کھنچ گیا۔ آنسو بھر لائے اور فرمایا میں وہی سلوک کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔

اخلاق محمدیؐ کا یہ ایک ایسا بے مثال نظارہ تھا جسے دیکھ کر بہت سے دل رقت سے بھر گئے، ہر طرف سے معافی کے اعلان پر مرحبا مرحبا کی صدائیں آنے لگیں اور زبانیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے لگیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ حضورؐ دیر تک مسجد حرام میں بیٹھے رہے ظہر کا وقت آیا تو آنحضرتؐ نے حضرت بلال رضؓ سے فرمایا کعبہ کی چھت پر جاؤ اور ظہر کی اذان کہو۔ قریش کے وہ سرکش جن کو ابھی معاف کیا گیا تھا اذان سن کر مشتعل ہو گئے اور عتاب بن اسید نے ابوسفیان سے کہا خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اسے اس دنیا سے اٹھا لیا۔ ایک دوسرے قریشی سردار نے کہا "اب زندہ رہنا بیکار ہے"۔ آنحضرتؐ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ جماعت سے نماز ادا فرما کر ان کے قریب سے گذرے تو فرمایا "تمہاری سرگوشیاں مجھے معلوم ہو گئی ہیں"۔ حارث اور عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں"۔ مسجد حرام سے آنحضرتؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند جگہ بیٹھے۔ بہت لوگوں نے یہاں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مردوں کی باری ہو چکی تو عورتیں آئیں اور انھوں نے بھی اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔ ان سے ارکان اسلام کی پابندی اور اچھے اخلاق پر قائم رہنے کی بیعت لی جاتی۔ عورتوں کے لئے آپ نے ایک پیالہ پانی بھر دیا، اور اپنا ہاتھ اس میں ڈال کر نکال لیا

رپھر عورتیں اپنا ہاتھ ڈالنے لگیں، یہ بیعت کا معاہدہ تھا۔
ایک عورت آئی جو نقاب ڈالے ہوئی تھی، اس کا نام ہندہ تھا۔ یہ رئیس عرب عتبہ کی بیٹی، ابو سفیان کی بیوی اور امیر معاویہ کی ماں تھیں، مسلمانوں کو پہچاننے کیا پر لگی تھی۔ سب نے دیکھا، یہ وہی ہندہ تھی جس نے جنگ احد میں حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، ناک کان کاٹ کر اور ہار بنا کر گلے میں پہنا تھا، وہ ہندہ جس نے امیر حمزہ کے قاتل وحشی کو انعام میں گلے کا ہار اتار کر دیدیا تھا۔ معاویہ اپنی ماں ہندہ کے تماشائی تھے، دونوں ماں بیٹے رسول عربی کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔
مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ ۱۷ رمضان ۸ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ آپ رمضان کی دس تاریخ کو بدھ کے دن مدینہ سے روانہ ہو کر ۱۷ کو مکہ کے قریب پہنچے اور ۲۰ رمضان کو ہفتہ کے دن کعبہ کا طواف کیا۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ پندرہ دن مکہ میں قیام فرما رہے، انصار مدینہ کو خیال ہوا کہ شاید اب آپ مدینہ نہیں جائیں گے تو وہ اس خیال سے مغموم ہونے لگے۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ میرا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اگرچہ آنحضرتؐ نے معافی کا عام اعلان کر دیا تھا مگر پھر بھی کچھ لوگ مکہ سے بھاگ گئے تھے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گیا۔ عبداللہ بن زبعری نجران چلا گیا، عکرمہ بن ابو جہل یمن چلا گیا۔
آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے عمرو بن وہب کو اپنا عمامہ دے کر بھیجا، وہ صفوان کو واپس لائے جو فتح حنین کے بعد مسلمان ہو گیا، عکرمہ کی بیوی نے عکرمہ کے لئے آنحضرتؐ سے امن کا پروانہ حاصل کیا اور یمن سے لے کر آئیں اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ عبداللہ بن زبعری بھی نجران سے آکر مسلمان ہو گئے۔ آنحضرتؐ کی طرف

سے دس آدمیوں کو شدید مجرم قرار دیا گیا اور ان کے قتل کا حکم دیا گیا مگر ان میں سات آدمیوں نے معافی مانگ لی اور سچے دل سے مسلمان ہو گئے ان کو معاف کیا گیا۔ چار شخص قتل کیے گئے تین مرد اور ایک عورت، ان کے نام یہ ہیں، عبداللہ خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقید اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔ ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں قتل کے مجرم تھے۔ حویرث نے آنحضرتؐ کی صاحبزادی کے ساتھ ہجرت کے سلسلہ میں سخت بد تمیزی کی تھی اور ان کو اونٹ سے گرا کر مار ڈالنا چاہا تھا حضرت علیؓ نے اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی گانے میں بہت ماہر تھی وہ آنحضرتؐ کی ہجو میں گیت گاتی تھی۔ مگر بخاری باب فتح میں صرف ایک شخص ابن خطل کے قتل کا آیا ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا باقی کسی کے قتل کو ناقدین احادیث قبول نہیں کرتے ہیں۔

مکہ میں صرف خانہ کعبہ ہی بتوں کا مرکز نہیں تھا۔ بلکہ اطراف مکہ میں بہت سے بُت خانے تھے۔ آنحضرتؐ جب کعبہ کو بتوں کی آلائش سے صاف کر چکے تو آپ نے اطراف کے بُت خانوں کو گرانے کا حکم صادر فرمایا اور کئی دستے مسلمانوں کے روانہ فرمائے۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے بنی کنانہ کے عزیٰ نامی بُت خانہ کو توڑا۔ عمرو بن عاصؓ نے بنی ہذیل کے سواع کو منہدم کیا۔ سعد بن زیدؓ نے مناۃ نامی بُت کو برباد کیا۔ غرض نواح مکہ کے تمام بُت خانہ صاف کر دیئے گئے۔ آنحضرتؐ نے عام اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے گھروں میں کوئی بُت نہیں رہنا چاہیے، بہت سے لوگ ابھی تک کفر پر قائم تھے ان کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ان کو شہری حقوق دیئے گئے مگر اس اخلاق اور گرم گستری کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے

ہی عرصہ میں سب کے سب مسلمان ہو گئے اور مکہ جو دنیا میں سب سے بڑا بُت خانہ اور کفرستان بنا ہوا تھا۔ توحید خالص کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

(بخاری، ابو داؤد، طبری، ابن ہشام)

صفوانؓ کے اسلام کے متعلق مورخین بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ اور حنین کے بعد غنیمت کے جانوروں کو دیکھ کر صفوانؓ نے تعجب سے کہا کس قدر بڑی مقدار میں جانور مسلمانوں کے ہاتھ لگے ہیں؟ آنحضرتؐ نے سن کر فرمایا اچھا تم لے جاؤ میں سب تمہیں دیتا ہوں۔ صفوانؓ سخاوت پیغمبری سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ کو وحشی کی سخت تلاش تھی اور ہر صحابی کی دلی خواہش تھی کہ میں امیر حمزہؓ کے قاتل کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں۔ مگر وحشی موت کے خوف سے طائف بھاگ گیا چونکہ اسلام مقسوم ہو چکا تھا۔ وحشی کچھ عرصہ کے بعد نظروں سے بچتا ہوا آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا۔ معافی مانگی۔ آقائے دو عالمؐ نے اپنے حلم و کرم سے معاف کر دیا وحشی مسلمان ہو گئے مگر حضور اکرمؐ نے کہا میرے سامنے مت آیا کرو، تمہیں دیکھتا ہوں تو چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ایک اور شخص کعب بن زہیر جو نہ صرف اچھا شاعر تھا بلکہ آنحضرتؐ کی ہجو لکھنے اور مذمت کے اشعار بنانے میں مشہور تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھاگتا پھرا مگر فتح مکہ کے بعد مدینہ پہونچا اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر پہونچتے ہی چلا کر کہا میں کعب بن زہیر ہوں اور سچے دل سے کہتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آنحضرتؐ نے معاف کر دیا اور پاس بلالیا۔ کعبؓ نے ہجو سے توبہ کر لی تھی۔ ایک قصیدہ تعریف میں لکھا تھا وہ آنحضرتؐ کو سنایا۔ حضور اکرمؐ نے مزاجاً کعب کا لکھا ہوا یہ شعر جو

اس نے ہجو میں لکھا تھا، پڑھا۔

سقاک ابو بکر بکاس رادیۃ — یعنی ابو بکر نے جس غلاظت کے پیالہ کو تجھے پلایا تھا

فان ھلاک المامور منھا وعلکا — وہی تجھے محمدؐ نے بھی پلایا اور بار بار پلایا۔

اس شعر میں کعب نے اپنے بھائی سے خطاب کیا جو مسلمان ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس شعر کو پڑھ کر فرمایا۔ یہ بھی تو تمہارا شعر ہے۔ کعبؓ نادم ہوئے مگر فوراً ہی کہنے لگے۔ یا رسول اللہؐ! اس شعر میں کچھ تبدیلی ہو گئی۔ اصل میں رادیۃ میں دال نہیں واؤ ہے جس کے معنی خوشگوار کے ہیں اور مامور میں را کی جگہ نون ہے جس کے معنی امانتدار اور امن دیئے گئے ہیں۔ آنحضرتؐ اس جودت ذہن سے بہت خوش ہوئے اور بطور انعام اپنی چادر عنایت فرمائی۔ کعبؓ نے مدتوں اس چادر کو محفوظ رکھا مگر اولاد نے بنی امیہ کے کسی امیر کے ہاتھ بیس ہزار دینار میں فروخت کر دی۔

حنین و طائف

مکہ پر مسلمانوں کا پورا تسلط ہو چکا تھا۔ ہزار ہا پیشانیاں جو بتوں کے سامنے جھکنے کو ہی دین و ایمان سمجھتی تھیں اسلام کے سامنے جھک چکی تھیں۔ کچھ لوگ بھاگ گئے تھے مگر وہ بھی واپس آ کر ایمان لے آئے۔

بعض قبائل سخت، کٹر اور جنگجو تھے، اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا ان میں تشدد بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مکہ کے اطراف میں جو قبائل آباد تھے ان کو زیر کرنے کے لئے مختصر اسلامی دستوں کو روانہ فرمایا مگر غرض قتل و قتال نہیں تھی بلکہ حسن موعظت سے خیالات کو بدل کر اسلام کی طرف مائل کرنا تھا۔

کسی دستے نے تلوار نہیں کھینچی صرف خالد ابن ولیدؓ نے قتال کیا اور یہ انکی غلط فہمی سے ہوا کیونکہ وہ جیسے ہی قبیلہ جذیمہ میں پہونچے تو سب نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا "صبانا۔ صبانا" ان کی غرض اس کہنے سے یہ تھی کہ ہم نے اس نئے مذہب کو قبول کیا مگر خالد ابن ولیدؓ سمجھے کہ یہ اپنے پرانے آبائی دین پر قائم رہنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ انھوں نے تلوار نکال لی اور قتال شروع کر دیا۔ بہت سے مارے گئے اور بہت سے زندہ گرفتار کر لیے گئے۔ صبح کو خالد ابن ولیدؓ نے حکم دیا کہ جس کے قبضہ میں جو قیدی ہے وہ اسے قتل کر دے مگر عبداللہ بن عمرؓ اہل جذیمہ کی بات سمجھ گئے تھے اس لیے انھوں نے قتل کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ معاملہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا جائے گا کیوں کہ ان لوگوں کے قتل میں تم سے غلطی ہوئی ہے چنانچہ معاملہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپؐ نے خالد ابن ولیدؓ کی غلطی پر سخت افسوس کیا اور قیدیوں کو رہا کرتے ہوئے فرمایا۔ "اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے مقتولین کے رشتہ داروں سے معذرت فرمائی اور حضرت علیؓ کو مال دے کر بھیجا کہ وہ مقتولین کے ورثاء کو خون بہا ادا کر دیں۔ حضرت علیؓ گئے۔ سب کو خون بہا دیا اور پھر بھی مال بچ رہا تو آپ نے اس کو بھی انہی لوگوں میں تقسیم فرما دیا۔ بنی جذیمہ کے دلوں سے غم دور ہو گیا اور وہ حضرت علیؓ کو دعائیں دینے لگے۔

چھوٹے چھوٹے قبائل سب زیر ہو چکے تھے اور سب نے اسلام کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر ہوازن و ثقیف بہت طاقتور اور شورہ پشت تھے۔ جنگ فسجدال میں

ان کو مہارت حاصل تھی۔ بچاؤ کے لئے ان کے پاس مضبوط قلعہ بھی تھے، ان دونوں قبائل نے باہمی اتحاد و ہوا زن کے ساتھ حنین میں جمع ہونا شروع کیا، ان کا خیال تھا کہ حملہ میں پیش قدمی کی جائے اور مسلمانوں کو مکہ ہی میں گھیر لیا جائے۔ جوش اور عزم کا یہ حال تھا کہ گھروں سے عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر نکلے تھے تا کہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت و عزت کے خیال سے کوئی شخص میدان سے بھاگنے نہ پائے۔ ان دونوں قبیلوں کی تمام شاخیں شریک تھیں مگر کعب اور کلاب نے کوئی حصہ نہیں لیا اور وہ اپنے گھروں سے باہر نکلے۔ عوف بن مالک کو سردار فوج چنا گیا۔ مشورہ کے لئے ایک شخص دُرید بن صمہ کو ساتھ لیا گیا۔ یہ عرب کا مشہور شاعر، بہادر اور تجربہ کار تھا۔ عمر سو سے متجاوز ہو چکی تھی نہ آنکھیں سلامت تھیں اور نہ اعضاء کام کرتے تھے اس لئے چارپائی پر ڈال کر میدان میں لائے تھے دُرید کے متعلق مولانا شبلی سیرت میں لکھتے ہیں کہ "اس نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے، لوگوں نے کہا "اوطاس" بولا ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے، اس کی زمین نہ بہت سخت ہے اور نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں"۔ پھر پوچھا کہ "یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آ رہی ہیں"۔ لوگوں نے کہا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔ بولا کہ جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی ہے، میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"۔ پھر پوچھا کہ کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں نہیں تو کہا اگر آج کا دن عزت و شرف کا ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر

نہ ہوتے تھے اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ جوان تھا جوش شباب میں اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہوچکے، آپ کی عقل بیکار ہوچکی ہے۔"

حنین اس وادی کا نام ہے جو طائف سے دس میل کے فاصلہ پر ذوالمجاز کے پہلو میں ہے، اس وادی کو اوطاس بھی کہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں پندرہ دن سے زیادہ ہوچکے تھے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ جلد سے جلد مدینہ واپس ہوجائیں چنانچہ نماز بھی قصر ہی ادا فرما رہے تھے مگر جب یہ معلوم ہوا کہ ہوازن و ثقیف کے لوگ حنین میں جمع ہو رہے ہیں اور چار پانچ ہزار لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے منصوبے مکمل کرچکے ہیں تو آپ نے حالات معلوم کرنے کے لئے عبداللہ بن ابی جداد کو حکم دیا کہ وہ حنین جائیں اور دشمن کے حالات اور ارادوں سے مطلع کریں۔ عبداللہ گئے اور واپس آکر انکے عزائم بد سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کیا۔ آپ نے مدینہ کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ۱۲ ہزار مسلمانوں کے لشکر عظیم کے ساتھ حنین کی طرف بڑھنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آپ نے اس خیال سے کہ ہوازن و ثقیف جنگ جو بھی ہیں اور سازوسامان سے آراستہ بھی ہیں عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لئے اور صفوان بن امیہ سے سو زرہیں اور سامان جنگ عاریتاً حاصل کیا، یہ دونوں شخص اگرچہ اسلام نہیں لائے تھے مگر مغلوب ہوچکے تھے۔

جب تیاریاں مکمل ہوچکیں تو آپ ۸ شوال ۸ھ کو مکہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے، مسلمان چونکہ مکہ فتح کرچکے تھے اور لشکر اسلام کی تعداد بھی زیادہ تھی اس لئے

اکثر مسلمانوں کو یہ خیال تھا کہ اب ہماری طاقت بہت بڑھ چکی ہے اور کوئی بھی ہمارے سامنے جمنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ بعض مسلمان تو کثرت تعداد اور سامان جنگ کی فراوانی پر اس قدر نازاں تھے کہ بے اختیار کہہ رہے تھے کہ آج کون ہے جو ہم پر غالب آئے گا؟ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہم جب تھوڑے تھے اس وقت نہیں بھاگے تو آج تو ہماری تعداد دشمنوں سے تین گنی ہے" مگر یہ غرور اللہ کو پسند نہیں آیا۔ بارگاہ الٰہی میں یہ تکبر بھلا کس طرح پسندیدہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ غلبہ اور فتح کے خواب دیکھنے والوں کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی۔ سورۂ توبہ میں اسی دن کے غرور و تکبر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

"اور حنین کا دن یاد کرو جب کہ تم اپنی زیادتی یعنی کثرت پر ناز کر رہے تھے، مگر وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ تعالٰے نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب میں ڈالا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔" (سورۂ توبہ)

ہوازن و ثقیف جو حنین میں جمع تھے اور مکہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے مگر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت آنحضرتؐ کی معیت میں حنین کی طرف آ رہی ہے تو انھوں نے فوراً ہی اپنے لشکر کو اس گھاٹی کے آس پاس متعین کر دیا جس میں سے گزر کر مسلمانوں کو حنین پہونچنا تھا۔ یہ گھاٹی دو طرفہ پہاڑوں میں سے ہوتی ہوئی حنین میں پہونچاتی تھی۔ اس کے تنگ دشمن

فوج کو ہدایت کر دی کہ مسلمان جب اس گھاٹی میں داخل ہوں اور وسط میں پہنچیں تو ان پر دونوں طرف سے تیر برسائے جائیں۔ چنانچہ دشمن کا ایک لشکر تیروں سے آراستہ گھاٹی کے آس پاس روپوش ہو گیا۔

مسلمان اپنی کثرت پر نازاں مکہ سے چل کر حنین پہنچنے کے لئے مذکورہ گھاٹی سے گذرنے لگے تو کافروں نے دو طرفہ تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ فجر کی نماز پڑھ چکے تھے مگر سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ اندھیرے میں اچانک تیروں کی بوچھار نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ انہیں اس حملہ کی کوئی خبر نہیں تھی، آزادی کے ساتھ اور بے خبری کے عالم میں اس حملہ کا سامنا کرنا پڑا۔ سنبھلنا مشکل ہو گیا اور تھوڑی دیر میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان صاف نظر آنے لگا۔ اچھے اچھے جان بچانے کی فکر میں پناہ گاہیں تلاش کرنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ استقامت بنے اپنی جگہ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں فادبروا عنہ حتی لقی وحدہ، یعنی سب بھاگ گئے تھے اور آنحضرتؐ اکیلے رہ گئے تھے، اس نازک موقعہ پر چند ہستیاں تھیں جو آنحضرتؐ کو اپنے گھیرے میں لئے حفاظت کر رہی تھیں، حضرت علیؓ۔ حضرت عباسؓ اور فضل بن عباسؓ اپنی جگہ سے نہیں ملے۔ ابوسفیان کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی ان حضرات کے ساتھ موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے اتر پڑے۔ حضرت عباسؓ نے خچر کی لگام تھام لی۔ ام ایمنؓ کے صاحبزادے حضرت ایمنؓ آنحضرتؐ کی حفاظت کرتے ہوئے اسی موقعہ پر شہید ہو گئے حضورؐ بڑے استقلال سے آگے بڑھتے ہوئے گھاٹی سے نکل کر میدان میں پہنچے اور زبان اقدس سے

ارشاد فرمایا: "انا النبی لا کذب وانا ابن عبد المطلب"۔ "میں جھوٹا نبی نہیں ہوں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"۔ آپ چاہتے تھے کہ آگے بڑھ کر مقابلہ کریں مگر جاں نثاروں کی مختصر ٹولی نے آگے بڑھنے نہیں دیا۔

کافروں کی جماعتیں آنحضرتؐ کے قریب پہونچنے کی جدوجہد کر رہی تھیں مگر جو بھی قریب آتا حضرت علیؑ کی ذوالفقار اس کا کام تمام کر دیتی تھی۔ ایک شخص سیاہ فام اونٹ پر سوار آنحضرتؐ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ نظر بچا کر آگے آ رہا تھا حضرت علیؑ دیکھ رہے تھے۔ جب زیادہ قریب آ گیا تو آپ فوراً زمین پر بیٹھ گئے اور ایک وار اس انداز سے کیا کہ اونٹ کے دونوں اگلے پیر کٹ گئے، جیسے ہی اونٹ گرا تو کھڑے ہو کر ایک ہی وار میں دشمن کا کام ختم کر دیا۔ آنحضرتؐ جناب علیؑ کی شجاعت پر خوشی سے مسکرا رہے تھے۔

حضرت عباسؓ نے بڑے بلند آواز سے مہاجرین و انصار کو پکارا اور فرمایا "اے ببول کے درخت کے نیچے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر مرنے کی بیعت کرنے والو! کہاں ہو دوڑو جناب رسالت مآبؐ یہاں تشریف رکھتے ہیں اس آواز نے منتشر مسلمانوں میں زندگی کی لہر پیدا کر دی، اپنی کثرت پر ناز کرنے والے بھاگے ہوئے آئے اور آنحضرتؐ کے گرد جمع ہو کر لبیک لبیک کہنے لگے۔ حضور اکرمؐ نے جس طرف بھی نظر کی مہاجرین و انصار نے ندامت کے ساتھ جان بازی کا یقین دلایا۔ جن بھاگنے والوں کے گھوڑے قابو میں نہیں آئے انھوں نے گھوڑوں سے اتر کر آنحضرتؐ کے قریب آنے کی کوشش کی اب لڑائی کا رنگ بدل چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو صف بستہ ہو کر حملہ کا حکم دیا۔ مسلمان دشمن پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور آنحضرتؐ خچر پر سوار جنگ کی شدت

ملاحظہ فرما رہے تھے۔ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ اب تنور خوب گرم ہو گیا ہے مسلمان بڑی بہادری سے لڑے اور چند ہی لمحوں میں میدان جنگ کا نقشہ پلٹ دیا۔ حضور اکرمؐ نے شدت جنگ کے وقت ایک مٹھی خاک زمین سے لے کر دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا شاہت الوجوہ یعنی تمہارے چہرے ذلیل ہوں۔

اس ارشاد کے بعد ہی دشمن کے پیر میدان سے اکھڑ گئے۔ ثقیف کی ایک شاخ بنو مالک جم کر لڑ رہے تھے مگر ایک مسلمان نے جب آگے بڑھ کر انکے سردار عثمان بن عبداللہ کو واصل جہنم کر دیا تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے، دشمن کچھ اس طرح بھاگ رہے تھے کہ ان کو نہ تو سامان کا ہوش تھا اور نہ لاشوں کے اٹھانے کی فکر تھی۔

میدان جنگ میں ستر سے زیادہ لاشیں پڑی تھیں اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا تھا، دشمن کی فوجوں کا سردار عوف بن مالک بہت سے لوگوں کو لئے ہوئے بھاگا اور طائف کے قلعہ میں محصور ہو گیا، فوج کا دوسرا بڑا حصہ شکست کھا کر بھاگا تو اوطاس میں آ کر دم لیا، چونکہ یہ بڑی تعداد میں تھے اور جنگجو بھی تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعریؓ کو کچھ فوج دے کر اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ ابو عامرؓ اوطاس پہنچے اور دشمن سے جٹ گئے۔ مقابلہ ہو رہا تھا کہ ایک تیر سے زخمی ہو کر گر پڑے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے علم اسلام ہاتھ میں لے لیا۔ ابو عامرؓ نے کہا۔ ابو موسیٰ! میں رخصت ہوتا ہوں، تم میری جگہ سنبھالو اور رسول مقبولؐ سے میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ حضورؐ والا میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں، حضرت ابو موسیٰ نے بڑی شجاعت سے فوجوں کو لڑایا۔ قلب دشمن میں گھس گئے اور اس انداز سے حملہ کیا کہ ہوازن و ثقیف کے مشہور تیر انداز بھی اسے روک

نہ سکے، حضرت ابوعامرؓ کے قاتل حبشی کو ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارا، اسی اثناء میں ایک اور سردار درید بن صمہ کو ربیعہ بن رفیع ؓ نے موت کی نیند سلادیا۔ دشمن میں عام بھگدڑ پڑ گئی، کئی ہزار کے قریب مرد عورت اور بچے بوڑھے قیدی بنالئے گئے۔ ہزارہا اونٹ، بکریاں اور سونا چاندی مال غنیمت میں شامل کرلیا گیا

اوطاس میں حضرت ابوعامرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دشمن سے برسرپیکار تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی جمعیت کے ساتھ طائف کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں کے محفوظ قلعوں میں حنین کی شکست خوردہ فوجیں اپنے سردار مالک بن عوف کے ساتھ محصور تھیں۔ قلعے بھی مضبوط تھے، سامان جنگ اور سامان خورد و نوش بھی بکثرت جمع کرلیا تھا۔ اس لئے دشمن کو زیادہ فکر نہیں تھی۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ مال غنیمت اور تمام قیدی مکہ سے ۱۲ میل دور جعرانہ میں جمع کئے جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور آپ بدستور طائف کے محاصرہ میں مصروف رہے

کئی دن محاصرہ رہنے کے بعد معلوم ہوا کہ دشمن ایک سال کا راشن ساتھ لے کر قلعہ بند ہوتے ہیں، مسلمانوں نے کافی کوشش کی کہ قلعہ فتح کرلیا جائے مگر کوئی ترکیب کامیاب نہیں ہوئی، کافروں نے قلعہ کی دیواروں سے اس قدر تیر برسائے کہ ۱۲ مسلمان شہید ہوگئے۔ دو ہفتہ محاصرہ رہنے کے بعد ایک شخص نوفل بن معاویہ کے مشورہ سے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ آنحضرتؐ نے طائف سے چلتے وقت دعا فرمائی کہ "یا اللہ قلعہ والوں کو اسلام کی توفیق عطا فرما"۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے ہی دن کے بعد یہ لوگ خود ہی مدینہ آئے اور مسلمان ہوگئے۔ آنحضرتؐ طائف سے جعرانہ تشریف لائے، مال غنیمت اور قیدیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ چھ ہزار قیدیوں میں عورت مرد اور

بچے سب ہی شامل تھے۔ ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں اور دو ہزار تولے چاندی کچھ سونا تھا۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے، چار حصے فوج کو تقسیم کئے گئے اور پانچواں حصہ بیت المال اور غربا، مساکین کے لئے رکھا گیا۔ فوج کے حصہ میں فی آدمی چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں، سواروں کو تگنا دیا گیا چنانچہ ان کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بکری فی کس آئی۔ اس کے علاوہ آنحضرت ؐ نے ان مکہ والوں کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے خوب دل کھول کر مال عطا فرمایا۔ یہ لوگ مولفۃ القلوب میں شمار کئے گئے چنانچہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مصارف میں ان کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے۔ قیدیوں کے سلسلہ میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہونے پایا تھا کہ قبیلۂ ہوازن کی طرف سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے لیڈر ابوشروان تھے۔ یہ آنحضرت ؐ کے رضاعی چچا تھے سب سے پہلے ابوشروان نے اپنے قبیلہ کی طرف سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اس کے بعد وفد کے دوسرے نامور لیڈر زہیر بن صرد نے آنحضرت ؐ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! جو قیدی آپ کے سامنے موجود ہیں ان میں آپ کی دائی جنابِ حلیمہ سعدیہؓ کے رشتہ دار ہیں ہمیں آپ کے اخلاق سے امید ہے کہ آپ بادشاہوں سے زیادہ اچھا سلوک ہمارے ساتھ فرمائیں گے۔" ان کے بعد ابوشروان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اسیرانِ جنگ میں جو عورتیں موجود ہیں ان میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں موجود ہیں ہم نے بچپن اور جوانی میں آپ ؐ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ ہم سب آپ ؐ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ ؐ ہم پر احسان فرمائیں

اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔

عورتوں میں آنحضرتؐ کی رضاعی بہن حضرتِ شیماؓ بھی موجود تھیں۔ آنحضرتؐ سے کہنے لگیں۔ یارسول اللہؐ! میں آپ کی بہن ہوں۔" آپ نے فرمایا۔ کوئی علامت بتاؤ۔ شیما نے پیٹھ کھول کر بتائی اور کہا دیکھئے ایک مرتبہ بچپن میں آپ نے میری پیٹھ پر کاٹ لیا تھا اس کا نشان اب تک موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے نشان دیکھا اور اپنی چادر زمین پر بچھا دی اور بہت عزت سے بٹھایا۔ اور فرمایا اگر دل چاہے تو میرے پاس رہو اور دل چاہے تو اپنے قبیلہ کے ساتھ رہو۔ شیما نے فوراً کلمہ پڑھا اور عرض کیا۔ قوم کے ساتھ رہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے بہت سے مال و سامان دے کر عزت سے رخصت فرمایا۔

رسول اکرمؐ نے ظہر کی نماز کے بعد ابو شروان اور زہیر کی درخواستوں کا مسلمانوں سے تذکرہ کیا اور سفارش کی کہ یہ سب تمہارے بھائی ہیں۔ مسلمان ہو کر آئے ہیں اگر رہا کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ چونکہ قیدیوں کی اکثریت جنابِ حلیمہؓ کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھی اس لحاظ سے مسلمانوں کے دلوں میں قیدیوں کے لئے پہلے ہی جگہ پیدا ہو چکی تھی آنحضرتؐ کی تقریر اور سفارش کے بعد سب لوگ اسی وقت آزاد کر دیئے گئے۔

طائف کے محاصرہ کا سلسلہ بیس دن جاری رہا اس کے بعد اس اُمید پر کہ یہ خود ہی مسلمان ہو جائیں گے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ طائف کو طائف اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے آس پاس شہر کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک دیوار بنائی گئی تھی، اس جگہ ثقیف کا قبیلہ آباد تھا، یہ خود کو قریش کا ہم مرتبہ سمجھتے تھے، فنِ جنگ کے ماہر کامل تھے، نہایت خوش حال اور صاحبِ ثروت و اثر لوگ تھے۔ عروہ بن مسعود ان کا رئیس قبیلہ

تھا جس سے ابوسفیان کی بیٹی منسوب ہوئی تھی۔ عروہ اور غیلان دو شخص ایسے تھے جو یمن سے قلعہ شکن آلات اور منجنیق وغیرہ بنانے اور استعمال کرنے کا طریقہ سیکھ کر آئے تھے، ان دونوں نے قوم کے اکثر لوگوں کو یہ فن سکھا دیا تھا۔

آنحضرتؐ جب طائف گئے تو خالد بن ولیدؓ کو مقدمۃ الجیش بنا کر بھیجا تھا۔ خالد بن ولیدؓ داخل ہوئے تو بنوثقیف بہت سے قلعہ شکن آلات اور منجنیق وغیرہ چھوڑ کر قلعہ میں محصور ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا اور پہلی دفعہ ان آلات کو استعمال کیا۔ مکہ کے نومسلم جو ابھی تک اپنے اسلام میں مذبذب تھے۔ ان کے ساتھ آنحضرتؐ کے اچھے سلوک سے انصار کو بہت صدمہ تھا۔ بعض نے شکایت بھی کی، اس واقعہ کو مولانا شبلیؒ نے اپنی سیرت میں اس طرح قلم بند کیا ہے۔

"جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی، عموماً اہل مکہ اور جدید الاسلام تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا، بعضوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے، آپؐ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی کہ حضورؐ! ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ نوخیز جوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت

انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے انھوں نے کہا آپ نے جو کچھ سُنا وہ صحیح ہے"۔

آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی، انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا:۔

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت کی تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا"۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"۔ آپ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی"۔ یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر آؤ"۔

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں" اکثروں کا یہ حال ہوا کہ داڑھیاں روتے روتے تر ہو گئیں، آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کو جو کچھ

دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا۔

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیران جنگ کو رہا کر دیا جائے، یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں۔ انہی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں خدا کی قسم اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاندان عبد المطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو" نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں" مہاجرین و انصار بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی حاضر ہے' اس طرح چھ ہزار دفعتاً آزاد تھے"۔

ہم نے مولانا شبلیؒ کے مندرجہ بالا پورے کے پورے ٹکڑے کو اس غرض سے نقل کر دیا ہے کہ اس معاملہ خاص میں مورخوں کے کثیر اختلافات پائے جاتے ہیں اور چونکہ

مولانا نے پوری تحقیق سے اس حصہ کو سپرد قلم کیا ہے اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا، البتہ ہمیں افسوس ہے کہ آخری سطروں میں ترجمہ کا اسلوب انکے روایتی انداز کے خلاف ہے۔

تصریحات و متفرقات

مورخین نے حنین میں مسلمانوں کی تھوڑی سی بہت شکست کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں کسی نے کہا کہ پورے طور پر صف بندی نہیں ہونے پائی تھی کسی کا خیال ہے کہ درہ حنین سے گزرتے وقت اندھیرا تھا اور مسلمان اس وقت بے خبری سے گذر رہے تھے، کوئی کہتا ہے کہ نو مسلموں نے چالاکی سے فرار اختیار کیا تھا تاکہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ جائیں کسی کا خیال ہے کہ ثقیف و ہوازن تیر اندازی میں ماہر تھے اور مسلمانوں کو اس فن خاص میں زیادہ تجربہ نہیں تھا۔ مگر ہمارے خیال میں یہ تاویلات شکست کے دھبہ کو مٹانے کے لئے کسی حقیقت پر مبنی نہیں ہو سکتی ہیں۔ درحقیقت اس ابتدائی شکست اور پریشانی کا بڑا سبب وہ غرور تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں اپنی کثرت کے سبب پیدا ہوا تھا جیسا کہ قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ صدیق اکبرؓ بھی یہ کہتے ہوئے سنے گئے "آج ہم کو کون مغلوب کر سکتا ہے" اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر سخت ناپسند ہوا اور مسلمانوں کو بطور تنبیہ اور سزا یہ صورت بد دکھائی تاکہ وہ محسوس کریں کہ مسلمان کو صرف خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہئیے ورنہ وہ مٹھی بھر اور بے سروسامان مسلمان جو بدر میں قریش کے نامور بہادروں کو خاک کا ڈھیر بنا سکتے ہوں حنین میں منتشر ہو جائیں کیسے ہو سکتا ہے؟ رہی یہ بات کہ نو مسلم تو اگر ان کو علیحدہ بھی کر لیا جائے تو مہاجر و انصار

کی تعداد دس ہزار تھی، جو مدینہ سے آنحضرتؐ کے ساتھ آئے تھے اور مکہ فتح کرنے میں شریک تھے۔ (اصابہ فی احوال الصحابہ)

مسلمانوں کو شروع میں ہزیمت اٹھانا پڑی یا درمیان میں اس میں بھی مورخین کا اختلاف ہے، ابن اسحق کی روایت ہے کہ شروع میں مسلمان شکست کھا گئے مگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شروع میں کامیاب ہوئے اور غنیمت سمیٹنے لگے دشمن نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ مسلمان بدحواس ہو کر منتشر ہو گئے۔ بخاری میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ "اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ ہزیمت اٹھا کر پیچھے ہٹ گئے اور ہم لوگ مال غنیمت لوٹنے لگے جس کے بعد دشمن نے ہم پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔

نومسلموں کے متعلق بھی یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ سچے دل سے نہ تو مسلمان ہوتے تھے اور نہ وہ مسلمان کی حیثیت سے شریک جنگ ہوئے تھے۔ ان کے دل میں کھوٹ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔ اس لئے وہ سب سے پہلے فرار ہوئے اور ان کے بعد مسلمان بھی بھاگنے لگے۔ حضرت ام سلیمؓ جو اس موقعہ پر موجود تھیں اختتام جنگ پر آنحضرتؐ سے کہنے لگیں، یا رسول اللہؐ! جن اہل مکہ کو آپ نے آزادی عطا فرمائی اور معاف کیا ہے ان کو قتل کر دیجئے کیونکہ یہی اس شکست کے باعث ہوئے ہیں (مسلم) یہی خیال علامہ طبری نے ظاہر کیا ہے کہ وہ یعنی طلقائے مکہ خلوص نیت کے ساتھ شریک جنگ نہیں ہوئے تھے۔ ثابت قدم رہنے والوں اور بھاگنے والوں کے سلسلہ میں بھی مختلف بیانات پائے جاتے ہیں۔ مورخین نے بہت سی توجیہات بیان کی ہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ چند کے علاوہ سب ہی

لئے راہ فرار اختیار کی تھی جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت اور ابن اسحاق کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زید، حضرت ایمنؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان حضرات میں ہیں جو ہر حال میں آنحضرت کے ساتھ رہے اور باوجود شدید حملوں کے منہ نہیں موڑا۔ بعض روایتوں میں ابو سفیان بن حرب کا نام بھی ثابت قدم رہنے والوں میں پایا جاتا ہے مگر نومسلم میں وہ بھی شامل تھے پھر یہ روایت کس طرح صحیح مانی جا سکتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ اشتباہ اس بنا پر ہوا ہے کہ اس جنگ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی شامل تھے جن کے متعلق حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ کسی وقت رسول اکرمؐ سے علیحدہ نہیں ہوئے (مسلم) حکم بن علقبہؓ نے بیان کیا ہے کہ صرف چار آدمی ثابت قدم رہے تھے (فتح الباری) بخاری کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سب لوگ منتشر ہو چکے تھے تو ابوسفیان بن حارثؓ آنحضرتؐ کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔

بہرحال یہ سب تاریخی اختلافات ہیں جن کی بہت سی توجیہات ہو سکتی ہیں مگر قرآن کریم میں شکست اور اس کے اسباب کو بیان فرما کر واضح کر دیا ہے کہ کثرت پر تکیہ کچھ کام نہیں آیا آخر اللہ ہی نے مدد فرمائی اور غیبی فوجیں بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر دیئے۔

قیدیوں کی آزادی اور غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے جعرانہ سے احرام باندھا۔ مکہ تشریف لائے اور عمرہ ادا فرمایا۔ زیادہ ٹھیرے نہیں اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ عمرہ

۶ ذی قعدہ ۸ھ کو ادا فرمایا تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ میں داخل ہوئے تو ذی قعدہ کی ۶ تاریخ تھی۔

قبیلہ ہوازن کے سردار مالک بن عوف آنحضرت کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا، آپ نے ان کو طائف کا حاکم مقرر فرمایا اور سو اونٹ عطا کئے ان کے رشتہ دار جو قید میں تھے رہا کر دیئے گئے، مکہ، طائف اور حنین کی فتوحات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک فرمایا مورخین نے انکے نام اور انعامات کی تفصیل مندرجہ ذیل بیان کی ہے۔

ابو سفیان بن حرب اور ان کی اولاد ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی، حکیم بن حزام ۳۰۰ اونٹ، نضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی ۱۰۰ اونٹ صفوان بن امیہ ۱۰۰ اونٹ، قیس بن عدی ۱۰۰ اونٹ، سہیل بن عمرو ۱۰۰ اونٹ حویطب بن عبد العزیٰ ۱۰۰ اونٹ اقرع بن حابس تمیمی ۱۰۰ اونٹ عینیہ بن حصن فزاری ۱۰۰ اونٹ، مالک بن عوف نصری ۱۰۰ اونٹ، موخر الذکر تینوں غیر مکی تھے اور اپنے قبیلوں کے سردار تھے۔ بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ دیئے گئے۔ (سیرت النبی)

اسی سال آنحضرت کی بیوی حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ آنحضرت نے خود ہی ابراہیم نام رکھا تھا۔ آپ ان سے بہت محبت فرماتے تھے مگر قدرت خداکہ وہ ۱۸ ماہ کے ہو کر وفات فرما گئے۔ اسی سال آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے انتقال فرمایا۔ حالات اگلے صفحات میں دیکھئے۔ اسی سال آپ نے نماز خوف جماعت سے ادا فرمائی۔ یہ نماز سورج گرہن

ہونے کی وجہ سے پڑھی گئی تھی، سورج گرہن کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے فوراً بعد سورج کو گرہن لگا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس گرہن کو وفات کا نتیجہ کہنا شروع کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! سورج اور چاند خدا کی قدرت کے مظہر ہیں، کسی کے مرنے اور جینے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، عربوں کا عام عقیدہ تھا کہ گرہن کسی عظیم شخص کی وفات پر ہوا کرتا ہے، آنحضرتؐ نے اس باطل عقیدہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ (بخاری)

مندرجہ بالا روایت میں حضرت ابراہیمؑ کی ولادت، وفات اور سورج گرہن کے واقعات سب ۸ھ میں بیان کئے گئے ہیں۔ جو قرین قیاس نہیں۔ ولادت اگر ۸ھ میں ہوئی ہے تو وفات اور سورج گرہن کا واقعہ ۹ھ میں ہوا ہوگا، پھر روایت صحیح ہوگی کہ حضرت ابراہیمؑ صرف ۷ ماہ زندہ رہے اور ۱۶ ماہ زندہ رہنے کی روایت درست نہیں ہوگی اور ہمارے خیال میں یہی زیادہ صحیح ہے۔

غزوہ تبوک ۹ھ

پچھلے اوراق میں جنگ موتہ کا حال پڑھ چکے ہیں۔ ایک لاکھ کے مقابلہ میں ۳ ہزار نے جس شجاعت کا ثبوت دیا وہ مسلمانوں کا عظیم کارنامہ ہے۔ اگرچہ اس جنگ میں چند نامور حضرات سے مسلمانوں کو محروم ہونا پڑا مگر اسے شکست نہیں کہہ سکتے ایک لاکھ مسلح دشمن سے ٹکر لے کر منہ نہ پھیرنا فتح عظیم کے مترادف ہے۔ غزوہ تبوک اسی جنگ موتہ کی صدائے بازگشت ہے، موتہ کے بعد ہی قیصر روم نے غسانی خاندان کو حکم دیدیا کہ مسلمانوں کے خاتمہ کے لئے عظیم تر مہم شروع کی جائے۔

غسانی شام میں رومیوں کے ماتحت حکومت کرتے تھے، یہ سب عیسائی تھے اور اسلام کو ان سے سخت عناد تھا۔ موتہ میں ایک لاکھ کے باوجود وہ اپنی شکست محسوس کر رہے تھے، مسلمانوں کی قلیل تعداد نے اتنے بڑے لشکر کو یقین دلایا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیابی مشکل ہے، یہی وجہ تھی کہ تبوک میں وہ پوری قوت کو جھونک کر لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مدینہ طیبہ میں رومیوں کی تیاری کا حال نبطی سوداگروں کے ذریعہ پہونچ رہا تھا کہ شام میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عظیم لشکر جمع کیا جا رہا تھا، خود مسلمان بھی موتہ کے بعد محسوس کر رہے تھے کہ عیسائی ضرور مدینہ کا رُخ کریں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عتبان بن مالکؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ غضب ہو گیا۔ تو انھوں نے برجستہ کہا کہ "کیا غسانی چڑھ آئے ہیں"۔ (بخاری)

رومیوں کی تیاری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام منتشر عربی قبائل کو اپنے ساتھ شریک کر لیا تھا۔ فوج کو ایک سال کی پیشگی تنخواہیں دے دی گئیں تھیں تاکہ وہ اپنے متعلقین کی طرف سے مطمئن ہو کر لڑ سکیں۔ رومیوں کی ہمت اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی تھی کہ اول تو مکہ اور مدینہ میں گرمی کی شدت اور بارش کی قلت سے قحط کے آثار پیدا ہو چکے تھے دوسرے منافقین کی موجودگی اور درپردہ ان کی حمایت اور یقین دہانی نے ان کو دل کھول کر لڑنے پر آمادہ کر دیا تھا۔

منافق خود بھی مسلمانوں کو عین وقت پر دھوکہ دینا چاہتے تھے اور دوسرے لوگوں سے بھی کہتے تھے کہ گرمی میں لڑنا اور گھر بار چھوڑ کر جنگ کے لئے باہر نکلنا بڑا مشکل ہے منافقین کا اجتماع مشہور یہودی سویلم کے گھر میں ہوا کرتا تھا۔ اسی جگہ بیٹھ کر

وہ مسلمانوں کے خلاف اسکیمیں بنایا کرتے تھے۔

رسول اکرمؐ کو رومیوں کے حملے کا پہلے سے علم ہو چکا تھا اس لئے آپؐ نے قبائل عرب کو شرجیل غسانی اور رومیوں کی سرگرمیوں سے آگاہ فرمایا اور ان سے مالی امداد طلب فرمائی۔ مسلمانوں نے دل کھول کر چندہ دیا اور صرف سونا اور پیسہ ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے سامان کا بارگاہ نبوتؐ میں ڈھیر لگا دیا۔ بعض صحابہؓ نے جس فداکاری کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت عثمانؓ آئے اور ۹ سو اونٹ ۔ سو گھوڑے مع سامان ضروریات اور دو سو اوقیہ چاندی اور کچھ طلائی دینار خدمت میں پیش کئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام سامان کا آدھا دیدیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا پورا اثاثہ لا کر رکھدیا۔ آنحضرتؐ نے گھر کی ہر چیز کو دیکھا تو ارشاد فرمایا تم نے گھر میں بھی کچھ چھوڑا یا سب لے آئے" عرض کیا "گھر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ آیا ہوں" حیاتِ رسولؐ میں یہی وہ جنگ تھی جس میں امیر و غریب سب ہی اپنی حیثیت سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصے لیتے تھے (زرقانی)

رومیوں کے حملہ کی خبریں جب عام ہو گئیں اور ہر طرف جنگ کے بادل امنڈتے نظر آنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مسلمانوں کے لشکر کو لے کر رجب ۹ھ میں مدینہ سے سرحد شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ نے چلتے وقت مدینہ میں حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنایا مگر بعض لوگوں کے چھیڑنے پر آنحضرتؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر نگراں بنائے جا رہے ہیں؟ ارشاد ہوا، تم کو مجھ سے وہی تعلق اور نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔ حضرت علیؓ خاموش ہو گئے۔ (بخاری)

ن ہزار لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے، مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر اور اس قدر
سامان سے آراستہ پہلی مرتبہ دشمن کے مقابلہ پر نکلا تھا۔ آنحضرت بنفس نفیس لشکر
میں موجود تھے، یہ آخری جنگ تھی جس میں سرکار خود شریک ہوئے تھے کیونکہ اس
کے بعد پھر حیات طیبہ میں کوئی ایسا موقعہ نہیں آیا۔ آنحضرت کا خیال تھا کہ رومیوں
کی آمد کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ آگے بڑھ کر ان کے علاقہ میں یہ جنگ لڑی جائے
چنانچہ مدینہ سے نکل کر لشکر اسلام تبوک میں ٹھہر گیا۔ یہ جگہ مدینہ سے ۱۴ منزل پر
مدینہ اور دمشق کے درمیان میں واقع ہے۔ آنحضرت نے تبوک میں بیس دن
قیام فرمایا مسلمان اگرچہ جانتے تھے کہ رومیوں کے عظیم لشکر سے ٹکر لینا ہے مگر پھر بھی
ان میں لڑنے اور اسلام پر فدا ہونے کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا تھا۔ راستہ میں لشکر
اسلام جب زمین ثمود سے گذرنے لگا تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا یہی وہ مقام
ہے جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ اسی کو مقام حجر کہتے ہیں آپ نے
مسلمانوں سے فرمایا کہ کوئی شخص اس زمین میں نہ ٹھیرے اور نہ پانی وغیرہ استعمال
کرے اور قدم بڑھا کر اس زمین سے گذر جائے۔ تبوک پہونچ کر پتہ چلا کہ مدینہ
پر حملہ کی خبر غلط تھی۔ نہ تو کوئی لشکر موجود تھا اور نہ دور دور اس کے موجود ہونے
کے آثار تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے بیس دن اس علاقہ میں قیام فرمایا تاکہ
دشمن اگر کسی طرف ہو تو سامنے آئے یا پھر انکے فرار کا اطمینان ہو جائے درحقیقت
مسلمانوں کا رعب اس درجہ غسانیوں اور رومیوں پر غالب ہو چکا تھا کہ وہ
مقابلہ پر آنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔ آنحضرت نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو
مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ اطراف میں بھیجا تاکہ دشمن اگر چھپا ہو تو معلوم ہو سکے

مسلمانوں نے بعض قبائل اور ان کے سرداروں کو دعوت جنگ بھی دی مگر وہ لڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔ خالد ابن ولیدؓ نے ایک سردار اکیدر کو گرفتار کر لیا، یہ اگرچہ عربی تھا مگر قیصر کے ماتحت تھا۔ اس سردار نے بارگاہ نبوتؐ میں حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی جسے آنحضرتؐ نے منظور فرما لیا اور امان دے دی، کئی عیسائی سردار مثلاً یوحنا، جرباء اور اذرح وغیرہ حاضر خدمت ہوئے اور جزیہ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا یوحنا نے ایک سفید خچر نذر میں پیش کیا۔ آپؐ نے قبول کر لیا اور صلہ میں اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی۔ اکیدر دومۃ الجندل کا بہت نامور سردار تھا۔ عربی نسل تھا مگر رومیوں کے اثر سے نصرانی ہو گیا تھا۔ اکیدر کے متعلق مورخین کے بیان میں اختلاف ہے ابن سعد کہتے ہیں کہ اکیدر نے اسلام نہیں قبول کیا تھا بلکہ جزیہ دینا منظور کر لیا تھا۔ بلاذری کی روایت ہے کہ اسلام قبول کر لیا تھا مگر تھوڑے ہی دن کے بعد مرتد ہو گیا اور خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں مارا گیا، ابن سعد جن کو اکیدر کے اسلام سے انکار ہے ایک معاہدہ کا ذکر بھی کرتے ہیں جن میں اسلام لانے۔ جھوٹے خداؤں سے باز رہنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ابن سعد ہی کا بیان ہے کہ اس معاہدہ پر آنحضرتؐ نے اپنے ناخن سے مہر کا نشان کیا تھا۔ چونکہ ابن سعد کے بیان میں تضاد پایا جاتا ہے اس لئے مورخین اسے تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ معاہدہ کو نقلی کہا گیا ہے اور بعد کے زمانہ کی ایجاد بتایا گیا ہے، یہ جعلی عہد نامہ اس غرض سے دومۃ الجندل کے بعض یہود نے بنایا تھا کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے جد اعلیٰ اکیدر کو صحابی رسول ثابت کر سکیں اور اس طرح ان کو یہ فخر حاصل ہو کہ اکیدر بھی رسول اللہؐ کا صحابی تھا۔ دومۃ الجندل

شام و عراق کے درمیان ایک حدِ فاصل تھا۔ عرب سے شمال کو جانے والے قافلے اسی جگہ پہنچتے تھے اور پھر یہاں سے ان کا راستہ بدلتا تھا۔ قبل اسلام اس مقام پر ایک عظیم میلہ بھی لگا کرتا تھا اور اس کی آمدنی حاصل کرنے کے لئے لڑائیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔

اکیدر کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خیبر کے یہودیوں اور مکہ کے قریشیوں نے باہم ساز باز سے اکیدر کو آمادہ کیا تھا کہ وہ مدینہ جانے والے غلہ کے قافلوں کو لوٹے اور ستائے۔ چنانچہ اس نے جب یہ حرکت کی تو آنحضرتؐ بذاتِ خود اس کی سرکوبی کو روانہ ہوئے مگر جنگِ خندق کے حالات کی وجہ سے راستہ سے واپس آگئے، یہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اکیدر کو ایک تبلیغی خط لکھا تھا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے بعد اکیدر کے حریفوں سے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی گئی چنانچہ ۶ھ میں عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اس سیاسی مہم پر روانہ ہوئے اور قبیلہ کلب میں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے یہاں تک کہ ایک سردار الاصبغ کی لڑکی سے آنحضرتؐ کی اجازت کے بعد عبدالرحمٰنؓ نے نکاح بھی کر لیا۔ (ابن سعد)

دومۃ الجندل کو مفسدوں سے پاک کرنے کا بہت ہی دور رس سیاسی انتظام تھا جس کی وجہ سے بہت سے راستے خود بخود پُرامن ہو گئے آخر ۹ھ میں تبوک کے بعد اکیدر اور اس کے ہم نواؤں کی سرگرمیوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ ابن ہشام کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تبوک کے اطراف میں قبائل جذام، قضاعہ اور عذرہ وغیرہ آباد تھے فتح خیبر کے بعد ان سے اچھے تعلقات ہو گئے تھے اور کچھ لوگوں نے اسلام

قبول کر لیا تھا۔ اسی سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس علاقہ کے کچھ بااثر لوگوں کو تبلیغی خطوط لکھے تھے۔ قبیلہ جذام کے علاقہ میں ایک قاصد کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تو بعض نو مسلم جذامی مدد کو دوڑے اور لوٹا ہوا سامان واپس دلا دیا۔ آنحضرتؐ کو علم ہوا تو آپ نے ایک مہم ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمائی مگر غلطی سے کچھ بے قصور بھی ان کی زد میں آگئے اور جب انھوں نے مدینہ آکر آنحضرتؐ سے فریاد کی تو آپؐ نے ان کی دل جوئی فرمائی اور نقصان کی تلافی کر دی۔

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب "رسول اللہؐ کی سیاسی زندگی" میں لکھتے ہیں کہ

"ایک مکتوب نبویؐ رفاعہ بن زید جذامی کے نام اکثر مورخوں نے درج کیا ہے جس میں آنحضرتؐ نے لکھا تھا کہ "میں نے اس کو اس کی تمام قوم کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا ہے، جو قبول کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی پارٹی میں شامل ہوگا، جو روگردانی کرے تو اسے دو مہینہ تک امان ہے۔" یہ معلوم نہیں کب کا واقعہ ہے۔"

ابن الاثیر کا بھی بیان ہے کہ ۹ھ میں آنحضرتؐ جب تبوک سے واپس مدینہ آئے تو مالک بن احمر بھی مدینہ آیا اور آنحضرتؐ سے ملاقات کی۔ آپؐ نے اسے بھی ایک تحریر دی تھی کہ جب تک وہ اور اس کے ساتھی نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور مسلمانوں کی اتباع کرتے رہیں گے اور مشرکوں سے کنارہ کش، مال غنیمت سے خمس ادا کرتے رہیں گے تو انکو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے امان حاصل رہے گا۔

غرض بیس دن مسلسل آنحضرتؐ نے تبوک میں قیام فرمایا اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ عیسائی لڑنا ہی نہیں چاہتے اور مقابلہ سے گریز کر رہے ہیں تو آپؐ نے بھی کوئی اقدام نہیں کیا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب تشریف لائے تو عورتیں، بچے اور بوڑھے استقبال کی غرض سے دو طرفہ کھڑے ہوئے تھے، عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں اور لڑکیاں جوش مسرت سے گا رہی تھیں طلع البدر علینا ۔ من ثنیات الوداع ۔ وجب الشکر علینا ۔ ما دعا للہ داع ۔ آنحضرتؐ ان اپنے والوں کے درمیان سے گزرتے اور دعائیں دیتے ہوئے مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے۔ بارگاہ الٰہی میں شکریہ کے نفل ادا فرمائے۔ حضرت علیؓ جن کو آپؐ اپنا قائم مقام بنا کر روانہ ہوئے تھے، استقبال کرنے والوں میں پیش پیش نظر آرہے تھے، یہ رمضان کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔

مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں کہ "بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے تھے کہ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم آیا، تاہم ان کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہو سکا۔ ان ہی کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیتیں اتری ہیں۔

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون ۔ (سورہ توبہ)

اور نہ ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ تم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو وہ واپس گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے۔"

عیسائی مؤرخ مارگولوس نے لکھا ہے کہ "حنین میں انصار کو غنیمت سے محروم کر دیا تھا اس لئے وہ بددل ہو کر لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا

ہے جب کہ قرآن کریم خود ان کے شریک جنگ نہ ہونے کے وجوہات پر روشنی ڈال رہا ہے مندرجہ بالا آیت انہی لوگوں کے حق میں نازل کی گئی تھی تاکہ بدگمانیوں کا امکان ختم ہوجائے۔

واقعہ ایلاء و تخییر

اگرچہ یہ واقعہ ۹ھ کی ابتدا سے تعلق رکھتا ہے مگر ہم نے تبوک کو پہلے لکھا اس لئے کہ تبوک سلسلۂ غزوات کی آخری کڑی ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ حنین کے بعد تبوک کو بیان کردیا جائے تاکہ غزوات کا سلسلہ قائم رہ سکے۔

بعض محدثین نے اس واقعہ کو ذی الحجہ ۵ھ میں بیان کیا ہے مگر علامہ ابن حجر اور علامہ دمیاطی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق ۹ھ کے ابتدائی ایام سے ہے۔ اکثر مورخین اسی کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

واقعہ ایلاء اور تخییر کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ سے سادہ مزاج اور قناعت پسند تھے۔ آپؐ نے کبھی دنیاوی عیش و آرام اور ساز و سامان کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو میسر ہوا وہ پہن لیا اور جو وقت پر سامنے آگیا وہ کھالیا۔ فرمائشی لباس و غذا کو آپؐ کی حیات طیبہ میں کوئی دخل نظر نہیں آتا یہ کیفیت آپؐ کے مزاج میں اس درجہ پائی جاتی تھی کہ آپؐ بہت مسکینیت اور فقر و غربت پر فخر کیا کرتے تھے۔ ازواج مطہرات عرصہ تک آپؐ کے ساتھ اسی سادگی اور غربت کے عالم میں گذر کرتی رہیں مگر جب فتوحات و غنائم کا سلسلہ بڑھا اور ہر قسم کے سامان نظر آئے اور ان کو مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہوئے آپؐ کی بیویوں نے دیکھا تو ان کو بھی حصول عیش و آرام کا خیال پیدا ہوا، اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کی صحبت نے بڑی حد تک ازواج مطہراتؓ

میں بہت دی اور قناعت کے جوہر پیدا کر دیئے تھے مگر کچھ بیویاں جو خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں انکے دل سے حصول عیش کا خیال پھر بھی دور نہ ہو سکا۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ۔ حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ سب بڑے گھرانوں کی تھیں اور عیش و عشرت میں پلی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی تحریک سے ازواج کے دل میں حصول عیش کا خیال پیدا ہوا اور سب نے ایکا کیا کہ آنحضرتؐ سے توسیع نفقہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اس مطالبہ نے آنحضرتؐ کو بے حد کبیدہ خاطر بنا دیا اور آپؐ کے سکون و اطمینان میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ایسے واقعات پیش آئے جو طبع رسالتؐ کے لئے بہت زیادہ باعث حزن و ملال ہوتے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معمول سے زیادہ حضرت زینبؓ کے یہاں ٹھیرے حضرت زینبؓ آپؐ کی شہد سے تواضع فرمایا کرتی تھیں اور شہد آپؐ کو بہت مرغوب تھا۔ حضرت عائشہؓ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انھوں نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ جب رسول اللہؐ تمہارے یا میرے پاس آئیں تو ان سے کہنا چاہیے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ جب ان دونوں بیویوں نے آنحضرتؐ سے یہ بات کہی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ میں شہد کو استعمال نہیں کروں گا۔ (بخاری)

اسی دوران میں حضرت حفصہؓ سے آنحضرتؐ نے ایک راز کی بات کہی اور فرمایا کہ تم کسی سے اس کا ذکر مت کرنا مگر انھوں نے حضرت عائشہؓ سے ذکر کر دیا۔ یہ بات بھی آنحضرتؐ کو سخت ناگوار گزری اور پھر مزید یہ کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر توسیع نفقہ اور اخراجات میں زیادتی کا مطالبہ کر دیا تا آنحضرتؐ کے مزاج میں یہ

واقعات اس درجہ خلل انداز ہوئے کہ آپ نے عہد کر لیا کہ ایک ماہ تک کسی بیوی سے ملاقات نہیں کریں گے۔ اس واقعہ کے بعد ہی اتفاق سے آپؐ گھوڑے سے گر پڑے پنڈلی میں سخت چوٹ آئی، چلنا پھرنا دشوار ہو گیا اور آپ ایک حجرہ کی چھت پر گوشہ نشین ہو گئے۔ یہ جگہ آپؐ نے جہاں گوشہ گیری فرمائی تھی مورخین کے خیال میں مسجد نبویؐ سے متصل حضرت عائشہؓ کے حجرے کا بالاخانہ تھا۔ (ابو داؤد)

غرض طبع عالی میں تکدر کے آثار بڑھتے گئے اور مسلمانوں میں ان واقعات سے بے چینی پیدا ہونے لگی اور عام طور پر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ آپؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی بخاری و مسلم نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے ایک دن اپنی بیوی کو کسی بات پر سخت سست کہا تو وہ مجھے برابر کا جواب دینے لگیں میں نے کہا تم مجھکو جواب دیتی ہو تو کہنے لگیں، کیوں کیا ہوا، آنحضرتؐ کی بیویاں ان کو جواب دیتی ہیں تو پھر تم کیا حیثیت رکھتے ہو، وہ تو دن دن بھر روٹھی بیٹھی رہتی ہیں مجھے سخت تشویش ہوئی اور میں سیدھا اپنی بیٹی حفصہؓ کے پاس پہونچا (جو آنحضرتؐ کی بیوی تھیں) اور دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ تم آنحضرتؐ سے روٹھی رہتی ہو۔ حفصہؓ نے اقرار کیا تو میں نے کہا۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ آنحضرتؐ کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے خدا گواہ ہے کہ آنحضرتؐ میرا خیال کرتے ہیں ورنہ مدت کی طلاق دے دی ہوتی۔ اس کے بعد میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا مگر وہ کہنے لگیں کہ تم ہر معاملہ میں دخل انداز ہوتے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے میں بغیر کچھ کہے واپس آ گیا رات کو میرے پڑوسی عتبان بن مالک نے گھبرا کر آواز دی اور جب میں نے حال معلوم کیا تو کہنے لگے غضب ہو گیا۔ میں نے کہا کیا غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کر دیا کہنے لگے نہیں

بلکہ آنحضرتؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور بالاخانہ میں تنہا مقیم ہیں۔ میں فوراً اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس آیا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے کہا کیوں میں نے جو کہا تھا وہی ہوا پھر میں مسجد میں گیا تو صحابہؓ کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں بالاخانے میں جانے کی اجازت مانگنے گیا مگر جواب نہیں ملا جب زیادہ مایوس ہوا تو آنحضرتؐ کے خادم حضرت رباحؓ کو زور سے پکار کر کہا کہ میں آنحضرتؐ سے ملنا چاہتا ہوں۔ اجازت طلب کرو۔ شاید آپؐ کا خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں واللہ! اگر آنحضرتؐ فرمائیں تو میں حفصہؓ کی گردن مار سکتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے اس آواز کو سن کر اندر بلا لیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور والا بغیر بستر کی چارپائی پر رونق افروز ہیں اور پلنگ کے بادوں کا نشان جسم مبارک پر بن گیا ہے، ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے ہیں اور ایک کھال لٹکی ہوئی ہے، میں اس کیفیت کو دیکھ کر رونے لگا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا، اس سے زیادہ رونے کا مقام کیا ہوگا کہ قیصر و کسریٰ عیش و آرام سے بسر کرتے ہیں اور آپؐ کی نبیؐ ہو کر یہ حالت ہے۔ فرمایا۔ کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ "قیصر و کسریٰ کو دنیا ملے اور ہم آخرت کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوں" اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا "نہیں" میں نے اللہ اکبر کہا اور عرض کیا "حضورؐ! مسجد میں صحابہؓ رو رہے ہیں اگر حکم ہو تو جا کر کہہ دوں کہ یہ خبر غلط ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ ازواج سے علیحدہ رہنے اور ان سے نہ ملنے کی جو قسم (ایلاء) کھائی تھی اس واقعہ کے دن مہینہ پورا ہو رہا تھا، آپؐ حجرے کی چھت چھوڑ کر نیچے تشریف لے آئے، صحابہؓ میں جو بے چینی پائی جا رہی تھی وہ رفع ہوگئی

اور آپ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ آیت ان کو سنائی جو ایلاء کے اختتام کے وقت نازل ہوئی تھی اور جس میں فرمایا گیا تھا کہ :-

"اے ہمارے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہدیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو پسند کرتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی کے جوڑے دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم کو اللہ اور رسول اور آخرت کی بھلائی پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے نیکوں کے لئے بڑا ثواب رکھا ہے۔" (سورۂ احزاب)

اس آیت کو مفسرین آیت تخییر کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت عائشہؓ ان واقعات کے سلسلہ میں پیش پیش تھیں اور دوسری ازواج کو صلاح و مشورہ دے رہی تھیں اس لئے آنحضرتؐ انہی کے پاس پہلے تشریف لے گئے اور آیت تخییر کے نزول سے مطلع فرمایا۔ چونکہ آیت میں ازواج رسولؐ کو دو چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی ایک دنیا کا مال و متاع اور دوسرے آخرت کی بھلائیاں اور ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دونوں میں سے جو چیز چاہیں وہ پسند کر لیں، اگر دنیا پسند کرتی ہیں تو ان کو کپڑے، پیسہ اور دوسرا سامان دے کر رخصت کر دیا جائے اور اگر آخرت کی بھلائیاں مرغوب ہوں تو پھر صبر و سکون سے اللہ و رسولؐ کی اطاعت پر قائم رہیں اور یہ فانی دنیا کے مقابلہ میں ایک غیر فانی سعادت ہو گی۔

حضرت عائشہؓ نے آیت تخییر کو سن کر عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! میں دنیا کی ہر چیز چھوڑتی ہوں اور اللہ و رسولؐ کو اختیار کرتی ہوں۔ چونکہ دوسری ازواج حضرت عائشہؓ کی رائے سے سب کچھ کر رہی تھیں اس لئے سب نے یہی کہا کہ ہمیں آپ کی

اطاعت پسندانہ ہے:-

ان ناپسندیدہ خاتعات کے سلسلہ میں قرآن کریم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے باہم اتحاد کا ذکر بھی کیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:-

وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ (سورۃ تحریم)

اور اگر تم دونوں رسول اللہﷺ کے خلاف اتحاد اور ایکا کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا معاون ہے اور جبریلؑ۔ اور نیک مومنین اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے آنحضرتﷺ کے خلاف جو ایکا کیا تھا وہ کوئی خطرناک سازش تھی اسی لئے ارشاد ہوا کہ تمہارا ایکا کرنا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا کیونکہ اللہ اس کے فرشتے اور نیک بندے سب انکے مددگار ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے واقعہ صرف شہد سے تعلق رکھتا ہے جس کو منافقین نے مختلف رنگوں میں پیش کیا اور مسلمانوں میں بے چینی اور افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں تحریر کیا ہے فَكَانَتْ تُحَرِّشُ بَيْنَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی منافقین کی عورتیں ازواج مطہرات کو بھڑکایا کرتی تھیں۔ آیت میں بھی روئے سخن منافقین کی طرف ہے کہ اگر ان دونوں نے ایکا بھی کر لیا اور منافقین نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا تب بھی وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ "اور آیت کا صحیح شان نزول یہ ہے کہ

وہ شہد کے واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ سورہ تحریم میں ان واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (بخاری، فتح الباری، ابو داؤد، سیرت النبی)

مسجد ضرار

مدینہ طیبہ میں منافقوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ کم و بیش چار سو آدمی اور ان کی عورتیں تھیں۔ جو اسلام کے خلاف ہمہ وقت مصروف تدابیر رہتی تھیں۔ پہلے سال سے لے کر ۹ھ کے آخر تک بلکہ آنحضرتؐ کی وفات شریفہ کے بعد تک ان کی کوششیں کم نہیں ہوئیں۔ وہ بہت سی ناپاک سازشیں کر کے ناکام ہو چکے تھے مگر باز نہیں آتے تھے۔ چنانچہ مسجد ضرار بھی ان کی منافقانہ چالوں کا شاہکار تھی جسے آنحضرتؐ نے صفحہ ہستی سے منٹوں میں معدوم کر دیا۔ ابن جریر کا بیان ہے کہ ابو عامر انصاری جو اسلام سے منحرف ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ منافقین کی ہمت افزائی کرتا رہتا تھا۔ اس نے قیصر کو مدینہ پر حملہ کی دعوت بھی دی تھی مگر واقعہ تبوک نے اس کی اس کوشش کو پامال کر دیا۔ اسی زمانہ میں منافقین نے یہ چال چلی کہ مسجد قبا کے مقابلہ پر اسی علاقہ میں ایک مسجد بنائی اور جب وہ بن کر تیار ہو گئی تو چند منافقوں نے بارگاہ رسالتؐ میں آ کر عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم نے بیماروں، ضعیفوں اور بوڑھوں کے خیال سے ایک مسجد بنائی ہے تاکہ جو لوگ مسجد قبا میں نہیں پہونچ سکتے ہیں وہ اس مسجد میں نماز ادا کر لیا کریں، لہٰذا حضور والا سے درخواست ہے کہ آپ تشریف لے چلیں اور پہلی نماز ادا فرمائیں تاکہ مسجد کا افتتاح بھی ہو جائے اور آپؐ کے قدم کی برکت سے مقبول بھی ہو جائے۔ آپ نے ان کی درخواست سن کر فرمایا۔ اس وقت میں تبوک کی مہم پر جا رہا ہوں اور واپس آ کر دیکھوں گا۔

منافقین کو یقین تھا کہ اگر اس وقت آپؐ کو تبوک سے روک دیا جائے تو غسانی قیصر کے اشارہ پر ضرور مدینہ پر حملہ کر دیں گے اور مسلمان ان کے حملہ کی تاب نہ لا سکیں گے اس کے علاوہ ان کی بڑی غرض یہ تھی کہ مسجد ضرار میں مسلمان نماز پڑھنے آئیں گے تو منافقین کو ناسمجھ مسلمانوں کے بہکانے کا خوب موقع ملے گا اور اس طرح اسلام کے خلاف تخریب کا سلسلہ جاری رہ سکے گا۔ غرض آنحضرتؐ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے حبیبؐ کو مطلع فرمایا۔ جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے :—

"اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد ضرار مسلمانوں میں افتراق پھیلانے اور کفر کو بڑھانے کی غرض سے بنائی ہے اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے اللہ و رسولؐ سے لڑتے ہیں ان کو ایک پناہ گاہ مل جائے اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے صرف بھلائی کے لئے ایسا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رسولؐ! تم کبھی اس مسجد میں جا کر مت کھڑے ہونا۔ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے تقوے پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں جا کر نماز پڑھیں، کیونکہ وہاں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی پسند ہے اور اللہ تعالیٰ صفائی پسند کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"

منافقین کی بڑی کوشش تھی کہ آنحضرتؐ کو مسجد میں لے جائیں اور پھر ان کو موقعہ مل جائے کہ وہ اس مسجد کو مسلمانوں میں مقبول بنائیں مگر وحی الٰہی سے مطلع ہو کر آپؐ نے منافقین کی درخواست کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ حضرت مالکؓ اور حضرت

تاریخ مصطفےٰؐ[1]

معن بن عدیؓ کو بھیجا کہ وہ مسجد کو مسمار کردیں۔ صحابہؓ گئے، مسجد میں آگ لگا دی اور اسے ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔ (سیرت مغلطائیؒ)

عیسائیوں سے مباہلہ

عیسائیوں سے مباہلہ کو مورخین نے اسی ۹ھ میں بیان کیا ہے۔ مکہ معظمہ سے تقریباً بلیس میل کے فاصلہ پر عیسائیوں کا ایک بڑا گاؤں تھا جس کو نجران کہتے تھے۔ یہاں ایک کلیسا تھا جس میں بڑے بڑے عیسائی جو مذہبی پیشوا تھے رہا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے معمول کے مطابق ان کو بھی اسلام کی دعوت دی مگر وہ نہیں مانے اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ آخر آنحضرتؐ نے ان کو مباہلہ کی طرف بلایا، اور فرمایا کہ اچھا دونوں گروہ اپنے اپنے اہل و عیال کو لے کر میدان میں نکلیں اور جھوٹے پر لعنت کریں۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ساتھ لے کر میدان میں آئے مگر عیسائیوں کے ایک بوڑھے پادری نے سب کو یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ تم نہیں جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے تو یقین ہے کہ یہ لوگ اگر پہاڑ کے اپنی جگہ چھوڑنے کی دعا کریں تو پہاڑ بھی ہٹ جائے گا۔ آنحضرتؐ اور اہل بیت کو میدان مباہلہ میں دیکھ کر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ میدان میں ٹھہر نہیں سکے اور صلح کی بات چیت کرتے ہوئے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد بہت سے عیسائی داخل اسلام ہو گئے۔

فرضیت حج بیت اللہ

اسی سال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج فرض فرمایا چونکہ آنحضرتؐ

مصروف تھے اور وفود آپ کی خدمت میں آرہے تھے اس لئے آپ نے اس سال حضرت ابوبکر صدیق رض کو حجاج کی جماعت کا امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔

مولانا شبلی کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ حج ۶ھ سے پہلے ہی فرض ہو گیا تھا مکہ میں مخالفین کے زور کی وجہ سے مسلمان اس فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد جب حضرت عتاب بن اسید رض امیر مقرر کئے گئے تو مسلمانوں نے ان کی معیت میں حج ادا کیا۔ ۹ھ میں چونکہ عداوت کے بادل چھٹ چکے تھے۔ امن وامان قائم ہو چکا تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے تبوک سے واپس آتے ہی تین سو حجاج کے قافلہ پر حضرت ابوبکر رض کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت علی رض بھی اس قافلہ کے ساتھ تھے اور وہ نقیب اسلام کی خدمت انجام دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رض، حضرت جابر رض اور حضرت ابوہریرہ رض کو معلم حجاج بنایا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اپنی طرف سے بیس اونٹ ساتھ کر دیئے تھے۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ رسم حج سنت ابراہیمی کے مطابق ادا کی گئی، اسی حج سے عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتداء ہوتی ہے، مراسم جاہلیت مٹا دیئے گئے اور اسلامی طریقہ پر حج کرنے کے اصول اور مناسک ذہن نشین کر دیئے گئے۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوبکر رض نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی تو نحر کو خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت علی رض کھڑے ہوئے اور سورہ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوگا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے۔ ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار ماہ

کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ پڑ گیا۔ سورۂ برأت کی آیتوں کو سننے کے بعد وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے جو اب تک شرک پر قائم تھے۔ اس کے علاوہ کثرت سے لوگ بصورت وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لانے لگے۔ سورۂ برات کی وہ آیات جن کا حضرت علیؓ نے اعلان کیا مندرجہ ذیل ہیں۔

"اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا (اور انھوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) ان کی خدا اور خدا کے رسولؐ کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اب (اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے کی تم کو مہلت ہے، اس میں تم ملک میں چلو، پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلان عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین کا اب ذمہ دار نہیں اگر (تم نے اے مشرکین) توبہ کر لی تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر اب بھی پھرے رہو تو یقین کر لو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکو گے۔ اے پیغمبر! آپ کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انھوں نے اس کے ایفاء میں تمہارے ساتھ کچھ کمی نہ کی اور تمہارے مقابلے میں انھوں نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی تو زمانۂ معاہدہ کو تم پورا کرو، خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورہ توبہ رکوع ۱)

اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں۔ (توبہ رکوع ۴)

وفود قبائل کا قبول اسلام

ہجرت کے نویں اور دسویں سال کو تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس سال عرب کے قبائل کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے خصوصاً دسویں سال کو ایسی اہمیت حاصل ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وفود کی آمد کے حالات ایک ہی جگہ بیان کر دیئے جائیں تاکہ ناظرین کو مطالعہ میں آسانی ہو۔ مورخین نے وفود کی تعداد ستر کے قریب بیان کی ہے۔ جن قبائل کو اہمیت حاصل ہے ان کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں اور ہم انہی کو اس جگہ بیان کرتے ہیں۔

قبیلۂ طے: یہ یمن کا بڑا اور نامور قبیلہ تھا۔ قبیلے کے چند سردار خدمت رسالت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ درحقیقت اس قبیلہ کے اسلام لانے کی وجہ آنحضرت کا بہترین اخلاق تھا مسلمانوں نے جب یمن پر حملہ کیا تو قبیلۂ طے کے مشہور سردار عدی بن حاتم طائی کی بہن کو گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ آنحضرت نے ان کو آرام سے رکھنے کا حکم دیا اور پھر ان کو عزت کے ساتھ رخصت فرما کر ان کے قبیلہ میں پہونچا دیا۔ انھوں نے یمن پہونچ کر اپنے بھائی عدی سے کہا کہ جتنی جلدی ممکن ہو آنحضرت کی خدمت میں پہونچو۔ عدی فوراً مدینہ آئے، مسجد نبوی میں داخل ہو کر حضور کو سلام کیا۔ آپ نے نام پوچھا اور بڑی عزت اور محبت کے ساتھ اپنے پاس چمڑے کے گدے پر بٹھا لیا۔ عدی دولت اسلام سے سرفراز ہوئے۔

قبیلۂ طے کے علاوہ جو قبائل بصورت وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں بنی فزارہ، بنی تمیم، بنی سعد بن بکر، بنی کندہ، بنی عبد القیس، بنی حنیفہ اور بنی قحطان کا سب مورخین نے ذکر کیا ہے۔ بنی فزارہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت

ہوئے تھے۔ بنی تمیم نے کچھ گفتگو کی اور پھر مسلمان ہو کر اپنے گھر واپس چلے گئے۔ بنی سعد کے امیر ضمام بن ثعلبہ تھے انھوں نے آنحضرت ؐ سے چند سوالات کئے اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ مدینہ سے اپنے قبیلہ میں گئے اور تمام قبیلہ ان کی تبلیغ سے مسلمان ہو گیا۔ بنی کندہ نے سورہ صافات کی چند آیات سنیں اور اسلام ان کے قلوب میں جاگزیں ہو گیا۔ بنی عبد القیس جو نصاریٰ تھے آنحضرت ؐ کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے۔ آپ نے ان کو اسلامی تعلیم سے آگاہ فرمایا۔ بنی حنیفہ حاضر خدمت ہوئے اور سب نے اسلام قبول کر لیا اسی قبیلہ میں ایک شخص مسیلمہ کذاب تھا جو آگے چل کر مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کیا اور پھر صحابہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ وحشی نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔ بنی قحطان کے امیر زید الخیل تھے۔ یہ سب بھی حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے علاوہ بنی حارث، بنی اسد، بنی محارب، بنی ہمدان، بنی غسان اور بنی حمیر سب ہی اپنے اپنے امیروں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ بہت سے قاصد دور سے آکر بارگاہ نبوت ؐ میں حمیر وغیرہ کے مختلف سرداروں کے اسلام لانے کی اطلاع کی غرض سے صبح سے شام تک اسلام لانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ مکہ اور مدینہ سے شام کی سرحد اور یمن کے علاقے اور عرب کے دور دراز مقامات تک اسلام پھیل چکا تھا۔ سنہ دسویں ہجری کے اندر اندر جزیرہ نمائے عرب میں اسلام مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک پھیل گیا اور کوئی قبیلہ اسلام سے محروم نہیں رہا۔ چنانچہ آنحضرت ؐ جب حج کو تشریف لے گئے تو قبائل عرب کا ایک سمندر تھا جو ہر طرف موج زن نظر آرہا تھا۔ (سیرت مغلطائی)

متفرقات

اسی سال اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل فرمایا۔ چونکہ پورے ملک میں اب کہیں بدامنی نہیں تھی، سرکشی ختم ہو کر قبائل میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال مقرر فرمائے اور ان کو قبائل میں جانے کا حکم دیا۔

اسی سال سود کو حرام قرار دیا گیا اور جس کا اعلان آنحضرتؐ نے اپنے حج کے موقعہ فرمایا۔ جن غیر مسلموں نے اسلام کے زیر سایہ خاموشی اور وفاداری کی زندگی اختیار کرلی تھی ان کے حق میں جزیہ ادا کرنے کا حکم نازل ہوا حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ۔ یہاں تک کہ وہ چھوٹے بن کر جزیہ ادا کریں"۔ سورۃ برأت کی چالیس آیات بھی اسی سال نازل ہوئیں۔ اسی سال نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اس کے انتقال سے مطلع فرماتے ہوئے فرمایا "مسلمانو! آج تمہارے بھائی اصحمہ نے انتقال کیا ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کرو"۔ اس اعلان کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (سیرت النبیؐ)

حجۃ الوداع ۱۰ھ

ہجرت کے دسویں سال کا ایک بڑا حصہ مختلف قبائل کے آنے اور اسلام لانے میں گذر گیا۔ مخالفت کے بادل چھٹ چکے تھے، ہر طرف سے اطمینان تھا اور جنگ و جہاد کی تمام کارروائیاں رک گئی تھیں، منافقین کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا اور اب کسی میں یہ جرأت نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی ہمت

کرسکے۔ دسواں سال بڑے سکون سے گزرا مسلمان ہونے والے قبائل سے مدینہ بھرا پڑا تھا اور ان کو اسلامی احکام سکھائے جا رہے تھے مسلمانوں کی معاشی پریشانیاں بھی دور ہو گئی تھیں ہجرت کے بعد جو بیکاری اور تنگدستی پائی جاتی تھی اب اس کی جگہ خوشحالی اور اطمینان کا دور دورہ ہو رہا تھا۔ سب لوگ کاروبار سے لگ چکے تھے غنیمت کی بہتات نے اب کسی کو غریب نہیں رکھا تھا مگر اس فراوانی مال کے باوجود مسلمانوں میں ایثار، انکسار اور غریبانہ زندگی کے آثار نظر آتے تھے اور وہ سادگی و غربت سے ہی زندگی کو گذارا کرتے تھے۔

چونکہ سنہ ۹ھ میں آنحضرتؐ بوجہ مصروفیت حج کو تشریف نہیں لے جا سکے تھے اس لئے اس سال آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ ذیقعدہ کے شروع میں آپؐ نے اعلان فرمایا۔ یہ خبر بہت جلدی دور دور پھیل گئی اور ہر طرف سے مسلمان آنحضرتؐ کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مدینہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے اور ذیقعدہ کے آخری عشرہ تک پروانوں کا ہجوم لگ گیا۔ آنحضرتؐ نے ۲۵ ذیقعدہ کو دوشنبہ کے دن غسل کیا۔ تہبند باندھی اور چادر اوڑھ کر ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر ازواج مطہرات اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان جمعیت ساتھ میں تھی۔ جاں نثاروں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بیان کی گئی ہے۔

مدینہ سے ۶ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں پہونچے اور رات کو اسی جگہ قیام فرمایا، صبح کو دوبارہ غسل کیا جسم مبارک پر عطر ملا گیا اور آپؐ نے احرام باندھ کر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر بلند

آواز سے تکبیرات کہتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام مسلمان آپ کی اقتدا کر رہے تھے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان اس کثرت سے آنحضرتؐ کے ساتھ چل رہے تھے کہ ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا اور لبیک کی آوازوں سے پہاڑ اور جنگل گونج رہے تھے۔ راستہ میں بہت سے مقامات پر آپؐ نے نماز ادا فرمانے اور آرام کرنے کے لئے قیام فرمایا۔ وادی عسفان میں پہونچے تو ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام جا رہے ہیں اور تلبیہ و تکبیر کہہ رہے ہیں۔ ایک دن رات کو مقام سرف میں قیام فرمایا غسل سے فارغ ہوئے اور دوسرے دن ۴ ذالحجہ کو اتوار کے دن مکہ میں داخل ہوئے۔ بنی ہاشم کے جوانوں اور بچوں نے شہر سے باہر آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے سب کو محبت سے دیکھا اور دو بچوں کو اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کرلیا۔ مسجد حرام میں داخل ہوئے، کعبہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیم میں نفل پڑھی اور پھر سعی کے لئے کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے۔ زبان مبارک پر تہلیل و تکبیر کے الفاظ جاری تھے۔ سعی سے فارغ ہو کر حرم شریف کے قریب ہی قیام فرمایا حضرت علیؓ جو یمن گئے ہوئے تھے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ یمن سے مکہ آئے اور آنحضرتؐ کے ساتھ شریک حج ہو گئے۔

تین دن کے بعد ۸ ذالحجہ جمعرات کے دن آپؐ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے۔ رات کو قیام فرمایا اور صبح کو جمعہ کے دن فجر پڑھ کر عرفات کے لئے روانہ ہوئے۔ عرفات میں آپؐ نے مقام نمرہ میں ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ ظہر کی نماز سے پہلے ناقہ پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور

ناقہ پر بیٹھے بیٹھے مسلمانوں کے عظیم اجتماع کے سامنے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا یہ خطبہ جبل الرحمت کے نیچے تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کے سامنے دیا گیا تھا، تاریخ نے اس منشور اعظم کے ایک ایک حرف کو محفوظ رکھا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے معافی مانگتے ہیں، اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے یہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت بخشے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے اللہ ضلالت میں ڈالے اسے کوئی ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اسکی اطاعت کی طرف توجہ دلاتا ہوں، اسی سے میں ابتداء کرنی چاہتا ہوں جو بھلائی ہے۔

امابعد۔ اے لوگو! سنو جو میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ میں پھر دوبارہ تم سے اس جگہ مل سکوں۔

اے لوگو! تمہارے..... خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں

تمہارے لئے ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک حرام کرتا ہوں ایسے ہی حرام و محترم جیسے آج کے دن، آج کے مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے — ہاں کیا میں نے پہونچا دیا؟ اے لوگو! تم گواہ رہنا جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ ادا کر دے اس کو جس نے وہ رکھائی ہے۔

خبردار! جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے، البتہ تمہارے لئے راس المال پر حق ہوگا، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے اور پہلا سود جس سے میں ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس ابن عبد المطلب کا ہے۔

خبردار! جاہلیت کے خون معاف کئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچازاد بھائی کے بیٹے عامر ابن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کا ہے۔

خبردار! جاہلیت کے آثار اور عہدے ختم کئے جاتے ہیں صرف کعبہ کی رکھوالی اور حجاج کو پانی پلانے کا اعزاز باقی رہے گا۔ یاد رکھو! قتل عمد پر قصاص ہے، مشابہ عمد وہ ہے جس میں لاٹھی یا پتھر سے موت واقع ہو۔ اس میں سو اونٹ خون بہا ہیں، جو اس میں زیادتی کا مطالبہ کرے وہ جاہلیت والا ہے۔ ہاں! کیا میں نے پہونچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اے لوگو! شیطان اب اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو۔ مگر وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دوسری باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر خیال کرتے ہو، لہٰذا اپنے دین کے متعلق شیطان سے ہوشیار رہو۔

اے لوگو! سال کی کبیسہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے، جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اس کے باعث بہکائے جاتے ہیں، وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور اسے ایک سال حرام کر لیتے ہیں تاکہ اس تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے، اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال اور حلال کردہ چیز کو حرام کر لیتے ہیں، حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل پر آگیا ہے جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے دن تھا۔

بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں، زمینوں کے پیدا کرنے کے ہی دن سے بارہ مہینے لکھی ہوئی ہے۔ ان میں سے چار حرام ہیں، تین مسلسل اور ایک تنہا اور قبائل مضر کا رجب جو کہ جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔ ہاں! کیا میں نے پہنچا دیا ہے اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمہاری عورتوں کے لئے تمہارے اوپر ایک حق ہے اور تمہارے لئے ان کے اوپر ایک حق ہے۔ تمہارے لئے ان کے اوپر یہ

کہ تمہارے بستر کو تمہارے سوا کسی اور سے نہ روندوائیں، اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے کو نہ داخل ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اور کوئی برے فحش کام کا ارتکاب کریں اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو انکے ساتھ سونا بند کر دیا ان کو ضربِ خفیف پہنچاؤ۔ اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم پر انکا اچھے دستور سے کھلانا اور پہنانا لازم ہے۔ عورتوں کے متعلق بھلائی کی تمہیں تاکید ہے کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی کی حیثیت رکھتی ہیں اور اپنے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی ہیں اور تم ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیتے اور اللہ کے بول پر ان سے تمتع اپنے لئے حلال کرتے ہو۔ اس لئے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان سے بھلائی کی تم کو تاکید کرتا ہوں۔ ہاں! کیا میں نے پہنچا دیا اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں، بجز اس کے کہ وہ اس کی طبعی خوشی سے ہو۔ لہٰذا میرے بعد گمراہ مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے اور مارنے لگو۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اسے تھامے رہو گے میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہے۔ ہاں! کیا میں نے پہنچا دیا

اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے مکرم و محترم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے ہاں! کیا میں نے پہونچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔"

مندرجہ بالا خطبہ کو سن کر لوگوں نے عرض کیا، ہاں! ہم نے سن لیا، آپؐ نے فرمایا "تو پھر حاضرین کو چاہیئے کہ جو لوگ اس موقعہ پر موجود نہیں ہیں ان تک باتیں پہونچا دیں" پھر ارشاد ہوا۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے ورثہ میں سے اس کا حصہ مقرر فرما دیا ہے، اب وارث کے لئے کسی مزید وصیت کی ضرورت اور اجازت نہیں، اور کسی اور کے حق میں بھی ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔ بچہ بستر کے مالک کا ہوگا۔ اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرے گا یا اپنے مولا (معاہداتی بھائی) کے سوا کسی اور کو مولا بنائے تو اللہ، فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ اس سے (تلافی کے لئے) کوئی بدلہ قبول نہیں کیا جائیگا

نزول آیت

سلسلہ تقریر جاری تھا کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور اس

آیت سے رسالت مآبؐ کو مطلع فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔

آنحضرتؐ نے اسی وقت اس ارشاد ربانی کا مسلمانوں کے سامنے اعلان کر دیا۔ خوشی کے ساتھ ساتھ بہت سے حضرات اس احساس سے بے چین ہو گئے کہ توحید خداوندی اور مکارم اخلاق کے پرچم کو تکمیل کی آخری منزل تک پہنچانے والے آفتاب رسالتؐ کے رحمت الٰہی میں چھپ جانے کا وقت قریب آپہونچا ہے۔ تقریر سے فارغ ہو کر حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ظہر کی اذان دیں۔ پھر ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی اس کے بعد غروب آفتاب سے کچھ پہلے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے، اسامہ بن زید کو پیچھے بٹھا لیا اور پھر تمام مسلمانوں کے ساتھ عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم تھا جو پروانہ وار آپؐ کے چاروں طرف چل رہا تھا اور آپؐ ان سے فرماتے جاتے تھے۔ السکینۃ ایھا الناس السکینہ۔ "اے لوگو! اطمینان سے چلو"۔ مزدلفہ پہونچ کر پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے تھوڑی دیر بعد عشاء کی نماز ادا فرمائی نماز کے بعد آپ کمبل کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور آرام میں مصروف ہو گئے رات کو تہجد کے لئے بیدار نہیں ہوئے۔ صبح کو جلد ہی اٹھے اور جماعت سے فجر ادا فرمائی۔ پھر مسلمانوں کو لئے ہوئے وادی محسّر کے راستہ منیٰ واپس تشریف

لائے۔ جمرہ کے قریب گئے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے فرمایا، مجھے کنکریاں چن کر دیدو۔ پھر کنکریاں ہاتھ میں لے کر جمرہ کی طرف پھینکیں اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

"مذہب میں مبالغہ سے بچتے رہنا، بہت سی قومیں تم سے پہلے اس وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں۔ اے لوگو! حج کے مسائل سیکھ لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد دوسرے حج کی مجھے نوبت آئے"۔

یہ ذالحجہ کی ۱۰ تاریخ اور ہفتہ کا دن تھا۔ جمرہ سے ہٹ کر منیٰ کے میدان میں کھڑے ہوئے۔ حضرت بلالؓ اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے تھے اور حضرت اسامہؓ بیٹھے کپڑے سے سایہ کئے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے عظیم الشان مجمع پر نظر ڈالی فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ کامیاب نتائج کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرش سے فرش تک ہر ذرہ دین فطرت کی تکمیل کا اعلان تھا۔ آنحضرتؐ نے اس موقعہ پر پھر فرمایا۔

"سال کے بارہ مہینہ ہیں، چار قابل احترام ہیں، ۳ متواتر ہیں یعنی ذیقعدہ، ذالحجہ اور محرم، اور ایک رجب کا مہینہ ہے"۔

پھر ارشاد ہوا، تمہارا رب تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا گنہگار اپنے گناہ کا ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا بیٹا اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں ہے، اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو، سب کو اللہ کی عبادت کرنا چاہیئے پانچ

وقت کی نماز، ایک ماہ کے روزے کبھی مت چھوڑنا میرے احکام
کی اطاعت تم کو خدا کی جنت میں لے جائے گی ۔"

اس کے بعد آپؐ قربان گاہ میں تشریف لائے۔ سو اونٹ جو ہمراہ تھے ان میں سے کچھ خود ذبح کئے اور باقی حضرت علیؓ سے ذبح کرائے۔ گوشت پوست سب خیرات کر دیا قربانی سے فارغ ہو کر اپنے حجام حضرت معمر بن عبداللہؓ کو طلب فرمایا۔ ان سے سر کے بال اترولئے۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اور ان کی بیوی ام سلیمؓ نے بالوں کو جمع کیا اور مسلمانوں میں بڑی احتیاط سے تقسیم کر دیئے، غسل کے بعد احرام اتار کر کپڑے پہن لئے اور مکہ میں آکر طواف کیا۔ زمزم پر تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ نے کنوئیں سے پانی کا ڈول نکال کر خدمت میں پیش کیا جسے آپؐ نے قبلہ رُخ کھڑے ہو کر نوش فرمایا

یہاں سے آپؐ پھر واپس منیٰ تشریف لے گئے۔ ظہر کی نماز منیٰ ہی میں ادا فرمائی۔ ۱۲؍ ذالحجہ تک منیٰ میں ہی قیام فرمایا ہے۔ ہر روز زوال کے بعد رمی کے لئے تشریف لے جاتے اور قیام گاہ پر واپس آجاتے۔

۱۳؍ ذالحجہ کو منگل کے دن ظہر کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر وادی محصب میں جسے وادی البطح بھی کہتے ہیں تشریف لائے رات اسی جگہ قیام فرمایا صبح کو مکہ میں داخل ہوئے اور آخری طواف فرمایا۔

مسلمانوں کے قافلے بھی آخری طواف سے فارغ ہوتے اور رخصت کی درخواست کی، آپ نے سب کو اجازت دیدی اور وہ اپنے اپنے مقام کی طرف روانہ ہوگئے آخر میں آنحضرتؐ مہاجرین وانصار کے ساتھ مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں آپؐ نے جمعہ کے دن ۱۶ ذالحجہ کو مقام غدیر خم میں قیام فرمایا۔ اس جگہ بھی

آپؐ نے مسلمانوں کے سامنے ایک مختصر تقریر فرمائی۔

"اے لوگو! میں بشر ہوں، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلدی آجائے اور مجھے اس کا پیغام قبول کرنا پڑے میں تمہارے پاس دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے اس کو مضبوط پکڑ لو، دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، جن کے معاملہ میں، میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں، پھر تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من

عاداہ۔ یعنی جو مجھے دوست رکھتا ہے اسے علیؓ کو بھی دوست رکھنا چاہیے، اے اللہ! جو علیؓ سے محبت رکھتا ہے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھتا ہے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔"

حضرت علیؓ کے متعلق خصوصیت سے اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں نے آپؐ سے شکایت کی تھی کہ حضرت علیؓ نے یمن کے مال میں سے اپنی ذات پر خرچ کیا ہے چونکہ حضرت علیؓ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا یقین تھا کہ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے ہیں اور یہ شکایت غلط فہمی یا عداوت پر مبنی ہے اس لئے آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرما کر حضرت علیؓ کی محبت کو اللہ و رسولؐ کی محبت قرار دیدیا۔ حضرت علیؓ کو یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ تصرف ذاتی کا الزام اس مال میں سے لگایا گیا تھا۔ جو لوگوں نے بطور تحفہ و تحائف کے دیا تھا۔ بہرحال حضور اکرمؐ کو مسلمانوں کی یہ بدگمانی پسند نہیں آئی اور مزاج مبارک میں تغیرات بہت

ہی نمایاں نظر آنے لگے۔

غدیر خم سے روانہ ہو کر راستہ میں کئی جگہ ٹھیرے، آخری شب ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا۔ صبح کی نماز کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے، بستی کے قریب پہنچے تو زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے۔

"اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر بات پر قادر ہے تو نے اپنا وعدہ سچا فرمایا اور اپنے بندے محمدؐ کی مدد فرمائی، جس نے تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔"

مدینہ میں داخلہ کی تاریخ ۲۴ ذالحجہ اور ہفتہ کا دن تھا۔ یہ مکہ کا آخری سفر اور آنحضرتؐ کا آخری حج تھا۔ اس مبارک سفر سے واپس آکر مزاج مبارک میں نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ زیادہ تر آپؐ کا وقت خاموشی اور تسبیح و تہلیل میں گذرنے لگا

(بخاری۔ طبری، ابن ہشام، سیرت النبی)

بیماری کی ابتداء

۱۱ھ کا محرم اور صفر عبادت الٰہی اور وعظ و نصیحت میں گذرا۔ صفر کی آخری تاریخوں میں حضرت جبریلؑ سورہ فتح لے کر نازل ہوئے، یہ اس امر کا قدرتی اعلان تھا کہ اب عنقریب آنحضرتؐ رحلت فرمانے والے ہیں۔ آیت تکمیل اسلام اور سورہ فتح کے نزول نے صحابہؓ کو یقین دلا دیا کہ آفتاب نبوتؐ جلد ہی روپوش ہونے والا ہے۔ صفر ۱۱ھ کی ۲۸ تاریخ کو منگل کے دن آپؐ جنت البقیع میں تشریف لے گئے شہدائے احد کی قبروں پر فاتحہ پڑھی، دیر تک ٹھہرے اور مسلمانوں کی مغفرت کی دعائیں کرتے رہے، قبرستان سے اس طرح رخصت،

ہوئے جیسے کوئی طویل سفر کرنے والا اپنے قریبی رشتہ داروں سے رخصت ہو رہا ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت ساتھ میں تھی، آپؐ نے ان کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچ رہا ہوں، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک مجھے اس بات کی مطلق فکر نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے البتہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ، اور اس کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو نہ مارنے لگو اور پھر اس طرح ہلاک ہو جاؤ کہ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہو گئیں۔"

یہ تقریر وہ تھی کہ جس کے ذریعہ آپؐ نے اپنی وفات کی صاف صاف خبر سنا دی تھی اور ساتھ ہی اس اندیشہ کا اظہار بھی فرما دیا تھا کہ مسلمان آپس میں جنگ و جدال نہ شروع کر دیں۔ جو بڑی حد تک صحیح ثابت ہوا۔

اگرچہ ناسازیٔ مزاج کا سلسلہ محرم سے ہی شروع ہو گیا تھا مگر ۲۸ صفر کو جب قبرستان سے واپس تشریف لائے تو سر میں شدید درد ہو رہا تھا اور بخار بھی موجود تھا۔ اس روز آپؐ نے حضرت میمونہؓ کے یہاں قیام فرمایا اور پھر پانچ روز تک متواتر دوسری ازواجِ مطہرات کے یہاں حسبِ عادت قیام فرماتے رہے۔

پیر کے دن پانچ ربیع الاول کو مزاجِ مبارک زیادہ ناساز ہو گیا۔ بخار نے شدت اختیار کر لی اور کمزوری بہت بڑھ گئی، تمام ازواجؓ نے اتفاق

لئے سے آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے یہاں مستقل قیام کی اجازت دے دی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپؐ کو سہارا دے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے اگرچہ کمزور رہتے مگر مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھاتے تھے۔

جیش اسامہؓ

اسی زمانہ میں رُومی عیسائیوں کے متعلق مدینہ میں یہ خبریں آرہی تھیں کہ وہ عرب پر حملہ کرنے والے ہیں۔ چونکہ عرب کے عیسائی رومی عیسائیوں کو حملہ کی ترغیب دے رہے تھے اس لئے مسلمانوں کو اس خبر کے صحیح مان لینے میں کوئی تامل نہیں تھا آنحضرتؐ نے بستر علالت سے ہی حکومت اسلامیہ کے خلاف عیسائیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہونے کا حکم دے دیا حضرت اسامہ بن زیدؓ کو آپؐ نے لشکر اسلام کا سالار مقرر فرمایا اور تمام مسلمانوں کو ان کی معیت میں رہ کر دشمن سے مقابلہ کا حکم صادر فرمایا۔ تمام جلیل القدر صحابہؓ اس لشکر میں شامل تھے۔ البتہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو آپؐ نے اپنی تیمارداری کے لئے روک لیا۔ حضرت اسامہؓ کو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ وہ سرحد شام پر پہونچ کر رومی عیسائیوں سے مقابلہ کریں۔ اور پھر شام کی فتح کی طرف متوجہ ہوں تاکہ یہ اندیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ آپؐ کی دلی تمنا یہ تھی کہ میری موجودگی میں مسلمان تمام بیرونی خطروں سے مطمئن ہو جائیں، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور دوسرے تمام حضرات لشکر اسامہؓ میں شامل تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے سامنے اس لشکر کو رخصت فرمایا۔ مگر یہ لشکر مدینہ کے باہر ایک منزل بھی طے نہیں کر سکا تھا کہ آنحضرتؐ

کی شدید علالت کی اطلاع پہونچی اور صحابہ کرامؓ کے دل بے چین ہو گئے۔ آخر لشکر اسلام مدینہ کے باہر ٹھہر گیا۔ مجاہدین کا دل نہیں چاہتا تھا کہ آنحضرتؐ کو بیماری کے عالم میں چھوڑ کر شام کی طرف جایا جائے۔ چونکہ تعمیل حکم ضروری تھی اس لئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کی رائے ہوئی کہ لشکر کو مدینہ سے باہر رُکا رہنا چاہیے تاکہ مزاج رسولؐ کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جائے اور اس کے بعد آگے بڑھا جائے۔ لشکر ٹھہر گیا اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ برابر مدینہ جا کر حالات معلوم کرتے اور مسلمانوں کو مطلع کرتے رہے۔

نصیحت اور وصیت

بیماری شدت اختیار کرتی جا رہی تھی اور نازک لمحات قریب آتے جا رہے تھے۔ ۸ ربیع الاول کو جمعرات کے دن مغرب کی آخری نماز آپؐ نے پڑھائی عشاء میں جانا چاہتے تھے کہ ضعف کی وجہ سے غش آگیا، کچھ افاقہ ہوا تو پھر ارادہ کیا مگر نہیں جا سکے، آخر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھائیں۔ دوسرے دن مزاج میں سکون اور افاقہ معلوم ہوا۔ مسجد میں تشریف لے گئے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی، حضرت ابو بکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں مگر آپؐ نے اشارہ سے روک دیا۔ نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا۔

"آج سے پہلے کی تمام نصیحتوں اور وصیتوں کو یاد دلاتا ہوں۔ اے لوگو! تم سے پہلے کی امتوں نے اپنے بزرگوں اور پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا جس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئیں۔ دیکھو تم ایسا

مت کرنا۔

اے لوگو! میں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کو پسند کر لیا ہے میں تم سے جدا ہوتا ہوں اور تمہارا شفیع بن کر تم سے پہلے جاتا ہوں اب میری تمہاری ملاقات حوض کوثر پر ہو گی۔ اے لوگو! میرے جانے کا وقت قریب ہے میں کسی کا کوئی حق اپنے ذمے لے کر جانا نہیں چاہتا ہوں۔ لہٰذا اگر کسی کا کوئی حق میرے ذمہ باقی ہے تو وہ لے سکتا ہے۔"

بعض مورخین کہتے ہیں کہ یہ ۹ ربیع الاول اور جمعہ کے دن کی تقریر ہے' آپ اس تقریر کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور پھر دوبارہ مسجد میں نہیں جا سکے' ایک روایت جس کو بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو فجر کے وقت بھی مسجد میں تشریف لے گئے مگر یہ غلط ہے۔ ۹ ربیع الاول کے بعد مزاج مبارک اس قدر ناساز ہو چکا تھا کہ آپ کے لئے بوجہ نقاہت اٹھنا بھی مشکل تھا اسی لئے آپ نے مہاجرین و انصار کو حجرے کے دروازہ پر بلا لیا تھا۔

دس ربیع الاول کو جب مہاجرین و انصار آپ کے حجرہ کے دروازہ پر اور مسجد کے صحن میں جمع ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"جب وفود آئیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، انعامات سے نوازنا اور ان کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آنا' مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا اور اسامہ کے لشکر کو ضرور روانہ کر دینا۔ انصار کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا۔"

اتنا ہی فرمانے پائے تھے کہ بے چینی زیادہ ہو گئی اور آپ تھوڑی دیر کے لئے بے ہوش ہو گئے، جب طبیعت میں افاقہ ہوا تو پھر آپ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا:

حیاکم اللّٰہ بعدی بالسلامۃ۔ اللہ تم کو میرے بعد سلامت رکھے۔ (تمام مسلمان اس کلام کو سن کر رونے لگے ایک کہرام سا مچ گیا جب سکون ہوا تو ارشاد فرمایا) مجھے میرے قریبی رشتہ دار غسل دیں، غسل بہت حفاظت سے دیا جائے، میرے جسم کو کوئی برہنہ نہ دیکھے، ۳ سفید کپڑوں میں کفن دے کر میرے جنازہ کو میرے حجرہ میں رکھ کر باہر چلے جانا اس وقت میں اپنے اللہ کے سامنے ہوں گا اور فرشتے میری نماز جنازہ پڑھیں گے ـــــ پھر فرمایا سب سے پہلے میرے اہل بیت میری نماز پڑھیں، پھر مہاجرین و انصار نماز پڑھیں، پھر عام مسلمان، پھر میرے اہل بیت مجھے قبر میں اتاریں، اللہ میرا پیدا کرنے والا ہے اور وہی تم سب کو بھی آپس پر قائم رکھے گا ـــــ پھر ارشاد ہوا

قلم اور دوات لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں" حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا اور کہا، مرض کی شدت ہے، لکھنے میں تکلیف ہو گی۔ ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس کلام کو سن کر حاضرین میں اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ لوگ آپ سے دوبارہ دریافت کرنے لگے، آپ نے ارشاد فرمایا۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو" مگر محدثین اس روایت کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔

انہی ایام میں ایک تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو انکے حکام اور بادشاہ ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ انکے ساتھ بے رُخی کرتے ہیں"۔

بیماری کی شدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ چادر کبھی منہ پر ڈالتے تھے اور کبھی ہٹا دیتے تھے، اسی حالت میں حضرت عائشہؓ نے یہ الفاظ آپؐ کی زبان مبارک سے سُنے

"لَعْنَۃُ اللہِ عَلَی الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ"[1]

یعنی یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا"

اس کے بعد ارشاد ہوا۔

"اے عائشہؓ ۱۷ اشرفیاں زکوٰۃ کے مال کی میرے پاس امانت رکھی ہیں ان کو خیرات کر دو"

حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور حضرت فاطمہؓ آپؐ کے داہنے اور بائیں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آپؐ کی بے چینی، کراہت اور بیماری کی شدت کو دیکھ کر دردناک لہجہ میں کہا" ہائے میرے باپؐ کو بہت تکلیف ہے" آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا" بیٹی آج کے بعد یہ تکلیف پھر نہیں ہوگی"

[1] تاریخ مصطفیٰ ۱؎

کبھی کبھی زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ۔ کبھی ارشاد فرماتے۔ اللّٰھُمَّ بالرفیق الاعلیٰ۔ پانی کا بھرا ہوا پیالہ پاس رکھا تھا اور جس میں آپؐ بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور پھر منہ پر پھیر لیتے تھے۔ زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ اللھم ان للموت سکرات۔ اے اللہ موت کی بڑی سخت تکلیف ہے۔"

وفات شریف

پیر کے دن اور ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کا آفتاب جیسے جیسے بلند ہوتا جاتا تھا نزع کی حالت بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے تار ٹوٹنے میں نہیں آتے تھے۔ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ کے الفاظ کبھی بے ساختہ زبان سے نکل جاتے تھے۔ آخر یہی الفاظ کہتے کہتے روح مبارک سینہ تک آ گئی، بعض روایات میں ہے کہ آخری لمحات میں "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کے الفاظ زبان اقدس سے نکلتے ہوئے سنے گئے۔ اور پھر آخر تک یہی الفاظ فرماتے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ فرما رہے تھے۔ الصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز کا اور ان لوگوں کے حقوق کا بہت خیال رکھو جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ آنکھیں چھت کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور انگلی کے اشارہ کے ساتھ زبانِ مبارک سے فرما رہے تھے۔

بَلِ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ یعنی اب خدا کے سوا کوئی دوست نہیں۔" یہ جملہ تیسری مرتبہ زبان مبارک سے ادا ہوا تھا کہ روح اقدس جسم مبارک سے عالم بالا کی جانب پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب فاطمہؓ نے چہرۂ مبارک کو جھک کر دیکھا اور روتے ہوئے عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ نے اپنے رب کے بلاوے کو منظور کر لیا۔"

وفات شریف کی خبر ہوا کی طرح تمام مدینہ میں پھیل گئی۔ ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ مسلمانوں کی عقلیں اڑ گئیں۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور اکرمؐ وفات کر گئے۔ ایک کہرام عام تھا۔ بعض صحابہؓ حجرہ مبارک کی چوکھٹ سے سر ملنے لگے، یہاں تک کہ عبداللہ بن انیسؓ اسی صدمے سے انتقال کر گئے۔ حضرت بلالؓ مدینہ کی گلیوں میں لوگوں سے پوچھتے پھر رہے تھے کہ اے اللہ کے بندو! تم نے کہیں میرے آقا کو دیکھا ہو تو بتا دو؟ حضرت ذویبؓ صحابی فرماتے ہیں کہ میں مدینہ سے ۸ میل کے فاصلہ پر تھا اور سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے ہوئے سنا۔ قُبِضَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ ۔ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ میں گھبرا کر اٹھا اور مدینہ میں آیا تو لوگوں کو اس طرح روتے ہوئے دیکھا جیسے مکہ میں لبیک کا شور ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو آنحضرتؐ کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ یہ خبر غلط ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تلوار نکال لی تھی اور کہتے تھے کہ "جو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ انتقال کر گئے اس کی گردن مار دوں گا۔"

حضرت صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں کی بے چینی اور پریشانی کا عالم دیکھا تو مسجد نبویؐ میں منبر رسولؐ سے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے

تشریف لے گئے لیکن ہم جس خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ زندہ اور قائم ہے، لہٰذا اے اللہ کے بندو! اپنے آپ کو سنبھالو اور کوئی ایسی بات مت کرو جو حضورؐ کی تعلیم کے خلاف ہے"۔

اس تقریر نے لوگوں کے دلوں میں سکون پیدا کیا اور مسلمان مسجد نبویؐ میں صبر و سکون سے بیٹھ کر آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ اور دوسرے چند صحابہ کا خیال تھا کہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین سے پہلے جانشین کا انتخاب کر لیا جائے۔ تاکہ اندرونی و بیرونی دشمنوں کی طرف سے جو حملے وغیرہ کے خطرات ہیں وہ دور ہو جائیں یا ان کے سدباب کے لئے ایک نظام قائم ہو جائے۔ چنانچہ اس قصہ کے طے ہونے میں دیر لگی۔ پیر کا دن اور منگل کی رات گذرنے کے بعد منگل کے دن میں آپؐ کو غسل دیا گیا۔ وصیت کے مطابق جسم سے کپڑے نہیں اتارے گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ غسل دینے کی خدمت انجام دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ کے دو صاحبزادے کروٹیں وغیرہ بدلوانے میں مدد کر رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ اور حضرت شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے۔ غسل کے لئے قبا سے پانی لایا گیا تھا۔ حضرت علیؓ جسد اطہر کو اپنے ہاتھ سے کپڑوں کے اوپر سے ملتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: "میرے ماں باپ آپؐ کے اوپر قربان ہوں آپؐ کا جسم کتنا نرم اور خوشبودار ہے"۔

غسل شریف کے بعد آپؐ کے تہبند اور قمیص کے پانی کو آہستہ سے نچوڑ دیا گیا اور پھر یمن کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں آپؐ کو کفنا دیا گیا۔

غسل و کفن سے فارغ ہو کر آپؐ کی میت مبارک کو حسب وصیت حجرہ اقدس ہی میں رکھ دیا گیا۔ پہلے اہل بیت کے مردوں نے پھر عورتوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد مہاجرین و انصار نے نماز پڑھی۔ پھر عام عورتوں اور بچوں نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ منگل کا دن اور سب دن کی آدھی رات کے بعد حجرہ مبارکہ میں حضرت ابوطلحہؓ کی کھودی ہوئی قبر میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور انکے صاحبزادوں نے مل کر جسم اطہرؐ کو قبر شریف میں اتار دیا۔

چہرہ انور سے کفن ہٹا کر سب نے زیارت کی، حضرت علیؓ نے دیکھا کہ غسل کا پانی حلقہ چشم میں جمع ہو گیا ہے لہذا آپؓ نے زبان لگا کر چاٹ لیا، یہ سعادت حضرت علیؓ کے علاوہ کسی کو نہیں ملی۔

لحد شریف کو کچی اینٹوں سے چھپا دیا گیا اور سب لوگ قبر سے باہر آگئے، تمام مسلمانوں نے مٹی ڈالی اور قبر شریف کو اونٹ کی پشت کی مانند بنا دیا۔ حضرت بلالؓ نے ایک مشکیزہ پانی قبر شریف پر چھڑک دیا تاکہ مٹی بیٹھ جائے۔ اسامہ بن زیدؓ اور ان کا تمام لشکر مدینہ میں آگیا تھا اور کونین کے اس سب سے بڑے خزانہ کو پاک زمین کے حوالہ کرنے میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔ فوجی علم قبر شریف کے سامنے کھڑا کر دیا گیا تھا۔

آقائے کونینؐ نے رحلت کے بعد جو میراث چھوڑی اس میں پیاری بیٹی فاطمہؓ تھیں چند پرانے کپڑے، ایک سفید خچر، کچھ ہتھیار اور زمین و باغ وغیرہ تھا۔

(بخاری، فتح الباری، ابن ہشام، بیہقی، خصائص کبریٰ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے متعلق تاریخی تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ بعد

کے زمانہ میں کئی اہم تبدیلیاں کی گئیں، بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ ۵۳۱ھ تک قبر شریف حجرہ مبارکہ میں تمام در کھلی ہوئی تھی، حجرے میں داخل ہونے والے اپنی آنکھوں سے قبر شریف کو دیکھتے اور سلام پڑھتے تھے۔ مگر سنہ ۵۴۵ھ میں تم کی سکے سلطان نورالدین شہید نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرتﷺ دو سفید ریش نصرانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ میری قبر تک پہونچنے کی کوشش کر رہے ہیں تم فوراً ان کا انتظام کرو۔ سلطان گھبرا کر اٹھا، وزیر کو ساتھ لے کر ایک بڑی فوج کے ہمراہ مدینہ پہونچا اور تمام شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں رہنے والوں کا جائزہ لیا مگر وہ دونوں نصرانی اسے نظر نہیں آئے۔ کافی جستجو کے بعد کسی نے کہا کہ مدینہ کا کوئی باشندہ ایسا نہیں ہے جو آپ کے سامنے نہ آچکا ہو، صرف دو برگزیدہ اور عبادت گذار شخص رہ گئے ہیں جو مزار شریف سے متصل ایک مکان میں عبادت میں مشغول ہیں۔ سلطان نے ان کو دیکھا اور پہچان لیا دونوں کو گرفتار کر لیا پھر ان کے قیام کی جگہ کو غور دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ مکان کے اندر سے قبر شریف تک پہونچنے کے لئے سرنگ کھود رہے ہیں اور ایک لمبی سرنگ کھود چکے ہیں۔ سلطان نے دونوں کو قتل کرا دیا اور سرنگ کو بند کرا کر آئندہ کی حفاظت کے خیال سے حجرہ مبارکہ کی چاروں دیواروں کو گہری اور سیسہ پلائی ہوئی بنیادوں پر تعمیر کرا دیا۔ میں نے خود مدینہ طیبہ کی حاضری کے وقت خدام مزار سے جو حالات معلوم کئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ حجرہ کی دیواروں میں کوئی دروازہ نہیں ہے اور انہی دیواروں پر گنبد خضرا بنایا گیا ہے۔ پھر اس بند حجرے کے چاروں طرف ایک بڑا کمرہ تعمیر کیا گیا ہے، اندر جانے والے اسی کمرہ میں جا سکتے ہیں۔ قبر شریف تک پہونچنے کا

کوئی راستہ نہیں ہے۔ حجرہ کی دیواروں سیاہ غلاف سے چھپی ہوئی ہیں اور صرف کمرہ کی دیواروں میں جالیاں وغیرہ لگی ہوئی ہیں۔ باہر سے نظر ڈالنے پر سیاہ غلاف کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ (رحمت دو عالمؐ)

حلیہ مبارکؐ

تمام علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کمالات نبوت آنحضرتؐ کی ذات پر ختم کر دیئے تھے اسی طرح جسمانی طور پر بھی آپ کو اعلیٰ صفات سے مزین فرمایا تھا جس قدر انبیائے کرام اس دنیا میں مبعوث فرمائے گئے ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی زندگی کے صحیح خط و خال کو تاریخ میں محفوظ کیا گیا ہو، یہ خصوصیت صرف سرکار ابد قرار کو عطا کی گئی کہ آپ کے تبلیغی کارناموں کے ساتھ ایک ایک عضو شریف کے حسن و جمال کو قرآن و حدیث میں اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ دنیا باوجود ہزار کوشش کے اسے مسخ نہیں کر سکی ہے صحابہ کرامؓ جب آپؐ کے جسم کا جمال بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کانی انظر یعنی ایسا لگتا ہے کہ ہم آج بھی آپؐ کو دیکھ رہے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں اعضائے شریفہ کا حال جب عاشقان محمدیؐ کی نظر سے گذرتا ہے تو آپ کی ذات نگاہوں کے سامنے جلوہ گر نظر آنے لگتی ہے ذات گرامی بہر نوعیت حسن و جمال کا ایک بے مثال پیکر تھی۔ قدرت نے ایسے حسین سانچے میں ڈھالا تھا کہ اس کی نظیر نہیں نظر آتی۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں انہ لم یظہر تمام حسنہ والا لما طاقتہ الاعین رویتہ۔ اگر آپؐ کا تمام حسن ظاہر ہو جاتا تو کوئی آنکھ آپؐ کو نہ دیکھ سکتی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوب صورت اور خوش الحان

پیدا فرمایا ہے۔ مگر ہمارے نبی ﷺ کو سب سے زیادہ حسین اور خوش خلق بنایا کر آپ کے حسن و جمال کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ صورت شریفہ کا منظر نبوت کی بہت ہی نمایاں دلیل تھا۔ حضرت ابن رواحہؓ فرماتے ہیں کہ چہرہ مبارک کا نور اظہار نبوت کے لئے کافی تھا۔

سر مبارک کے متعلق حدیث میں عظیم کا لفظ آیا ہے محدثین نے اس سے ایسا عظیم مراد لیا ہے جو اعتدال سے زبردستے۔ زرقانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا مگر اعتدال سے زیادہ نہیں تھا کیوں کہ زیادہ عظیم بلادت کی علامت ہے اور زیادہ چھوٹا ہونا خفت کی دلیل ہے۔

بالوں کے متعلق ابن عساکر نے سعد ابن وقاص سے روایت کی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید سواد الراس واللحیۃ یعنی آنحضرتؐ کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ تھے۔ بالوں میں چمک تھی اور گھومے ہوئے تھے۔

چہرہ انور کے متعلق بہت سی روایات پائی جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں قد نری تقلب وجہک فی السماء آپ ہی کے چہرہ شریف کے متعلق فرمایا گیا ہے حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کا چہرہ ایسا تھا جیسے حلقہ قمر۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اگر آپؐ انسان کے سوا کچھ اور ہوتے تو چودھویں کا چاند ہوتے۔ حضرت براءؓ سے پوچھا گیا۔ کان وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل السیف قال لا بل مثل القمر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز حضورؐ سے خوب صورت نہیں دیکھی آفتاب آپؐ کی پیشانی میں چلتا تھا خوشی کے وقت چہرے کے

خطوط چمکنے لگتے تھے۔ علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ حسن وجمال میں اپنا کوئی شریک نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ کا جوہرِ حسن غیر منقسم تھا۔ چہرہ انور کے لیے جتنی تشبیہات ملتی ہیں ان سب سے زیادہ کامل تشبیہ بدرِ کامل کی ہے کیونکہ ماہِ کامل کو جو حلاوت اور دل آویزی حاصل ہے وہ سورج کو کہاں میسر؟ صحابہ کرامؓ ہمیشہ بدرِ کامل کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں داخل ہوتے وقت استقبال کرنے والوں کا یہ شعر پڑھنا آج بھی بدرِ کامل ہونے کی شہادت دیر ہا ہے

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا ⁕ مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

پیشانی اور ابرو کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر جبین انور کے متصل بالوں کی سیاہی نہ ہوتی تو نگاہوں کا پیشانی پر ٹھہرنا مشکل ہو جاتا مشتاقانِ جمال جب کبھی ہمت کر کے پیشانی پر نظریں ڈالتے تو ان کو روشن چراغ کا دھوکا ہوتا۔ زرقانی کی روایت ہے کہ آپ کی پیشانی چوڑی، واضح اور صاف تھی۔ بیہقی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپؐ کی پیشانی بڑی جسم خوب صورت اور ابرو مبارک باریک تھے حضرت حسان ابن ثابتؓ فرماتے ہیں جب اندھیری رات میں آپؐ کی پیشانی ظاہر ہوتی تو چراغ کی طرح چمکتی ہوئی معلوم ہوتی۔ ابرو مبارک باریک خمدار بالوں سے بھرے ہوئے اور غیر پیوستہ تھے۔ دونوں ابرو کے درمیان ایک رگ تھی جو جوش کے وقت ابھرتی تھی۔ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ بھویں کمان دار باریک اور بھری ہوئی تھیں اور دونوں کے درمیان جو رگ تھی وہ جوش کے وقت ابھر آتی تھی۔

انطاکی اور دوسرے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ابرو کا آپس میں ملا ہونا

اہل عرب کو پسند نہیں تھا اور وہ اس کی مذمت کرتے تھے بعض روایتوں میں ابلج کا لفظ صاف طور پر آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بھوؤں کے درمیان کا حصہ بالوں سے صاف ہو۔

آنکھوں کے متعلق قرآنِ کریم نے ارشاد فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی آنکھوں کو دیکھو تو معلوم ہوتا تھا کہ سُرمہ لگا ہوا ہے حالانکہ آپؐ سُرمہ لگائے نہیں ہوتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی دونوں آنکھوں میں سُرخی ملی ہوئی تھی یعنی سفیدی میں سُرخ رگیں تھیں، اسی کو شکل کہتے ہیں اور یہ آپؐ کی خاص صفت تھی۔ اسی سُرخی کو دیکھ کر شام کے سفر میں بحیرہ راہب پکار اٹھا تھا۔ ھٰذا ھُوَ ھُوَ۔ یہی ہیں وہ یہی ہیں وہ۔ بعض حضرات نے آپؐ کے لئے طرف الکحیل کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں سُرمگیں آنکھ والا۔ اس کے ساتھ ہی قوت بصارت کا یہ عالم تھا کہ میدان بدر میں صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں کافروں کی موت کے مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

بڑی بڑی روشن آنکھوں کے ساتھ قدرت نے پلکیں بھی نہایت دراز اور دل رُبا عطا فرمائی تھیں ایک روایت میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعج العینین واھدب الاشفار یعنی آنکھیں آپؐ کی سیاہ اور پلکیں دراز تھیں بینی مبارک پتلی لمبی اور بلند تھی۔ ایک خاص قسم کا نور ہر وقت چھایا رہتا تھا۔ دیکھنے والوں کو مسلسل دیکھنے کی دعوت ملتی رہتی تھی۔ حضرت ہند ابی ہالہ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ اقنی العرنین تھے یعنی لمبی ناک اور بلند ناک والے تھے۔

دہن و دندان ولب کے متعلق روایت ہے کہ حضور اکرمؐ کا دہن مبارک فراخ وسیع تھا۔ اور آپؐ اپنے ہونٹوں کی خوب صورتی کے اعتبار سے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ حسین ولطیف تھے۔ دہن مبارک کے دونوں کنارے حسن ولطافت کا بہترین سرچشمہ تھے، دندان مبارک باریک اور چمک دار تھے، جب کبھی تبسم فرماتے تو بجلی سی چمک جاتی تھی۔ اذا افتر ضاحکا افتر من مثل سنا البرق نیچے کے دونوں دانت اور اوپر کے دونوں دانت آپس میں ملے ہوئے نہیں تھے۔ درمیان میں کچھ فاصلہ تھا۔ اس صفت کو افلج کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔ جو حسن کی علامت ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے دندان مبارک کشادہ تھے گفتگو کے وقت دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ دانت اولوں کی مانند چمکتے تھے۔ لعاب دہن میں عجیب برکتیں رکھی تھیں، بہت سے معجزات لعاب دہن سے ظاہر ہوئے جو آپ انہی اوراق میں پڑھیں گے۔

زبان مبارک سرخ اور خوب صورت تھی۔ کلام شیریں اور نرم تھا۔ لکنت کا شبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان پر آسان کر دیا ہے۔

اذن شریف بیضاوی اور سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ قوت سماعت غایت درجہ کی عطا ہوئی تھی۔

ریش مبارک سیاہ اور گھنی تھی۔ منتشر بالوں کو درست فرما لیتے تھے۔ آخر عمر میں کچھ بال سفید ہو گئے تھے۔

گردن مبارک بلند اور چاندی کی طرح صاف و شفاف تھی۔
سینہ مبارک کشادہ اور بھرا ہوا تھا، سینے سے شکم تک بالوں کی ایک لکیر تھی سینہ انوار الٰہی کا گنجینہ معلوم ہوتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے الم نشرح لک صدرک کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔
شکم شریف سینہ سے قدرے نیچا تھا جس نے خاص قسم کی خوب صورتی اور تناسب پیدا کر دیا تھا۔
قلب شریف کے لئے ارشاد ہوتا ہے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم و لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ ہم نے آپ کو بڑا نرم دل بنایا اگر آپ غلیظ القلب ہوتے تو کوئی بھی آپ کے پاس نہ پھٹکتا۔ ایک دوسری جگہ فرمایا نَزَلَ بِہِ الرُّوحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ اسے روح الامین لے کر تمہارے قلب پر نازل ہوئے۔
پشت مبارک صاف و سفید تھی۔ دونوں شانوں کے درمیان بیضہ کبوتر کے برابر گوشت ابھرا ہوا تھا اور اس میں باریک خطوط تھے۔ یہ مہر نبوت تھی۔ ارشاد ہوتا ہے الذی انقض ظہرک۔ یعنی اس بوجھ کو ہلکا کر دیا جس نے تمہاری پشت کو توڑ رکھا تھا۔
ہاتھ نہ بہت لمبے نہ چھوٹے۔ خوب صورت اور نرم تھے، انگلیاں نازک اور حسین تھیں، ہمیشہ ناخن ترشے ہوئے رہتے تھے۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک اور اپنے ہاتھ اپنی گردن سے لگائے ہوئے نہ رکھیے۔
پائے مبارک گوشت سے بھرے ہوئے تھے، ایڑیوں میں گوشت کم تھا۔

پنڈلیاں باریک اور سفید تھیں چلنے میں ہر قدم وقار و متانت سے اٹھتا اور پڑتا تھا۔ پتھر پر چلتے تو کبھی نرم ہو جاتا اور ریت پر چلتے تو سخت ہو جاتی، چلتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ اوپر سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔

قد زیبا نہ بہت لانبا نہ چھوٹا درمیانی تھا مگر صحابہؓ کے درمیان جب کھڑے ہوتے تھے تو سب سے بلند نظر آتے تھے جسم مبارک کا سایہ نہیں تھا، گویا نور کا چشمہ تھے کہ چاندنی اور دھوپ سب پر غالب تھا۔

رنگ میں سفیدی و سرخی ملی ہوئی تھی یعنی گندمی رنگ تھے جسم سے خوشبو مہکتی رہتی تھی، پسینہ میں عطر کی خوشبو تھی صحابہ کرامؓ بطور عطر کے لگایا کرتے تھے۔

(قرآن کریم، سیرت ابن ہشام، ترمذی، بخاری، زرقانی)

ازواج مطہراتؓ

اس دنیا میں ہر شخص کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی رفیقہ حیات کم عمر اور حسن و شباب کا بہترین مجسمہ ہو تاکہ لطف زیست دل بھر کر حاصل کیا جائے۔ یہ خیال صرف عوام کا ہی نہیں ہوتا بلکہ خواص بھی اسی خیال سے شادی کرتے ہیں، شادی کو گناہوں سے بچنے اور اس کے ذریعہ نیک اولاد کے پیدا کرنے کا خیال بہت کم لوگوں کے سامنے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ بہت گہرے اور کارآمد نتائج کی حامل نظر آتی ہے، خواہشات نفس کی تکمیل کا کوئی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک متعدد شادیوں کی غرض دینی اعتبار سے صرف یہ تھی کہ مختلف گھرانوں اور قبائل سے رشتہ پیدا کر کے دین کو آگے بڑھانے کے لئے راستہ

ہموار اور مستحکم کیا جائے ۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ اس قسم کے تعلقات سے ایک انسان کو کس قدر آسانی رہتی ہے کہ اپنے خیالات کو دوسرے گھروں تک پہنچانے اور بہت سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا کتنا اچھا موقعہ ملتا ہے اس کے علاوہ بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی طرف سے عام طور پر جو نفرت دلوں میں پائی جاتی تھی وہ بھی دور ہو سکے اور لوگ ان غم رسیدہ عورتوں کی طرف بھی توجہ کرنے لگیں آنحضرت کی پہلی شادی کی تفصیلات صاف بتا رہی ہیں کہ آپؐ کے پیش نظر خواہشات نفس کی تکمیل کا ذرہ برابر خیال نہیں تھا بلکہ صرف ایک ہی غرض تھی کہ مکہ کے ایک معزز گھرانے میں شادی کے نتائج پاکیزہ خیالات کی اشاعت میں معاون ثابت ہونگے ۔ پھر چونکہ نیک سیرت بیوی سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ بھی کما حقہٗ حاصل ہو سکیں گے ، چالیس سالہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کر کے ۲۵ سال کا طویل زمانہ ہنسی خوشی گذار دینا آخر کیا معنی رکھتا ہے ؟ اگر حسن و دولت پیش نظر ہوتا تو آپؐ بعثت کے بعد اہل مکہ کی پیش کش کو کبھی نہیں ٹھکراتے جس میں حسن ، دولت اور اعزاز و حکومت سبھی کچھ پایا جاتا تھا ۔ حضرت خدیجہؓ نے جب انتقال کیا تو آنحضرتؐ کی عمر پچاس سال کی تھی ۔ شادی کو ۲۵ سال ہو چکے تھے ، آپؐ نے ان کی موجودگی میں کوئی شادی نہیں کی گویا زندگی کا بہترین دور ایک ایسی خاتون کے ساتھ گذار دیا جو شادی کے وقت چالیس سال کی تھیں اور انتقال کے وقت ۶۵ سال کی تھیں ۔ پھر اس کے علاوہ یہ کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد جس قدر شادیاں کیں ان میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب ہی بیوہ یا مطلقہ تھیں ۔ یہ شادیاں اس وقت کی گئی تھیں جب کہ عمر شریف پچاس سال سے تجاوز کر چکی تھی ، کیا اب بھی کسی

کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپؐ جنسی کیفیت کے زیر اثر شادیاں کیا کرتے تھے؟

ازواج مطہرات کی تفصیلات اور حالات درج ذیل ہیں۔

حضرت خدیجہؓ

والد کا نام خویلد اور دادا کا نام اسد ہے، پانچویں پشت میں آنحضرتؐ سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے آنحضرتؐ سے پہلے دو شادیاں اور بھی ہو چکی تھیں پہلے شوہر کا نام ابوہالہ بن زرارہ تھا اور دوسرے کا نام عتیق بن عائذ۔ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں تو ۴۰ سال کی تھیں، پاکیزہ اوصاف و عادات کی وجہ سے مکہ میں طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں آنحضرتؐ نے ان سے پہلے اور ان کی موجودگی میں کسی سے شادی نہیں کی۔ یہی وہ خاتون ہیں جو سب سے پہلے تائید اسلام کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ آنحضرتؐ کی تمام اولادیں ان ہی سے پیدا ہوئیں۔ صرف حضرت ابراہیمؓ ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے تھے آنحضرتؐ کو ان سے بہت محبت تھی وفات کے بعد جب حضرت عائشہؓ سے آپ نے نکاح کیا تو زیادہ تر حضرت خدیجہؓ کو ہی یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے رشک آتا تھا کہ رسول اللہ ایک بوڑھی عورت کا ذکر اس کثرت سے کیوں کرتے ہیں؟ یہ بہت مالدار خاتون تھیں مگر تمام مال خدمت رسولؐ میں پیش کر دیا جو تبلیغی ضروریات پر خرچ ہوا حضرت خدیجہؓ کے لیے بے شمار فضائل ہیں۔ غار حرا میں جبرئیلؑ اللہ کا سلام لے کر آپ ہی کے لئے آئے تھے۔ یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں ہوا، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تائید اسلام میں ان کی سبقت نے ایمان لانے والی عورتوں کے لئے مثال قائم کی ہے، جو عورت بھی ایمان لائے گی ثواب میں حضرت خدیجہؓ بھی شامل ہوں گی، آنحضرتؐ نے

آپ کو افضل النساء فرمایا ہے۔ حضرت خدیجہؓ آنحضرتؐ کی رضا جوئی کی سخت حریص تھیں۔ ۲۵ سال کی رفاقت کے دوران کبھی آپؓ نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو آنحضرتؐ کے مزاج کے خلاف ہوتی برخلاف آپؐ کی دوسری بیویوں سے ایسی فروگزاشتیں ہوئیں جو مزاج نبوتؐ کو ناگوار ہوئیں (فتح الباری)

عام طور پر مورخین نے تاریخ وفات ۱۰ رمضان سنہ ۱۰ نبوت بیان کی ہے آنحضرتؐ کو آپ کی وفات کا سخت غم ہوا تھا، آپؐ نے اس سال کو عام الحزن فرمایا۔ تاریخ وفات میں ارباب سیر نے ہجرت سے ۳ سال، چار سال اور پانچ سال قبل بھی بیان کئے ہیں۔ (ابن سعد، ابن قیم) آپ مکہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن کی گئیں قبر کا نشان آج بھی موجود ہے اور راقم سطور کو فاتحہ خوانی کا شرف حاصل ہے۔ نماز جنازہ اس وقت تک فرض نہیں ہوئی تھی۔

حضرت سودہؓ

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔ نکاح کے وقت چھ بچوں کی ماں تھیں، پیام وسلام کی خدمت خولہ بنت حکیم نے انجام دی، مومنہ تھیں اور اپنے شوہر سکران بن عمرو کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں، وا پر شوہر کا انتقال ہوا اور پھر آنحضرتؐ کے عقد زوجیت میں آئیں، باپ کا نام زمعہ تھا اور وہ بھی مشرف باسلام ہو چکے تھے، اگرچہ کنواری لڑکیاں بھی موجود تھیں اور ان کے والدین چاہتے بھی تھے مگر آنحضرتؐ کے دل میں امت نوازی کا جذبہ کام کر رہا تھا، یہ بہت صالح خاتون تھیں اور بچوں کی پرورش میں ان کو اچھی مہارت تھی اور ان سے بہت محبت کیا کرتی تھیں۔ آنحضرتؐ نے

ان سے فرمایا۔ اللہ تم پر رحم فرمائے تم بچوں پر مہربان ہو اور شوہر کے حقوق کو بہت ملحوظ رکھتی ہو۔ ان کے بھائی عبد بن زمعہؓ کو جو ایمان نہیں لائے تھے اس نکاح کا سخت صدمہ ہوا، بالوں میں مٹی ڈال کر اظہار غم کیا مگر مسلمان ہونے کے بعد اپنی اس حرکت کو یاد کر کے بہت شرمندہ ہوا کرتے تھے۔ زمانۂ نکاح کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے ایک ماہ بعد شوال کے آخری عشرہ میں عقد ہوا، تاریخ وفات کے متعلق عام مورخین کا بیان ہے کہ ۲۳ھ میں انتقال کیا، حضرت عمرؓ کی خلافت کا آخری سال تھا۔ مدینہ طیبہ میں سپرد خاک کی گئیں (ابن کثیر، ابن سعد، مسند امام احمد)

حضرت عائشہؓ

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے سال میں آنحضرتؐ سے عقد ہوا پھر تین سال بعد مدینہ میں رخصتی عمل میں آئی، اس نکاح میں بھی پیام کی سعادت خولہ بنت حکیم نے حاصل کی۔ آنحضرتؐ کے ساتھ ۹ سال گذارے اگرچہ عمر چھوٹی تھی مگر فہم و فراست قدرت نے اچھی عطا کی تھی، آنحضرتؐ کی بیویوں میں صرف یہی کنواری تھیں۔ والدہ کا نام ام رومان تھا۔ آنحضرتؐ کے پیام سے قبل جبیر بن مطعم بن عدی کا پیام بھی آچکا تھا مگر حضرت ابوبکرؓ چاہتے تھے کہ مطعم اپنے بیٹے کا پیام کسی طرح واپس لے لے آخر یہی ہوا کہ مطعم کی بیوی نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ تم لوگ دین قدیم سے منحرف ہو چکے ہو اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا اپنا دین تمہارے اثر سے چھوڑ دے۔

حضرت عائشہؓ نہایت بڑی عالمہ اور کاملہ تھیں، تفسیر، حدیث اور مشکل مسائل کے حل کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا مسلمان آپ کی خدمت میں مسائل پوچھنے کے لئے اکثر

آیا کرتے تھے، مدینہ میں آپ کے فتوے کو وقعت وصحت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، عربی ادب سے گہرا لگاؤ رکھتی تھیں، شعرائے عرب کے بہت سے اشعار و قصائد ان کو حفظ یاد تھے آنحضرت ؐ کی وفات کے بعد تقریباً ۴۸ سال زندہ رہیں، حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد بعض غلط فہمیوں کی بنا پر جنگ جمل میں حضرت علی ؓ کے خلاف میدان جنگ میں گئیں۔ حضرت علی ؓ نے فوج کو ہدایت کر دی تھی کہ ام المومنین کا احترام مدنظر رکھیں معرکہ جنگ ختم ہونے کے بعد صحیح حالات کا جب علم ہوا تو بہت افسوس کے ساتھ مدینہ آئیں۔ ۱۷ رمضان ۵۸ھ میں امیر معاویہ ؓ کے دور حکومت میں انتقال فرمایا حضرت ابوہریرہ ؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر جنت البقیع میں دوسری ازواج کے مزارات کے قریب دفن کی گئیں۔

حضرت حفصہ ؓ

آپ حضرت عمر ابن خطاب ؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ۵ برس قبل نبوت پیدا ہوئیں ہجرت سے ۳ برس قبل ان کی شادی خنیس سے ہوئی تھی۔ ہجرت کے وقت شوہر کے ساتھ مدینہ آئیں، جنگ بدر میں انکے شوہر زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔ حضرت عمر ؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرت ؐ نے دل جوئی فرمائی اور پھر ۳ شعبان ۳ھ میں ان سے نکاح کر لیا۔ ۴۵ھ کے شعبان میں انتقال ہوا۔ امیر معاویہ ؓ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ مدینہ کے گورنر مروان نے نماز پڑھائی۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے قبر تک پہونچایا۔

حضرت ام سلمہ ؓ

آپ مکہ کی رہنے والی تھیں، باپ کا نام حذیفہ تھا۔ شوہر کا نام عبداللہ بن ابی سلمہ ام سلمہ ؓ کے چچازاد اور آنحضرت ؐ کے رضاعی بھائی تھے، دونوں میاں بیوی مکہ سے

ہجرت کر کے حبشہ گئے اور پھر حبشہ سے مکہ ہوتے ہوئے مدینہ آگئے، ان کے شوہر نامور بہادر تھے، بدر میں خوب لڑے، اُحد میں زخمی ہو گئے اور پھر ۸ جمادی الآخر ۴ھ میں انتقال کر گئے، بہت سے لوگ ان سے شادی کے خواہاں تھے مگر انھوں نے ہر پیغام کو رد کر دیا آنحضرتؐ کے پیام کو خوشی سے قبول کر لیا، عمر اس وقت ۲۵ برس کی تھی۔ نہایت عاقلہ اور سنجیدہ مزاج پایا تھا۔ حدیبیہ کے وقت آنحضرتؐ کے ساتھ تھیں، بہت سی جنگوں میں شریک ہوئیں۔

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے بہت محبت کرتی تھیں آنحضرتؐ نے واقعات شہادت سے مطلع کر دیا تھا علم و فضل میں بڑا درجہ رکھتی تھیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے غم میں دو برس تڑپتی رہیں آخر ۸۴ برس کی عمر میں ۶۳ھ میں وفات فرمائیں۔ ابوہریرہؓ نے نماز پڑھائی۔

حضرت زینبؓ بنت جحش

آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ پہلی شادی زید بن حارثہؓ جو آنحضرتؐ کے متبنیٰ تھے ان کے ساتھ ہوئی تھی مگر زیادہ دن نبھاؤ نہ ہو سکا۔ آخر طلاق ہو گئی آنحضرتؐ نے ۵ھ میں اپنے نکاح میں لے لیا۔ عمر ۳۵ سال کی تھی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت زینبؓ نہایت پارسا اور متقی خاتون تھیں۔ دل کی فیاض تھیں، دستکار تھیں اور جو کماتی تھیں اس کا بڑا حصہ راہ خدا میں خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ سچ بولنے اور خدا سے ڈرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں، حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ وظیفہ ۱۲ ہزار مقرر کیا تھا مگر وہ سب خیرات کر دیا کرتی تھیں اپنا کفن پہلے سے تیار کر کے رکھ لیا تھا وفات کے وقت فرمایا کہ جو کفن حضرت عمرؓ کی طرف سے آئے اسے خیرات کر دینا آنحضرتؐ

کے بعد سب سے پہلے انہی نے وفات پائی۔ سنہ ۲۰ھ میں انتقال ہوا، حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی۔ حضرت زیدؓ سے شادی کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، صحابہؓ میں حضرت زیدؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا نام قرآن میں آیا ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ

آپ مکہ کی رہنے والی تھیں، پہلی شادی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ سنہ ۳ھ میں جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ چند ماہ بعد آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں نکاح کے بعد صرف ۳ ماہ زندہ رہیں اور سنہ ۴ھ میں وفات فرما گئیں آنحضرتؐ نے خود نماز پڑھائی قبر میں اتارا، یہ دوسری بیوی ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کی حیات میں انتقال کیا۔ یہ بیوی صاحبہ غرباء و مساکین سے بہت محبت کرتی تھیں مسلمان ان کو ام المساکین کہا کرتے تھے۔ ان کی عمر انتقال کے وقت ۳۰ برس کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ

یہ ابوسفیان کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی بہن تھیں شوہر عبداللہ کے ساتھ میں مسلمان ہونے کے بعد حبش چلی گئیں تھیں۔ شوہر حبش میں عیسائی ہو گئے اور چند دن کے بعد مر گئے یہ تنہا رہ گئیں۔ آنحضرتؐ نے شاہ حبشہ کو لکھا کہ ام حبیبہؓ کو مدینہ بھیج دو۔ یہ مدینہ آئیں اور آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شاہ حبشہ کی وساطت سے اپنے نکاح کا پیام دیا انھوں نے قبول کر لیا۔ خالد بن سعید اموی ان کی طرف سے وکیل ہوئے اور آنحضرتؐ کی طرف سے وکالت کے فرائض نجاشی شاہ حبشہ نے انجام دیئے، چار سو دینار مہر مقرر ہوا جو نجاشی نے ادا کر دیا، نکاح کے بعد ام حبیبہؓ شرجیل بن حسنہؓ کے ہمراہ خدمت رسولؐ میں آ گئیں یہ آنحضرتؐ کی

کے بعد ۳۲ برس زندہ رہیں اور ۴۴ھ میں بعہد امیر معاویہؓ وفات پائی۔ بعض مورخین نے ان کو حضرت عثمان ابن عفانؓ کی بیٹی لکھا ہے مگر یہ قطعاً صحیح نہیں ہو سکتا۔

حضرت میمونہؓ

یہ خالد ابن ولید کی خالہ تھیں، والد کا نام حارث تھا۔ پہلے شوہر نے طلاق دیدی تو انھوں نے ابو درہم سے شادی کی مگر تھوڑے دن کے بعد بیوہ ہو گئیں۔ بعدہٗ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں اور ۵۱ھ میں انتقال کیا۔

حضرت جویریہؓ

آپ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، انکے شوہر مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔ شوہر کا نام مسافع ابن صفوان تھا۔ ۵ھ میں مسلمانوں نے اس قبیلہ کی شرارتوں سے تنگ آکر چڑھائی کی تھی۔ بہت سے لوگ مارے گئے کچھ غلام اور لونڈی بنا کر مدینہ لائے گئے۔ آنحضرتؐ نے سب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا حضرت جویریہؓ ایک انصاری ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں مگر یہ اس سے خوش نہیں تھیں چنانچہ آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں ایک سردار کی بیٹی ہوں، ثابت سے میرا نباہ نہیں ہوسکے گا۔ آنحضرتؐ نے ثابت کو بلایا اور ۵ تولہ سونا دے کر ان کو خرید لیا اور آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت جویریہؓ کے قبیلہ کے وہ تمام مرد اور عورت جو مسلمانوں کے حصہ میں آئے تھے، سب کو آزاد کر دیا اور کہنے لگے ہم کسی ایسے شخص کو غلامی میں نہیں رکھ سکتے جس کے قبیلہ کی ایک خاتون آنحضرتؐ کی بیوی اور مسلمانوں کی ماں بن چکی ہو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت جویریہؓ کس قدر بابرکت بیوی ہیں کہ ان کی وجہ

سے ان کے قبیلہ کے تمام لوگ آزاد ہو گئے۔

آپ نے ۶۵ برس کی عمر میں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ نماز جنازہ ابو ہریرہؓ نے پڑھائی۔

حضرت صفیہؓ

آپ کا دوسرا نام زینب تھا مگر صفیہؓ کے نام سے مشہور تھیں۔ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی سردار حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں پہلے شوہر کا نام سلام تھا۔ دوسرے شوہر کا نام کنانہ تھا جو خیبر کا رئیس تھا۔ ۷ھ میں حضرت علیؓ نے جب خیبر فتح کیا تو ان کے باپ، بھائی اور شوہر سب مارے گئے۔ بہت سے لوگ قیدی بنا لئے گئے۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ مقام صہبا میں آنحضرتؐ نے قیدیوں کو مسلمانوں میں تقسیم فرمایا تو حضرت صفیہ وحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! صفیہ ایک بڑے سردار کی بیٹی ہیں مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی دوسرے کو دی جائیں۔ لہٰذا ان سے آپ نکاح کر لیں اور وحیہؓ کو دوسری لونڈی دیدیں۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے اصرار پر وحیہؓ کو دوسری لونڈی دیدی اور صفیہؓ کو آزاد فرما کر خود نکاح کر لیا۔ پھر اسی مقام پر صبح کو ولیمہ کی دعوت فرمائی۔ حضرت صفیہؓ فرماتی تھیں کہ میں فتح خیبر کے دن قلعہ میں ایک تخت پر بیٹھی تھی، حضرت علیؓ نے جب در خیبر کو اکھاڑا تو ایک زلزلہ سا آگیا اور میں تخت کے نیچے دہشت کی وجہ سے گر پڑی۔ آپ نے ۵۰ھ میں بعہد امیر معاویہؓ ۶۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ماریہ قبطیہؓ

ان کو شاہ مقوقس نے ۷ھ میں دعوت اسلام کے جواب میں بطور کنیز کے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ایک دوسری کنیز بھی ان کے ساتھ تھیں جن کا نام

سیرین تھا۔ آنحضرتؐ نے دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ماریہؓ فوراً مسلمان ہو گئیں سیرین نے ذرا توقف سے اسلام قبول کیا، آپؐ نے حضرت ماریہؓ سے خود شادی کر لی اور سیرینؓ کو حضرت حسانؓ کے نکاح میں دیدیا۔

مدینہ سے ۲ میل کے فاصلہ پر مقام عالیہ میں ایک باغ میں ان کی سکونت تھی اور اسی جگہ انتقال کے بعد سپرد خاک کی گئیں، مزار کا نشان موجود نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کی اولادؓ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے معاملہ میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر چھ بچوں کے سلسلہ میں سب متفق ہیں یعنی حضرت قاسمؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت ابراہیمؓ۔ آپ کی تمام صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ دیکھا اور سب نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ صاحبزادوں نے کم عمری کے زمانہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ بعض مورخین دو صاحبزادوں کا نام اور بیان کرتے ہیں ایک حضرت طاہرؓ دوسرے حضرت طیبؓ۔ اس روایت کے اعتبار سے آٹھ اولادیں ہوئیں، چار لڑکے اور چار لڑکیاں۔ سب حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئے تھے صرف حضرت ابراہیمؓ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں۔ تمام بچوں کے مختصر اور مستند حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت قاسمؓ

آپ نبوت سے ۱۲ سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکے سات دن کے ہو کر یا بروایت دیگر دو برس کے ہو کر انتقال فرما گئے۔ آنحضرتؐ نے انہی کے نام پر اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔

حضرت زینبؓ

یہ آنحضرتؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ انکے شوہر کا نام ابوالعاصؓ تھا، یہ حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، جنگ بدر میں کفار مکہ کے ہمراہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے، گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے۔ حضرت زینبؓ جو مکہ میں تھیں انھوں نے گلے کا ہار فدیہ میں بھیج کر رہا کرا دیا تھا، جب یہ ہار آنحضرتؐ کے پاس پیش ہوا تو آپؐ نے رو کر فرمایا۔ آج مجھے خدیجہؓ یاد آگئیں۔ یہ ہار انھوں نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا مسلمانوں نے ہار لینے سے انکار کر دیا اور ابوالعاص کو بلا فدیہ چھوڑ دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اچھا جاؤ، مگر زینبؓ کو مدینہ بھیجدینا ابوالعاص گئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد خود بھی مدینہ آکر مسلمان ہو گئے۔ حضرت زینبؓ نے آنحضرتؐ کی حیات ہی میں انتقال فرمایا۔

حضرت زینبؓ مکہ میں نبوت سے ۱۴ برس پہلے پیدا ہوئی تھیں انھوں نے اپنی والدہ کے ساتھ اسلام کی تائید کی، شوہر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا، چونکہ جدائی کا کوئی حکم نافذ نہیں ہوا تھا اس لئے یہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہتی رہیں۔ جب علیحدگی کا حکم آیا تو شوہر نے طلاق دینے سے انکار کر دیا چونکہ مسلمان زیادہ طاقتور نہیں تھے اس لئے خاموش ہو گئے۔ بدر کے بعد ابوالعاص ۶ھ میں مدینہ آکر مسلمان ہوئے تو آنحضرتؐ نے ساتھ رہنے کا حکم دیا مگر اس کے بعد حضرت زینبؓ صرف ایک سال زندہ رہیں اور ۸ھ میں انتقال کر گئیں ام ایمنؓ، ام سلمہؓ اور حضرت سودہؓ نے غسل دیا۔ آنحضرتؐ اور شوہر نے قبر میں اتارا۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت رقیہؓ — یہ حضرت زینبؓ کے بعد پیدا ہوئی تھیں، پہلی

شادی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی مگر اس نے بر بنائے مخالفت طلاق دلوا دی۔ دوسری شادی حضرت عثمان ابن عفانؓ سے ہوئی دو مرتبہ مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی اور تیسری مرتبہ حبشہ سے مدینہ آئیں، کئی ماہ بیمار رہ کر رمضان سنہ ۲ھ میں بدر کے دن انتقال فرمایا مسلمان بدر میں جنگ کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ کے حکم سے زید ابن حارثہؓ فتح کی خبر سنانے مدینہ آئے تو مسلمان ان کو سپرد خاک کر کے واپس ہو رہے تھے۔ انتقال کی تاریخ ۲۲ رمضان سنہ ۲ھ ہے۔

حضرت اُم کلثوم

آپ حضرت رقیہ سے چھوٹی تھیں، نبوت سے ۶ برس قبل پیدا ہوئی تھیں حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ اور حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی، شادی کے بعد صرف ۶ سال زندہ رہیں اور سنہ ۹ھ میں انتقال فرمایا! آنحضرتؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ

حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں میں اگرچہ سب سے چھوٹی تھیں مگر مرتبہ میں سب سے بلند ہیں۔ نبوت کے تیسرے سال ۲۰ جمادی الآخر کو جمعہ کے دن مکہ میں پیدا ہوئیں بعض نے ان کی پیدائش نبوت کے پہلے سال بیان کی ہے پندرہ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں حضرت علیؓ سے شادی ہوئی۔ ذالحجہ کا مہینہ تھا اور سنہ ۲ھ کے ختم ہونے میں چند دن باقی تھے۔ آنحضرتؐ کی اولادوں میں صرف یہی رہ گئی تھیں دوسرے کسی دوسری صاحبزادی کے کوئی اولاد بھی نہیں تھی اس لئے آپؐ ان سے اور ان کے بچوں سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ تبلیغ کے زمانہ

میں کفار مکہ کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کے مناظر آنکھوں سے دیکھتی تھیں کبھی بے چین ہو کر رونے لگتی تھیں تو آنحضرتؐ تسلی دیا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کو آنحضرتؐ سے بے پناہ محبت تھی آنحضرتؐ کی وفات سے آپ کو بڑا رنج پہونچا اور پھر اسی غم میں بیمار رہنے لگیں آخر ۳ رمضان ۱۱ھ میں منگل کے دن اس دار فانی سے رُخصت ہو گئیں۔ حضرت عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور فضل ابن عباسؓ نے قبر میں اتارا، وصیت کے مطابق رات کے وقت دفن کی گئیں امام حسنؓ اور امام حسینؓ تنہا موجود تھے حضرت فاطمہؓ کے پانچ بچے ہوئے حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ زینبؓ اور ام کلثومؓ۔ بعض مورخین ایک صاحبزادی اور بھی بیان کرتے ہیں جن کا نام رقیہ تھا۔ حضرت محسنؓ بچپن میں انتقال کر گئے، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے حالات سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوتے ہیں۔ صاحبزادیوں کے نکاح میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر یہ سب کے نزدیک مُسلمہ ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ اولاد کا سلسلہ صرف حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے چلا۔ آنحضرتؐ کو حضرت فاطمہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ آپؐ ان کو اپنے گوشت کا ٹکڑا فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا، حضرت فاطمہؓ ہر اعتبار سے سیدۃ النساء تھیں صبر و شکر و عبادت اور اخلاق و محبت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں شوہر کی اطاعت، بچوں کی تربیت اور خوف خدا ان کے خصوصی اوصاف تھے۔

حضرت ابراہیمؓ

آنحضرتؐ کے آخری صاحبزادے ہیں ۸ھ میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے۔

تاریخ مصطفےؐ

والدہ صاحبہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہؓ ہے۔ آنحضرتؐ نے ساتویں دن عقیقہ کیا بالوں کے برابر چاندی خیرات کی عمر کے متعلق اختلاف ہے، ۲ ماہ، ۷ ماہ اور ۱۸ ماہ بیان کئے جاتے ہیں، اکثریت کا بیان ہے کہ ۱۸ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ نزع کی حالت میں آنحضرتؐ نے گود میں اٹھالیا اور رونے لگے، انتقال کے بعد ایک چھوٹی چارپائی پر بقیع میں لائے گئے، آنحضرتؐ نے نماز پڑھائی اور فضل ابن عباسؓ اور حضرت اسامہؓ نے قبر میں اتارا، آپ کی والدہ مدینہ کے پاس عالیہ گاؤں کے ایک باغ میں رہا کرتی تھیں جب یہ پیدا ہوئے تو ابورافعؓ نے آنحضرتؐ کو اطلاع دی تھی۔ آپؐ نے خوش ہو کر ایک اونٹ اور ایک غلام انعام میں عطا کیا۔ جس دن وفات پائی تو اسی دن اتفاق سے سورج گرہن ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ابراہیمؑ کی وفات کا اثر ہے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا چاند و سورج اللہ کی نشانیاں ہیں، ان پر کسی کی موت کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ (تاریخ اسلام)

اشیائے متروکہ

انبیائے کرام چونکہ اصلاح اعمال کی غرض سے مبعوث فرمائے جاتے ہیں اس لئے ان کا مطمح نظر مال نہیں ہوتا ہے بلکہ انکے متروکات میں ان کی تعلیمات اور اخلاق واعمال کے نمونے ہوتے ہیں اور یہی وہ جوہر ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے والباقیات الصالحات کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ اور اگر ساز و سامان سے متعلق کوئی چیز ہوتی بھی ہے تو وہ بھی ملک و قوم ہی کے لئے ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ؐ حیات طیبہ میں ہی ارشاد فرما چکے تھے کہ لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ "ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑتے ہیں وہ مسلمانوں کا حق ہے"۔

بہرحال عام روایات کے مطابق آنحضرت ؐ کے متروکات میں کچھ زمین، سواری کے جانور اور کچھ ہتھیار تھے، زمین مدینہ اور خیبر میں تھی۔ فدک میں چند باغ تھے مدینہ کی زمین کے متعلق روایت ہے کہ وہ جس وقت آپ ؐ کو ملی تھی اسی وقت آپ نے مستحقین میں تقسیم کر دی تھی (بخاری)

خیبر اور فدک کی جائداد آپ ؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول نے عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے وقف کر دی اس سلسلہ میں مسلمانوں کے دو بڑے اور قدیم گروہوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل شیعہ کا خیال ہے کہ نبی ؐ کی وراثت انکے گھر والوں میں

تقسیم ہونا چاہیے تھی اہل سنت مذکورہ بالا احدیث کے مطابق سامان متروکہ کو مسلمانوں کی ملکیت سمجھتے ہیں چنانچہ خلفاء راشدین نے اسی پر عمل کیا۔

جانور

طبری اور واقدی کی روایتوں میں جانوروں کی طویل فہرستیں ملتی ہیں مگر ناقدین روایات نے ان کو بے سند قرار دیا ہے[1] احادیث صحیحہ میں مندرجہ ذیل جانوروں کا ذکر ملتا ہے۔

لحیف:۔ یہ عربی نسل کا گھوڑا تھا اور ابی بن عباس کے باغ میں بندھا کرتا تھا رنگ، عمر اور اوصاف کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

عفیر:۔ یہ ایک تندرست اور فربہ گدھا تھا۔ آپؐ اس پر کبھی کبھی سوار ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو بھی اس پر اپنے پیچھے بٹھایا تھا۔

قصواء:۔ یہ بہت تیز رفتار اونٹنی تھی، آپؐ نے اس کو مکہ میں ہجرت کے وقت حضرت ابو بکرؓ سے خرید کیا تھا اور پھر اسی پر بیٹھ کر مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے یہی اونٹنی ہے جو مدینہ میں حضرت ابوایوبؓ کے دروازہ پر بیٹھ گئی تھی، آپؐ نے اس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ مامور من اللہ ہے لہذا کسی کو روکنا نہیں چاہیے جہاں حکم ہوگا وہیں بیٹھے گی۔

اسی اونٹنی پر بیٹھ کر آپؐ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تھا۔ یہ ہمیشہ سب سے آگے رہتی تھی، کوئی جانور اس سے آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی مسلمان کا اونٹ بھاگ کر آگے نکل گیا صحابہؓ کو افسوس ہوا اور دیہاتی کی یہ جرأت ناگوار ہوئی آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ سر اٹھانے والوں کو پست کر دیتا ہے (بخاری)

قصواء کا دوسرا نام عضباء بھی تھا۔

دُلدل :۔ یہ ایک خوب صورت خچر تھا۔ اکثر روایتوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، محدثین کا بیان ہے کہ یہ خچر آنحضرت ؐ کو شاہ مقوقس نے آپ ؐ کو تحفۃً بھیجا تھا۔ دو اور خچروں کا ذکر ملتا ہے ایک وہ جو رئیس ایلہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر پیش کیا تھا یہ سفید تھا اور خوبصورت تھا۔ ایک دوسرا سفید خچر فروہ بن نفاثہ جذامی نے تحفہ کے طور پر دیا تھا غزوہ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے، یہ بہت وفادار اور آنحضرت ؐ کا پسندیدہ تھا (فتح الباری)

سامان جہاد

دشمنوں کے حملوں کو روکنے اور جوابی کارروائی کے لئے آنحضرت ؐ کے پاس جو سامان جہاد تھا ان میں نو تلواریں۔ سات زرہیں، ایک ترکش، ایک ڈھال، پانچ برچھیاں، دو لوہے کے مغفر، چند سیاہ و سفید علم اور تین عدد جبے تھے۔

تلواروں کے نام ماثور، عضب، ذوالفقار، قلعی، تبار، حتف، مخذم اور قضیب تھے، ماثور آنحضرت ؐ کے والد حضرت عبداللہ کی تھی جو ورثہ میں ملی تھی، ذوالفقار بدر کی یادگار تھی اور اسی جنگ میں آپ ؐ کو ملی تھی۔ زرہوں کے نام ذات الفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضہ، تبراء، اور خرنق تھے، یہ سب لوہے کی تھیں اور آپ ؐ جنگ کے وقت استعمال کیا کرتے تھے ایک مرتبہ دو زرہیں بیک وقت پہنی تھیں بخاری کی روایت ہے کہ ذات الفضول کو آپ ؐ نے ایک مرتبہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھا تھا۔ کمانوں کے نام زوراء، روحاء، صفراء، بیضاء، کتوم اور شداد تھے کتوم غزوہ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ ترکش کا نام کافور اور ڈھال کا نام زلوق تھا

مغفروں کے نام موشح اور سبوغ تھے اور سیاہ علم کا نام عقاب تھا جسے دیباکے اور سبز رنگ کے تھے۔

تبرکات

مذکورہ بالا سامان کے علاوہ کچھ اور بھی چیزیں تھیں جن کو لوگوں نے بطور تبرک بہت احتیاط سے رکھ چھوڑا تھا مثلاً موئے مبارک حضرت ابو طلحہؓ اور حضرت انسؓ کے پاس تھے، ان کے پاس آپؐ کی نعلیں اور ایک پیالہ بھی تھا جو لکڑی کا تھا اور اس کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا تھا جسے چاندی کے باریک تاروں سے باندھ دیا گیا تھا حضرت عائشہؓ کے پاس چند کپڑے تھے، کہا گیا ہے کہ یہ وہی کپڑے ہیں جو انتقال کے وقت آپ پہنے ہوئے تھے۔

عصائے مبارک اور انگوٹھی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ کو ملی پھر ان کے بعد حضرت عثمان ابن عفانؓ کے پاس آئی اور کچھ عرصہ کے بعد انگوٹھی ان کے ہاتھ سے نکل کر ایک کنوئیں میں گر گئی اور عصائے شریف ایک شخص جہجاہ غفاری نے ضائع کر دیا۔

خانۂ مبارک

آپؐ نے مکہ میں کوئی مکان تعمیر نہیں کیا۔ ۲۵ برس کی عمر تک حضرت ابو طالبؓ کے گھر رہے پھر شادی ہو گئی اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ان ہی کے مکان میں رہنے لگے، ہجرت کے بعد تقریباً ۶ ماہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں رونق افروز رہے اہل و عیال جب مدینہ آئے تو آپؐ نے مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ چند حجرے بھی تعمیر فرمائے اور پھر آخر وقت تک انہی حجروں میں رہے،

قیام پذیر رہے - یہ سب حجرے بہت چھوٹے چھوٹے تھے - ان میں دالان اور صحن بھی نہیں تھا - دیواریں پتھر اور مٹی سے بنائی گئیں تھیں، چھت کھجور کی شاخوں وغیرہ سے تیار کی گئی تھی اور بہت اونچی نہیں تھی، ہاتھ پہونچ جاتا تھا، پردہ کی غرض سے دروازوں پر پردے پڑے تھے جو بالوں سے تیار کئے گئے تھے بعد میں لکڑی کے دروازے لگائے گئے -

ایک حجرے پر بالاخانہ بھی تھا مگر آپؐ ہی کے لئے مخصوص تھا تفصیل پچھلے اوراق میں) گذر چکی ہے اس بالاخانہ میں ایک چٹائی اور ایک چمڑے کا تکیہ ہوا کرتا تھا۔ وفات شریف کے بعد یہ حجرے ازواج مطہرات کے قبضے میں رہے' ابن سعد کا بیان ہے کہ ان حجروں کو کسی زمانہ میں امیر معاویہؓ نے خرید لیا تھا۔

ابن سعدؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۸۸ھ میں عمر ابن عبدالعزیزؒ جب مدینہ کے حاکم اعلیٰ تھے تو انھوں نے ان حجروں کو توڑ کر مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا تھا۔ مدینہ میں اس دن جب یہ حجرے توڑے جارہے تھے تو مسلمان اس یادگار نبویؐ کے مسمار ہونے پر آنسو بہارہے تھے۔

مورخین نے اگرچہ عمر ابن عبدالعزیزؒ کے اوصاف بکثرت بیان کئے ہیں مگر ہمارے خیال میں ان کا یہ فعل مناسب نہیں تھا، وہ حجرے جو دست مبارک سے خود آنحضرتؐ کی نگرانی میں تیار کئے گئے تھے ان کا تاریخی اعتبار سے باقی رکھنا ضروری تھا۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ چند حجرے حضرت عثمانؓ نے بھی توڑ کر مسجد میں شامل کر دیئے تھے۔

ام ایمن ؓ یہ حبشی نسل کی کنیز تھیں حضرت عبداللہؓ کی خرید کردہ

تھیں اور آنحضرتؐ کو والد کے ترکہ میں ملی تھیں۔ آنحضرتؐ نے آنکھ کھولی تو یہ گھر میں موجود تھیں، حضور اکرمؐ ان کی گود میں پلے تھے اور ان کو آپؐ کی دایہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت یہ موجود تھیں اور حضورؐ کو مدینہ سے مکہ لائیں اور حضرت عبدالمطلب کے حوالہ کیا، اللہ تعالیٰ نے خاصی لمبی عمر عطا فرمائی تھی اور وفات شریف تک زندہ رہیں۔ آنحضرتؐ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور ادب بھی کرتے تھے جب بلاتے تو ماں کہہ کر آواز دیتے تھے، اکثر ان کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے "یہ ہمارے خاندان کی نشانی رہ گئی ہیں" حضرت اسامہؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، شوہر کا نام حضرت زیدؓ تھا جو آنحضرتؐ کے خادم خاص اور لے پالک تھے۔ حضرت ام ایمنؓ کو رسالت مآبؐ سے قلبی لگاؤ تھا ہمیشہ ساتھ رہیں یہاں تک کہ غزوات میں بھی تشریف لے گئیں مجاہدین کی خدمت اور زخمیوں کی مرہم پٹی مشغلہ تھا۔

خادمانِ نبوتؐ

حضرت بلالؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت انسؓ کے نام خاص طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ حافظ قرآن تھے، نزول قرآن کے وقت سے آنحضرتؐ کے پاس تھے اور اشاعت قرآن کی خدمت کیا کرتے تھے۔ شکل میں آنحضرتؐ سے مشابہ اور رازدار بھی تھے۔ سفر و حضر ہر جگہ ساتھ رہتے تھے۔ بستر، پانی، نعلین اور مسواک وغیرہ کا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ راستہ میں آگے چلتے تھے اور مجلس میں بیٹھنے کے وقت نعلین اٹھا کر بغل میں دبا لیتے تھے، ابن مسعودؓ کا یہ طریقہ صرف ادب اور احترام تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی، اخلاق و عادات میں آنحضرتؐ

سے اس قدر ملتے جلتے تھے کہ لوگ دھوکہ کھاتے تھے۔

حضرت بلالؓ حبشی نسل کے تھے، اذان کے علاوہ بازار کی ضروریات بھی انجام دیا کرتے تھے۔ مہمانوں کے کھانے کا انتظام ضرورت کے وقت قرض لانا اور پھر ادا کرنا انہی کے سپرد تھا۔ مفصل حالات ہجرت سے قبل کے واقعات میں دیکھئے۔

حضرت انس بن مالکؓ مدینہ کے باشندے تھے، ماں نے دس برس کی عمر تھی کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور خادم پیش کیا تھا۔ وفات شریف تک خدمت رسولؐ کے فرائض انجام دیتے رہے، بچے تھے اس لئے گھر کے اندر بے تکلف آتے جاتے تھے اور معمولی کام انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ وفات شریف کے بعد مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے اور آخر تک اسی خطہ میں مقیم رہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے خادموں، غلاموں اور کنیزوں میں عقبہ بن عامرؓ، سلع بن شبریکؓ، ابوذر غفاریؓ، زید بن حارثہ، اسامہ بن زیدؓ۔ اسلم ابو رافعؓ، ثوبانؓ، ابو کبشہؓ، شقران، رباح نوبی، انجشہ، سفینہ، ابو مشروع، طہمان، فضالہ، افلح و حنین وغیرہ کے نام بھی بیان کئے ہیں۔

کنیزوں میں سلمٰی ام رافع، میمونہ بنت سعد، خضیرہ، رضوی، رشیحہ اور ریحانہ کے ناموں کا ذکر کیا ہے مگر اتنے خدمت گاروں کے ہوتے ہوئے خدمت لینے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اکثر کام اپنے ہاتھ ہی سے کر لیا کرتے تھے۔

(بخاری، فتح الباری، ابوداؤد، ادب المفرد، مسلم)

عبادت و ریاضت

زندگی کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت یہ ہے کہ رُوح اپنے منبع فیوض سے ربط و اتصال قائم رکھے کیوں کہ بقائے دوام کا اس سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا، کوئی رُوح جب اپنے مرکز سے دور ہو جاتی ہے اور تعلق منقطع کر لیتی ہے تو پھر عقل و شعور کے نظام درہم برہم ہو کر فکر و نظر کے توازن کو بگاڑ دیتے ہیں انسان وحشت و حیرت کا شکار ہو کر مادی اشیاء کو منتہائے مقصود سمجھنے لگتا ہے

اگرچہ تمام مذاہب نے انسان کو اس روحانی مایوسی سے بچانے کے لئے مختلف طریقے بتائے ہیں مگر اسلام کا بتایا ہوا طریقۂ عبادت سب سے زیادہ جامع ہے اور جسے اختیار کرنے کے بعد رُوح انسانی اپنے خالق حقیقی سے صحیح قرب و ربط پیدا کر لیتی ہے اللہ کے بندوں میں انبیائے کرام سے زیادہ اور بہتر طریقہ پر کس کی عبادت ہو سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ آج دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کی عبادت کا کوئی طریقہ دنیا کے سامنے موجود نہیں ہے یہ ان کے ماننے والوں کی غفلت اور بے اعتنائی ہے کہ وہ جس نبی سے خود کو وابستہ کہتے ہیں اس کی عبادت کے طریقہ کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکے بلاشبہ یہ فخر صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی تمام جزویات کو اس طرح

محفوظ رکھا کہ آج بلا کسی تلاش اور جستجو کے ایک ایک بات معلوم کی جا سکتی ہے،
تفصیلات درج ذیل ہیں۔

وضو و تیمم

آنحضرتؐ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں ادا فرماتے تھے۔ پانی کی مقدار کبھی دو سیر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اعضائے وضو کو کبھی ایک مرتبہ کبھی دو مرتبہ کبھی ۳ مرتبہ دھویا کرتے تھے کلی کرتے۔ ناک میں پانی ڈالتے اور پھر بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرتے تھے، پورے سر کا مسح فرماتے۔ پیر دھوتے اور اگر موزہ ہوتا تو مسح کر لیا کرتے تھے۔ ڈاڑھی اور انگلیوں میں خلال فرماتے مگر پابندی سے نہیں، ہمیشہ وضو کے شروع میں بسم اللہ اور درمیان میں کلمۂ شہادت پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حالت مرض و سفر میں تیمم، وضو اور غسل جنابت کا قائم مقام ہے۔ آپ جب تیمم کرتے تو صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیا کرتے تھے، کہنیوں تک ہاتھ لے جانا ثابت نہیں ہے۔ آپ ہر اس زمین پر تیمم کر لیا کرتے تھے جس پر نماز پڑھتے تھے اور بلا ضرورت کسی کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اذان و تکبیر و اقامت

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے الفاظ ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے۔ البتہ قد قامت الصلوٰۃ مکرر کہتے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ موذن کے الفاظ کا اعادہ کرنا چاہیئے اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے بعد لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیئے یا یہ کہے رضیت باللہ

رَبًا وَّبِالاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی ہے۔ آپ اقامت میں یعنی تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ سن کر اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اذان ختم ہو تو درود شریف پڑھنا چاہیئے۔

نیت، تکبیر اور قرات

ہمیشہ اللہ اکبر کہہ کر آپؐ نماز شروع کیا کرتے تھے۔ نیت دل سے فرمایا کرتے تھے، کوئی لفظ زبان سے نہیں کہا کرتے تھے، تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک یا کاندھوں تک اس طرح اٹھاتے تھے کہ انگلیاں پھیلی رہتی تھیں پھر داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ لیتے تھے اور نماز شروع کر دیتے تھے۔ صحاب سنن سے روایت ہے کہ اکثر نماز اس تسبیح سے شروع فرماتے تھے سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک۔ اس کے بعد الحمد شروع فرماتے اگر نماز جہری ہے تو الحمد کے ختم پر آمین بھی بلند آواز سے کہتے تھے۔ مقتدی آپ کی اقتدا کرتے تھے ورنہ خاموش رہتے تھے۔ آپؐ کوئی سورت معین کر کے نہیں پڑھتے تھے۔ فجر اور جمعہ میں قرآت لمبی ہوتی تھی اور اکثر ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں خلق کائنات، جنت و دوزخ اور دوسرے مہتم بالشان امور کا ذکر آتا ہے۔

طریقہ نماز

پہلی رکعت دوسری سے لمبی ہوتی تھی، رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ

کہتے اور سیدھے ہونے کے بعد ربنا لک الحمد فرماتے تھے۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھتے، پھر ہاتھ رکھتے اور اٹھتے وقت پہلے ہاتھ اٹھاتے تھے۔ سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر لگی رہتی تھیں۔ تشہد میں آپؐ انگشت شہادت اٹھاتے تھے، دوسری تشہد میں التحیات کے بعد درود پڑھتے تھے۔ ہمیشہ آپؐ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے، نماز میں طوالت اور اختصار دونوں ہوا کرتے تھے، پوری نماز خشوع وخضوع میں ڈوبی ہوا کرتی تھی۔ سفر میں سواری پر نفل پڑھ لیا کرتے تھے، کبھی سمت قبلہ بھی نہیں ہوتی تھی۔ اگر نماز میں سہو ہو جاتا تھا تو ایک سلام کے بعد دو سجدے کر لیا کرتے تھے۔

جمعہ و عیدین

جمعہ کی آمد کا بڑے اہتمام سے خیر مقدم فرماتے تھے۔ غسل، خوشبو، اچھا لباس اور سکون و وقار عادت شریف میں داخل تھا، جمعہ کے لئے مخصوص لباس رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ مسجد میں مسلمانوں کے آنے کا انتظار کرتے تھے۔ پھر سادگی سے سلام کر کے منبر پر بیٹھ جاتے تھے، حضرت بلال اذان دیتے تھے اور آپؐ خطبہ شروع کر دیتے تھے خطبہ میں وہی باتیں بیان فرماتے تھے جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی تھی۔ خطبہ خاموشی سے سننے کا حکم فرماتے۔ اقامت کے بعد نماز پڑھتے تھے، سنتیں گھر میں سے پڑھ کر تشریف لاتے تھے اگر ضرورت ہوتی تو خطبہ کے درمیان بات بھی کر لیا کرتے تھے عید کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے۔ عیدگاہ مدینہ کے مشرق کی طرف واقع تھی عید کے دن لباس اچھا ہوتا تھا۔ عید الفطر میں جانے سے پہلے چند کھجوریں کھاتے تھے۔ عید الضحیٰ میں کچھ نہیں کھاتے تھے۔ واپسی پر قربانی کے گوشت کو تناول فرماتے

تھے۔ عید الفطر دیر میں اور عید الاضحیٰ جلدی پڑھتے تھے، اس نماز میں اقامت اور اذان کچھ نہیں ہوتی تھی صرف الصلوٰۃ جامعۃ پکارا جاتا تھا۔ نماز کی دو رکعت پڑھتے تھے، فارغ ہو کر منبر پر لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے تھے جس میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب ہوتی تھی، پھر عورتوں کے اجتماع میں تشریف لے جاتے اور ان کو نصیحت فرماتے تھے ہمیشہ عیدین میں ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس آتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے ملاقات ہو جائے۔

ایام تشریق میں ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر پڑھا کرتے تھے جس کے یہ الفاظ ہوتے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔

دیگر نمازیں

تمام زندگی میں صرف ایک مرتبہ نماز کسوف ادا فرمائی جب کہ سورج گرہن ہوا تھا۔ پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے، خطبہ دیا اور چاند و سورج کے متعلق کچھ باتیں ارشاد فرمائیں۔ یہ وہ دن تھا جب کہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ نے وفات پائی تھی۔

نماز استسقاء۔ یہ نماز آپ نے مختلف طریقوں سے پڑھی ہے، یہ بارش کے لئے پڑھتے تھے کبھی صرف منبر پر رونق افروز ہو کر دعا کر لیا کرتے تھے، کبھی دو رکعت نماز پڑھتے تھے، عید گاہ تشریف لے جاتے، خطبہ پڑھتے، پھر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے، بعد نماز بارش کے لئے بڑی عاجزی سے دعا فرماتے تھے۔ دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی الذی اور دوسری رکعت میں ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھی

تھی، دعا ہاتھ اٹھا کر مانگتے تھے۔

نماز خوف: جب کوئی خوف و خطرہ ہوتا تھا تو نماز کے ارکان میں اختصار فرما دیتے تھے یہ نماز آپ مختلف طریقوں سے ادا فرماتے تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور پھر دوسرا گروہ آتا تو اس کے ساتھ دو رکعت پڑھتے تھے، یہ صورت میدان جنگ میں ہوتی تھی۔

نماز قصر: آپ سفر کی حالت میں قصر نماز پڑھا کرتے تھے، بلیس دن سے زیادہ سفر نہیں رہتا تھا۔ حالت سفر میں کبھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھ لیا کرتے تھے۔

روزہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ فرض ہونے کے بعد اپنی حیات مبارک میں نو رمضانوں کے روزے رکھے۔ جب دو شاہد چاند دیکھنے کی شہادت دیدیتے تو آپ روزہ افطار کر لیا کرتے تھے۔ اور دوسرے دن صبح کو عید کی نماز ادا فرماتے تھے۔ عام طور پر تر یا خشک کھجور سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ کبھی صرف پانی ہی سے کھول لیتے تھے۔ افطار سے قبل یہ الفاظ زبان مبارک سے ادا فرماتے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ حالت سفر میں بھی آپؐ روزہ رکھا کرتے تھے اور سب کو رکھنے کے لئے فرماتے۔ اگر دشمن کا مقابلہ ہوتا تو افطار کر لیتے تھے۔ تاکہ مقابلہ میں ہمت قائم رہے۔ بدر اور فتح مکہ رمضان میں واقع ہوئے اور آپؐ نے دونوں مرتبہ افطار کر لیا۔ کبھی ضرورت کے وقت صبح صادق کو غسل فرماتے اور روزہ بدستور جاری رہتا۔ روزہ میں مسواک بھی کر لیا کرتے تھے اور سرمہ بھی لگاتے تھے

رمضان میں عبادت اور تلاوت میں انہماک بہت بڑھ جاتا تھا، روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لینے اور پی لینے کو معاف کر دیتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ ہر ماہ میں چند نفلی روزے رکھتے تھے۔ عاشورہ کا روزہ خاص طور پر رکھتے تھے۔ اگر کبھی گھر میں کھانے کو نہیں ہوتا تو پھر روزہ کی نیت کر لیا کرتے تھے۔

اعتکاف۔

ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ وفات شریف کے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف کیا اور دو مرتبہ حضرت جبریلؑ کے ساتھ قرآن کا دور فرمایا۔ حالت اعتکاف میں آپ بلا ضرورت خاص گھر میں نہیں جاتے تھے۔ ازواج مطہرات ملاقات کے لئے وہیں آجایا کرتی تھیں حضرت عائشہؓ سر دھلا کر چلی جاتی تھیں، آپ کا قیام مسجد کے گوشہ میں ایک مختصر خیمہ کے اندر ہوا کرتا تھا۔

حج بیت اللہ

آپؐ نے حج بیت اللہ ۱۰ھ میں ادا فرمایا۔ یہ پہلا اور آخری حج تھا۔ تفصیل کے لئے ۱۰ھ کے واقعات دیکھئے۔

زکوٰۃ: ہمیشہ مسلمانوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنا صدقہ خود مت خرید و کبھی ضرورت ہوتی تو پیشگی زکوٰۃ لے لیا کرتے تھے، زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے محصلین مقرر فرماتے تھے۔ نماز عید سے قبل صدقہ فطر ادا فرماتے تھے جو صرف مساکین کو دیا جاتا تھا۔ آپؐ مختلف طریقوں سے دیا کرتے تھے کسی

ہبہ کر دیتے، کسی کو صدقہ کے طور پر اور کسی کو ہدیہ کہہ کر عطا فرماتے تھے۔ کوئی چیز کسی کو دے کر بہت خوش ہوا کرتے تھے، کبھی خرید کرتے وقت قیمت سے زیادہ دے دیا کرتے تھے، کبھی قیمت اور چیز دونوں دیدیتے تھے، ضرورت کے وقت قرض لیتے اور بڑے بہتر طریقہ پر ادا فرمایا کرتے تھے۔

تلاوت و نوافل

قرآن کریم کی تلاوت کبھی ناغہ نہیں ہوتی تھی، اعوذ باللہ سے شروع فرمایا کرتے تھے تلاوت خوش الحانی سے فرماتے اور ترتیل کے ساتھ فرماتے، آپؐ کا ارشاد تھا کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔ دوران تلاوت میں وعید و عذاب کی آیات کے وقت آنسو نکل آتے تھے، کبھی اتنا روتے تھے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی، عبداللہ ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے آپؐ نے اکثر قرآن سنا اور جنت و دوزخ کے ذکر کے وقت اس قدر روتے کہ صحابہ بے چین ہو جاتے تھے اور آپؐ فرماتے تھے کہ اب بس کرو۔

رات کو نوافل اس کثرت سے پڑھا کرتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ تہجد کی نماز کے بعد صبح تک قیام میں رہے اور زبان مبارک سے یہ آیت تلاوت کرتے رہے۔

"اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے" (قرآن کریم)

رات کی عبادت کا سلسلہ آخر حیات تک جاری رہا، یہاں تک کہ کھڑے ہونے میں تکلیف ہوتی تھی تو بیٹھ کر نفل پڑھا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

آنحضرتؐ رات کو جب بیدار ہوا کرتے تھے تو دس مرتبہ اللہ اکبر، دس مرتبہ الحمد للہ، دس مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ، دس مرتبہ سبحان الملک القدوس، دس مرتبہ استغفر اللہ، اور دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہتے تھے، اس کے بعد زبان مبارک سے فرماتے تھے اللھم انی اعوذ بک من ضیق الدنیا وضیق یوم القیامۃ۔ حضرت ربیعہ کہتے ہیں کہ میں اکثر آپؐ کے قریب رات کو سویا کرتا تھا اور سنا کرتا تھا کہ آپؐ دیر تک سبحان اللہ رب العالمین کہتے رہتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ مسلمانوں کو عبادت شب کی ترغیب دیتے رہتے تھے، آپؐ فرماتے تھے کہ تہجد کی نماز پڑھا کرو، یہ نیک لوگوں کا طریقہ ہے رات کا قیام خدا کے قریب کرتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ارشاد فرماتے تھے کہ پچھلی رات، دعا قبول ہونے کا بہترین وقت ہے، آپؐ کی عادت تھی کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت نوافل کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

چاشت واشراق:۔ چاشت کی نماز میں آپؐ آٹھ اور کبھی ۱۲ رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن آپؐ نے اس نماز کو بڑے اہتمام سے پڑھا تھا۔ کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور سورج طلوع ہونے کے بعد دو رکعت نفل اشراق کے پڑھے اور زبان پر کلمۂ خیر جاری رہے تو اس کے گناہ اگرچہ دریا کے جھاگوں سے زیادہ ہوں تو معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اے میرے چچا! میں تم کو ایک ایسی چیز بتا رہا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو بڑے چھوٹے، ظاہر و چھپے گناہ بخشے جاتے ہیں وہ صلوٰۃ التسبیح ہے جس میں چار رکعت اس طرح پڑھو کہ ہر رکعت میں

الحمد اور سورۃ کے بعد پندرہ مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھو، پھر رکوع اور سجدہ میں تسبیح کے بعد دس مرتبہ یہی کلمہ پڑھو پھر سجدہ اور رکوع سے سر اٹھا کر دس مرتبہ کہو ہر رکعت میں اسی طرح کرو یعنی چار رکعتوں میں پچھتر مرتبہ یہ کلمہ کہنا چاہیے۔ فرمایا ہو سکے تو ہر روز پڑھو۔ ورنہ ہر جمعہ کو یا مہینہ میں ایک بار یا سال میں ایک بار یا پھر عمر میں ایک مرتبہ اس نماز کو پڑھ لیا کرو۔ آپؐ جب سفر کو تشریف لے جاتے تو دو یا چار نفل ادا فرماتے تھے، ایک مرتبہ منیٰ میں دو نفل جماعت کے ساتھ پڑھی ہیں مگر اتنی عبادت کے باوجود میانہ روی پسند فرماتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل بہت پسند ہے جو ہمیشہ کیا جاتے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ فرمایا اعمال میں میانہ روی۔ قوت کے موافق عمل خوش رکھنے کے لئے کافی ہے حضرت عمران کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی قوت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور بیٹھ بھی نہ سکو تو لیٹے لیٹے پڑھو۔ رمضان المبارک کی آمد پر آپؐ بہت خوش ہوا کرتے تھے رجب سے تیاری فرمایا کرتے تھے اور جب رمضان شریف آتے تو آپؐ کی عبادت کا سلسلہ بہت بڑھ جاتا تھا۔ پورا رمضان تلاوت و نوافل و عبادت میں گذر جاتا تھا۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیے تھے جس میں ایک بڑا حصہ عبادت و ریاضت کے لئے مخصوص تھا۔ عشا کی نماز کے بعد سونے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے۔ سونے سے پہلے قرآن کریم کی سورتوں میں سے بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، جمعہ، تغابن یا کوئی اور سورت کی تلاوت فرماتے

آنکھ لگنے کے وقت زبان مبارک سے فرماتے اللھم باسمک اموت واحیی۔ اور جب بیدار ہوتے تو ارشاد فرماتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور پھر سرہانے سے مسواک اٹھا کر دانتوں پر پھراتے، پھر وضو فرماتے اور اس کے بعد سرہانے کی جانب کھڑے ہو کر صرف زمین یا کسی کپڑے وغیرہ کو بچھا کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

سورۂ مزمل کی جب ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو اس کثرت سے نوافل پڑھنے شروع کیے کہ پائے اقدس متورم ہو جاتے تھے، ایک سال یہی حالت رہی اس کے بعد جب اگلی آیات نازل ہوئیں تو قیام شب میں کمی ہو گئی مگر کبھی رات کا اٹھنا اور کم از کم گیارہ رکعات کا پڑھنا ناغہ نہیں ہوا مخصوص حالات میں اگر کبھی اس معمول میں فرق آیا تو دن میں یہ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن خاص طور پر اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے یہاں رات کو ٹھہرا تاکہ یہ دیکھوں کہ آنحضرتؐ شب کو بیدار ہونے کے بعد کس طرح نماز وغیرہ ادا فرماتے ہیں چنانچہ میں نے دیکھا کہ زمین پر فرش بچھا ہوا تھا اور آپؐ عشاء کے بعد اس پر آرام فرمانے کے لیے لیٹے۔ میں بھی اسی فرش کے ایک طرف لیٹ گیا۔ تقریباً نصف رات گزر جانے کے بعد آپؐ بیدار ہوئے۔ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں پھر پانی کی جو مشک لٹک رہی تھی اس کو اتارا اور وضو کیا، پھر نماز شروع کر دی، میں بھی وضو کر کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے ہاتھ پکڑ کر مجھے داہنی جانب کر لیا اور ۱۳ رکعات پڑھ کر سو رہے۔ میں سونے کی حالت میں آپؐ کی سانس کی آواز کو سن رہا تھا۔ صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی،

آپؐ اٹھے وضو کیا پھر سنتیں پڑھیں اور اس کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے۔
آنحضرتؐ کی اکثر نمازیں تازے وضو سے ہوا کرتی تھیں اور سنت و نوافل گھر ہی
میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ اکثر ظہر میں سبح
اسم ربک الاعلیٰ۔ مغرب میں والمرسلات اور سورۂ طور، عشاء میں سورۂ
والتین یا اسی کے برابر کوئی سورت اور تہجد میں لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے
آخر عمر شریف کے زمانہ میں عبادت شب میں معمول سے کچھ کمی کر دی تھی۔

(ترمذی، ابوداؤد، مسلم)

معمولات و خصائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سچائی، صداقت اور عمل کا پیکر مجسم تھی، قرآنِ کریم نے آپ کی حیات طیبہ کو انسانوں کے لئے نمونہ قرار دیا ہے' درحقیقت کامل ترین زندگی وہی ہو سکتی ہے جس میں قول و فعل کے اعتبار سے سرِمو کوئی فرق نہ پایا جائے عام طور پر صبح سے شام تک آپؐ کا وقت تین کاموں میں گزرا کرتا تھا عبادت الٰہی سے فارغ ہوتے تو مخلوق خدا کے کاموں میں لگ جاتے تھے اور جب ان سے فرصت ملتی تو اپنے ذاتی کام انجام دیتے تھے۔

آپؐ کا مستقلاً یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر مصلّے پر اپنے نمازیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور پھر صحابہ کرامؓ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ان سے فرماتے کیا رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو وہ اس کو بیان کرتا۔ آپؐ اس کی تعبیر بیان فرماتے' اگر خود آپؐ نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بھی صحابہ کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔

یہ پاکیزہ مجلس تھوڑی دیر جاری رہتی' خواب وغیرہ کے علاوہ کچھ دوسری باتیں بھی لوگ کیا کرتے تھے' کچھ لوگ زمانہ جاہلیت کی باتیں' قصے اور اشعار پڑھا کرتے بعض چیزیں ایسی ہوتی تھیں جن کو سن کر آپؐ مسکرا دیتے تھے۔ کبھی مال غنیمت کی تقسیم

اور ضروری ہدایات بھی اسی مجلس میں فرمادیا کرتے تھے، اشراق و چاشت سے فارغ ہو کر گھر میں تشریف لے جاتے تھے مگر وہاں بھی بے کار نہیں بیٹھتے تھے، جانور کو دوہتے تھے، پرانے پھٹے کپڑوں کو درست کرتے تھے، جوتا اگر ٹوٹا ہوا ہوتا تھا تو اس کو خود ہی سی لیا کرتے تھے اس کے علاوہ گھر کے لوگ جو کچھ کرتے ہوتے تھے آپؐ بھی ان کے ساتھ اسی کام میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، مسند امام احمد حنبلؒ)

مجالسِ نبویؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مجلسیں مسجد نبویؐ میں ہوا کرتی تھیں، یہ دربار اگرچہ شاہانِ زمانہ کے ساز و سامان سے بے نیاز ہوتا تھا مگر دیکھنے والوں کو ہر طرف ایک خاص قسم کا رعب و جلال محسوس ہوتا تھا۔ ہر شخص ادب و احترام کا مجسمہ نظر آتا تھا خاموش گردن جھکائے گفتگوئے رسول سننے میں لوگ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ جیسے روح جسم سے پرواز کر چکی ہے یا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور ان کے اڑجانے کے خیال نے جنبش کی تمام قوتیں سلب کرلی ہیں۔ کیا مجال تھی کہ کوئی شخص بلا اجازت بول لے یا کسی دوسرے کی گفتگو کو کاٹ کر بولنے کی کوشش کرے، خود رسالت مآبؐ کی یہ عادت تھی کہ جتنی دیر مجلس میں رونق افروز رہتے پیروں کو سمیٹ کر اور مؤدب ہو کر بیٹھتے۔ آپؐ ہر شخص کی باتوں کو اول سے آخر تک سنتے اور پھر جواب دیتے

اہل حاجت کی گفتگو کو بڑی محبت سے سماعت فرماتے، ان کی حاجت برآری فرماتے اور ان کے شکریہ کو بڑے انکسار سے قبول فرماتے، آپؐ کی گفتگو، تہذیب محبت اور ظرافت میں اس درجہ ڈوبی ہوئی ہوتی تھی کہ سننے والے ہمہ تن گوش معلوم ہوتے تھے، آپؐ فرق مراتب کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ قبائل کے سردار جب آتے

تھے تو آپؐ حسب حیثیت ان کی تعظیم کرتے اور مناسب جگہ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے تھے۔ خیریت اور مزاج پرسی کے بعد فرماتے، اگر مجھ سے کوئی حاجت ہو تو بیان کرو، جو لوگ آپؐ کے پاس نہیں آسکتے تھے ان کے حالات لوگوں سے دریافت فرماتے تھے آداب مجلس کو ہر شخص ملحوظ رکھتا تھا اور اگر کسی کو اس معیار سے ہٹتے ہوئے دیکھتے تو بڑی نرمی اور محبت سے اس کو نصیحت فرماتے تھے، کسی آنے والے کی کھڑے ہو کر تعظیم کرنے اور سر جھکانے سینہ پر ہاتھ رکھنے سے آپؐ منع فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہو کہ لوگ اس کے سامنے ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔

فرط محبت سے کسی کی آمد پر کھڑے ہو جانے کو آپ برا نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت فاطمہؓ، حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر کی آمد کے وقت آپ جوش محبت سے کھڑے ہو گئے۔ حضرت فاطمہؓ کی پیشانی پر بوسہ دیتے، جناب حلیمہؓ کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے اور ان کے شوہر کو اپنے پہلو میں محبت سے بٹھاتے تھے، مسجد نبوی کے مختصر سے صحن میں آپؐ سب کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے تھے مگر اس صورت میں باہر سے آنے والے لوگوں کو آپؐ کے پہچاننے میں پریشانی ہوتی تھی، لوگ دھوکہ کھا جاتے تھے اور پھر ان کو پوچھنا پڑتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے آپؐ کے لئے اسی صحن میں ایک مخصوص نشست گاہ مٹی کی بنا دی تھی تاکہ لوگ آپ تک آسانی سے پہونچ سکیں۔

اگرچہ آنحضرتؐ کی زندگی کا ہر لمحہ لوگوں کے لئے فیض و ارشاد کا سرچشمہ تھا مگر لوگوں کی سہولت اور استفادہ عام کی غرض سے آپؐ نے مجالس کے اوقات مقرر فرما دیئے

تھے، آنے والوں کے لئے کوئی پابندی نہیں تھی۔ ہر شخص بلا روک ٹوک مجلس میں آجاتا تھا۔ بعض نئے آنے والے کچھ اس طرح آتے اور بیٹھتے کہ ہر شخص کی نظریں اس کی طرف اٹھتیں اور خلاف ادب حرکات دیکھ کر کچھ کہنا چاہتے مگر آپ خود ہی ان کو محبت سے قریب بلا کر آداب مجلس سمجھا دیا کرتے تھے۔

آپؐ کی عادت تھی کہ کبھی کبھی مجلسیں ناغہ کرتے تھے تاکہ لوگ ہر روز وعظ و نصیحت سے گھبرا کر آنا بند نہ کر دیں۔ اس بات کا ہمیشہ خیال رہتا تھا کہ مجلسیں لوگوں کے کام میں رکاوٹ نہ بنیں نیز ہی لوگوں کے اکتا جانے کے خیال سے وقت بھی زیادہ نہیں لیتے تھے۔ عام طور پر مجلسیں مردانہ ہی ہوا کرتی تھیں اور عورتوں کو آنحضرتؐ کے نصائح مردوں کے واسطے اور ذریعے سے پہنچا کرتے تھے، عورتیں چاہتی تھیں کہ سرچشمۂ فیض ہماری آنکھوں کے سامنے موجزن ہو اور ہم آنحضرتؐ کے ارشادات اپنے کانوں سے سنیں۔ چنانچہ عورتوں نے جب اپنی درخواست خدمت اقدس میں پیش کی تو آپؐ نے عورتوں کے لئے ہفتہ میں ایک مجلس مخصوص کر دی۔

اکثر مجالس نماز کے بعد ہوا کرتی تھیں مگر کبھی ضروری اور اہم امور سے مطلع کرنے کے لئے اس دستور کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی مجلسوں کا انعقاد فرمایا کرتے تھے۔

حاضرین میں سے بہت سے لوگ آپؐ سے سوالات کیا کرتے تھے، عورتیں بھی مسائل دریافت کرتی تھیں مگر کوئی ایسی بات جو علیحدگی میں پوچھنے کی ہوتی اور وہ مجمع عام میں پوچھی جاتی تو آپؐ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا، مزاج مبارک میں شرم و حیا اتنی زیادہ تھی کہ عورتوں سے متعلق بعض سوالوں کا جواب دیتے ہوئے شرماتے تھے۔ اسی طرح وہ باتیں جو فہم و ادراک سے بلند ہوتیں اور انسانی عقلیں ان کی باریکیوں

کو سلجھانے سے قاصر رہتیں، نہ آپؐ بیان فرماتے تھے اور نہ ان کا پوچھنا اچھا سمجھتے تھے
ایک مرتبہ تقدیر کے مسئلہ پر صحابہ میں بحث ہو رہی تھی، آپؐ نے سُنا تو گھر میں سے باہر
تشریف لے آئے اور فرمایا، گزشتہ امتیں اسی قسم کی بحثوں کی وجہ سے برباد ہو گئیں
آپؐ نے مسئلہ تقدیر پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اعمال کا نام تقدیر
ہے، اللہ تعالیٰ انسانوں کو جن اعمال کے کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے وہی اس کا نوشتہ
تقدیر ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ کام کرنے کی قوتوں کو بیکار کر کے بیٹھ جانا توکل نہیں ہے"
گویا صحیح توکل یہ ہے کہ انسان کام کرتا رہے اور نتیجہ کے بہتر ہونے کی خدا سے اُمید کرتا
رہے۔ سعادت اور بدبختی کا انحصار اعمال پر منحصر ہے جیسے کام کی اسے توفیق ہوگی اس
کے مطابق اس کو نوازا جائے گا۔ مجالس نبویؐ میں اخلاق، ہدایت اور وعظ و نصیحت
کے علاوہ ایسی گفتگو بھی ہوا کرتی تھی جو سُن کر مغموم اور پژمردہ دل مسرت و انبساط
سے لبریز ہو جاتے تھے مگر اس کے باوجود صحابہ کے دلوں میں ادب و احترام اس
درجہ پایا جاتا تھا کہ دیکھنے والے محسوس کرتے تھے کہ کَاَنَّ الطَّیْرَ فَوْقَ رُءُوْسِھِمْ
گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور ان کے اڑنے کے خوف سے کوئی شخص ہل
نہیں سکتا تھا۔

اندازِ تقریر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مجلسیں کم اور تقریر مختصر فرمایا کرتے تھے مگر اس
کمی اور اختصار میں انداز پیارے اور دل نشین نظر آیا کرتے تھے آپؐ کی تقریر کا
طریقہ عام مقررین سے بالکل مختلف ہوا کرتا تھا۔ اسلوب بیان میں موقع و محل کے
لحاظ سے آواز میں اتار چڑھاؤ اور ہاتھوں کے اشارے سے ایک ایک بات کو مؤثر

دل نشین بناتے جاتے تھے جملے چھوٹے مطالب طویل اور فصاحت و بلاغت میں ڈوبے ہوا کرتے تھے۔ اہل عرب کو اگرچہ اپنی زبان دانی اور بلاغت پر ناز تھا۔ مگر آنحضرتؐ کا انداز بیان سب کی توجہ کھینچ لیا کرتا تھا۔ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں جوامع الکلم ہوں یعنی کلمات جامعہ کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں"۔ ایک اور موقع پر فرمایا "میں تم میں فصیح تر ہوں، میری بنو سعد کی زبان ہے اور میں قریشی ہوں"۔

جب مجلس میں تقریر کے لئے تشریف لاتے تو لباس بہت سادہ ہوتا تھا، ہاتھ میں عصا یا کمان ہوا کرتی تھی مقررین کی طرح آپؐ پہلے سے تیاری نہیں کیا کرتے تھے انداز تقریر متین، سنجیدہ اور سلیس ہوا کرتا تھا۔ مصنوعی جوش و خروش اور بلا وجہ زور بیان سے آپؐ حاضرین کو مرعوب کرنے کی کوشش نہیں فرمایا کرتے تھے جہاد کے موضوع پر آپؐ کی تقریر میں خاص قسم کا جوش پایا جاتا تھا آنکھوں میں سرخی، آواز میں بلندی اور جسم داہنے بائیں جھکنے لگتا تھا، ہاتھ اٹھنے لگتے تھے، انگلیاں کبھی کھلی ہوتی تھیں اور کبھی مٹھی بند کر لیا کرتے تھے۔ اور بہت سی باتیں سوالیہ انداز میں فرمایا کرتے تھے ہر بات جو منہ سے نکلتی تھی خدا کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس لئے تقریر کا ایک ایک فقرہ پورے یقین اور بھروسہ کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے، داعی حق کی حیثیت سے آواز میں بھی ویسا ہی زور ہوا کرتا تھا۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" اپنے قریب والوں کو ڈرائیے، تو آپؐ نے کوہ صفا کی بلندی پر چڑھ کر فرمایا "یا صباحاہ" لوگ اس آواز کو سن کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ ایک قدیم طریقہ عرب تھا اور اس وقت استعمال کیا جاتا تھا جب

علی الصبح دشمن کے خطرے کا اندیشہ ہوتا تھا آپؐ نے سوالیہ انداز میں اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں سے فرمایا۔

ارأیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی

بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس کوہ کے عقب سے ایک فوج (تمہاری غارتگری کے لئے) نکلنے والی ہے تو کیا تم میری بات کو سچا جانو گے؟

اور جب سننے والوں کی طرف سے کہا گیا کہ آپؐ ہمیشہ سے سچے ہیں تو ارشاد فرمایا انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ بس تو میں تم کو ایک ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے موجود ہو۔

بدر، احد، خندق، خیبر، فتح مکہ اور حنین میں آپؐ کی تقریروں کے اجزا اور جو فیصلے فقرے احادیث میں موجود ہیں حنین میں آپؐ کے چند جملوں نے صحابہ کے دل ہلا دیئے۔ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ دلوں کا غبار اور کبیدگی اس طرح کافور ہو گئی جیسے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اس موقعہ پر مال غنیمت کی تقسیم پر کچھ لوگوں نے انصار میں سے یہ خیال ظاہر کیا کہ آپؐ ہمارے حق کو مؤلفۃ القلوب کے لئے استعمال کر رہے ہیں، گوش مبارک میں یہ آواز پہونچی تو انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"کیا تم کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔ خدا کی قسم تم جو چیز لے کر واپس جا رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے جسے دوسرے لوگ لئے جا رہے ہیں۔"

۱۔ تاریخ مصطفےٰ

ان چند فقروں نے دل کی دنیا بدل ڈالی اور ہر طرف سے رَضِینَا رَضِینَا کی آوازیں آنے لگیں۔ جو لوگ چند لمحہ پہلے مال کی تقسیم پر دل شکستہ ہو رہے تھے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بات کیسی ہی خشک اور سادہ کیوں نہ ہو مگر اعجاز بیان سے جان پڑ جایا کرتی تھی۔ بلاغت و فصاحت کے ساتھ آمد و لطافت آپؐ کے خطبات کی خصوصیات تھیں۔ تاثیر تقریر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سورۂ والنجم کی آیات اپنے مخصوص انداز میں تلاوت فرمائیں تو مسلمانوں کے ساتھ کافر بھی سجدہ میں گر پڑے، ایک مرتبہ نومسلم قبیلہ کی امداد کے لئے مسجد نبوی میں تقریر فرمائی تو صحابہ نے کپڑے تک اتار کر سامنے رکھ دیئے۔

حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فتنۂ قبر کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ تو سننے والوں کے دلوں میں ایسی رقت پیدا ہوئی کہ چلا چلا کر رونے لگے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ نے تقریر کے دوران میں فرمایا وَالَّذِی نَفْسِیْ بِیَدِہٖ "یعنی قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے" یہ الفاظ تین مرتبہ کچھ اس شان سے فرمائے کہ ہر شخص نے گردن ڈال دی کسی کو ہوش نہیں رہا، یہاں تک کہ یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ قسم کی تکرار کیا بات بیان کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلسلہ تقریر میں ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! جو باتیں میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ تھا۔ اس جملہ نے رقت طاری کر دی اور حاضرین اپنی چادریں منہ پر

ڈال کر گریہ و زاری کرنے لگے۔
فرض اعجاز بیان کی کیفیت یہ تھی کہ چھوٹے چھوٹے فقرے دلوں کی دنیا بدل ڈالتے تھے، کھنچی ہوئی تلواریں نیام میں داخل ہو جاتی تھیں، کشیدگی و کبیدگی دلوں سے دور ہو کر مسلمانوں کو آپس میں شیر و شکر بنا دیا کرتی تھی۔ ایک موقعہ پہ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"صرف دو باتیں ہیں ایک قول دوسرے عمل، تو سب سے اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمدؐ کا طریقہ ہے، خبردار! مذہب میں نئی باتیں نکالنے سے بچو، نئی باتیں بدترین باتیں ہیں، ہر نئی بات بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے، دیکھو تمہارے دلوں میں درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو ورنہ دل سخت ہو جائیں گے، آنے والی چیز (موت) قریب ہے، دور تو وہ چیز ہوتی ہے جو آنے والی نہ ہو، شقی ماں کے پیٹ ہی میں شقی ہوتا ہے، خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے موعظت اور نصیحت حاصل کرے، یاد رکھو مسلمان سے لڑنا کفر ہے اور آپس میں گالیاں بکنا فسق ہے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی (مسلمان) سے ناراض اور رنجیدہ رہے ہاں خبردار جھوٹ تمہارے پاس نہ آنے پائے"

ایک مرتبہ قبر کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم میں سے ہر ایک شخص کے پاس قبر میں ایک آنے والا آئے گا اور پوچھے گا کہ تم محمدؐ کے متعلق کیا جانتے ہو۔ ایمان والے کہیں گے کہ

محمد اللہ کے رسول ہیں وہ اللہ کی نشانیاں لے کر ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے ان کو مانا اور ان کی پیروی کی مگر شک و شبہ میں پڑے ہوئے لوگ کہیں گے۔ ہم کچھ جانتے نہیں جو دوسروں کو کہتے سنا وہی ہم بھی کہنے لگے۔"

آپ کی ہر تقریر موقعہ اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ہوا کرتی تھی۔ غیر متعلق باتیں آپ کی زبان سے کبھی نہیں نکلتی تھیں۔ ایک ایک حرف اثر و اعجاز کا حامل ہوتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے ایک ملنے والے آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے، میں نے سنا ہے کہ آپ پر جنات کا اثر ہو گیا ہے' آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر فرمائی جسے سن کر کہنے لگے، میں نے شعراء کا کلام اور کاہنوں کی باتیں سنی ہیں مگر آپ کی باتیں کچھ اور ہی ہیں اور یہ کہہ کر ایمان لے آئے (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابن سعد، ابوداؤد)

حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادے ہند جو پہلے شوہر سے تھے وہ بڑے خوش بیان تھے جب کوئی واقعہ بیان کرتے تھے تو اس کی کی تصویر کھینچ دیتے تھے، میں نے ان سے حضور اکرمؐ کی تقریر کا راز پوچھا تو کہنے لگے کہ آنحضرتؐ کی تقریر کا ایک ایک فقرہ الگ الگ اور واضح ہوا کرتا تھا۔ تقریر میں ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے اور ہاتھ پر ہاتھ بھی مارتے تھے، تعجب کی بات کہتے وقت ہتھیلی کے رخ کو پلٹ دیا کرتے تھے، خوشی کے وقت آنکھیں جھک جایا کرتی تھیں ہنسی کے وقت صرف مسکراہٹ ہوتی تھی، حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ کبھی اس طرح نہیں ہنسے کہ منہ کھل جائے اور داڑھیں نظر آنے لگیں۔

لباس و غذا • آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں عام طور پر

چار کپڑے ہوتے تھے۔ تہبند، کرتہ، چادر، عمامہ سب کپڑے سفید ہوتے تھے صرف عمامہ سیاہ ہوتا تھا، پسندیدہ رنگ سفید تھا اور سبز رنگ کو بھی پسند فرماتے تھے، پاجامہ آپ نے کبھی نہیں استعمال کیا مگر اسے دیکھ کر تعریف فرمائی۔ امام احمد کی روایت ہے کہ آپؐ نے منا کے بازار میں پاجامہ خرید فرمایا تھا، ابن قیم کا خیال ہے کہ جب خریدا تھا تو ممکن ہے کہ آپؐ نے استعمال بھی کیا ہو۔ پیروں میں موزہ استعمال فرماتے تھے نجاشی کے بھیجے ہوئے کپڑوں میں موزے بھی تھے جو سیاہ چمڑے کے تھے۔ اور آپؐ نے ان کو استعمال فرمایا۔ عمامہ کے نیچے ٹوپی ہوا کرتی تھی۔ جو سر کی جلد سے ملی رہتی تھی۔

عمامہ کا شملہ کبھی کاندھے پر اور کبھی دونوں شانوں کے درمیان پڑا رہتا تھا۔ ٹوپی کا ہمیشہ التزام رہتا تھا۔ ٹوپی ملائم اور کپڑے کی ہوتی تھی۔ غالباً عربی طرز کی گول ٹوپی ہوگی۔ دیواروں والی اونچی ٹوپی آپ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہم میں اور مشرکین میں لباس کے معاملہ میں یہ فرق ہے کہ ہم عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے ہیں۔

کرتہ کے اوپر عبا استعمال فرماتے تھے جو شامی ہوتی تھی اور جس کی آستینیں تنگ ہوتی تھیں، وضو کے وقت ہاتھ کو آستین سے نکال لیا کرتے تھے، یمن کی بنی ہوئی چادر آپؐ کو بہت پسند تھی۔ جس پر دھاریاں ہوتی تھیں، بعض روایتوں میں چادر کے رنگ کو سرخ کہا گیا ہے مگر ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ روایتیں معتبر نہیں ہیں آپؐ نے سرخ رنگ کا کپڑا کبھی نہیں استعمال کیا اور آپ اس رنگ کو مردوں کے لئے پسند بھی نہیں کرتے تھے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس ایسی چادر بھی

ستعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی۔ لباس کبھی بیش قیمت اور خوب صورت بھی ستعمال فرماتے تھے۔ ریشم آپؐ نے کبھی نہیں پہنا اسی طرح باریک کپڑے بھی طبع عالی کو ناپسند تھے، سفید لباس اس قدر پسند تھا کہ اگر کسی کے کپڑے میلے ہوتے تھے تو آپؐ اس کو دھونے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ انتقال کے وقت ایک موٹے کپڑے کی تہبند باندھے ہوئے اور پیوند لگا ہوا کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کو نوشیروانی قبا پہنے دیکھا گیا جس کے کناروں پر سنجاف لگی ہوئی تھی۔

آپؐ کا بستر بہت معمولی ہوا کرتا تھا، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پتے کوٹ کر بھر دیئے جاتے تھے۔ کبھی چٹائی اور کبھی ٹاٹ پر ہی سو جایا کرتے تھے، موجودہ طرز کا جوتا آپؐ نے کبھی ستعمال نہیں کیا، نعلین ایک قسم کی چپل ہوتی تھی جس کے تلے میں دو تسمے لگے ہوتے تھے۔ گدا یا چٹائی چارپائی پر بچھاتے تھے جو کھجور کی رسی سے بنی ہوتی تھی۔ آپؐ سیدھے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی ستعمال فرماتے تھے جو چوتھی انگلی میں ہوتی تھی اور جس پر ۳ لفظ کھدے ہوئے تھے۔ محمد۔ رسول۔ اللہ۔ یہ انگوٹھی سلاطین کو خطوط لکھتے وقت بنوائی گئی تھی گویا یہ ایک قسم کی مہر بھی تھی جس کو خط کے آخر میں لگایا کرتے تھے۔ میدان جنگ میں زرہ اور مغفر بھی ستعمال فرمایا کرتے تھے۔ تلوار بھی ہاتھ میں رکھتے تھے مگر نیام کے اندر اور بلا ضرورت نہیں نکالتے تھے احد کے معرکہ میں آپؐ نے تلے اوپر دو زرہ ستعمال فرمائے تھے۔ یہ ایک طرح کا لوہے کا کرتہ ہوا کرتا تھا جو جسم کی حفاظت کی غرض سے پہنتے تھے، فتح مکہ کے دن خود پہنے ہوئے دیکھا گیا۔ یہ لوہے کی ٹوپی تھی جو سر کو محفوظ رکھنے کے لئے ستعمال کی جاتی تھی، کپڑوں میں خوشبو لگانے کو بہت پسند فرماتے تھے خوشبو کے تحفہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا کرتے تھے، آپؐ کے

پاس ایک عطر دان تھا جس میں عطر رہتا تھا اور آپؐ کپڑوں میں لگایا کرتے تھے۔ سرمہ لگانے کا بڑا اہتمام رہتا تھا، ہمیشہ رات کو سوتے وقت ۳-۴ سلائیاں آنکھوں میں لگاتے تھے۔ آپؐ کے سر اور ڈاڑھی کے بال کبھی منتشر نہیں رہتے تھے ہمیشہ کنگھا کیا کرتے تھے، مانگ نکالتے تھے اور کبھی گوند کے پانی سے بالوں کو جما لیا کرتے تھے، قیمتی اور خوب صورت لباس، پہننے کے باوجود مزاج میں عاجزی اور انکسار پایا جاتا تھا۔ تکلف اور دکھاوا مزاج گرامی کے لئے سخت گراں تھے، سفید رنگ کے بعد زرد رنگ کو بہت پسند فرماتے تھے' ایک مرتبہ تمام کپڑے زرد رنگوا کر استعمال فرمائے، عبداللہ بن عمرؓ کو سرخ رنگ کا لباس پہنے دیکھا تو ناپسند فرمایا۔ عبداللہ نے کپڑے جلا دیئے آپؐ نے فرمایا۔ جلانا نہیں چاہیے تھا کسی عورت کو دیدیتے تو اچھا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سرخ پوش کو سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک مرتبہ اونٹ پر بیٹھنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس پر سرخ رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی، معمولات میں مسواک بڑی' محبوب چیز تھی' دن میں کئی مرتبہ استعمال فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی استعمال کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ آپؐ نے خضاب کا کبھی استعمال نہیں کیا مگر دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ مہندی اور کسم کا خضاب اچھا ہوتا ہے۔ (ابو داود' ترمذی، زادالمعاد)

غذا کے معاملات اور کھانے پینے کے سلسلہ میں آپؐ نے ہمیشہ صبر و قناعت سے کام لیا۔ جو کچھ وقت پر موجود ہوتا اسی پر اکتفا فرما لیا کرتے تھے کسی کھانے کی چیز کو آپؐ نے کبھی برا نہیں کہا۔ ہمیشہ دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے تھے کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے تھے اور جو لوگ موجود ہوتے ان کو شریک طعام کر لیا کرتے تھے آہستہ آہستہ اور چبا چبا کر چھوٹے چھوٹے نوالے کھاتے تھے، کھانے میں صرف تین

انگلیاں استعمال کرتے تھے اور کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے کبھی کبھی بہت دن تک گھر میں کوئی چیز نہیں پکتی تھی اور آپؐ کھجور ہی پر قناعت فرمالیا کرتے تھے۔ ایک دن میں دو مرتبہ گوشت روٹی آپؐ نے کبھی نہیں کھائی ہمیشہ کھانے سے قبل بسم اللہ کرتے اور اپنے سامنے سے کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھویا کرتے تھے۔ جب دسترخوان سامنے سے اٹھایا جاتا تو آپؐ خدا کی تعریف اور اس کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا۔ سیدھے ہاتھ سے تین سانس میں بیٹھ کر پیتے تھے، کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرماتے تھے، دودھ و شہد سے بنا ہوا ٹھنڈا شربت بہت مرغوب تھا۔ پانی پیتے وقت چوس کر پینے کی آواز آیا کرتی تھی۔ پانی کا برتن منہ سے ہٹاتے تو الحمد للہ فرماتے تھے۔

کھانے کی چیزوں میں حسب ذیل اشیاء بہت پسند فرماتے تھے، سرکہ، روغن زیتون شہد، کدو، گوشت، تربوز، ککڑی، جو کی روٹی، ثرید یعنی شوربہ میں بھیگی ہوئی روٹی، جو کا دلیہ جو روغن وغیرہ میں پکایا جاتا تھا، کچی پیاز اور لہسن ناپسند کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص کچی پیاز اور لہسن استعمال کرے اسے چاہیئے کہ جب تک منہ کو صاف نہ کرلے مجھ سے دور رہے۔ آپؐ ہمیشہ موٹے اور بلا چھنے آٹے کی روٹی استعمال فرماتے تھے۔ بہت پیٹ بھر کر کھانے کو برا جانتے تھے۔ آپؐ کو کبھی ڈکار لینے کی ضرورت نہیں ہوئی، دودھ اور شہد سے بنائے ہوئے حریرہ کو شوق سے استعمال فرماتے تھے اور بیماروں کے لئے اس غذا کو پسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو ایک ساتھ دو کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا تو منع فرمایا۔ آگ پر بھونے ہوئے گوشت کے پارچے بہت شوق سے کھایا کرتے تھے، ایک مرتبہ خرگوش کی بھونی ہوئی ران

پلیش کی گئی تو قبول کرلی چقندر کو طاقت کے لئے مفید خیال کرتے تھے۔ دیگچی کی کھرچن بھی شوق سے کھاتے تھے، کبھی سبزی یا سالن نہیں ہوتا تو کھجور یا سرکہ سے روٹی کھالیا کرتے تھے، آپؐ فرماتے تھے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ سالن سے خالی نہیں ہے

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں دودھ میں بھیگی ہوئی روٹی کو جس میں قدرے گھی بھی ڈالا گیا ہو پسند کرتا ہوں ایک صحابی گھر گئے اور فوراً تیار کرکے لائے۔ آپؐ نے پوچھا کہ گھی کس برتن میں رکھا تھا؟ عرض کیا کہ گوہ کے چمڑے کی تھیلی میں فرمایا، لے جاؤ۔ رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے یہ بڑھاپے کی علامت ہے' آپؐ نے کھانا کھا کر فوراً سو جانے سے بھی منع فرمایا ہے' آپؐ کی عادت تھی کہ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ صحت کے لئے مفید ہے۔

حیس جس کو گھی' پنیر اور کھجور میں پکایا جاتا ہے پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے حضرت امام حسنؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے کہنے سے جو کے آٹے میں روغن زیتون' زیرہ اور سیاہ مرچیں ڈال کر ایک قسم کی لپٹی تیار کی اور فرمایا یہ غذا آنحضرتؐ کو بہت پسند تھی۔ گوشتوں میں آپؐ نے مرغ، بٹیر، دنبہ، اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش اور مچھلی کو بھی استعمال کیا ہے' دست اور پیٹ کے گوشت کو پسند فرماتے تھے' ایک مرتبہ ولیمہ میں آپؐ نے ستو اور کھجور کو مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ تربوز اور کھجور کو ملا کھاتے تھے ایسی ککڑیاں جو پتلی اور نرم ہوتی تھیں آپؐ پسند فرماتے تھے کبھی دودھ میں پانی ملا کر پیتے تھے۔ کشمش، کھجور اور انگور کو پانی میں بھگو کر پھر اس کا پانی استعمال فرماتے تھے، اگر کوئی چیز ناپسند ہوتی تو نہیں کھاتے تھے مگر برا نہیں کہتے تھے۔ ٹیک لگا کر یا میز پر کبھی کھانا نہیں کھایا، اگر کوئی بڑی بوٹی مثل ران وغیرہ بھنی ہوئی ہوتی

تو اسے چھری سے کاٹ کر تناول فرماتے تھے۔

پاکیزہ عادتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کسی سے ملاقات ہوتی تو پہلے سلام کرتے اور مصافحہ کرتے۔ اگر کوئی شخص کوئی بات کہنا چاہتا تو اس کی باتوں کو اس وقت تک توجہ سے سنتے رہتے جب تک وہ پوری بات نہ کہہ لیتا جب آپؐ خود گفتگو فرماتے تو بہت آہستہ اور وضاحت کے ساتھ فرماتے تھے، بعض جملوں کو ۲۔۳ مرتبہ دہراتے تاکہ سننے والا پورے طور پر سمجھ سکے' دوران گفتگو میں بیکار اور غیر متعلق باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ ہر جملہ سلیس اور دل نشین ہوا کرتا تھا مجلس میں سب کے ساتھ اور سب کے برابر بیٹھ جایا کرتے تھے کسی قسم کا امتیاز اور تفوق مزاج کے خلاف تھا جب کسی سے ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تو راستہ میں بڑے وقار اور اطمینان سے چلتے تھے قدم زمین پر قدرے جھک کر رکھتے، ذرا تیز چلتے اور دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ آپؐ اوپر سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں جب آپؐ سے کوئی ملنے آتا تو پہلے سلام کرتا پھر اندر آنے کی اجازت چاہتا تھا۔ آپؐ جب کسی کے دروازہ پر پہنچتے تو ایک طرف ہو کر کھڑے ہوتے اور سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت مانگتے۔ کبھی صدر مقام پر نہیں بیٹھتے تھے ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپؐ کے بیٹھنے کے لئے گدا بچھایا مگر آپؐ اس طرح بیٹھے کہ گدا آپؐ کے اور صاحب خانہ کے درمیان میں آگیا بیٹھنے کا طریقہ سب سے نرالا اور پیارا تھا۔ ہمیشہ چار زانو یا گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھتے تھے' دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے لپیٹ لیا کرتے تھے، اگر کوئی آپؐ کی طرف آتا ہوا نظر آتا تو پہلے سے اس کے لئے جگہ کا انتظام فرماتے اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ آنے والے کو مرحبا کہو۔ مزاج میں متانت و ظرافت

دونوں پائی جاتی تھیں مگر ظرافت میں بھی ارشاد و ہدایت کے چشمے پھوٹتے نظر آتے تھے، تمام گفتگو صداقت سے لبریز اور فحش کلام سے پاک ہوا کرتی تھی۔ اگر کبھی جمائی آتی تو سیدھا ہاتھ منہ پر رکھ لیا کرتے تھے، اگر چھینک آتی تو آواز کو ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے ناک کے سامنے کپڑا کر لیتے اور پھر الحمد للہ کہتے تھے، عورتوں اور بچوں سب کو سلام کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، ملنے میں خوش اخلاق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ لوگ اپنے رنج و غم بھول جایا کرتے تھے۔

عیادت و تعزیت

اگر کبھی آپؐ کو کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو اس کے دیکھنے کے لیے اس کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، جب بیمار کے پاس پہنچتے تو اس کی نبض دیکھتے پیشانی پر ہاتھ رکھتے، پھر بیمار کو تسلی دیتے اور دعائے صحت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے، گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔

بیمار سے دیر تک باتیں کرتے رہتے، اس سے دریافت فرماتے کہ تمہارا دل کس چیز کے کھانے کو چاہتا ہے، بیمار اپنی خواہش بیان کرتا تو آپؐ وہ چیز اگر نقصان دہ نہیں ہوتی تو اس کو فراہم کر دیتے۔ بیماروں کے خدمت گاروں سے علاج کے متعلق دریافت فرماتے اور مشورہ دیتے کہ کسی ہوشیار طبیب سے علاج کراؤ۔ پرہیز کا خیال رکھو اور حرام دوا و غذا سے مریض کو بچاؤ۔ نادان اور ان پڑھ حکیموں کے علاج سے لوگوں کو روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ بیمار کو جو نقصان پہونچتا ہے اس کے یہی ذمہ دار ہیں۔ آپؐ کی عادت تھی کہ متعدی امراض سے بچنے کی ہمیشہ ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ آپؐ خود بھی احتیاط رکھتے تھے اور کبھی ضرورت ہوتی تو دوا بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

جب کوئی شخص بیمار ہوتا اور حالت نازک ہوتی تو آپؐ کو اطلاع دی جاتی۔ آپؐ اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ سکرات کے وقت اور جان نکلنے تک اس کے پاس رہتے انتقال کے بعد دعائے بخشش فرماتے، رشتہ داروں کو صبر کی تلقین فرماتے پھر واپس آ جاتے تھے، کسی کی وفات کی خبر دی جاتی تو اس کے گھر پر تشریف لے جاتے تھے تھوڑی دیر بیٹھتے تھے۔ دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ اگر کسی کا جنازہ آتا ہوا نظر آتا تو اس کی نماز پڑھتے اور مٹی دینے کے لئے قبرستان تک اس کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

رنج و غم کے موقعہ پر آپؐ کی طبیعت بہت متاثر ہو جایا کرتی تھی، کسی کی تکلیف کو دیکھ کر بے چین ہو جانا آپؐ کی خاص عادت تھی۔ صبر و سکون کی ہدایت کے ساتھ تکالیف کو دور کرنے کی ہر ممکن سعی فرماتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ مصیبت کے وقت بال نوچنا، کپڑے پھاڑنا، منہ سے ناشائستہ کلمات نکالنا صبر کے خلاف ہے صبر کی خوبی یہی ہے کہ مصیبت کے وقت صبر کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ غم تین دن سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے البتہ بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کا سوگ ۴ ماہ اور دس دن منائے۔

خوشی کا طریقہ

آپؐ کی عادت تھی کہ جب کوئی خوشی کی بات دیکھتے تو اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے، زیادہ خوشی کے وقت سجدہ شکر ادا کرتے تھے۔ میدان جہاد میں کامیابی کے وقت خوشی کے عالم میں آپؐ کے منہ سے نعرہ تکبیر و تحسین بلند ہوا کرتا تھا، جب کبھی زیادہ دن کے بعد کسی سے ملاقات ہوتی تو جلدی سے گلے لگ جایا کرتے تھے اور بوسہ لیا کرتے تھے شادی عقیقہ اور ولادت کے وقت بہت خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسے موقعہ پر دوستوں

دو رشتہ داروں کی تواضع کرنا چاہیے، اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم ایک بکرا ہی ذبح کر کے سب کی تواضع کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضرت جعفرؓ بہت دن کے بعد حبش سے مدینہ آئے، یہ فتح خیبر کا زمانہ تھا۔ آپ فرط مسرت سے اٹھے اور حضرت جعفرؓ کے گلے سے لپٹ لئے اور فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہوئی یا جعفرؓ کے آنے کی۔

سفر کا طریقہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپ مدینہ سے باہر سفر کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اپنی ایک بیوی کو ساتھ لے جاتے تھے۔ آپؐ جمعرات کے دن سفر فرماتے علی الصباح گھر سے روانہ ہوتے اور جب سواری پر قدم رکھتے تو زبان مبارک سے بسم اللہ اور اللہ اکبر فرمایا کرتے تھے۔ گھر کے سب لوگوں سے مل کر رخصت ہوتے تھے سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملاقات فرماتے تھے۔

واپسی کے وقت پہلے مسجد میں جاتے ۲ رکعت نفل ادا فرماتے، پھر گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملاقات فرماتے تھے، آپؐ کا ارشاد تھا کہ سفر سے واپس آکر سیدھے گھر میں مت جایا کرو بلکہ ذرا توقف کیا کرو تاکہ عورتیں اپنا سامان درست کرلیں، اگر کوئی دوسرا آپؐ سے رخصت ہونا چاہتا تو اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں اس وقت تک لئے رہتے جب تک وہ خود نہ چھڑاتا۔ پھر فرماتے جاؤ میں تم کو اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔ سفر کے وقت قرعہ اندازی فرماتے جس بیوی کا نام نکلتا وہی آپؐ کے ساتھ جاتی تھیں، راستہ میں کسی بلند جگہ پر چڑھتے وقت تکبیر اور اترتے وقت ترنم کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو زبان مبارک سے ارشاد فرماتے یا ارض ربی و ربک اللہ۔ جب کسی فوجی دستہ کو کسی مہم پر

روانہ فرماتے تو ارشاد فرماتے "میں تمہارے فرض کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔"

شجاعت

تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہادر اور شجاع آپؐ ہی کی ذات تھی بڑے سے بڑے خطرہ کے وقت مطلق نہیں گھبراتے تھے، عزم و استقلال اور حق گوئی۔ ثابت قدمی، عادات نبوی ؐ کے مخصوص جوہر تھے، سب سے بہادر اس مسلمان کو سمجھا جاتا تھا جو آپؐ کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہے اور بھاگے نہیں، غزوہ حنین میں جب کہ بہت سے لوگ میدان سے ہٹ گئے تھے آپؐ چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہوئے بڑے استقلال سے فرما رہے تھے "میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔ بہادری کے کام آپؐ کو بہت پسند تھے۔ ورزش، نشانہ بازی، گھوڑدوڑ اور تیر اندازی کی طرف لوگوں کو رغبت دلاتے تھے، لوگوں کی دو پارٹیاں بنا کر ان کاموں کے کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود دونوں پارٹیوں کے ساتھ رہتے تھے، آپؐ کا فیصلہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ لمبی دوڑ پانچ میل کی اور چھوٹی ایک میل کی ہوا کرتی تھی۔ اس شجاعت اور دلیری کے باوجود آپؐ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا۔

جنگ بدر میں جب کہ تین سو مسلمان مسلح دشمنوں سے برسرپیکار تھے مگر عالم تھا کہ مسلمان جب پیچھے ہٹتے تھے تو آپؐ کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔ غرض ہر میدان میں آپؐ سب سے زیادہ بہادر نظر آتے تھے۔

عزم و استقلال اور ثابت قدمی کا اس سے زیادہ کونسا مظہر ہو سکتا ہے کہ انتہائی مخالفانہ ماحول میں ۱۳ سال تک اسلام کی تبلیغ فرمائی اور ایسی عظیم کامیابی حاصل کی کہ جب دنیا

سے تشریف لے گئے تو ایک لاکھ جاں نثار چھوڑ کر گئے۔

شرم وحیا اور تواضع

شرم وحیاء کو آنحضرتؐ ایمان کا جزو سمجھتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جب ایک اٹھ جاتی ہے تو دوسری خود بخود اٹھ جاتی ہے، آپؐ کی شرم وحیاء کا یہ عالم تھا کہ عورتوں کو بیعت کرتے وقت ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے شرم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں سو آپؐ نے فرمایا کہ جب آدمی شرم وحیاء کو اٹھا کر رکھ دے تو پھر جو اس کا دل چاہے وہ کرے حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ اس درجہ شرم کرتے تھے کہ کنواری لڑکیاں بھی کیا شرمائیں گی اگر کوئی بات مزاج کے خلاف ہوتی جب بھی آپؐ شرم کی وجہ سے خاموش رہتے تھے ہم ایسے موقعہ پر آپؐ کے چہرہ کو دیکھ کر اندازہ لگا لیتے تھے اللہ کی تمام مخلوق آپؐ کی نظر میں مہربانی کی مستحق تھی۔ غلاموں یتیموں۔ بیواؤں حتیٰ کہ آپؐ جانوروں سے بھی محبت فرماتے تھے، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے اور سب کو نرمی کرنے کی ہدایت فرماتے تھے، قرآن کریم میں اس پیاری عادت شریف کے سلسلہ میں رؤف رحیم کے الفاظ ارشاد فرمائے گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس آپؐ کی خدمت کی مگر کبھی آپؐ کو کسی پر ناراض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہمیشہ دعا دیتے اور جان و مال میں برکت کی دعا فرماتے، نرمی اور محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب نماز شروع کرتے اور ارادہ فرماتے کہ دیر تک اور لمبی سورتیں پڑھیں گے مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز کان میں آتی تو نماز کو مختصر کر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں بڑا سخت دل ہوں کسی پر رحم ہی نہیں آتا ہے، آپؐ نے فرمایا تم یتیم کے سر پر ہاتھ

پھیرا کرو۔ ایک مرتبہ ظہر کی نماز کے وقت بہت سے بچے سامنے آگئے آپؐ نے سب کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور ان کے کانوں کو انگلی سے چھوا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں، میں لعنت کرنے کے لئے نہیں بلکہ محبت کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ آپؐ نے کبھی کسی کے لئے بددعا نہیں کی اور نہ کسی کو برا کہا۔ کسی شخص سے آپؐ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی بدلہ نہیں لیا، مگر قانون شکنی کے سلسلہ میں آپؐ لوگوں کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ آپؐ جانوروں کو آپس میں لڑانے اور تیر کا نشانہ بنانے سے ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ کمزور اور دبلے پتلے جانوروں کو دیکھ کر آپؐ ان کے مالکوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ تم اپنے جانوروں کو اچھی طرح کھلانے پینے کو دیا کرو۔ بوڑھوں سے محبت اور شفقت آپؐ کی خاص عادت تھی، فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ کو جب حضرت ابوبکرؓ لے کر آپؐ کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے ان کو بلاوجہ تکلیف دی میں خود ہی انکے پاس چلا جاتا۔

غرور و تکبر کو آپؐ کی طبیعت سخت ناپسند کرتی تھی۔ بیمار کے پاس بیٹھ جانا، جنازے کے ساتھ چلا جانا غلاموں کی دعوت کو قبول کر لینا، غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لینا آپؐ کی خاص عادت تھی آپؐ جتنی دیر گھر میں رہتے تھے برابر گھر کے کام میں حصہ لیتے رہتے تھے، ضرورت کے وقت اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے تھے کپڑے سینے میں اور سی کر پہننے میں آپؐ کو کوئی عار نہیں ہوتا تھا، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نیا پھل آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپؐ اس کو شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں عرض پیرا ہوتے تھے کہ اے اللہ جس طرح تو نے اس پھل کا آغاز ہم کو دکھایا ہے اس کا انجام بھی دکھانا اس کے بعد وہ پھل بچوں میں

تقسیم فرما دیتے تھے۔

احترام، محبت اور خلوص

حضرت ابو طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک بوڑھی عورت جو بوسیدہ لباس میں ملبوس تھیں آپؐ کی خدمت میں آئیں آپؐ فوراً اٹھے، اپنی چادر بچھا کر ان کو بٹھایا۔ ہم لوگ حیران تھے، جب وہ چلی گئیں تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون محترمہ تھیں؟ ارشاد ہوا کہ یہ میری دائی حلیمہؓ تھیں۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب کسی سفر سے واپس ہوا کرتے تھے تو گھر کے بچے لوگوں کے ساتھ مل کر آپؐ کا استقبال کیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ میں سامنے پہنچ گیا تو آپؐ نے مجھے اپنی سواری پر سامنے بٹھا لیا، پھر حضرت امام حسنؓ آئے تو آپؐ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، شہر میں داخل ہوئے تو ہم تین آدمی ایک سواری پر بیٹھے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثؓ جب مدینہ میں آئے اور آپؐ سے ملاقات کے لئے دروازہ پر دستک دی تو اس وقت آپؐ صرف تہبند باندھے ہوئے تھے اسی حالت میں باہر گئے اور جوش محبت میں ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔ جب آپؐ مسجد میں بیٹھے ہوتے ہوتے اور کوئی نیا آدمی آتا ہوا نظر آتا تو آپؐ ارشاد فرماتے اٹھو اور آنے والے کا احترام کرو اور جگہ بیٹھنے کی بناؤ۔ حضرت خدیجہؓ جو ۲۵ برس مسلسل آپؐ کی خدمت میں رہیں اور جن کو آپؐ کی سب سے پہلی اور برگزیدہ بیوی ہونے کا شرف حاصل ہے وہ آغاز نبوت میں آپؐ سے بعض اوقات کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ آپؐ ذرا بھی غمگین نہ ہوں۔ خدا کی قسم آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ آپؐ سب کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں۔ صلہ رحم کرتے

ہیں، مقروضوں کے قرض کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے حضرت امام حسینؓ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو بڑی مہربان طبیعت عطا فرمائی تھی، ہنستا ہوا چہرہ اور نرم خو تھے، نہ سخت مزاج اور نہ تنگ دل۔ منہ سے کبھی کوئی برا کلمہ نہ نکالتے تھے۔ معمولی باتوں پر بگڑ جانا، عیب جوئی اور تنگ گیری آپؐ کی عادت نہیں تھی۔ جو امور مزاج کے خلاف ہوتے تھے ان سے اغماض فرماتے تھے۔ صاف انکار کر دینا اور جلدی سے اقرار کر لینا اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ آپؐ کی خاموشی سے مزاج شناس آپؐ کے مقصد کو جان لیتے تھے۔ بحث و مباحثہ، بیکار گفتگو اور ہر بات میں دخل دینا آپؐ کی عادت کے خلاف تھا۔ کسی شخص کے پوشیدہ حالات کی ٹوہ نہیں لگاتے تھے آپؐ کی ہر بات نتیجہ خیز ہوا کرتی تھی۔ جب آپؐ گفتگو فرماتے تھے تو صحابہ کرامؓ اس طرح خاموش ہو کر سنا کرتے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؐ کبھی کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے۔ ہر شخص کی پوری بات سنتے تھے۔ ہنسی کی باتیں ہوتی تھیں تو سب ہنستے تھے مگر آپؐ مسکراتے تھے۔ کوئی اجنبی شخص اگر بیباکی سے باتیں کرنے لگتا تو آپ بڑے تحمل سے سنتے رہتے تھے، کوئی شخص آپؐ کے سامنے آپؐ کی تعریف کرتا تو آپؐ اسے کراہت کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ کسی کے شکریہ کو رد نہیں فرماتے۔ نہایت فیاض، راست گو اور نرم مزاج کے مالک تھے، پہلی ملاقات میں لوگ آپؐ کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے تھے مگر اس کے تھوڑی دیر بعد خوش مزاجی کو دیکھ کر

محبت کرنے لگتے تھے۔ (ترمذی، بخاری، ابن سعد)

اگر کسی کی کوئی بات خلاف مزاج ہوتی تھی تو اس کا نام لے کر برا نہیں کہتے تھے بلکہ ایک خاص انداز میں طریقہ ابہام کے ساتھ فرماتے تھے کہ "بعض لوگوں کی عادتیں ایسی ہوتی ہیں"۔ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کسی شخص کی ذلت ہو اور اس کی غیرت کو ٹھیس لگے۔

اوقات غم

آنحضرتؐ رنج و غم کے موقعہ پر بہت متاثر ہو جایا کرتے تھے، دیکھنے والوں کو آپ کی بے چینی محسوس ہوا کرتی تھی مگر پھر بھی صبر و سکون کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کسی کی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ عالم بے چینی میں بھی صبر کی تلقین آپ کی خاص عادت تھی۔ ہر تکلیف کو حتی الامکان رفع کرنے کی پوری کوشش فرماتے تھے کسی کے مرنے میں منہ سے برے الفاظ نکالنے کو، بال نوچنے کو اور کپڑے وغیرہ پھاڑنے سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ صبر کی خوبی یہی ہے کہ مصیبت کے وقت صبر کیا جائے جب آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو ارشاد فرماتے تھے کہ ہم تیری جدائی سے غم گیں ہیں مگر منہ سے وہی نکلے گا جو خدا کی مرضی ہے۔ حضرت امیر حمزہ کی شہادت نے آپؐ کے دل کو سخت صدمہ پہنچایا مگر آپؐ اس موقعہ پر بھی پیکر سکون نظر آ رہے تھے بہت سے مرد اور عورتیں تعزیت کے لئے آپؐ کے دروازہ پر آئے، دیر تک بیٹھے آنسو بہاتے رہے مگر منہ سے آواز نہ نکلی۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر نے بے چین کر دیا۔ ان کے گھر گئے۔ بچوں کے سر پر ہاتھ پھرایا اور اپنے گھر سے کھانا پکوا کر بھجوایا اور فرمایا آج ان لوگوں کے لئے کھانا پکانا مشکل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ غم تین دن سے زیادہ نہیں کرنا چاہئیے مگر بیوی کو چاہئیے کہ وہ شوہر کا سوگ ۴ ماہ اور دس دن تک منائے۔

(مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

واقعات سیرت

عدیؓ کا اسلام

عدی بن حاتم طائی جو یمن کے باشندے تھے اور عیسائی مذہب رکھتے تھے وہ جب آنحضرتؐ کے حالات سنتے تھے تو خیال کرتے تھے آپؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ اسی عرصہ میں وہ اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور ابھی کچھ کہنے سننے بھی نہ پائے تھے کہ ایک غریب عورت نے آپؐ کو اپنے قریب بلایا اور کہا کہ میں تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں، آپ مجمع سے قدرے ہٹ کر اس کی باتیں سنتے رہے اور اس وقت تک برابر سنتے رہے جب تک وہ غریب عورت اپنی درد بھری داستان سناتی رہی، جب وہ چلی گئی تو عدیؓ کہتے ہیں کہ اب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ یہ تواضع، خاکساری اور عاجزی بادشاہوں میں نہیں ہو سکتی ہے یہ تو صرف پیغمبروں کی شان ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام)

امت کا خیال

حضرت سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ آپؐ سواری سے اتر گئے اور دیر تک بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے رہے اور پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں رہے۔ پھر سجدہ

سے سر اٹھایا دعا کی اور سجدے میں چلے گئے، پھر سر اٹھایا اور بڑی عاجزی سے بارگاہ رب العزت میں دیر تک مصروف دعا رہے۔ فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ قبول کیا گیا، دوبارہ پھر سجدے کے بعد التجا کی تو اسے بھی قبول فرمایا۔ اس کے بعد پھر اپنی امت کے لئے درازی عمر کی دعا مانگی تو میرے رب نے اسے بھی شرف قبولیت بخشا اور میں شکریہ کے لئے سجدہ میں گر پڑا۔ (ابوداؤد)

شفقت و محبت

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب مجھے دیکھتے تھے تو مسکرا دیا کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپؐ مسکرائے نہ ہوں۔

ایک مرتبہ آپؐ سعد ابن معاذؓ سے ملنے تشریف لے گئے۔ واپس آنے لگے تو سعدؓ نے اپنے بیٹے قیسؓ کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرتؐ کو پہنچا آؤ۔ آنحضرتؐ نے قیس سے فرمایا آؤ میری سواری پر میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ قیسؓ نے بے ادبی کے خیال سے سوار ہونے سے انکار کیا تو آپؐ نے فرمایا، قیسؓ یا تو تم سواری پر بیٹھ جاؤ یا واپس چلے جاؤ، یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم پیدل چلو اور میں سواری پر چلوں۔

ایک مرتبہ نجاشی کا بھیجا ہوا ایک سفیر آپؐ کی خدمت میں آیا، آپؐ نے اس کو اپنے گھر اپنا مہمان بنایا اور خود اس کی مہمانداری کی تمام خدمت انجام دی صحابہ کرامؓ نے کوشش کی کہ آپؐ اس مہمان کو ہمارے سپرد کر دیں اور ہم اس کی خدمت کے فرائض کو پورا کریں مگر آپؐ نے فرمایا، نہیں میں خود ان کی خدمت کروں گا کیونکہ ان لوگوں نے میرے

احباب کی بہت خدمت کی ہے۔

حضرت عتبہ بن مالک بدریؓ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے بارش کے زمانہ میں مسجد تک جانے میں بہت دشواری ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور والا میرے گھر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز ادا فرمائیں پھر میں وہیں نماز پڑھ لیا کروں۔ دوسرے دن آپؐ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا، کہاں نماز پڑھوں؟ انھوں نے جگہ بتائی اور آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور حضرت عتبہؓ نے اسی جگہ کو ہمیشہ کے لئے سجدہ گاہ بنالیا۔

احباب سے محبت کا یہ حال تھا کہ حضرت مقدادؓ بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے ابتدائی ایام میں دس دس آدمیوں کی ایک ایک ٹولی انصار کی مہمان بنائی گئی تھی، میں آنحضرتؐ کی جماعت میں شامل تھا۔ بکریوں کے دودھ پر گذارہ تھا۔ رات کو سب اپنے اپنے حصہ کا دودھ پی کر سو رہتے تھے، ایک دن آنحضرتؐ دیر سے تشریف لائے دیکھا تو دودھ ختم ہو چکا تھا۔ حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ حال دیکھا تو چھری لے کر بکری ذبح کرنا چاہی مگر آپؐ نے منع کر دیا اور بکری کو دوہا جو کچھ نکلا اسی پر قناعت کرلی مگر کسی کو برا نہیں کہا۔

اخلاق عام

ایک مرتبہ ابو شعیب انصاریؓ نے آنحضرتؐ کی دعوت کی۔ آپ ان کے کہنے سے چار صحابہ کو لے کر کھانے کے لئے چلے۔ راستہ میں ایک صاحب ملے اور وہ بھی ساتھ ہو لئے، آپؐ نے ابو شعیبؓ سے فرمایا کہ یہ ساتھ ہو لئے ہیں اگر تم اجازت دو تو ان کو بھی لے لیا جائے ورنہ واپس کر دیا جائے۔ ابو شعیبؓ نے عرض کیا ان کو بھی

لے لیجئے اور واپس نہ کیجئے۔ (بخاری)

ایک مرتبہ آنحضرتؐ عقبہ بن عامرؓ کے ساتھ اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے جارہے تھے، راستے میں آپؐ نے عقبہؓ سے فرمایا، اب تم بیٹھو؟ مگر حضرت عقبہؓ نے اسے بے ادبی سمجھا کہ میں سواری پر چلوں اور آنحضرتؐ پیدل چلیں۔ حضور اکرمؐ نے اصرار فرمایا تو عقبہؓ سواری پر بیٹھے اور آنحضرتؐ پیدل چلے (نسائی)

حضرت زینبؓ سے نکاح کے بعد جب آپؐ نے ولیمہ کی دعوت کی تو کچھ لوگ کھانا کھانے کے بعد بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ یہ لوگ چلے جائیں کیوں کہ پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور عورتیں بھی اسی گھر میں موجود تھیں، آپؐ دو مرتبہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں گئے اور واپس آئے مگر یہ لوگ بدستور بیٹھے ہی رہے آپؐ کو یہ بات پسند نہیں آئی گر ان سے کچھ کہیں آخر حضرت جبریلؑ پردہ کی آیت لے کر آئے۔ (بخاری باب الحجاب)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ایک مرتبہ مسجد میں پیشاب کر دیا مسلمانوں نے اسے پکڑ نا مارنا چاہا، آنحضرتؐ نے فرمایا، اس کو مت مارو چھوڑ دو اور پیشاب پر پانی بہادو۔ تم لوگ آسانی کرنے کے لئے بنائے گئے ہو سختی کرنے کے لئے نہیں (بخاری)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان نے پھلوں کا باغ خرید کیا تھا، اتفاقی سے آندھی آئی اور باغ کے پھل ضائع ہو گئے۔ آنحضرتؐ کو اس کی پریشانی سے سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، اس کی مدد کرو تاکہ یہ مصیبت سے نجات حاصل کر سکے اور قرض کے بوجھ سے سبکدوش ہو، آپؐ نے قرض خواہوں سے

بھی سفارش فرمائی اور فرمایا جو مل رہا ہے وہی لے لو۔ (مسلم)

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ایک شخص سے ایک اونٹ قرض لیا، اونٹ والے نے وعدہ ادائیگی سے قبل ہی تقاضا شروع کر دیا اور سختی سے پیش آیا، مسلمان مارنے کو لپکے، آنحضرتؐ نے سب کو روک دیا اور فرمایا اس سے کچھ مت کہو کیوں کہ حق دار کو کہنے کا حق ہے، پھر فرمایا اس کو بازار سے ایک اونٹ خرید کر دو۔ لوگوں نے بازار سے آکر بتایا کہ اونٹ تو ملتا ہے مگر اس کے اونٹ سے اچھا ہے فرمایا وہی خرید کر دیدو کیوں کہ بہتر آدمی وہی ہے جو قرض کو خوشی سے ادا کرے (بخاری)

نصیحت و شکریہ

رافع ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں جب کوئی شخص نیا پھل پیش کرتا تھا تو آپؐ اسے شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے اللہ! جس طرح تو نے اس پھل کا آغاز ہم کو دکھایا ہے اس کا انجام بھی دکھانا، پھر اس پھل کو آپؐ ان بچوں میں تقسیم فرما دیتے تھے جو اس وقت آپؐ کے پاس موجود ہوتے تھے

خلوص و محبت

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب سفر سے واپس آتے تھے تو اہل بیت کے بچے آپ کا استقبال کرتے تھے، ایک مرتبہ میں آپؐ کے سامنے گیا تو آپؐ نے مجھے اپنی سواری پر آگے بٹھا لیا اس کے بعد امام حسنؓ آئے تو آپؐ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ چنانچہ جب شہر میں داخل ہوئے تو ...... ہم تین آدمی ایک سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثؓ جب مدینہ میں آئے اور آنحضرتؐ

کے دروازہ کو ملنے کے لئے کھٹکھٹایا تو حضور اکرمؐ اس وقت صرف تہبند باندھے ہوئے تھے، اسی حالت میں باہر گئے اور جوش محبت سے زید کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔ (ترمذی)

حضرت جعفر بن ابو طالبؓ فرماتے ہیں کہ جب میں حبش سے مدینہ میں آیا تو رسول اکرمؐ نے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا اور فرمایا۔ میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے جعفرؓ کے آنے کی زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کے فتح ہونے کی (مشکوٰۃ)

ایک مرتبہ آپؐ مسجد میں صحابہؓ کے درمیان رونق افروز تھے۔ ایک صاحب کو سامنے سے آتا ہوا دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھے اور آنے والے کے لئے جگہ کا انتظام فرمایا۔ انہوں نے کہا۔ یارسول اللہؐ! آپ تشریف رکھیں جگہ بہت ہے میں بیٹھ جاؤں گا۔ فرمایا بھائی! ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آنے والے کا احترام کرے اور اس کے لئے جگہ نکالے۔ (مشکوٰۃ)

ایفائے عہد

عبداللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں آنحضرتؐ سے کچھ سامان خرید کیا تھا قیمت سے ادا کر دی تھی تھوڑی سی باقی رہ گئی تھی میں نے آپؐ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی آتا ہوں آپؐ اسی جگہ تشریف رکھیں۔ مگر وہاں سے جانے کے بعد میں بھول گیا۔ ۳ دن کے بعد یاد آیا تو باقی قیمت لے کر اسی مقام پر آیا تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر حسب وعدہ بیٹھے ہوئے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ تم نے مجھے بڑی زحمت دی تین دن سے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں (ابو داؤد)

سخاوت • ایک مرتبہ آپؐ مسجد میں رونق افروز تھے کہ ایک سائل نے

آکر سوال کیا، آپؐ نے فرمایا جاؤ ہماری بکریوں میں سے ایک بکری لے لو۔ سائل بہت خوش ہوا اور اچھلتا ہوا جانے لگا تو آپؐ نے اسے واپس بلایا اور فرمایا ایک بکری نے تم کو اتنا خوش کر دیا، سائل نے عرض کیا۔ حضورؐ! اچھے زندگی میں ایک مرغی کے ملنے کی امید نہ ہو اور اسے آپ بکری عطا کر دیں تو اسے خوش ہونا ہی چاہیے، آپؐ نے ارشاد فرمایا جاؤ میں نے تم کو اپنی سب بکریاں دیدیں۔ (رحمت دو عالمؐ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سائل کو آپؐ نے اس قدر بکریاں عطا فرمائیں کہ دو پہاڑوں کا درمیانی حصہ بھر گیا۔ اس شخص نے اپنی قوم سے جا کر کہا۔ خدا کی قسم! محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ غربت کا اندیشہ جاتا رہتا ہے۔ (مسلم)

مساوات

مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے وقت آنحضرتؐ تمام لوگوں کے ساتھ پتھر وغیرہ اٹھانے میں مصروف تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ! ہمارے ماں باپ قربان ہوں آپ تکلیف نہ فرمائیں مگر آپؐ برابر سب کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے، اسی طرح ایک مرتبہ کسی سفر میں کھانا پکانے کی ضرورت ہوئی، سب نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لے لیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں جنگل سے لکڑیاں لے کر آتا ہوں، صحابہؓ نے ہر چند روکنا چاہا مگر آپؐ نہ مانے اور فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم میں اور خود میں کوئی فرق قائم رکھوں۔ (بخاری)

خوف خدا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خوف سے کبھی اتنا روتے تھے کہ ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ نماز ادا فرما رہے تھے، آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور

ہچکی بندھی ہوئی تھی، ایک مرتبہ آپؐ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ قبر کھودی جا رہی تھی آپؐ قبر کے پاس بیٹھے تھے اور اسے دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے، آنسو زمین پر گر رہے تھے اور زبان مبارکؐ سے ارشاد فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اس دن کے لئے سامان تیار کر رکھو۔ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ بہت جلدی بوڑھے ہو گئے ارشاد فرمایا۔ سورۂ ہود سورۂ واقعہ میں قیامت اور عذاب کے تذکرہ کو پڑھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے بوڑھا ہو گیا ہوں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے ارشاد فرمایا۔ میں کس طرح آرام سے بیٹھوں جب کہ صور پھونکنے والا صور منہ میں دبائے حکم الٰہی کا انتظار کر رہا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا جب یہ حالت ہے تو آپؐ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھا کرو۔

جب کبھی ہوا زور زور سے چلتی یا آسمان پر گہرے گہرے بادل اٹھتے تو آپؐ سہم جاتے اور کام چھوڑ کر قبلہ رخ ہو کر فرماتے۔ اے اللہ! میں تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں، جب بادل اتر جاتے اور ہوا رک جاتی تو شکر یہ ادا کرتے تھے۔ (ترمذی)

حسن نصیحت

غزوۂ حنین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں نماز کا وقت آیا تو ایک مقام پر ٹھہر گئے، موذن نے اذان دی، ابو محذورہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ادھر آنکلے اور اذان سن کر اس کی نقل اتارنے لگے، آنحضرتؐ نے ان سب کو اپنے پاس بلوایا اور پھر سب سے باری باری سے اذان دلوائی۔ ابو محذورہ بڑے خوش الحان تھے، جب وہ اذان کہہ چکے تو آپؐ نے ان کو قریب بٹھا کر سر پر دست محبت پھیرا اور دعا دینے کے بعد ارشاد فرمایا۔ جاؤ حرم محترم میں اسی طرح اذان دیا کرنا

ابومحذورہ بہت متاثر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ (سیرت النبی بحوالہ دار قطنی)

عباد بن شرجیلؓ مدینہ کے باشندے تھے‘ ایک مرتبہ بھوک سے تنگ آکر ایک باغ میں چلے گئے اور کھجوریں توڑ کر کھانے لگے اور کپڑے میں باندھ لیں۔ باغ والے نے پکڑ لیا‘ مارا اور کپڑے اتار لئے اور پھر آنحضرتؐ کے پاس لے کر آیا دونوں نے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ عباد ناواقف تھے ان کو بتانا چاہیے تھا اور اگر بھوکے تھے تو ان کو کھانا کھلانا چاہیے تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے باغ کے مالک سے کپڑے واپس لوا دیئے اور اپنے پاس سے ساٹھ صاع غلہ باغ والے کو دے کر رخصت کر دیا۔

آنحضرتؐ کی عادت تھی کہ جب کسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تھی تو آپؐ نظر انداز فرماتے تھے اور اس کے سامنے کچھ نہیں کہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ عربی دستور کے مطابق ایک صاحب کپڑوں میں زعفران لگا کر حاضر ہوئے‘ جب واپس چلے گئے تو آپؐ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا‘ ان سے کہہ دینا کہ اس کو دھو ڈالیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب ملنے آئے‘ آپؐ نے فرمایا‘ اگرچہ وہ اپنے قبیلہ کا ناپسندیدہ شخص ہے مگر آنے دو۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ بڑی نرمی سے کلام فرماتے رہے۔ تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض خدمت کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ ان کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر آپؐ نے تو بڑی نرمی سے بات چیت فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا وہ آدمی ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔ (ابوداؤد، بخاری)

ادب ولحاظ

ابوداؤد نے کتاب الادب میں اس واقعہ کو روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ

مقام جعرانہ میں اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھی عورت آپؐ کے پاس آئیں آنحضرتؐ نے دیکھا تو انکے لئے اپنی چادر بچھا دی اور انکے ساتھ بڑے ادب و لحاظ سے پیش آئے۔ جب وہ چلی گئیں تو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ آنحضرتؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ تھیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ کے پاس آپ کے رضاعی والد اور رضاعی بھائی آئے تو آپؐ نے اس قدر احترام کیا کہ انکے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر کے گوشے بچھا دیئے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو آپؐ نے بلوایا۔ وہ اس وقت موجود نہیں تھے۔ جب واپس گھر آئے تو اطلاع ملی، فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آنحضرتؐ لیٹے ہوئے تھے جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور سینے سے لگا لیا، آپؐ کی عادت تھی کہ جب راستے میں چلتے تو سب کو سلام کرتے ہوئے چلتے مرد، عورت اور بچے جو بھی سامنے آجاتے سب کو سلام کیا کرتے تھے۔ ایک جگہ مسلمان، منافق اور کافر سب بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے سب کو سلام کیا۔ (بخاری)

حسنِ معاملہ

ایک مرتبہ عرب کے مشہور تاجر سائبؓ بارگاہ نبویؐ میں مسلمان ہونے کے بعد حاضر ہوئے لوگوں نے ان کا آنحضرتؐ سے بڑے اچھے الفاظ میں تعارف کرایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائبؓ کہنے لگے بیشک آپؐ مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ تجارت میں میرے شریک رہے ہیں اور آپؐ نے میرے ساتھ ہمیشہ معاملہ اچھا اور صاف رکھا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ چند روز کے بعد وہ لینے

آیا تو آپؐ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا، جاؤ بازار سے کھجوریں خرید کر ان کا قرض ادا کر دو۔ اتفاق سے کھجوریں اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی قرض لی تھیں، قرض خواہ نے لینے سے انکار کیا تو صحابیؓ نے کہا کہ تم آنحضرتؐ کی دی ہوئی چیز لینے سے انکار کرتے ہو، قرض خواہ نے کہا کہ ہاں اگر رسول اللہؐ انصاف نہیں کریں گے تو پھر عدل کی کس سے اُمید کی جائے گی آنحضرتؐ نے یہ الفاظ سنے تو آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا سچ ہے (مسند احمد)

خوش مزاجی

آنحضرتؐ کے مزاج مبارک میں غرور و تکبر نام کو نہیں تھا، نرمی و لطف آپؐ کی عادت مخصوصہ تھی۔ ایک مرتبہ حضرت انسؓ جو کمسن تھے اور خادم تھے، ان کو آواز دی اور فرمایا "اے دو کان والے بچے" اسی طرح حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی ابا عمیر کی بلبل بیمار ہوئی اور وہ رنجیدہ ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا۔ یا ابا عمیر ما فعل النغیر اے ابا عمیر تمہاری بلبل کا مزاج کیسا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے سواری کے لئے کوئی جانور عنایت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اچھا مگر اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ صحابی کہنے لگے۔ میں بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ ارشاد ہوا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟

ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت میں جگہ عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی عورت بڑی ہراساں اور رنجیدہ ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، لوگو! ان سے کہدو کہ بوڑھے جنت میں جوان ہو کر جائیں گے، ایک صحابی زاہرؓ جو دیہات میں رہتے تھے اور دیہات کا سامان آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ

بھیجا کرتے تھے، ایک مرتبہ مدینہ میں آئے اور بازار میں اپنا مال فروخت کر رہے تھے آپؐ نے پیچھے جا کر ان کو دبا لیا، انھوں نے پوچھا کون ہے؟ آپؐ نے چھوڑ دیا، زاہرؓ نے گھوم کر دیکھا تو لپٹ گئے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی اس غلام کو خریدتا ہے؟ زاہرؓ کہنے لگے یارسول اللہ مجھ جیسے شخص کو کون خریدے گا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کے نزدیک تمہاری قیمت زیادہ ہے۔ (ترمذی / بخاری)

اولاد سے محبت

اولاد میں سب سے زیادہ آپؐ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے محبت تھی۔ وہ جب آپؐ کی خدمت میں آتیں تو آپؐ کھڑے ہو کر استقبال کرتے پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنی اولاد اور خاندان سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی آنحضرتؐ کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؓ مدینہ سے ۴ میل دور اپنی والدہ کے پاس رہا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ مدینہ سے پیدل جاتے تھے اور حضرت ابراہیمؓ کو اپنی گود میں لے کر دیر تک منہ چومتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ اقرع بن حابس مشہور رئیس عرب نے آپؐ کو دیکھا کہ آپ حضرت امام حسینؓ کا منہ چوم رہے ہیں اقرع نے کہا۔ میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا، جو کسی پر رحم نہیں کرتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔ حضرت حسینؓ کے لئے آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہیں، حضرت فاطمہؓ جب ان کو آپؐ کے پاس لے کر آتی تھیں تو آپ ان کو سونگھتے تھے اور سینے سے لگاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت امام حسینؓ کاندھے پر سوار تھے۔ ایک صاحب کہنے لگے۔ سواری تو

اچھی ملی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اور سوار بھی کیسا اچھا ہے۔ اکثر آپؐ دونوں نواسوں کو گود میں لیتے۔ منہ چومتے اور فرماتے تھے کہ اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، جوان سے محبت کرے، تو بھی ان سے محبت فرما۔

حضرت زینبؓ کی کمسن بچی امامہؓ سے آپؐ محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے وہ آئیں اور کاندھے پر سوار ہو گئیں۔ آپؐ اسی حال میں نماز ادا فرماتے رہے۔

(بخاری و مسلم و ترمذی)

رقت قلب

آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت رحیم اور رقیق دل عطا فرمایا تھا قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ بڑے نرم دل واقع ہوئے ہیں "۔ کتب سیر و احادیث میں رحمدلی کے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں، مالک بن حویرثؓ ایک وفد کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کئی دن تک رہے وہ کہتے ہیں کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحیما رقیقا یعنی آنحضرتؐ دل کے رقیق اور مزاج کے رحیم تھے۔ (بخاری)

ایک مرتبہ ایک صحابی زمانہ جاہلیت کا واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگے کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے دستور کے مطابق میں نے بھی اپنی ایک لڑکی کو زندہ زمین میں دفن کر دیا، وہ ابا ابا پکارتی رہی اور میں اس پر مٹی ڈالتا رہا۔ آنحضرتؐ اس قصہ کو سن کر رو دیئے اور فرمایا۔ پھر سناؤ۔ صحابیؓ نے دوبارہ سنایا تو آپؐ اس قدر روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ (دارمی)

حضرت مصعب بن عمیر بڑے مالدار ماں باپ کے بیٹے تھے۔ ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں اور بہت عیش و آرام سے زندگی گذار رہے تھے۔ اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، والدین کو سخت ناگوار ہوا اور والدین نے تمام مراعات بند کر دیں۔ لباس و غذا سے محتاج ہو گئے۔ ایک مرتبہ میلے پیوند لگے کپڑے اور پریشان چہرہ کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں آئے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ (ترمذی)

کسی کی بیماری، تکلیف اور پریشانی سے بڑی جلدی متاثر ہو جاتے تھے اور جب تک درد کا کوئی مداوا نہ ہو جاتا دل کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے، آنحضرتؐ دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے ان کی تکلیف کو دیکھا تو آنسو آ گئے، حاضرین نے آپؐ کو روتا دیکھا تو سب کے سب رونے لگے۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت جابرؓ بیمار ہوئے، آپؐ دیکھنے گئے اور ان کی بے ہوشی و بے چینی دیکھ کر بہت متاسف ہوئے، پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا۔ حضرت جابرؓ نے آنکھ کھول دی۔ آنحضرتؐ کو دیکھا تو کہنے لگے۔ یا رسول اللہؐ! میں اپنا ترکہ کس کو دوں؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یوصیکم اللہ فی اولادکم (بخاری)

ایک مرتبہ مسجد نبویؐ کے جاروب کش جو حبشی تھے بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے، لوگوں نے معمولی بات خیال کرتے ہوئے آپؐ کو اطلاع نہیں دی، جب علم ہوا تو دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز پڑھی۔ (بخاری)

جانوروں پر رحم

آنحضرتؐ کی محبت اور رحم و کرم صرف انسانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ آپؐ جانوروں کی تکلیف و اذیت کو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپؐ نے ان تمام ظالمانہ

طریقوں کو بند کرادیا جن کی وجہ سے جانوروں کو اذیت ہوا کرتی تھی۔ مثلاً عرب میں دستور تھا کہ اونٹ کے گلے میں قلاوہ باندھا جاتا تھا۔ زندہ جانوروں کے گوشت کو کاٹ کر پکالیا کرتے تھے، جانوروں کی دُم کاٹ لیا کرتے تھے، جانوروں کو باہم لڑانے کا رواج تھا اور جانوروں کو درخت سے باندھ کر دُور سے نشانہ بازی کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے ان تمام باتوں سے لوگوں کو روک دیا۔

ایک مرتبہ ایک سفر میں ایک صحابی نے ایک پرندے کے انڈے اس کے گھونسلے سے اٹھالئے، چڑیا بیقرار ہورہی تھی۔ آپؐ نے صحابی سے فرمایا۔ اس کے انڈے جہاں سے اٹھائے ہیں وہیں رکھدو۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے جھاڑی سے پرندے کے بچوں کو اٹھالیا۔ پرندہ بڑی بیقراری سے صحابی کے سر پر منڈلانے لگا، آنحضرتؐ نے دیکھا تو ارشاد فرمایا۔ جاؤ اس کے بچے اسی جگہ رکھدو۔"

ایک مرتبہ ایک اونٹ کی زخمی پیٹھ کو دیکھا تو ارشاد فرمایا، ان بے زبانوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ایک مرتبہ ایک باغ میں ایک کمزور اونٹ آپؐ کو دیکھ کر بلبلایا۔ آپؐ نے محبت سے اونٹ کی پیٹھ پر ہاتھ پھرایا اور اونٹ کے مالک سے فرمایا۔ کیا تم اس جانور کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے ہو (ابوداؤد، مسلم، ادب المفرد)

عورت اور غلام

عرب میں ان دونوں کو انتہائی ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا تھا، مجلسی زندگی میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا، آنحضرتؐ نے ان دونوں پر رحم فرمایا اور ان کی زندگی کو بلندی و سرفرازی عطا فرمائی، اور ان کو بھی ایسے حقوق عطا فرمائے جو ان کی

تاریخ مصطفےٰ ؐ

عزت و منزلت کا سبب بنے۔

چنانچہ ایک مرتبہ عورتوں نے آپؐ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہؐ! مردوں کو آپؐ کی مجلسوں میں بیٹھنے اور ارشادات کے سننے کا خوب موقعہ ملتا ہے مگر ہم لوگ محروم رہتے ہیں، آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو سن کر ایک دن مقرر کر دیا۔ عورتیں مقررہ دن اور وقت پر جمع ہو جایا کرتی تھیں اور آپؐ ان کے سامنے تقریر فرماتے تھے، (بخاری)

حضرت انس بن مالکؓ کی خالہ قبا میں رہا کرتی تھیں، آپ مدینہ سے قبا ملنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، وہ آپؐ کو کھانا کھلاتیں اور جب آپ سوتے تو بالوں کو صاف کرتی رہتی تھیں)۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دادی ملیکہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ آپؐ تشریف لے گئے اور جب کھانا کھا چکے تو آپؐ نے ازراہِ شفقت ارشاد فرمایا "آؤ میں تم کو نماز پڑھا دوں انھوں نے چٹائی بچھائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُن کی دادی اور چند غلام و یتیم مقتدی بنے، اور آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی (بخاری)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آرام فرما رہے تھے عید کا دن تھا۔ محلہ کی چند لڑکیاں آئیں اور خوشی سے گانے بجانے لگیں حضرت ابو بکرؓ کو علم ہوا تو آئے اور سخت وسست کہا۔ آپؐ نے فرمایا اُن سے کچھ مت کہو آج ان کی خوشی کا دن ہے۔ (مسلم)

ایک مرتبہ آپؐ نے انجشہؓ سے فرمایا اونٹ آہستہ چلاؤ کہیں یہ نازک شیشے ٹوٹ نہ جائیں۔ غرض عورتیں آپؐ کے سلوک سے وہ مقام حاصل کر سکیں جو اس سے قبل عرب میں کسی عورت کو حاصل نہیں تھا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے خدمت میں آتیں اور مسائل وغیرہ دریافت کرکے چلی جاتی تھیں، آپؐ ان کے سوالات کے تسلی بخش جواب دیتے تھے اور مطلق نہیں گھبراتے تھے۔

غلاموں کے ساتھ بھی آپؐ کا برتاؤ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ جن مسلمانوں کے پاس غلام تھے ان سے آپؐ فرماتے تھے کہ یہ سب تمہارے بھائی ہیں، جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ اور جو لباس تم استعمال کرو وہی ان کو بھی پہناؤ۔ جو غلام آپؐ کے حصے میں آتے تھے آپؐ ان کو آزاد کر دیتے تھے مگر ان غلاموں کو یہ گوارہ نہ ہوتا تھا کہ وہ آپؐ سے جدا ہوں۔ زید بن حارثہؓ کو آپؐ نے آزاد کر دیا تھا مگر وہ اپنے باپ کے ساتھ نہیں گئے اور صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہؐ کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔

حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ بھی غلام تھے مگر آپؐ ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کی ناک اپنے ہاتھ سے صاف کرتے اور فرماتے اگر اسامہؓ لڑکی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا۔

غلاموں کے لئے لفظ غلام پسند نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ میرا غلام اور میری لونڈی مت کہا کرو بلکہ میرا بچہ اور میری بچی کہا کرو۔ نزع کے عالم میں ارشاد فرمایا کہ "غلاموں کے معاملہ میں ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا" ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرتؐ سے شکایت کی آپؐ نے حضرت ابوذرؓ کو تنبیہ کی اور فرمایا، ابھی جہالت کا اثر دور نہیں ہوا ہے یہ غلام تمہارے

بھائی ہیں' اللہ نے تم کو ان پر فضیلت عطا فرمائی ہے' اگر مزاج کے خلاف ہوں تو فروخت کر دیا کرو' خدا کی یہ مخلوق قابل رحم ہے ان کو ستانا اچھا نہیں جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ ان سے اتنا ہی کام لیا کرو جو وہ آسانی سے کر سکیں اور اگر کام زیادہ ہو تو خود بھی ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے پیچھے سے آنحضرتؐ کی آواز آئی۔ اے ابو مسعودؓ جس قدر تم کو اس غلام پر اختیار ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو تم پر اختیار ہے' ابو مسعودؓ سہم گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ میں نے اس کو اللہ کے لئے آزاد کر دیا، آپؐ نے فرمایا اگر تم ایسا نہیں کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو معاف نہیں کرتی۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں غلاموں کے قصور کو کتنی مرتبہ معاف کیا کروں۔ فرمایا ایک دن میں ستر مرتبہ معاف کیا کرو۔ کفار کے غلام ان کی سختیوں کی وجہ سے بھاگ کر آپ کے پاس آجاتے تھے آپؐ ان کو آزاد فرما دیتے تھے، مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تھا تو آپؐ غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے۔

کچھ لوگ اپنے غلاموں کا نکاح اپنی لونڈیوں سے کرتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے تو ان میں جدائی کر دیا کرتے تھے۔ غلاموں نے خدمتِ رسولؐ میں شکایت کی تو آپؐ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے دوسرے کو نہیں۔ (ابن ماجہ، ابو داؤد، مسند احمد)

غربائے اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ امیروں اور مال داروں سے کوئی نفرت

نہیں تھی آپؐ کا سلوک اور برتاؤ سب کے ساتھ ایک ہی سا تھا مگر غرباء و مساکین کی طرف آپؐ خاص طور پر توجہ رکھا کرتے تھے، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا سب بڑی بے تکلفی اور خلوص کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔

غرباء کے ساتھ میل جول اور خلا ملا سے متعلق کئی ایسے واقعات ہیں جن کو دیکھ کر رؤسائے مکہ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان غریبوں اور پھٹے حال انسانوں کو مجلس سے نکال دیا جائے پھر ہم مسلمان ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر محمد اپنی مجلس سے حضرت بلالؓ کو اٹھا دیں تو ہم اسلام کی مخالفت چھوڑ کے داخل اسلام ہو جائیں گے، آنحضرتؐ اس پیغام کا جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ حضرت جبریلؑ یہ حکم لے کر آئے کہ اللہ تعالیٰ ان غریبوں کو زیادہ پسند فرماتا ہے جو خلوص نیت کے ساتھ اسلام سے وابستہ ہوئے ہیں۔ اللہ کو بڑے لوگوں کی پرواہ نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری وجہ سے اسلام کو ترقی ملے گی۔

غربائے اسلام کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرتؐ اکابر قریش کو اسلام کی تعلیم فرما رہے تھے کہ نابینا صحابی عبداللہ ابن مکتومؓ آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور بیٹھ گئے مگر آنحضرتؐ نے اس امید پر کہ اکابر قریش اسلام لے آئیں گے نابینا صحابی کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اگرچہ آپؐ کی نگاہوں میں ان کی عزت تھی مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات بھی پسند نہ آئی اور یہ آیت نازل فرمائی۔

عبس و تولی ان جاءہ الاعمی و ما یدریک لعلہ یزکی (سورۃ عبس)

"پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ ان کے پاس نابینا آیا، تم کو

کیا معلوم کہ وہ تمہاری باتوں سے نصیحت حاصل کرتا اور پاک ہو جاتا (ترمذی)
آنحضرتؐ کو غربا سے اس درجہ محبت تھی کہ آپؐ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ تو مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا۔ مسکینوں میں اٹھانا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کرنا۔ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ پوچھا۔ یا رسول اللہؐ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا یہ امیروں سے پہلے جنت میں جائیں گے، پھر فرمایا اے عائشہؓ! تم کبھی اپنے دروازہ سے مسکینوں کو نامراد مت لوٹانا، اے عائشہؓ! اگر چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی ہو تو ان کو دیدینا۔ ان سے محبت کرو تو خدا بھی تم سے محبت کرے گا
ایک مرتبہ غریبوں کا ایک پورا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ یہ سب بڑے نادار اور مفلوک الحال ہو رہے تھے، لباس پھٹے ہوئے اور چہرے غربت کا شکار ہو رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو بے چین ہو گئے، گھر میں گئے آئے پھر گئے آئے اور پھر منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا مسلمانو! یہ تمہارے غریب بھائی آئے ہیں ان کی مدد کرو
آپؐ نے خاص طور پر یہ حکم دے رکھا تھا کہ ہر قبیلہ اور شہر کی زکوٰۃ اسی جگہ کے غربا کو تقسیم کی جائے تاکہ ان کی پریشانی دور ہو وہ اطمینان سے روٹی کھا سکیں
ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کو ڈانٹا آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور فرمایا تم نے ان کا دل آزردہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دونوں سے جا کر معافی مانگی۔
ایک مرتبہ عوالی کی ایک غریب عورت انتقال کر گئی آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھاؤں گا، مگر رات ہونے کی وجہ سے لوگوں نے آپؐ کو اطلاع نہیں کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو سخت افسوس فرمایا اور صحابہ کے ساتھ قبر پر گئے

اور نماز ادا فرمائی۔ (نسائی)

ایک مرتبہ ایک امیر اور ایک غریب کو دیکھ کر ارشاد فرمایا، تمام روئے زمین میں اگر اس امیر کی طرح لوگ ہوں تو یہ ایک غریب سب سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جن کے مزاج میں کچھ برتری کا جذبہ پایا جاتا تھا، ان سے آنحضرتؐ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، جو مدد اور روزی تم کو ملتی ہے وہ انھیں غرباء کے صدقہ میں ملتی ہے۔ (مسلم)

غیروں سے برتاؤ

کسی سے انتقام لینا، کسی سے برا سلوک کرنا اور کسی کو مجبور و بے کس جان کر دبانا اور ستانا یہ تمام مذموعات آنحضرتؐ کی طبیعت اور مزاج کے سخت منافی تھے آپؐ ہر شخص کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہتے تھے اور باوجود اس کے کہ آپؐ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا تھا پھر بھی ان سے اچھا ہی سلوک فرماتے تھے۔

فتح مکہ کے وقت آپؐ چاہتے تو ہزار ہا دشمنوں کی گردنیں ایک اشارہ میں قلم کرا سکتے تھے مگر زبانِ مبارک سے دشمنوں کے مجمع عام میں یہ الفاظ صادر ہوئے اذھبوا فانتم الطلقاء جاؤ میں نے تم سب کو معاف کر دیا۔

ہندہ سے سلوک

فتح مکہ کے دن ابو سفیان کی بیوی ہندہ جس نے احد کے دن حضرت امیر حمزہؓ سے بدترین سلوک کیا تھا اور آنحضرتؐ ان کی لاش کو دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے، جب نقاب پہن کر سامنے آئی تاکہ بے خبری میں امان لے لے تو آپؐ نے پہچان لیا مگر کچھ نہیں فرمایا اور معاف کر دیا، ہندہ نے جب یہ عفو و کرم دیکھا تو کہنے لگی، یا رسول اللہؐ

سب سے زیادہ میں آپؐ کو بُرا خیال کرتی تھی مگر آج آپؐ سے زیادہ میری نگاہوں میں کوئی شریف اور محبوب نہیں ہے (بخاری)

عکرمہ بن ابوجہل جو ہمیشہ باپ کے ساتھ اسلام کو مٹانے اور آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے منصوبے بناتا رہا، فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلا گیا، بیوی مسلمان ہو چکی تھیں وہ یمن گئیں اور شوہر کو مسلمان بنا کر مدینہ لائیں آنحضرتؐ نے دیکھا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا، اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو

صفوان وغیرہ

رئیس قریش صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کو مقرر کیا تھا کہ تم آنحضرتؐ کو قتل کر دو تو میں تم کو معقول انعام دوں گا۔ عمیر ناکام رہے اور صفوان کی اسلام دشمنی کچھ کام نہ آئی، فتح مکہ کے دن عمیر مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور صفوان یمن کی طرف بھاگ گئے، عمیر نے آنحضرتؐ سے صفوان کے بھاگنے کا حال بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ صفوان سے کہدو کہ مکہ میں آ جائیں میں امان دیتا ہوں۔ عمیر نے کہا ان کو یقین نہیں آئے گا، آپؐ نے اپنا عمامہ دیا اور فرمایا۔ جاؤ یہ میری نشانی دکھا بلا لاؤ، عمیر گئے اور صفوان کو لے کر آئے، صفوانؓ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپؐ نے مجھے امان دیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا، ہاں تم کو امان ہے۔ کہنے لگے دو ماہ کی مہلت چاہتا ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا دو نہیں بلکہ چار۔ اس کے تھوڑے دن بعد صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ (ابن ہشام)

ہبار بن اسود

یہ شخص بڑا دشمن اسلام و رسولؐ تھا۔ حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مدینہ

آرہی تھیں، اس نے اونٹ سے گرادیا جس کی وجہ سے سخت چوٹ آئی اور حمل بھی ساقط ہوگیا، اس کے علاوہ اس نے کئی بے گناہوں کو قتل کیا تھا اور بارگاہِ رسالتؐ کا اشتہاری مجرم تھا لیکن فتح مکہ کے وقت چاہتا تھا کہ ایران بھاگ جائے مگر قدرت نے آنحضرتؐ کی طرف رُخ کردیا۔ سامنے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہؐ! ایران بھاگ کر جانا چاہتا تھا کہ آپؐ کا اخلاق و کرم یاد آگیا اس لئے معافی چاہتا ہوں اور اسلام قبول کرتا ہوں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے کرم جوش پر آیا اور فرمایا۔ ہبار! میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ (اصابہ فی احوال الصحابہ)

ایک مرتبہ چند یہودی آپؐ کی خدمت میں آئے اور السلام علیکم کی جگہ السام علیکم کہا یعنی تمہارے اوپر موت طاری ہو، حضرت عائشہؓ نے سنا تو یہود کو بڑا سخت جواب دیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے ان کو سختی سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا۔ عائشہؓ! بدزبانی مت کرو، نرمی سے پیش آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا، آپؐ دیکھنے کو گئے اور پھر اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے باپ کی طرف دیکھا، باپ نے کہا یہ ٹھیک کہتے ہیں لڑکا مسلمان ہوگیا

ایک مرتبہ راستہ پر ایک یہودی کا جنازہ جارہا تھا، آپؐ نے دیکھا تو کھڑے ہوگئے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ یہودی کا جنازہ ہے، فرمایا کیا ہوا انسان تو تھا

نصاریٰ کا وفد نجران سے حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے ان کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا اور اجازت دی کہ وہ اپنے طریقہ پر عبادت بھی کرسکتے ہیں ساتھ ہی ان کی مہمان نوازی بھی بذاتِ خود فرمائی۔

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے جنگ احد کے موقعہ پر کتنا

بڑا دھوکہ دیا اور اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس میدان سے آ گیا، اس خیال سے کہ آپؐ کی طاقت کمزور ہو جائے اور مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں مگر آپؐ نے معاف کر دیا اور جب وہ مرا تو اپنا کرتہ کفن کے لئے عنایت فرمایا۔

(بخاری، مسلم، زاد المعاد)

ابوسفیان کی اسلام دشمنی ایک مسلم حقیقت ہے، ابتداء سے لے کر فتح مکہ تک وہ کسی موقعہ پر نہیں چوکے مگر فتح مکہ کے دن صرف ان کے قصور ہی کو معاف نہیں کیا بلکہ فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا اسے امن ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

کفار مکہ عداوت میں آپؐ کو محمدؐ نہیں کہتے تھے بلکہ مذمم کہتے تھے یعنی ذلیل و حقیر، صحابہ کو ناگوار ہوتا تھا تو آپؐ فرماتے تھے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ ان گالیوں کو کس طرح لوٹا دیتا ہے، وہ تو مذمم کو برا کہتے اور لعنت بھیجتے ہیں اور میں تو محمدؐ ہوں۔

زید بن سعنہ نے یہودیت کے زمانہ میں آنحضرتؐ کو قرض دیا تھا، تقاضا کو آئے تو چادر پکڑ کر بہت برا بھلا کہا کہ یہ عبد المطلب کی اولاد ایسا ہی کیا کرتی ہے حضرت عمرؓ نے اسے ڈانٹا تو آنحضرتؐ نے فرمایا عمرؓ! تم سے تو یہ امید تھی کہ تم اسے نرمی سے تقاضہ کرنے کو کہتے اور مجھ سے کہتے کہ اس کا قرض دیدو، خیر جاؤ اس کا قرض ادا کر دو اور اصل سے بیس صاع زیادہ دیدو۔

فرات بن حیان کو ابوسفیان نے جاسوسی پر مقرر کیا تھا۔ نیز وہ اچھا شاعر بھی تھا اور اسلام کے خلاف اپنی شاعری سے خوب آگ لگایا کرتا تھا جب گرفتار

ہو کر سامنے آیا تو اس کے قتل کا حکم دیا۔ سلمان لے جانے لگے تو کہنے لگا میں مسلمان ہوں آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا، اچھا میں اس کے ایمان کا حال اسی پر چھوڑتا ہوں اور معاف کر دیا۔ (بخاری، ابو داؤد، بیہقی)

وحشی کو معافی

جنگ احد کا مشہور واقعہ ہے کہ وحشی نے آنحضرتؐ کے محبوب چچا حضرت امیر حمزہؓ کو ہندہ کے کہنے پر شہید کیا تھا ہندہ نے ان کی لاش کو بگاڑا تھا فتح مکہ کے بعد وحشی طائف بھاگ کر گیا مگر وہاں بھی امان نہ ملا، آخر طائف سے مدینہ آیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور چچا کی شہادت کا منظر سامنے آگیا مگر اس کے باوجود آپؐ نے وحشی سے کوئی تعرض نہیں کیا اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا اور ارشاد فرمایا، جاؤ مگر میرے سامنے مت آیا کرو کیونکہ تم کو دیکھ کر مجھے اپنے چچا یاد آجاتے ہیں (بخاری)

قانون کی پابندی

صحیح بخاری کتاب الحدود میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ عورت چونکہ قریش کی رشتہ دار تھی اس لئے لوگ چاہتے تھے کہ اس کو سزا نہ دی جائے ورنہ قریش کی عزت پر بٹہ لگے گا۔ کچھ لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو مجبور کیا کہ وہ آنحضرتؐ سے سفارش کریں اور عورت کو چھوڑ دیا جائے، حضرت اسامہؓ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ! لوگوں کا مطالبہ ہے کہ عورت کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ یہ قریش کی معززہ ہے، آپؐ اس

درخواست کو سن کر غضب ناک ہو گئے اور ارشاد فرمایا، کیا تم کو نہیں معلوم کہ بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ وہ غریبوں کو سزا دیتے تھے اور مالداروں اور معزز گھرانے کے لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔

خیبر کے موقعہ پر جب یہود سے صلح ہو گئی تو وہاں کی زمین مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دی گئی، ایک مرتبہ عبداللہ بن سہیلؓ اپنی بٹائی کے حصہ کو لینے گئے ان کے چچیرے بھائی محیصہؓ ساتھ تھے۔ عبداللہ خیبر میں ایک تنگ گلی سے گذر رہے تھے کہ یہود نے ان کو قتل کر کے ایک غار میں پھینک دیا۔ محیصہؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہود نے ان کو قتل کیا ہے کہنے لگے میں نے آنکھ سے نہیں دیکھا، آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اچھا یہود سے حلف اٹھوایا جائے محیصہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ تو سو مرتبہ جھوٹا حلف اٹھا سکتے ہیں۔ اگرچہ خیبر میں صرف یہود ہی آباد تھے اور بلاشبہ یہ انہیں کا فعل تھا مگر عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے یہود سے کچھ نہ کہا اور بیت المال سے سو اونٹ خون بہا کے دلوا دیئے (نسائی)

شانِ فیاضی

آنحضرتؐ کی ذات جود و سخا کا سرچشمہ تھی کوئی شخص کبھی محروم نہ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے مگر تم میرے ساتھ آؤ۔ آپؐ سائل کو لے کر چلے تا کہ کہیں سے اس کو دلا دیں۔ حضرت عمرؓ بھی ہمراہ تھے کہنے لگے، جب آپؐ کے پاس نہیں ہے تو پھر آپؐ کیوں زحمت اٹھاتے ہیں کوئی مجبوری نہیں ہے۔ ایک دوسرے مسلمان

کہنے لگے۔ یا رسول اللہؐ! آپ دیجیے مالک عرش آپؐ کو کبھی محتاج نہ بنائے گا، آپؐ اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ آپؐ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمکنے لگا۔ (مسلم)

اس شانِ فیاضی نے لوگوں کو اتنی ہمت دلا دی تھی کہ وہ کسی حال میں سوال کرنے سے گھبراتے نہیں تھے۔ ایک مرتبہ عین اس وقت جب کہ آپؐ نماز شروع کرنا چاہتے تھے کہ ایک غریب بدو نے آکر دامن تھام لیا اور کہا میرا ایک کام رکا ہوا ہے پہلے اسے کر دیجیے۔ آپؐ اس کے ہمراہ ہو گئے اور اس کا کام کر کے واپس آئے پھر نماز پڑھی مزاج اقدس کی یہ کیفیت تھی کہ اگر خانہ نبوتؐ میں کوئی چیز ہوتی تو جب تک آپؐ اسے خرچ نہیں کر دیتے تھے اطمینان نہیں ہوتا تھا ایک مرتبہ آپؐ گھر میں تشریف لائے، چہرہ پر تشویش کے آثار نمایاں تھے حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ کیا بات ہے مزاج کیسا ہے، فرمایا۔ کل جو سات درہم آئے تھے وہ بستر پر ہی پڑے رہ گئے اور مستحقین تک نہیں پہونچ سکے۔

حضرت ابوذرؓ سے ایک مرتبہ راستہ میں چلتے ہوئے فرمایا۔ ابوذرؓ! اگر جبل احد بھی میرے لئے سونا بنجائے تو میں اس بات کو پسند نہیں کروں گا کہ وہ میرے پاس تین دن سے زیادہ رہے البتہ قرض ادا کرنے کے لئے باقی چھوڑ سکتا ہوں۔

ایک مرتبہ کافی مقدار میں غلہ خانہ نبوت میں آیا، آپؐ نے حضرت بلالؓ کو تقسیم کرنے کا حکم دیا حضرت بلالؓ نے واپس آکر عرض کیا کہ میں نے تقسیم کر دیا ہے مگر سائل نہ ہونے کی وجہ سے کچھ بچ رہا ہے، فرمایا میں اس وقت تک گھر میں نہیں جاؤنگا جب تک یہ سب تقسیم نہیں ہو جائے گا، چنانچہ یہ رات آپؐ نے مسجد میں گذاری

صبح کو گھر میں تشریف لے گئے (بخاری، ابو داؤد، مسند امام حنبل)

سادگی و قناعت

مزاج مبارک میں یہ اوصاف اس درجہ موجود تھے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ باوجود یکہ آپؐ کو ہر قسم کی سہولتیں مہیا تھیں۔ چاہتے تو بڑے عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے مگر ہمیشہ سادگی و قناعت کو پسند فرمایا۔ مکان، لباس غذا اور گھر کے کسی سامان میں کبھی آرائش اور تکلف اور دکھاوے کو قریب نہیں آنے دیا، انسانی زندگی کے لئے آپؐ کی ذات کی یہ صفات ایک ایسا نمونہ ہیں کہ اگر انسان ان کو اپنائے اور عمل کرے تو موجودہ زندگی کی بے شمار الجھنوں سے نجات مل سکتی ہے۔

آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے، ایک بیوی کے لئے، ایک مہمان کے لئے کافی ہے، چوتھا بستر شیطان کا حصہ ہے' ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آئے تو چھت پر چھت گیری لگی ہوئی دیکھی تو اسی وقت اتروائی اور فرمایا کہ دولت اس لئے نہیں ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو ارشاد فرمایا۔ کیا تم کو یہ بات اچھی لگے گی کہ لوگ اس ہار کو دیکھ کر کہیں کہ نبیؐ کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔

ایک مرتبہ ایک بہترین حلہ بک رہا تھا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے خرید لیا جائے تاکہ جمعہ عیدین اور سفراء کی آمد کے موقعہ پر استعمال فرمائیں آپؐ نے فرمایا۔ یہ تو اس کو استعمال کرنا چاہیے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ ایک مرتبہ ایک قیمتی شال کا تحفہ آیا۔ پہنا اور نماز کے بعد اتار کر فرمایا۔ یہ مجھ کو غافل

کے لئے ایسا لباس پہننا مناسب نہیں ہے۔

ایک مرتبہ مدینہ کے ایک انصاری نے مکان بنوایا۔ سامنے کے رُخ پر ایک گنبد تعمیر کرایا جو دیکھنے میں بڑا شاندار معلوم ہوتا تھا۔ آپؐ کا گذر ہوا تو دریافت کیا کہ یہ کس نے بنایا ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو آپؐ خاموش ہو گئے پھر وہ حسب دستور حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ گنبد ناراضی کی وجہ ہے گھر گئے اور گنبد کو زمین کے برابر کر دیا آنحضرت صلعم دوبارہ ادھر گئے تو گنبد کو گرا ہوا دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ ضروری عمارت کے علاوہ ہر تعمیر وبال جان ہے۔ (نسائی، ابوداؤد)

ناپسندیدہ زندگی

گوشہ گیری، ترک دنیا اور اس قسم کی بے تعلق زندگی کو آپؐ بہت ناپسند فرماتے تھے۔ ہمیشہ لوگوں کو شادی کرنے، کاروبار کرنے اور دنیا کی جدوجہد میں حصہ لینے کی تاکید فرماتے تھے بعض مسلمان عیسائیوں کی صحبت کے اثر سے رہبانیت کی طرف جھکنے لگے تھے آپؐ نے ان کو اس سے باز رکھا۔

عبداللہ بن عمرؓ کے مزاج میں رہبانیت پیدا ہو چلی تھی۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو خود انکے پاس گئے اور فرمایا۔ تمہارے اوپر تمہارے اعضائے جسمانی کے حقوق ہیں بیوی بچوں کے حقوق ہیں۔ لہٰذا مسلسل روزہ مت رکھو، مہینہ میں صرف تین روزہ رکھا کرو، اور اگر اس پر بھی رضامند نہیں ہو تو ایک دن روزہ رکھو ایک دن ناغہ کرو۔

ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک صحابی کو ایک غار ایسا نظر آیا کہ جہاں خاموشی، سکون

اور سر سبز درخت اور جڑی بوٹیاں پھول پودے موجود تھے۔ واپس آ کر خدمت مبارک میں کہنے لگے۔ یارسول اللہؐ! مجھے ایک ایسی جگہ مل گئی ہے جہاں ضرورت کی تمام چیزیں اور دل بستگی کے سامان بکثرت پائے جاتے ہیں، آپؐ مجھے اجازت دیجئے کہ میں دنیا کے تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو کر اسی غار میں گوشہ گیر ہو جاؤں آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو سن کر فرمایا۔ میں یہودیت یا نصرانیت لے کر اس دنیا میں نہیں آیا ہوں، میں آسان، سہل اور آرام دہ ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔ (مسند امام حنبل)

پسندیدہ عادتیں

اچھی عادت وخصلت کسی میں بھی ہوتی آپؐ کو اچھی معلوم ہوتی۔ خود بھی حد درجہ نفاست پسند مزاج کے مالک تھے اس لئے جب بھی صاف ستھرا لباس پہنے دیکھتے بہت مسرور ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ اپنے کپڑے دھو لیا کرو (ابو داؤد) خوشبو سے آپؐ بہت مانوس تھے، کبھی کبھی مجلس میں خوشبو دار انگیٹھیاں جلائی جاتیں جن میں عود، اگر اور کافور وغیرہ جلایا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص خوشبو پیش کرتا تو فوراً قبول فرماتے تھے۔

مکانوں اور مسجدوں کی دیواروں پر تھوکنے کو بہت برا خیال کرتے تھے۔ اگر کوئی دھبہ نظر پڑتا تو لکڑی سے کھرچ دیا کرتے تھے۔ ایک انصاری عورت کو دیکھا کہ وہ دیوار کے دھبے کو مٹا کر خوشبو مل رہی تھی آپؐ بہت خوش ہوئے اور تحسین فرمائی۔ پریشان بالوں والے کو دیکھ کر فرماتے۔ تم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے بال

درست کر لو۔ ادنی کپڑا پسینہ سے بھیگ کر بدبو پیدا کرتا تھا اس لئے اس کا استعمال چھوڑ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ غسل کا ارادہ فرماتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر وضو کرتے پھر اپنے بالوں کو پانی سے تر کرتے اس کے بعد جسم کو ملتے اور ۳ مرتبہ پانی بہاتے ۔ (بخاری)

آپؐ کے سر کے بال کبھی منتشر نہیں رہے، ہمیشہ تیل ڈالتے، کنگھا کرتے، مانگ نکالتے اور کبھی گوند کا پانی لگا کر بالوں کو جما لیا کرتے تھے (مشکوٰۃ)

ایسی اشیاء جن کے کھانے کے بعد منہ سے بدبو آئے آپؐ ناپسند فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص یہ چیزیں مثلاً پیاز لہسن اور مولی وغیرہ کھا کر مسجد میں آتا تھا تو آپؐ فرماتے تھے کہ اس کو بقیع میں پہنچا دو۔ (نسائی)

ہر کام کو داہنے ہاتھ سے اور داہنی طرف سے کرنا پسند فرماتے تھے۔ جوتا پہنتے تو پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے داہنا قدم رکھتے اگر کوئی چیز تقسیم ہوتی تو داہنی طرف سے شروع کی جاتی اور ہر کام کے لئے پہلے بسم اللہ کہا کرتے تھے ۔

یہ عادات جن میں بھی دیکھتے ان کو محبت کی نظر سے دیکھتے اور خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! جب ہم آپؐ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو دنیا نظروں میں ہیچ معلوم ہوتی ہے مگر جب بال بچوں میں جاتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا، اگر تم ایک حال پر قائم رہتے تو فرشتے تمہاری زیارت کے لئے آتے۔ (ترمذی)

غرور، تکبر، تمکنت، تصنع کو آپ سخت ناپسند فرماتے تھے، عاجزی، انکسار،

ایثار اور خدمتِ خلق آپؐ کی پسندیدہ عادتیں تھیں۔

آخری نصائح

زمانۂ علالت میں بھی آپؐ مسلمانوں کو نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی نعمتوں کو چاہے قبول کرے یا آخرت میں جو چاہے وہ لے لے مگر اس بندے نے خدا کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔ ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے بہت سی قومیں اس وجہ سے تباہ ہو گئیں کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا۔ دیکھو تم ایسا مت کرنا میں تم کو منع کئے جاتا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیزیں حلال کی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہیں اور وہی حرام کی ہیں جو اس نے حرام فرمائی ہیں پھر فرمایا اے میری بیٹی فاطمہؓ! اور اے میری پھوپھی صفیہؓ! اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے لئے کچھ سامان کر لو۔ میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا۔

عین حالتِ نزع میں ارشاد فرمایا۔ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا، جاؤ وہ اشرفیاں خیرات کر دو۔ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر نہیں ملنا چاہتا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آخر وقت میں آپؐ کا چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی مصحف کا سفید ورق ہے۔ مرض کا اشتداد بڑھتا جاتا تھا، چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے کبھی گھبرا کر الٹ دیتے تھے (بخاری، مسلم، ابن سعد، مسند ابن حنبل)

آخری کلمات: جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا تھا کمزوری اور بےچینی

بڑھتی جاتی تھی، حضرت فاطمہؓ پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اس بے چینی کو دیکھ کر بے اختیار بول اٹھیں "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی۔ آپؐ نے آواز سن کر آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "آج کے بعد یہ بے چینی کبھی نہیں ہوگی"۔ زبانِ مبارک سے کبھی انعم اللہ علیہم اور کبھی اللھم فی الرفیق الاعلیٰ وفات شریف سے ذرا پہلے عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے ہاتھ میں مسواک دیکھی جسے لے کر اپنے دانتوں پر پھرایا۔ سینے میں سانس کی گھرگھراہٹ سنی جارہی تھی اور یہ الفاظ منہ سے ادا ہو رہے تھے الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم یعنی نماز اور غلام (ابن ماجہ) سانسوں کی آخری آمد و رفت کے ساتھ سیدھے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا اور تین مرتبہ فرمایا۔

بل الرفیق الاعلیٰ۔ بل الرفیق الاعلیٰ۔ بل الرفیق الاعلیٰ

اب اور کوئی نہیں بس وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

اس کے بعد آنکھیں چھت کی طرف اٹھنے لگیں اور روح مبارک عالم اقدس کو پرواز کر گئی

اللھم صل وسلم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ دائماً ابداً ابداً

تعلیمات و ہدایات

اگرچہ شروع سے آخر تک واقعات کے ضمن میں ارشادات نبویؐ کا ایک بڑا حصہ حوالۂ قلم کیا گیا ہے تاہم ترتیب و تبریک کے خیال سے اس آخری باب میں ہدایات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اہم گوشوں کو پیش کیا جارہا ہے، تاکہ قارئین کو مزید استفادہ کا موقع ملے اور تاریخ و سیرت کا یہ مرقع ہر اعتبار سے زندگی کے لئے مفید ثابت ہو۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اللہ کو اپنا رب اسلام

کو اپنا دین اور محمدؐ کو اپنا رسول مان لیا وہ ایمان دار ہے۔ (مسلم)

(۲) جو شخص امین، دیانت دار اور عہد کا پابند نہ ہو وہ پورا مسلمان نہیں ہے (مشکوٰۃ)

(۳) منافق کی چار علامتیں ہیں۔ امانت میں خیانت، ۲ گفتگو میں جھوٹ ۳ عہد کر کے توڑ دینا، ۴ لڑائی کے وقت گالیاں بکنا (مسلم)

(۴) دو آدمیوں پر حسد کرنا جائز ہے، ایک اس پر جس کے پاس مال ہے اور وہ اس کو صحیح طریقہ پر خرچ کرتا ہے۔ دوسرے وہ جس کو خدا نے علم دیا ہے اور وہ اس کے مطابق لوگوں کو حکم کرتا ہے (بخاری)

(۵) وہ علم جس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے اس خزانہ کے مانند ہے کہ جس میں سے اللہ کے راستہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے (مشکوٰۃ)

(۶) دین ایک آسان چیز ہے، جو شخص اس میں سختی کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے، لہذا اعتدال سے کام کرو، قوت کے موافق عمل کرو۔ خوش رہو۔ صبح شام اور رات کے کچھ حصہ میں اللہ سے مدد طلب کرو۔ (بخاری)

(۷) جو آدمی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر فروخت کرے اور اللہ تعالیٰ سے عزت و آبرو کا طالب رہے وہ بھیک مانگنے والے سے بہتر ہے (مسلم)

(۸) سب سے بُرا آدمی وہ ہے جو خدا کے نام پر بھیک مانگتا ہے اور اسے نہیں ملتی (مسلم)

(۹) قرآن مجید کو اس وقت تک پڑھو جب تک دل لگا رہے اور جب طبیعت گھبرا جائے تو بند کر دو۔ (بخاری)

(۱۰) جو شخص عیب دار چیز کو فروخت کرے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے وہ

ہمیشہ غضب الٰہی میں رہتا ہے اور فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

(۱۱) جو شخص کسی سے قرض لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھے تو اللہ تعالیٰ ادا کرا دیتا ہے اور اس نیت سے لے کہ ادا نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے۔ (بخاری)

(۱۲) بہترین شادی وہ ہے جس میں مہر کم ہو اور عورت اپنی فرمائشات سے شوہر کو پریشان نہ کرے بلکہ جو مل جائے اس پر قانع رہے (مشکوٰۃ)

(۱۳) جس عورت سے تم نکاح کرنا چاہتے ہو اگر ممکن ہو تو اسے ایک نظر دیکھ بھی لو، تاکہ اس کی جسمانی حالت کا اندازہ ہو جائے (مشکوٰۃ)

(۱۴) عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظروں میں بہت خوب صورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ (ترمذی)

(۱۵) چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس کو وہ مل جائیں گویا دین و دنیا کی بھلائی اس کو مل گئی ایک شکر گزار دل، دوسرے اللہ کو یاد کرنے والی زبان، تیسرے بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چوتھے وہ عورت جو اپنی ذات سے بدچلن نہ ہو اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے (مشکوٰۃ)

(۱۶) سب مسلمان خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، عالم ہوں یا جاہل، قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ اگر کوئی معمولی مسلمان بھی کسی سے عہد کرے تو اس کی پابندی کرنا چاہیئے اگر کسی دور کے رہنے والے مسلمان نے کوئی معاہدہ کیا تو اس کو توڑا نہ جائے۔ تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک متحدہ جماعت کا حکم رکھتے ہیں۔ خبردار! کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل مت کرنا اور نہ اس کو قتل کرنا جو اپنے عہد و ضمان میں ہو۔

جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہے ۔ (ابن ماجہ)

(۱۷) جہاں تک ممکن ہو سزا دینے سے مسلمان کو بچاؤ۔ اگر ذرا سا بھی موقع بچاؤ کا نکل آئے تو چھوڑ دو۔ کیونکہ حاکم کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

(۱۸) جو شخص کھانا کھائے اسے چاہیئے کہ اپنے سامنے سے کھائے، درمیان یا دوسرے کنارے سے نہ کھائے (مشکوٰۃ)

(۱۹) آدمی کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کا استقبال گھر کے دروازہ سے باہر نکل کر کرے اور جب رخصت کرے تو گھر کے دروازہ تک پہنچائے ۔ (ابن ماجہ)

(۲۰) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیئے کہ وہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو ۔ (ترمذی)

(۲۱) چھ باتیں بہت پسندیدہ ہیں ۔ جب کوئی مسلمان ملے اس کو سلام کرنا، کوئی مسلمان دعوت کرے تو اُسے قبول کرنا، کسی مسلمان کو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہنا کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جانا، کوئی مسلمان مرجائے تو اس کے جنازہ میں شریک ہونا اور ہر مسلمان کے لئے اس کو پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کرتا ہو (ترمذی)

(۲۲) جب گھر میں آؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب باہر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کر کے جاؤ (مشکوٰۃ)

(۲۳) ایک راستہ پر مردوں اور عورتوں کو مخلوط چلتے ہوئے دیکھ کر عورتوں کو چاہیئے کہ وہ ایک طرف کنارے کنارے چلا کریں ۔ (مشکوٰۃ)

(۲۴) جب کسی کی عیب گیری کا خیال آئے تو اس وقت تم کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ

مجھ میں بھی کچھ عیب موجود ہیں۔ (مشکوٰۃ)

(۲۵) وہ آدمی ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرے یعنی تعصب بہت ہی مذموم عادت ہے (مشکوٰۃ)

(۲۶) تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جس طرح سر میں درد ہوتا ہے تو تمام جسم تکلیف محسوس کرتا ہے (مسلم)

(۲۷) مخلوق اللہ کا کنبہ ہے پس اچھا آدمی وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے (مشکوٰۃ)

(۲۸) جب کوئی انسان کسی انسان سے بھائی چارہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس سے اس کا نام ولدیت سکونت اور قبیلہ بھی دریافت کرے۔ یہ معلومات محبت کو مضبوط کرنے والی ہیں۔ (ترمذی)

(۲۹) آپؐ نے فرمایا۔ دو باتیں مجھ میں ایسی ہیں جن کو خدا پسند فرماتا ہے۔ ایک بردباری دوسرے غور و فکر کے بعد کام کرنا (مسلم)

(۳۰) دو چیزیں ایسی ہیں جن کی لوگ کماحقہ قدر نہیں کرتے ہیں، ایک صحت دوسرے فراغت۔ (بخاری)

(۳۱) آپ نے معراج کی رات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ یہ لوگ آپ کی امت کے خطیب ہیں یعنی واعظ و مقرر و مولوی جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے تھے اور خود بھول جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

تاریخ مصطفےٰ ؐ

(۳۲) آدمی بھی ان سو اونٹوں کے مانند ہے کہ جن میں سواری کے قابل ایک آدھ ہی ہوتا ہے یعنی آدمی تو بہت ہیں مگر کام کے کم ہیں (مسلم)

(۳۳) جو شخص کسی ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے زیادہ مال دار یا شکیل ہو تو چاہیے کہ وہ اس پر بھی نظر ڈالے جو اس سے کم درجہ رکھتا ہو۔ (بخاری)

(۳۴) مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد پھیلانے سے خود کو بچاؤ، کیونکہ یہ کام دین کو تباہ کرنے والا ہے۔

(۳۵) بدگمانی سے بچو یہ بدترین جھوٹی بات ہے کسی کے پوشیدہ حالات معلوم کی کوشش مت کرو، جاسوسی مت کرو کسی کے سودے کو مت بگاڑو۔ آپس میں بغض و حسد مت رکھو۔ غیبت مت کرو اور اللہ کے تمام مسلمان بندے بھائی بن کر زندگی گذارو۔ (مسلم)

(۳۶) تقریر مختصر بہتر ہوتی ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ دوسری روایت ہے کہ شعر ایک قسم کا کلام ہے اچھا کلام اچھا شعر ہے اور برا شعر برا کلام ہے (مشکوٰۃ)

(۳۷) جس شخص کے ساتھ احسان کیا جائے اور وہ اپنے محسن کے حق میں یہ کلمات کہے کہ جَزَاكَ اللهُ خَيْراً تو اس نے اپنے محسن کی پوری تعریف کی (ترمذی)

دعائے اختتام

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اے ہمارے رب! ہماری طرف سے اس کو قبول فرمائیے، بیشک تیری ذات سننے والی اور جاننے والی ہے۔

834

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ

تاریخ مسلمانانِ عالم

جلد دوم

تاریخ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از

مولانا قاری احمد



نور محمد قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی